Revised Edition

January, 2011

ماورٰے

BEYOND VISION

انسان کی طبیعیاتی اور مابعد الطبیعیاتی حقیقت
ازل سے ابد تک سفر کے متعلق سائنسی
تحقیقات، تفصیلی حالات و واقعات

مصنف

اٹامک سائنٹسٹ انجینئر سلطان بشیر محمود (ستارہ امتیاز)

تحریکِ نُور

شاید آپ نے یہ تجزیہ نہ کیا ہو کہ قیامت سے پیشتر آنے والے واقعات جن کی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیشگوئی کی تھی ان میں سے تقریباً ستر اسی (80-70) فیصد پورے ہو چکے ہیں ۔اس کا یہ مطلب ہے کہ قیامت کا دور شروع ہو چکا ہے ۔ویسے بھی ہر آدمی کی موت اس کیلئے قیامت ہی ہوتی ہے جس کے ساتھ ہی وہ آخرت کے مراحل میں داخل ہو جاتا ہے ۔اسلئے انجام سے ڈرنا وقت کی قدر کرنا اور مستقبل کیلئے کچھ کرنے کا عزم رکھنا بہترین عقلمندی ہے۔

اس پس منظر میں آج انسانیت کی سب سے بڑی خدمت یہ ہوگی کہ اسے جہنم سے بچالیا جائے جس کے لئے ضروری ہے کہ اسلام کی بات کو پھیلایا جائے ۔چونکہ لوگوں کے پاس وقت نہیں اور وہ وعظ و نصیحت کو بھی پسند نہیں کرتے اس لئے مناسب طریقہ یہ ہے کہ کتاب کے ذریعہ خواہ وہ کاغذ پر ہو یا کمپیوٹر پر لوگوں تک اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات کو مسلسل پہنچاتے رہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ۔ (الرعد آیت 40)

آپ پر پیغام کو پہنچانا فرض ہے اور ہمارا کام حساب لینا ہے ۔ (40)13

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ ایک نہایت اہم سنت بھی ہے ۔رسائل کے ذریعہ تبلیغ کا آغاز جناب خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے صلح حدیبیہ کے بعد چھ ہجری میں کیا اور اپنی حیات طیبہ میں 250 سے زیادہ خطوط اس وقت کی اہم شخصیات کو اللہ کی طرف بلانے کے لئے لکھے (حوالہ خطبات بہاولپور رحمہ اللہ)۔افسوس کہ آج کے مسلمان نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس اہم سنت کو نظر انداز کئے ہوئے ہیں جبکہ عیسائی مشنریاں اس طریقہ کو اپنا کر دنیا میں مغربی تہذیب کو عیسائیت کے نام پر پھیلا رہی ہیں ۔خصوصاً 9/11 کے بعد ان کوششوں میں بے پناہ اضافہ ہو گیا ہے ۔آج جس مقام پر دنیا کھڑی ہے اور اسلام کے خلاف سازش پر سازش ہو رہی ہے۔اس کے پیش نظر اس وقت ہر مسلمان مرد و عورت پر یہ کام مانند جہاد واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پیغام کو ہر فرد واحد تک پہنچا دیا جائے اور فرقہ بندی سے بالاتر سائنٹیفک انداز میں دین فطرت کے مختلف پہلوؤں کو سمجھ اور سمجھانے کے لئے تحقیق کی جائے ۔تحریکِ نور کا یہی مقصد ہے تا کہ علمی طریقوں سے اسلام کا پیغام دُنیا کے کونے کونے تک پہنچایا جا سکے۔

اس کام کو آسان بنانے کے لئے تحریکِ نور کا ذیلی ادارہ قرآن الحکیم ریسرچ فاؤنڈیشن ،اسلام آباد 1986ء سے سائنسی انداز میں عمیق تحقیق اور دورِ حاضر کے انسان کی سائیکی اور ضرورت کو سامنے رکھ کر سائنس اور قرآن پاک کے حوالہ سے تحقیق و تصنیف کے کام میں مصروف ہے ۔یہ تصنیفات جدید دور کے تقاضوں کو بھی پورا کرتی ہے ۔انہیں خود پڑھیں، دوسروں کو پڑھائیں اور گفٹ کے طور پر آگے پیش کریں ۔اگر آپ بزنس مین یا فیکٹری کے مالک ہیں تو اپنے ملازمین میں بانٹیں، دوستوں کو دیں اور غیر مسلموں کو بھی تحفہ میں بھیجیں تا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے پیغام کو حکمت و دانش کے ذریعہ دُنیا کے سامنے پہنچانے کی ذمہ داری کو پورا کر سکیں ۔یہ فرض عین بھی ہے اور بہترین صدقہ جاریہ بھی (انشاء اللہ)۔

دار الحکمت انٹرنیشنل

60-C، ناظم الدین روڈ، F-8/4، اسلام آباد Tel:2264102-2260001

Web:- www.darulhikmat.com E-mail:- sbmahmood1213@yahoo.com , sbm@darulhikmat.com

Revised Edition
January, 2011

ماورئے

BEYOND VISION

انسان کی طبیعیاتی اور مابعد الطبیعیاتی حقیقت
ازل سے ابدتک سفر کے متعلق سائنسی
تحقیقات، تفصیلی حالات و واقعات

مصنف

اٹامک سائنٹسٹ انجینئر سلطان بشیر محمود (ستارہ امتیاز)
(سابق) ڈائریکٹر جنرل پاکستان اٹامک انرجی کمیشن
اسلام آباد

کتاب	ماورے		
مصنف	سلطان بشیر محمود (ستارہ امتیاز)		
پبلشر	دارالحکمت انٹرنیشنل 60-A، ناظم الدین روڈ، F-8/4، اسلام آباد		
	Tel: 2264102-2282058		
ای میل ایڈریس	sbmahmood1213@yahoo.com		
ویب سائٹ	www.darulhikmat.com		
کمپیوٹر کمپوزر	حافظ محمد ندیم فاروقی ۔ملک وقار حسین ۔شبانہ شاکر		
پہلا ایڈیشن	اکتوبر 2006	تعداد	2000
دوسرا ایڈیشن	جنوری 2008	تعداد	2000
تیسرا ترمیم شدہ ایڈیشن	اگست 2009	تعداد	1000
چوتھا ترمیمی ایڈیشن	دسمبر 2010	تعداد	1000
پرنٹر:			
قیمت	(پاکستان میں) 500 روپے		
بیرونی ممالک	دس ڈالر ($10) علاوہ ڈاک خرچ		

ہر قسم کے جملہ حقوق بحق مصنف **سلطان بشیر محمود** (ستارہ امتیاز) محفوظ ہیں۔
کسی ادارہ یا فرد/افراد کو مصنف کی تحریری اجازت کے بغیر کتاب یا اس کے کسی حصہ کو
کسی بھی طرح چھاپنے، کاپی کرنے یا محفوظ کرنے کی اجازت نہیں۔

انتساب

بی بی جی مرحومہ کے نام

اِنَّالِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ

بے شک ہم اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہیں اور

ہم اسی کی طرف واپس جانے والے ہیں۔

پیش لفظ

یہ کتاب انسان کی اپنی حقیقت کے بارے میں بہت سے الجھے ہوئے سوالوں کا روحانی اور سائنسی جواب فراہم کرتی ہے جن کی تلاش میں مذاہب عالم اور سائنس صدیوں سے سرگرداں ہیں۔ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس مسئلہ پر سائنس اور مذہب کے درمیان مفاہمت ناممکن ہے۔ مذہبی روایات اس بات پر مصر ہیں کہ انسان آسمانوں میں کسی جنت میں بنایا گیا تھا اور وہاں سے ایک خاص غلطی کا خمیازہ بھگتنے کے لئے زمین پر امتحان یا سزا کے طور پر بھیج دیا گیا ہے۔ جب کہ سائنسی حلقے اس بات پر ڈٹے ہوئے ہیں کہ انسان حیوانات میں سے ایک حیوان ہے جو حالات اور وقت کے دھارے پر ارتقاء کی منازل طے کرتے ہوئے یہاں تک پہنچ گیا ہے۔ یوں تخلیقات میں اس کی کوئی خصوصی روحانی حیثیت نہیں بلکہ وہ محض ارتقاء کا ایک پھل ہے، جیسے بن مانس، ہاتھی، گھوڑا، سانپ وغیرہ اپنی نوعیت کے ارتقاء کا نتیجہ ہیں۔ یوں ارتقاء (Evolution) کے پجاریوں کے نزدیک انسان کی پیدائش کسی طرح بھی خصوصی نہیں اور نہ ہی اس میں کسی **ماورے** خدائی طاقت کا دخل ہے۔

اس طرح مذہبی اور سائنسی حلقے دونوں ہی انتہائی متضاد نظریات کے ساتھ باہمی جنگ وجدل میں صدیوں سے برسر پیکار ہیں۔ یہ کتاب اصل حقیقت کو واضح کرنے کی طرف ایک نہایت اہم قدم ہے کہ انسان کا **ماورے** وجود روحانی ہے اور اس کا جسمانی وجود طبیعیاتی ہے۔ انشاءاللہ اُمید کی جا سکتی ہے کہ یہ کتاب سائنس اور مذہب کے درمیان انسان کے بارے میں نظریاتی انتشار کو ختم کرنے میں معاون ہوگی۔ خاص طور پر بیالوجی کے طلبہ جو سکولوں اور کالجوں میں پڑھائی جانے والی تھیوری اور گھر میں مذہبی روایات کے درمیان تضادات سے پریشان ہیں ان کے لئے یہ کتاب روشنی کا مینار ہے۔ غرض یہ کتاب زمان ومکان میں ہر انسان کی اپنی کہانی ہے جسے اگر سمجھ لیں تو زندگی کا سفر بہت آسان رہے گا۔

اس کتاب کی تحقیق اور تشکیل میں مجھے تقریباً دس سال لگ گئے۔ ان دس سالوں میں جن علمی ماخذوں سے میں نے فائدہ اُٹھایا ان کی لسٹ اس کے آخر میں دی جاری ہے۔ میں ان تمام علماء کا تہہ دل سے شکر گذار ہوں اور رب العالمین سے ان کے لئے جزائے خیر کی دعا کرتا ہوں کتاب کی پروف ریڈنگ میں جناب طارق مسعود صاحب، محمد اسلم صاحب، منیر احمد جوندا صاحب اور حاجی رضا صاحب نے بڑی مدد کی۔ اس سلسلہ میں خاص طور پر پروفیسر نوید اظہر کا ذکر کروں گا جنھوں نے کئی جگہ زبان دانی کی اغلاط کو دور کرنے میں میری مدد کی۔ اللہ تعالیٰ ان سب اصحاب کی اس سعائی حسنہ کو قبول فرمائے۔ آمین

سلطان بشیر محمود

جنوری 2011

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر	نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
حصہ اول	**انسان کی طبیعیاتی اور ماورائی حقیقت**	**17**	4.4	قرآن پاک میں انسانی تخلیق کی کہانی	39
باب نمبر 1	**انسان کیا ہے؟ مختلف نظریات**	**19**	**باب نمبر 5**	**حضرت آدم علیہ السلام اور انسان کا ظہور اوّل**	**43**
1.0	تعارف	19	5.1	انسانی شخصیت	43
1.1	انسان اور حیوان میں فرق	20	5.2	انسان کی تخلیق کے مختلف مدارج	44
1.2	فلاسفرز کے نظریات	20	5.3	آدم علیہ السلام کی علمی فضیلت	47
1.3	ڈارون کا انسان	22	5.4	نظریہ ہبوط حضرت آدم علیہ السلام	50
1.4	انسان کتنا قدیم؟	23	**باب نمبر 6**	**حضرت آدم علیہ السلام کا زمین پر ظہور**	**53**
1.5	جدید انسان	24	6.1	انسان کی کہانی بہت قدیم ہے	53
باب نمبر 2	**انسانی ارتقاء کی سائنسی کہانی**	**27**	6.2	انسان کی تخلیق کے تین ادوار کی ایک تکنیکی مثال	55
2.0	تعارف	27	6.3	زمین پر انسان کی ابتداء	56
	اصلاح زمین اور انسان کے ظہور کی تیاریاں	31	6.4	انسانی ارتقاء کی ابتدائی منازل	57
باب نمبر 3	**ڈارون کے نظریہ ارتقاء اور اسلامی نظریہ ارتقاء میں فرق**	**33**	6.5	انسانی حیات کے مختلف ادوار	59
3.1	ڈارون کا ارتقائی مسئلہ اور انسانی استحصال	33	6.6	آدمی کا ارتقاء خصوصی تھا	61
3.2	مسلمان مفکر اور مسئلہ ارتقاء	34	6.7	ظہور آدم اور باغی جینز (Mutant Genes) کا نظریہ	62
باب نمبر 4	**قرآن کا انسان (ولقد کرمنا بنی آدم)**	**37**	6.8	پہلے انسان نما حیوانوں کا کیا بنا؟	66
4.0	تعارف	37	6.9	کیا ہم سے پہلے بھی زمین پر انسان تھے؟	67
4.1	انسان بزرگ ترین ہے	37			
4.2	انسان خالق کائنات کا مظہر ہے	38	**باب نمبر 7**	**حضرت آدم علیہ السلام کی نشوونما کے مختلف مدارج اور انسانی شخصیت کے روحانی پہلو**	**69**
4.3	ایک بے مثل ڈیزائن	39	7.1	نفس آدمی کا امتیازی وصف ہے	72

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
7.2	نفس کی ترقی کے مدارج	74
7.3	حضرت آدم علیہ السلام زمین پر اللہ تعالیٰ کے نائب	75
7.4	علم اور روحانی وجدان	76
7.5	ضمیر	77
7.6	شعور و اختیار	78
7.7	انسانی اور حیوانی قدریں	79
حصہ دوم	**انسان کی شخصیت کے کچھ ماورائی پہلو**	**81**
	تعارف	83
باب نمبر 8	**انسان کی ماورائی شخصیت روح، نفس اور زندگی**	**85**
8.1	روحوں پر سائنسی تحقیقات	86
8.2	آزمائش اور اس کی ضرورت	89
8.3	روح اور زندگی کا امتیاز	91
8.4	روح اور جان کی نشو و نما	92
باب نمبر 9	**غیر مرئی طاقتیں، انسانی جبر اور مسئلہ تقدیر**	**95**
9.0	تعارف	95
9.1	مشابہ جڑواں بچوں کا مسئلہ (Identical Twins Case) اور ٹیلی پیتھی	96
9.2	مسئلہ تقدیر اور اختیار	97
9.3	سائنس اور مسئلہ جبر و قدر	98
9.4	حیرت انگیز نتائج	99
9.5	جین کیسے کام کرتے ہیں؟	100
9.6	تقدیر اور اختیار کا استعمال	101
باب نمبر 10	**وقت، واقعات اور کشف**	**103**
10.1	واقعات اور ان کا ظہور	103
10.2	خواب اور خوابوں کی حقیقت	104
10.3	خواب اور سائنسی تحقیق	106
10.4	کشف اور آدمی کی چوتھی سمت	107
10.5	مستقبل بینی	109
باب نمبر 11	**خیال کی قوت اور سی آئی اے کا حیرت انگیز روحانی جاسوسی نظام**	**111**
11.0	تعارف	111
11.1	CIA کا روحانی جاسوسی محکمہ	113
11.2	روحانی جاسوسی کے لئے لیبارٹریاں	114
11.3	دشمن روحانی قوتوں سے مزاحمت	115
11.4	روحانی ٹریننگ کا طریقہ	116
11.5	روحانی جاسوسی کے عملی منصوبے	117
11.6	خطرات اور بغاوت	118
11.7	روحانی قوتوں کا بھلائی کے لئے استعمال	120
11.8	روحانی سراغرسانی اور CIA کے بارے میں اس کے مزید تاثرات	120
11.9	انسان صرف جسم ہی نہیں	121

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر	نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
11.10	پس چہ باید کرد	122	13.2	ایمان بالدلائل	144
باب نمبر 11	**زندگی کی طوالت ۔ ڈیزائن لائف اور موت**	**125**	13.3	روح کے متعلق قدیم انسانوں کے نظریات	144
12.1	زندگی کی مدت اور اس کی بقاء	125	13.4	روح اور نفس میں فرق	145
12.2	زندگی کی طوالت اور ڈیزائن لائف	125	13.5	زندگی اور موت کا عمل	145
12.3	جان کی حفاظت اور بقاء	127	13.6	آواگون گمراہ کن نظریہ	147
12.4	زندگی کی مقررہ مدت	128	13.7	روح اور نفس کا سفر	148
12.5	ڈیزائن لائف کی مدت	129	13.8	روح کی حقیقت	150
12.6	زندگی کا بڑھنا اور گھٹنا ﴿قرآنی دلیل اور احادیث سے واقعات﴾	130	13.9	کیا روح کی فطرت توانائی ہے؟	151
12.7	زندگی کی طوالت کا راز اور مقصد حیات	132	13.10	روح اور اللہ تعالیٰ کا نور	152
12.8	موت کا وقت	133	13.11	اعمال جسم اور روح	154
12.9	دعا اور درازی عمر	134	13.12	زندگی اور شعور (Mind) کائنات کی بنیادی اکائی	156
12.10	سکرات موت	135	13.13	جان دار اور بے جان	159
12.11	سکرات موت گناہوں کا کفارہ اور روح کی سربلندی کا ذریعہ	136	13.14	کائنات کی تین بنیادی اکائیاں	159
12.12	الوداعی وقت	137	13.15	جمادات کا شعور (Mind) اور زندگی	161
12.13	نفس کی پرواز	138	13.16	نباتات اور حیوانات کا شعور (Mind) اور زندگی	162
حصہ سوم	**انسان کی ماورائے شخصیت**	**139**	13.17	انسانی، حیوانی، نباتاتی اور جماداتی شعور (Mind) زندگی کے درجات	163
باب نمبر 13	**زندگی، روح اور نفس کے متعلق بنیادی مسائل**	**141**	13.18	روح کی شکل	165
13.0	تعارف	141	13.19	سیل (Cell) انسانی روح کا امین اور کلوننگ سے پیدائش	166
13.1	ایمان بالغیب	142	**باب نمبر 11**	**روحوں پر مغربی سائنسی تحقیقات**	**169**

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر	نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
14.0	تعارف	169	15.9	مردوں کی زندوں سے بات چیت کی کوشش	187
14.1	مغربی دُنیا میں ارواح پر تحقیقات	169	15.10	نفس (Self) کا چیزوں کے اندر سے گزرنا	187
14.2	ریسرچ سوسائیٹیاں اور ادارے	170	15.11	نفس کی کیفیت اور خصوصیات	187
14.3	مغربی تحقیقات کا دائرہ کار اور مقاصد	171	15.12	سپرٹ باڈی (Spirit Body) کی کیفیت	188
14.4	روحوں کو بلانا (The Soul in Human Form)	172	15.13	بصارت کی تیزی	188
14.5	روح کی تصویر کشی کی کوشش (Soul Through Lens)	174	15.14	سننے اور سمجھنے کی حس	189
14.6	مردہ لوگوں کی روحوں کے فوٹو	175	15.15	احساس تنہائی اور خوف	189
14.7	روحوں کا وزن کرنے کے تجربات (Weighing of the Soul)	176	15.16	دوسرے لوگوں سے ملاقات	190
14.8	قریب المرگ لوگوں کے مشاہدات (Visitors to the After-Life)	176	15.17	فرشتہ سے ملاقات	190
14.9	مسلمانوں کی ذمہ داری	180	15.18	نوری ہستی (Light Being) سے ملاقات	191
باب نمبر 15	**ڈاکٹر موڈی کے بعد از موت مشاہدات کا مجموعی تجزیہ**	**183**	15.19	زندگی کی فلم اور نیکی کے اعمال	192
15.0	تعارف	183	15.20	واپسی	193
15.1	عمومی مشاہدہ	184	15.21	دعاؤں کا اثر	194
15.2	خصوصی مشاہدات	185	15.22	زندگیوں پر اثرات	194
15.3	کثیر جہتی دُنیا	185	15.23	خودکشی کرنے والوں کے بعد از موت حالات	195
15.4	جان کنی اور وقت نزع کی تکلیف	185	**باب نمبر 16**	**روح کی خوشبو**	**197**
15.5	سیاہ تاریک راستہ	185	16.0	تعارف	197
15.6	موت کے بعد سکون	186	16.1	روح کی خوشبو	197
15.7	جسم اور ماحول کو دیکھنا	186	16.2	اس روح کی شخصیت	198
15.8	کار کا ایکسیڈنٹ	187	16.3	روح کی خوشبو کے واقعات	200

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
16.4	ذاتی مشاہدات	202
16.5	قبر کے حساب کا ایک عجیب واقعہ	206
16.6	چند سوالات اور تجزیہ	207
16.7	کچھ اور لوگوں کی روحوں کی خوشبو کے واقعات	208
16.8	روح کی خوشبو ﴿احادیث میں سے واقعات﴾	212
باب نمبر 17	**خوش بخت نفوس اور بد بخت بھوت**	**215**
17.1	موت کے بعد نفوس کے مقامات	215
17.2	نفس مطمئنہ	216
17.3	سیدھے دوزخی نفوس	217
17.4	شہداء کی خصوصی زندگی	218
17.5	سوئے ہوئے نفوس	219
17.6	رجال الغیب	219
17.7	بھوت (Ghosts)	220
17.8	بھوتوں کے کچھ واقعات اور ان پر جدید تحقیقات	222
17.9	امریکی تحقیق	223
17.10	بھوت کیا ہیں؟	224
17.11	بھوتوں کی طبیعی ساخت۔ زندگی اور موت میں فرق	225
باب نمبر 18	**بھوت پریت، جنات وغیرہ کا چڑھنا اور ان سے نجات کے طریقے**	**229**
18.1	بھوت چڑھنا اور مسئلہ آواگون	229
18.2	غیر مرئی مخلوقات کا چڑھنا	230
18.3	جنات اور بھوت وغیرہ چڑھنے کے اثرات	231
18.4	جنات یا بھوت وغیرہ کیوں چڑھتے ہیں؟	232
18.5	جنات	232
18.6	بھوت اور جنات کا اتارنا	234
18.7	بھوت کو بھگانے کا طریقہ	235
18.8	جادو کے اثرات	235
باب نمبر 19	**مر کر زندہ ہونے والوں کے مشاہدات اور عالم برزخ کی کیفیات کا اسلامی تجزیہ**	**237**
19.1	اسلامی تجزیہ کیوں ضروری ہے؟	237
19.2	محافظ فرشتے	238
19.3	عارضی موت کے بعد روح کی واپسی	239
19.4	روح کے احساسات	241
19.5	مردوں کے سننے، دیکھنے اور جواب دینے کی صلاحیت	242
19.6	پہلے سے مرے ہوئے لوگوں سے ملاقات	243
19.7	روح نکالنے میں غلطی	244
19.8	جسم اور روح کا تعلق	245
19.9	مُردوں کا خوابوں میں ملنا	246
19.10	برزخ سے روحوں کا خواب میں آ کر ملنا اور پیغام دینا	247
19.11	مسئلہ آواگون اور برزخ	248
19.12	برزخ اور برزخی حیات	250
19.13	برزخی حیات میں داخلہ	250

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر	نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
19.14	برزخی حیات کی تنظیم	251	21.6	موت کا وقت	274
19.15	عالم برزخ مقام اصلاح اور شفاء	252	21.7	بُرے لوگوں کی موت	276
19.16	برزخ کی آزادی	253	21.8	اچھے لوگوں کی موت	277
19.17	روحوں کی ڈیوٹیاں	253	21.9	قبر اور قبر کی زندگی	278
باب نمبر 20	**بعد الموت کی شعوری حالت اور شہداء کے اجسام کا محفوظ رہنا**	**257**	**باب نمبر 22**	**روحوں سے براہ راست یا خواب میں ملاقات**	**283**
20.1	شہداء کا دیکھنا، سننا اور سمجھنا	258	22.0	تعارف	283
20.2	عالم برزخ میں آزادی	258	22.1	روحوں سے ملاقات	283
20.3	موت کے بعد شعور	258	22.2	روحوں سے بات چیت	284
20.4	مردہ کا زندہ کو سننا اور حساب و کتاب	258	22.3	روحوں کا دنیا میں آنا اور عمل دخل	285
20.5	مردوں کی روحوں کا زندہ لوگوں سے ملنا	259	22.4	مُردوں کی توقعات اور ایصال ثواب	286
20.6	قبور میں مردوں کا زندہ لوگوں کو پہچاننا اور سلام کا جواب دینا	259	22.5	روحوں سے ملاقات	286
20.7	موت کے بعد روح جنازہ کے ساتھ ساتھ جاتی ہے	259	22.6	روح اور خواب	287
20.8	نیک آدمی کی روح کا خوشبو دار لباس	259	22.7	خواب میں روحوں سے ملاقات کے کچھ واقعات	289
20.9	دیگر بزرگوں کے واقعات	260	22.8	نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت	291
20.10	شہداء کے اجسام کی حفاظت	261	22.9	صحابہ کرامؓ کی ارواح کا خواب میں واقعہ	292
20.11	جدید دور کے واقعات	262	22.10	کچھ دوسرے لوگوں کے واقعات	292
باب نمبر 21	**حیات بعد الموت اور حالات قبر**	**267**	**باب نمبر 23**	**کامیاب زندگی اور روحانی ارتقاء**	**295**
21.1	خواب اور موت میں مماثلت	267	23.0	تعارف	295
21.2	ہمارے ساتھی فرشتے اور نفس کا نکالا جانا	268	23.1	نفس کا ارتقاء کدھر؟	295
21.3	فرشتے	269	23.2	اس مقصد کو حاصل کرنے کا طریقہ	297
21.4	محافظ فرشتے	270	23.3	ارتقاء کے راستے	297
21.5	اعمال کا ریکارڈ	272	23.4	روحانی ارتقاء میں کوشش کی حقیقت	299

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر	نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
23.5	عبادت اور نفس کا ارتقاء	300	23.9	پہلا امتحان	306
23.6	روح کا ارتقاء اور نیکیوں کا تصور	301	23.10	ارتقائے نفس کے ذرائع	307
23.7	فکر اور روح کا ارتقاء	301		**مصنف کا تعارف اور ذہنی ارتقاء**	**311**
23.8	دنیا ایک آزمائش گاہ	304		**کتابیات اور حوالہ جات**	**321**

حصہ اوّل

انسان کی طبیعاتی اور ماورائی حقیقت

باب نمبر 1 انسان کیا ہے؟ مختلف نظریات
باب نمبر 2 انسانی ارتقاء کی سائنسی کہانی
باب نمبر 3 ڈارون کے نظریہ ارتقاء اور اسلامی نظریہ ارتقاء میں فرق
باب نمبر 4 قرآن کا انسان
باب نمبر 5 حضرت آدم علیہ السلام اور انسان کا ظہور اوّل
باب نمبر 6 حضرت آدم علیہ اسلام کا زمین پر ظہور
باب نمبر 7 حضرت آدم علیہ السلام کی نشونما کے مختلف مدارج اور انسانی شخصیت کے روحانی پہلو

باب نمبر 1

انسان کیا ہے؟ مختلف نظریات

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ o

''بھلا تم کیسے اللہ تعالیٰ کے منکر ہو گئے؟ جبکہ تم مردے تھے، اس نے تمہیں زندہ کیا، پھر وہ تمہیں مارے گا، پھر زندہ کرے گا، پھر تم اسی کے پاس لوٹ کر جاؤ گے''۔ (سورۃ البقرۃ، آیت 28)

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ ۚ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ o

''آپ فرمادیں کہ زمین میں سفر کر کے دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے کیوں کر تمہیں بنایا۔ اور پھر دوسری بار اٹھائے گا۔ بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے''۔ (سورۃ العنکبوت، آیت 20)

1.0 تعارف

قرآن کریم کی مندرجہ بالا آیات انسان کے لئے فکری دعوت ہیں کہ وہ اپنے آپ کو پہچانے۔ آیت مبارکہ (20)29 اس بات کو واضح کرتی ہے کہ زمین کے اندر اتنے شواہد ہیں کہ اگر انسان ان پر غور کرے تو اپنی تخلیق کے آغاز اور انتہا کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہے۔ دراصل انسان اور کائنات کے ماضی، حال اور مستقبل کے حقائق کو سمجھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ سب سے پہلے انسان کو سمجھا جائے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ **من عرف نفسه' فقد عرف ربه**، یعنی ''جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا''۔ اس لئے یہ بات بہت اہم ہے کہ جانا جائے کہ انسان کیا چیز ہے؟ کائنات میں اس کا مقام کیا ہے؟ اور باقی نوع حیوانی کے ساتھ اس کا کیا تعلق ہے؟ کیا حیوانوں کی طرح وہ بھی ایک عام مخلوق ہے یا اس کی علیحدہ کوئی روحانی شخصیت بھی ہے؟ سائنس نے حساب لگایا ہے کہ ایک آدمی 80% پانی 15% ہوا اور 5% مٹی پر مشتمل ہے۔ کیا پانی کے اس مکسچر کی ایسی شخصیت ہے جسے موت فنا نہیں کر سکتی؟ ان سوالوں کے جواب سمجھنے کے لئے ہم اس مقالہ میں سب سے پہلے انسان کے متعلق مختلف مروجہ مذہبی اور سائنسی نظریات کا مختصر جائزہ لیں گے اور پھر دیکھیں گے کہ وہ کون سا نظریہ ہے جو حقیقت کے قریب ترین ہے۔ اس کے بعد روح، زندگی اور موت کے متعلق دوسرے مسائل کو سمجھنے کی کوشش کریں گے۔

1.1 انسان اور حیوان میں فرق

کیا انسان بھی حیوانوں میں سے ایک حیوان، ہے یا ان سے بڑھ کر کوئی اور مخلوق ہے؟ اس سوال کے جواب میں اس وقت تین طرح کے نظریات پائے جاتے ہیں۔

الف۔ فلاسفروں کے نظریات

ب۔ ڈارون کا ارتقائی نظریہ اور اس پر جدید اضافے

ج۔ مختلف مذہبی روایات اور نظریات

اِن نظریات کے اوپر دنیا کے سامنے قرآن حکیم کی رہنمائی ہے جس میں خالق کائنات نے خود انسان کی تخلیق کے متعلق ہمیں سوچنے کیلئے بہت سے اشارات دیئے ہیں۔ بیشتر اس کے کہ ہم قرآن کے انسان کی طرف آئیں۔ سب سے پہلے مختلف سائنسی اور مذہبی نظریات کا جائزہ لے لیں۔

1.2 فلاسفرز کے نظریات

ہم کیا ہیں؟

حقیقت نہ کچھ اپنی سمجھی گئی　　　شب و روز ہم نے تامل کیا

انسان کیا ہے؟ یہ سوال ہمیشہ ہی سے بہت اہم ہے لیکن تاریخی ماخذوں کے اعتبار سے اس مسئلہ پر سائنسی تحقیق کا آغاز ارسطو سے ہوتا ہے جو یونان کا ایک بہت بڑا مفکر اور سکندر اعظم کا استاد تھا۔ ارسطو نے آج سے 2,500 سال قبل یہ نظریہ پیش کیا کہ ''انسان ایک سیاسی حیوان ہے جس کی جبلت میں جوڑ توڑ، آپس میں کھینچا تانی اور دوسروں پر غلبہ حاصل کرنے کی خواہش ہے''۔ اسکا یہ مطلب تھا کہ کسی میں جس قدر یہ صفات زیادہ ہیں اس قدر وہ بڑا انسان ہے۔ اس لحاظ سے ارسطو کا یہ نظریہ ایک بادشاہی نظریہ تھا۔ اس کے زمانے میں سیاست خاص طور پر بادشاہ اور کے حواریوں کا مشغلہ ہوتا تھا جبکہ رعایا کا اس میں کوئی دخل نہیں تھا۔ چنانچہ ارسطو نے اپنے سیاسی حیوان کے نظریہ سے یہ ثابت کر دیا کہ سیاسی لوگ دوسروں کی نسبت سے اعلیٰ درجہ کے انسان ہیں۔ چنانچہ بادشاہ اور حکومت کے کارندے تو مکمل انسان تھے لیکن رعایا کے لوگ کمتر درجہ کے انسان تھے بادشاہ کے لئے غلام بنانا یا سیاسی مفاد کے لئے ان کا خون بہانا جائز تھا۔ لیکن حقیقت اس نظریہ کے الٹ ہے، اس لئے کہ انسان کی دلچسپی کا سارا سامان سیاست نہیں بلکہ ان میں زیادہ تر تو ایسے ہیں جنکی زندگی میں سیاست کا کوئی دخل ہی نہیں۔ ایسے بھی ہیں جن کی زندگی کا مقصد طاقت نہیں بلکہ سراسر خدمت ہے اور ایسے بھی ہیں جو غلبہ حاصل کرنے کی بجائے علم و حکمت کو ترجیح دیتے ہیں۔ لہٰذا یہ کہنا کہ انسان محض ایک سیاسی حیوان ہے اس کی ہمہ گیر شخصیت کی توہین ہے۔

اس کوشش میں کہ انسان کی اس سے بہتر کوئی تعریف ہونی چاہیے کچھ فلاسفروں نے یہ سوچا کہ تمام نوع حیوانی میں انسان ہی کا امتیاز ہے کہ وہ الفاظ کے ذریعہ اپنا مطلب سمجھا سکتا ہے اس لئے انسان کی تعریف یہ ہوگی کہ وہ حیوان ناطق ہے یعنی ایسا حیوان جو بول سکتا ہے۔ بولنا یقیناً

انسان کا غیر معمولی وصف ہے۔انسان کی اس خوبی کا ذکر قرآن حکیم کی سورۃ الرحمٰن میں بھی مندرجہ ذیل پیرائے میں کیا گیا ہے:۔

اَلرَّحْمٰنُ o عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ o خَلَقَ الْاِنْسَانَ o عَلَّمَهُ الْبَيَانَ o

"وہ اللہ تعالیٰ نہایت ہی مہربان ہے، جس نے قرآن سکھایا،اس نے انسان کو تخلیق کیا اور اسے اظہار کی قوت عطا فرمائی"۔(سورۃ الرحمٰن، آیات 1-4)

اگر چہ آپس میں بول چال کی صلاحیت ایک بہت بڑا امتیاز ہے جو انسان کے لئے خالقِ کائنات کی طرف سے ایک عظیم تحفہ ہے لیکن سب سے پہلے قرآن حکیم نے ہی ہمیں بتایا کہ یہ وصف صرف انسان ہی کی خصوصیت نہیں ہے بلکہ اس دنیا میں کوئی ایسا جاندار نہیں جس کو خدا تعالیٰ نے کسی نہ کسی حد تک آپس میں بات چیت کرنے کی صلاحیت عطا نہ کی ہو۔سورۃ النمل میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے حوالے سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ اڑنے والے جانوروں میں سے ہد ہد اور رینگنے والے جانوروں میں چیونٹیاں بھی بات چیت کی صلاحیت رکھتی ہیں۔جدید سائنس بھی اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ شہد کی مکھیاں، گھریلو چیونٹیاں، جنگل کے جانور، سمندری مچھلیاں آپس میں اپنا مطلب سمجھانے کے اہل ہیں بلکہ کئی تو ایسی بھی مخلوق ہیں جو اپنی نوع سے باہر دوسروں سے بھی اظہارِ خیال کر سکتی ہیں۔مثلاً بندروں کی بعض نوع میں الفاظ کا ذخیرہ پچیس یا تیس تک دریافت ہو چکا ہے۔مزید تحقیقات ہو رہی ہیں جن سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ حیوان ناطق ہونا کوئی غیر معمولی وصف نہیں۔

اٹھارہویں صدی عیسوی میں مشہور انگریز مصنف تھامس کارلائل (Thomas Carlayal) نے یہ نظریہ پیش کیا کہ انسان ایک معاشرتی حیوان (Social Animal) ہے جو مل جل کر معاشرے کو جنم دیتے ہیں، بستیاں اور شہر بساتے ہیں اور ایسے قانون وضع کرتے ہیں جو معاشرت کے لئے ضروری ہیں۔اس سلسلہ میں جدید سائنسی تحقیقات یہ ثابت کرتی ہیں کہ انسان کے علاوہ باقی حیوانی نوع بھی اپنی خصوصی معاشرت رکھتی ہیں، ان کے بھی اپنے قانون وقاعدے ہیں۔یوں موجودہ سائنس قرآن کریم کی اس بات کی تصدیق کر رہی ہے کہ تمام حیوانات بھی اپنی اپنی جگہ علیحدہ امت ہیں۔فرمایا:"ان میں سے ہر ایک تمہاری طرح ایک امت ہیں"(حوالہ (38)6القرآن) جراثیم تک کا اپنا معاشرتی نظام ہے جن کے متعلق ہمیں آگاہی حاصل کرنی ہے۔اس لئے کارلائل کی انسان کے لئے معاشرتی حیوان کی تعریف ناقص ہے۔

معاشرت ہی کے سلسلہ میں ایک قابلِ غور بات یہ بھی ہے کہ ماقبل تاریخ ادوار پر تحقیق سے یہ پتا چلا ہے کہ انسان کی موجودہ معاشرتی تہذیب زیادہ پرانی نہیں۔اکثر سائنسدانوں کی یہ رائے ہے کہ انسانی معاشرتی زندگی کی ابتداء زیادہ سے زیادہ تقریباً بارہ ہزار سال پہلے دجلہ اور فرات کی وادی میں ہوئی،اس سے قبل ایک عرصے سے زمین پر دو ٹانگوں پر چلنے والی ایک مخلوق تو ضرور موجود تھی لیکن یہ نوع زمین پر ایک وحشی شکاری درندہ کی سی زندگی بسر کر رہی تھی۔دیگر حیوانات کی طرح اس کا بھی اپنا رہن سہن تھا لیکن کوئی خاص امتیاز بھی نہیں تھا،وہ بھی جنگلوں میں رہتے یہ بھی جنگلوں میں رہتے تھے۔فرق اگر تھا تو یہ کہ وہ دو ٹانگوں پر چلتے تھے اور پتھر کے ہتھیار استعمال کرتے تھے پھر کوئی عجیب بات ہوئی۔قدرت نے اچانک کچھ ایسی تبدیلیاں پیدا کیں کہ تقریباً بیس ہزار سال قبل انسان کے رہن سہن میں ایک زبردست انقلاب آیا اور یہ دو ٹانگوں والے حیوان نما انسان اپنی جنگلی وحشی حیوانی زندگی ترک کر کے مہذب خاندانی معاشرتی زندگی شروع کر دیتے ہیں۔ایسا کیوں ہوا؟ سائنس ابھی تک اس مسئلہ پر

خاموش ہے بہرحال اس نظریہ کے مطابق زمین پر انسان کی معاشرتی زندگی زیادہ سے زیادہ پندرہ بیس ہزار سال پرانی ہے۔اس لئے معاشرتی اعتبار کے مطابق زمانہ ماقبل تاریخ کا دو پاؤں والا حیوان انسان نہیں ہوسکتا۔یہ بات قرآن حکیم سے اخذ کردہ معلومات کی تائید کرتی ہے۔

انیسویں صدی میں مغرب ہی کے ایک اور مفکر بنجمن فرینکلن (Bengimen Franklin) نے یہ نظریہ پیش کیا کہ انسان دراصل ہتھیار بنانے والا حیوان ہے۔مطلب یہ ہوا کہ وہ تمام جاندار جو ہتھیار بنانے کی صلاحیت رکھتے ہوں یا رکھتے تھے وہ سب انسانی نوع میں تصور کئے جانے چاہیں۔لیکن یہ نظریہ بھی سراسر ایک سیاسی نظریہ تھا۔انسان کی تعریف نے مغربی اقوام جو کہ بنجمن فرینکلن کے زمانہ میں دیگر اقوام کی نسبت اعلیٰ ہتھیار بنانے کی صلاحیت رکھتی تھیں کو انسانیت کا بلند تر درجہ دے دیا اور یوں اسکے محرک نے ان کے لئے کمزور اقوام پر قبضہ کرنے کا اخلاقی جواز فراہم کردیا۔یہ تو بنجمن فرینکلن کے نظریے کا سیاسی پہلو تھا لیکن اس کے سائنسی پہلو کے مطابق ہتھیار کی تعریف کرنا بھی ضروری ہے۔ ہمارے جدید دور میں ایٹم بم میزائل سازی اور ریڈی ایشن کے ہتھیار ہیں اس سے پہلے ڈنڈا چھری، بھالا اور اسی طرح کے اور آلات سمجھے جاتے تھے،اور قدیم زمانہ میں تراشے ہوئے پتھر کے ٹکڑوں کو بھی ہتھیار کہا جاتا تھا۔کیا اس کا مطلب ہے کہ ہتھیاروں کی ترقی کے ساتھ ساتھ انسان بھی ترقی کرتا جارہا ہے؟اس کے علاوہ یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ زمین پر کئی طرح کے بندر اور ایسے اڑنے والے جانور بھی ہیں جو اپنا شکار پتھر مار مار کر کرتے ہیں۔کیا فرینکلن کی تعریف کے مطابق جانور بھی انسان کہلانے کے مستحق ہیں؟لہٰذا یہ نظریہ بھی غلط نظریہ ہے۔

1.3 ڈارون کا انسان

سائنسی نظریات میں یہودی سائنسدان ڈارون (1809-1882) کا یہ نظریہ سب سے مقبول عام ہوا ہے۔اس کے مطابق انسان کی کوئی خصوصی تخلیق نہیں بلکہ اس کا بھی حیوانی سطح سے ارتقاء ہوا ہے۔جس میں ماحول کا بڑا ہاتھ رہا ہے۔جن کے مطابق اربوں سال پہلے حیات پانی میں شروع ہوئی،وہیں نمو کی خواہش کی وجہ سے وہ ترقی کرتی رہی،وہیں سے مینڈکوں کی ایک نسل خشکی پر آگئی،جن مینڈکوں کو درختوں پر چڑھنے کا شوق ہوا وہ بالآخر اڑنے والے جانور بن گئے۔انہی میں سے کچھ خشکی پر خوراک اور حفاظت کی تلاش میں مختلف اشکال میں بٹ گئے،جن میں سے کچھ بندر بن گئے،بقاء کی یہ جنگ کروڑوں سالوں سے جاری ہے۔جس کے نتیجہ میں کمزور ناپید ہوتے گئے اور طاقتور بقاء کے لئے زیادہ موزوں ثابت ہوئے یوں بندروں سے بڑھ کر ایک نسل آدمیوں کی وجود میں آگئی۔

ڈارون کے اس ارتقائی نظریہ کا بنیادی پہلو یہ ہے کہ بقاء صرف اس کو ہے جو جسمانی اور ذہنی طاقتوں کے لحاظ سے زیادہ موزوں ہے "Survival is for the Fittest only" اس لحاظ سے یہ ایک خطرناک سیاسی نظریہ تھا جس سے مغربی معاشرے نے اپنے اعلیٰ ہونے کا جواز نکالا۔اپنے علاوہ دیگر قوموں کو وہ حیوانی سطح پر دیکھتے تھے،اس لئے ان کے نزدیک اپنے سے کمتر انسانوں پر ظلم کرنا کوئی غیر انسانی حرکت نہیں تھی۔جدید تحقیقات کے حوالہ سے بعض سائنسدانوں نے ڈارون کے اس نظریہ کو بڑی حد تک رد کردیا ہے۔وہ حیوانوں میں ارتقاء کے تو قائل ہیں لیکن جہاں تک انسان کا تعلق ہے اس کی پیدائش کو اب خصوصی سمجھا جانے لگا ہے۔مختلف انسانی نسلوں کے D.N.A پر تحقیقات ثابت

کرتی ہیں کہ موجودہ نسل کے تمام انسانوں کا آغاز کسی وقت ایک ہی فردِ واحد سے غالباً افریقہ میں ہوا تھا۔

غرضیکہ سائنسی لحاظ سے انسان کی پہچان ایک الجھا ہوا مسئلہ ہے اور سب سے عجیب بات یہ ہے کہ سائنسدانوں اور فلاسفروں کے نظریات کی رُو سے انسان جو کچھ بھی ہو ڈارون کے تدریجی ارتقاء کے نظریہ کے مطابق اس کا شمار حیوانات میں ہی ہوگا۔ یعنی اپنے آپ کو آپ سیاسی حیوان کہہ لیں معاشرتی حیوان کا نام دے دیں، یا ہتھیار بنانے والا حیوان سمجھ لیں، بہر حال آپ حیوان کے حیوان ہی رہتے ہیں، اس لئے کہ ڈارون کے مطابق انسان تخلیق کے دائرہ میں ایک مستقل عنوان نہیں بلکہ حیوانی دنیا میں ایک ترقی یافتہ حیوان ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ پہچان کے اس طریقہ نے انسان کو اپنے آپ سے بہت دور کر دیا ہے اور وہ انتشار میں گم ہوتا گیا ہے۔

1.4 انسان کتنا قدیم ہے؟

یہ کہ زمین پر انسان کا ظہور کب ہوا؟ اس سوال کے جواب کا انحصار بھی انسان کی تعریف پر ہے۔ اگر ہم انسان کو ارسطو کا سیاسی حیوان سمجھیں تو پھر اس کا ظہور ابھی کل کی بات ہے حکومتوں اور بادشاہتوں کے قیام کا رواج زیادہ سے زیادہ پانچ ہزار سال پہلے شروع ہوا۔ اگر کارلائل کے مطابق انسان کو ہم معاشرتی حیوان سمجھ لیں تو پھر اس کی تاریخ مزید کئی ہزار سال پیچھے چلی جاتی ہے۔ تحقیق سے یہ بات واضح ہوئی ہے کہ آج سے تقریباً دس، پندرہ ہزار سال پہلے انسان نے انفرادی زندگی چھوڑ کر قبیلوں کی شکل میں رہنا شروع کیا لیکن اصل انقلاب حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش سے سات آٹھ ہزار سال قبل شروع ہوا جب انسان نے آبادیاں بنانا شروع کیں اور محض شکار پر انحصار کی بجائے اس نے زراعت کی بنیاد ڈالی اور پالتو جانور رکھنا شروع کیے۔ معاشرت کے اس عظیم انقلاب کے کیا محرکات تھے؟ سائنسدان ابھی تک نہیں جان سکے۔ البتہ اس بات پر سب متفق ہیں کہ یہ عمل اچانک معرضِ وجود میں آیا تھا اور اس بات پر بھی تقریباً سب ہی متفق ہیں کہ انسانی تہذیب کا ارتقاء اسی نقطے سے شروع ہوا۔ اس انقلابی تبدیلی کے بعد ہی انسان نے اِدھر اُدھر خوراک جمع کرنے کی بجائے خوراک پیدا کرنا شروع کر دی' مستقل رہائش کے لئے گھر بننے لگے اور ملکیت کا تصور شروع ہوا۔ پروفیسر بریڈوڈ (Brad Wood) اور کچھ دوسرے سائنسدانوں کا خیال ہے کہ "انسانی تہذیب کا یہ انقلابی ارتقاء سب سے پہلے اس علاقہ میں شروع ہوا جسے ہم آج کل عراق کہتے ہیں اور پھر وہاں سے یہ دیکھتے دیکھتے ہر طرف پھیل گیا۔ اسی دور سے نئی نئی ایجادات کا آغاز ہوا' زمین پر انسان کی آبادی بڑی سرعت کے ساتھ پھیلنا شروع ہوئی اور یہیں سے مذہبی عقائد اور معاشرتی قوانین کا اجراء شروع ہوا۔ اگر انسان کا امتیاز یہی چیزیں ہیں تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ موجودہ انسانیت کی عمر بھی یہی کچھ ہوگی" اس معیار کے مطابق زمین پر انسان کی عمر کوئی بیس ہزار سال سے زیادہ نہیں ہو سکتی لیکن جب انسان کی تعریف یہ کی جائے کہ وہ ہتھیار بنانے والا حیوان ہے اور پتھر کے سنگریزوں کو ہتھیار سمجھ لیا جائے تو پھر یقیناً انسانی تاریخ ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں سال پرانی ہو جاتی ہے۔ مختلف مقامات جن میں خاص طور پر پیکنگ، جزائر جاوا، آسٹریلیا اور جنوبی افریقہ کے بعض علاقے شامل ہیں وہاں سے پتھر کے تراشے ہوئے ایسے ہتھیار ملتے ہیں جو لازمی طور پر کسی ذی شعور مخلوق نے محنت سے بنائے ہوں گے۔ ان سے یہ اندازہ بھی لگایا گیا ہے کہ ان کے تراشنے والے زمین پر کم از کم پانچ لاکھ سال پہلے ملک موجود تھے۔ لیکن ابھی تک ان سنگ تراشوں کے مکمل

ڈھانچے کسی جگہ سے بھی نہیں ملے۔ ہڈیوں کے جو ٹکڑے ملے ہیں ان سے یہ مفروضہ قائم ہوتا ہے کہ یہ مخلوق آج کل کے انسان سے بہت مختلف تھی۔ اگرچہ وہ دو پاؤں پر چلنے کی اہلیت رکھتے تھے لیکن ان کی ساخت بندروں کے مشابہ تھی۔ وہ چھوٹے قد، بڑے بڑے جبڑوں والے، تمام جسم پر بالوں والے انسان نما حیوان تھے جن کا دماغ آج کل کے بن مانس سے ذرا بڑا تھا لیکن موجودہ آدمی سے کہیں کم تھا۔ مثلاً ابھی تک ملنے والی تمام کھوپڑیوں سے یہ اندازہ لگایا گیا ہے کہ عام طور پر ان کے دماغ کا حجم 1500cc کے لگ بھگ تھا جبکہ بندروں میں یہ 1200cc سے لیکر 1800cc تک پایا جاتا ہے اور حضرت انسان کا دماغ 2100cc کے لگ بھگ ہے۔ اسی لیے دورِ قدیم کی تحقیق کرنے والے بعض سائنسدانوں کا خیال ہے کہ یہ مخلوق انسان اور بندروں کے درمیان کوئی اور چیز تھی جو آج سے بیس لاکھ سال پہلے زمین پر ظاہر ہوئی اور پھر لاکھوں سال یہاں آباد رہی لیکن بعض نامعلوم وجوہات کی بنا پر پھر اچانک معدوم ہو گئی۔ آثار یہ بتاتے ہیں کہ دو پاؤں والے یہ حیوان آگ سے بھی شناسا تھے، ان کی خوراک درختوں کے پھل یا شکار کیا گیا گوشت تھا۔ وہ اپنے ہاتھوں دانتوں اور بعض اوقات پتھروں کی مدد سے شکار کرتے تھے۔ چاہتے تو ہاتھ پاؤں کے بل بھی چلتے، بودوباش میں وہ بن مانس سے آگے لیکن موجودہ انسان سے کہیں پیچھے تھے۔

اب ہم بولنے والے انسان کی طرف آتے ہیں۔ یہ بات ابھی تک ایک معمہ ہے کہ انسان نے بولنا کب سیکھا۔ اس وقت دنیا میں تقریباً چار ہزار سے زیادہ زبانیں پائی جاتی ہیں۔ ان میں بعض زبانیں تو ایسی ہیں جن کے بولنے والے کروڑوں کی تعداد میں ہیں اور بعض ایسی بھی ہیں جن کے بولنے والے صرف چند سو ہیں۔ جاپان میں ہونے والی حالیہ تحقیق کے مطابق بعض بندروں کی زبان میں بھی الفاظ کی تعداد 40 یا 45 کے قریب ہے جنکے ہیر پھیر سے وہ آپس کا مطلب ادا کرتے ہیں۔ آج سے لاکھوں سال پہلے کے ملنے والے انسانی ڈھانچوں کے گلے، منہ اور ناک کی ساخت سے بھی یہی معلوم ہوا ہے کہ انکی بولیاں دوسرے حیوانوں کی طرح بڑی محدود تھیں اور وہ اپنے مدعا کا اظہار زیادہ تر اشاروں یا مہمل الفاظ سے کرتے تھے۔ ان سائنسی تحقیقات سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ انسان کی حیوان ناطق کے طور پر تاریخ زیادہ پرانی نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ خیالات کے اظہار کے لئے بات چیت کی صلاحیت بھی انسان کو اسی دور میں عطا ہوئی ہو جب اس کی معاشرت کا آغاز ہوا تھا۔

1.5 جدید انسان

جدید انسان کا ظہور کب ہوا؟ جیسا اوپر کی بحث سے ثابت ہوتا ہے۔ یہ مسئلہ ابھی تک حل طلب ہے۔ کئی ایک سائنسی تجزیات کے مطابق جدید انسان کی عمر زیادہ سے زیادہ 40 ہزار سال ہو سکتی ہے اور اسکا ظہور بھی اچانک ہی ہوا ہوگا۔ اس کے ثبوت میں وہ کہتے ہیں کہ چالیس ہزار اور اگلے ڈیڑھ لاکھ سال کی درمیانی مدت میں زمین پر دو پاؤں سے چلنے والے حیوانات کے نشانات نہیں پائے جاتے۔ انسانی معاشرت کے پرانے نشانات فرانس کے کچھ غاروں میں پائے گئے ہیں جن کے مکین غار کی دیواروں کے اوپر ایسی تصاویر چھوڑ گئے جن سے پتا چلتا ہے کہ وہ تیس ہزار سال پہلے وہاں رہتے تھے۔ کتاب "انسانی ارتقاء" (Rise of Man) کے مصنفین کے مطابق یہ دور جدید حیوانی ارتقاء میں ایک انقلابی جست کا تھا جس کے نتیجہ میں بالآخر پندرہ، بیس ہزار سال پہلے جدید انسان معرضِ وجود میں آیا اور اس کی معاشرت کا آغاز ہوا اور اسکے چار یا پانچ ہزار سال

بعد اس نے زمین پر باقاعدہ بستیاں بنا کر رہنا شروع کر دیا۔

اس تمام بحث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اگرچہ انسان کے ارتقاء کی تاریخ نہایت قدیم ہے لیکن اپنی موجودہ شکل میں اس کا ظہور جدید ہے۔ تقریباً یہی بات قرآنِ حکیم سے بھی ثابت ہوتی ہے۔ جو اس کے ماقبل تاریخی دور (Pre-Historic) کا مندرجہ ذیل آیت میں اظہار کرتا ہے:۔

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا ○

''کیا انسان پر ایک لمبا عرصہ ایسا نہیں گزرا کہ وہ زمانہ میں کوئی قابلِ ذکر چیز نہیں تھا''۔ (سورۃ دھر، آیت 1)

اس آیت کریمہ میں انسان کے ظہور سے پہلے کے انسان کے حیوانی دور کی طرف اشارہ ہے جب زمین پر اس کے جسم کا ارتقاء تو ہو رہا تھا لیکن وہ خود اپنی جنتی حیات میں تھا۔ جیسے آیت مبارکہ سے ظاہر ہے کہ اس عرصہ میں زمین پر انسان کی اپنی کوئی علیحدہ پہچان نہ تھی اور وہ ایک بے حقیقت نا قابلِ ذکر وجود تھا۔ انسانی جسم کے ارتقاء کا یہ تاریک دور لاکھوں نہیں کروڑوں سال بلکہ اس سے بھی زیادہ قدیم ہو سکتا ہے لیکن وہ اس دور میں انسان نہیں تھا۔ اس کی مثال کسی بڑے منصوبہ کی تعمیر کی طرح ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس کے بننے میں کئی سال لگ جائیں۔ اِس عرصہ میں وہ سیمنٹ، ریت، بجری، لوہے وغیرہ کی بے ڈھنگی بنی ہوئی عمارت ضرور ہے لیکن ڈیزائن شدہ منصوبہ نہیں۔ اسی طرح انسان کا ڈیزائن کائنات کی تخلیق کی غایت ہے جس کے مطابق کائنات بنتی رہی ہے۔ جب ہر چیز مکمل ہو گئی تو پھر انسان کو بھیج دیا گیا۔ یوں انسان اپنے ڈیزائن کی تقویم میں اوّل اور احسن تر مخلوق ہے لیکن ظہور میں آخر ہے۔ اس درمیانی دور میں اُس کا جسم ہزار ہا حالتوں اور مختلف تجربات سے گذرا جن کا ایک بہترین بیان ہمیں مولانا رومؒ کے ہاں ملتا ہے جو علامہ محمد اقبالؒ کے روحانی استاد تھے۔ ان کی نظم کا ترجمہ باب نمبر 3 میں دیا گیا ہے۔

باب نمبر 2

انسانی ارتقاء کی سائنسی کہانی

2.0 تعارف

اس سے پہلے باب میں ہم انسان کے متعلق مختصراً مختلف سائنسی نظریات پیش کر چکے ہیں۔ اب ہم انسان کی اصل کہانی کی طرف گامزن ہوتے ہیں۔ اگرچہ انسان کی کہانی ہماری اپنی کہانی ہے لیکن اس مسئلہ پر جس قدر مذاہب اور سائنس میں نزاع ہے اتنا کسی دوسرے مسئلہ پر نہیں۔ جدید سائنس اب ڈارون کے مسلسل ارتقائی نظریہ کی بجائے منزل بہ منزل ارتقاء کی قائل ہے مطلب یہ کہ کُنْ فَیَکُوْن (Quantum Jumps) کے اصول پر ایک حالت سے دوسری حالت میں وہ نوع ترقی کرتی گئی جس کی تقدیر میں انسان بننا لکھا تھا۔ اس نظریہ کی بنیاد پرانی ہڈیوں کے تجزیہ پر ہے لیکن ابھی تک دس، پندرہ ہزار سال سے زیادہ پرانا مکمل انسانی ڈھانچہ کہیں بھی نہیں ملا ہے۔ چھوٹی چھوٹی ہڈیوں کے ٹکڑے تیس لاکھ سال پرانے بھی ملے ہیں جن پر گمان ہے کہ وہ شاید کھڑی حالت میں چلنے والے کسی حیوان کے ڈھانچے کے حصے ہوں لیکن وثوق سے کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا۔ یوں انسان کی تخلیق کے بارے میں ابھی تک سائنسی علم کی بنیاد صرف ظن وتخمین ہے۔ اس موضوع پر جنوری 17-2000ء ٹائمز ("The Times, Jan 17, 2000") میں اب تک ہونے والی سائنسی دریافتوں کا تجزیہ پیش کیا گیا تھا۔ اس کے مطابق صورتِ حال کچھ یوں ہے:۔

"آدمی بھی دوسرے حیوانوں کی طرح ایک حیوان ہے جو مختلف ارتقائی منازل طے کرتے ہوئے موجودہ حالت تک پہنچا ہے لیکن اپنی موجودہ حالت میں وہ تمام حیوانی نوع سے بہت مختلف ہے۔ زبان، تہذیب، صنعت میں وہ یکتا ہے۔ بنیادی بیالوجی میں بھی وہ باقی حیوانات سے علیحدہ ہے۔ اس لیے اسکا ارتقاء ایک خصوصی اور یکتا عمل ہو سکتا ہے" یعنی سائنس اس بات کو ماننے لگی ہے کہ انسان اپنی تخلیق میں تمام نوع حیوانی سے علیحدہ خصوصی حیثیت کا مالک ہے۔ یہ وہی بات ہے جس کے متعلق قرآن حکیم واضح طور پر دعوتِ فکر دیتا ہے۔

ٹائمز (Times) میں دیئے گئے مضمون کا ماحاصل یہ ہے کہ ڈارون کے انسانی ارتقاء کے متعلق نظریہ میں پچھلی دو صدیوں میں کافی تبدیلیاں آچکی ہیں خاص طور پر یہ ثابت ہو چکا ہے کہ فطرت میں کسی نئی چیز کی تخلیق ہمیشہ ہی کسی بہت بڑی اچانک جست (Quantum Jump) کے نتیجہ میں ہوتی ہے۔ لہٰذا ڈارون کا آہستہ آہستہ مسلسل تبدیلی والا نظریہ کہ انسان کا ارتقاء بندروں سے ہوا ہے اور یہ کہ طاقتور باقی رہ جاتے ہیں۔ کمزور مٹ جاتے ہیں۔ (Survival of the Fittest) صحیح نہیں ہے۔

جدید سائنسی کہانی کے مطابق انسان سے پہلے زمین پر کروڑوں سالوں تک کئی قسم کے دو ٹانگوں پر چلنے والے حیوانات کے ادوار آتے رہے ہیں لیکن اپنے ذہنی اور روحانی ارتقاء کی نسبت سے ان میں سے کسی ایک کو بھی انسان نہیں کہا جا سکتا۔ (یہی وہ بات ہے جو قرآن کریم میں بھی

سمجھائی گئی ہے۔اللہ تعالیٰ کی کتاب میں بھی دو، چار، چھ یا اس سے بھی زیادہ ٹانگیں رکھنے والے حیوانات کا ذکر ہے (حوالہ سورۃ النور، آیت 25 یعنی اسکے مطابق بھی انسان سے پہلے دو ٹانگوں والے حیوان زمین پر موجود رہے ہیں)۔ سائنسی تحقیقات کے مطابق دو ٹانگوں پر چلنے والے حیوانات کا اچانک نقطہ آغاز کوئی پچاس لاکھ سال پہلے افریقہ میں ہوا تھا۔اس سے پہلے کے تمام حیوانات چار یا چار سے زیادہ ٹانگوں پر چلتے تھے، لیکن اس اچانک تبدیلی سے ایک نئی نوع کا حیوان وجود میں آ گیا جس کی نسل دو پاؤں پر چلنے کو ترجیح دینے لگی۔یہ دو ٹانگوں والا حیوان زمین پر کوئی بیس لاکھ سال تک رہا ہے۔پھر اچانک کچھ تبدیلیاں آئیں جن سے یہ کھڑا ہو کر چلنے والا حیوان مزید ترقی کر گیا لیکن ابھی تک وہ بندر نما ہی تھا۔ایک عرصہ کے بعد پھر اچانک کچھ تبدیلی آئی جس سے کسی ایک کا دماغ دوسروں کی نسبت زیادہ تیز ہو گیا۔پچھلے بیس لاکھ سال تک، جب سے انسان نما حیوان نے سر اٹھا کر چلنا سیکھا تھا کچھ نہیں بدلا تھا لیکن اب اس نے پتھر مار مار کر دوسروں کا مقابلہ کرنا سیکھ لیا اور یوں وہ سبزی خور سے گوشت خور بن گیا۔ پتھروں کے استعمال کی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ وہ انسان نما حیوان ٹیکنالوجی کے دور میں داخل ہو گیا۔اس تبدیلی نے اس کے رہن سہن کو بھی کافی متاثر کیا۔وہ پہلے سے زیادہ سوچنے لگا اور زیادہ ہوشیار ہوتا گیا جس سے اس کا دماغ بھی بڑھنے لگا۔لیکن پھر بھی جدید سائنس اسے انسان نہیں سمجھتی۔اس زمانہ کے دریافت شدہ ڈھانچوں سے پتا چلتا ہے کہ وہ فسادی اور خونی حیوان زیادہ سے زیادہ بندروں کی کوئی ترقی یافتہ نوع ہو سکتا ہے۔

اس کے بعد کی سائنسی کہانی یہ بتاتی ہے کہ کوئی بیس لاکھ سال ہوئے جب زمین پر اچانک کچھ قدرتی تبدیلیاں آئیں جن کے نتیجے میں ان بندر نما مخلوق سے ایک نئی نسل پیدا ہوئی جو اپنے آبا ؤ اجداد سے بھی زیادہ ہوشیار اور تیز چل سکتی تھی۔ان کا جسم بھی زیادہ سیدھا تھا اور پہلے والوں کی نسبت لمبے بھی زیادہ تھے۔تقریباً چار لاکھ سال بعد انہوں نے اپنے وطن افریقہ کو خیر باد کہا اور وہاں سے دوسرے براعظموں میں پھیلنے لگے۔یہ نوع حیوانی جسے (Homoerectus) یعنی سیدھا کھڑا ہونے والا انسان نما حیوان کا نام دیا گیا ہے۔اپنی اس حالت میں تقریباً سولہ لاکھ سال سے زیادہ عرصہ تک زمین پر رہے۔انکی طبیعت سیلانی تھی۔سیر و سیاحت کے لئے وہ اکٹھے سفر کرتے اور خاندان بنا کر رہتے۔وہ پتھروں کا استعمال بھی جانتے تھے اور خوب خون بہاتے تھے۔اظہار خیال کے لئے چند آوازیں تو نکال سکتے تھے لیکن کوئی واقعہ بیان نہیں کر سکتے تھے اور اپنے تجربات دوسروں کو نہیں بتا سکتے تھے۔

اس سائنسی کہانی کے مطابق "تخلیق کے اس عمل میں پھر اچانک کچھ قدرتی تبدیلی آئی جس کے نتیجہ میں دو لاکھ سال ہوئے جب انہی میں سے ایک نئی نسل نکلی جس کا دماغ بھی زیادہ تھا اور بھاگنے کے لئے اس کی ٹانگیں بھی زیادہ موزوں تھیں۔اسے نینڈرتھل (Neanderthal) کا نام دیا گیا ہے۔نینڈرتھل زمین پر ایک لاکھ سال سے زیادہ عرصہ تک آباد رہے۔یہ خاندان کی شکل میں غاروں میں رہنا پسند کرتے تھے۔ دوسرے جانوروں کا شکار ان کا محبوب مشغلہ تھا، پتھر اور لکڑی ان کے ہتھیار تھے جن کے استعمال سے وہ آپس میں بھی لڑتے جھگڑتے رہے اور دوسرے جانوروں کا خون بہانا بھی ان کا پسندیدہ مشغلہ تھا"۔

"اس کے بعد پھر سے اچانک کچھ قدرتی بات ہوئی اور شاید پہلی مرتبہ موجودہ انسان کے آبا ؤ اجداد پیدا ہو گئے جنہیں ہوموسیپین (Homosapien) کہا جاتا ہے۔یہ پہلے والوں سے طور اطوار میں بہت زیادہ تہذیب یافتہ تھے۔پہلے والوں سے زیادہ خوبصورت، زیادہ لمبے، متوازن اعضاء اور بڑے سر والے تھے۔ان کا دماغ تقریباً 1500cc تھا جبکہ جدید انسان کا دماغ 2300cc ہے جو بہت بڑا فرق ہے اس

لئے دماغی لحاظ سے انہیں بھی انسان نہیں کہا جا سکتا لیکن اپنی ساخت میں وہ جدید انسان سے قریب ترین تھے"۔

یوں سائنس کے مطابق حقیقی انسان کی تخلیق تک پہنچنے کے لئے فطرت کئی مرحلوں اور انواع سے گذاری لیکن ابھی تک اس بات کی سمجھ نہیں آئی کہ جب نئی نسل پروان چڑھ جاتی تو پہلی نوع کیوں ختم ہو جاتی تھی؟ نسلوں کی موت وحیات کے اس سلسلہ میں زیادہ سے زیادہ کوئی ایک لاکھ سال گذرا ہوگا کہ زمین پر پھر کچھ اچانک قدرتی تبدیلیاں آئیں۔ جس کے نتیجہ میں ماسوائے ہوموسپین باقی ہر طرح کے دو پاؤں والے حیوان مر کھپ گئے۔ ان کی نسلیں ناپید ہو گئیں۔ ایسا کیوں اور کیسے ہوا کوئی نہیں جانتا۔ باقی ماندہ نسل کے ہتھیار پہلی نسل سے بھی زیادہ بہتر تھے، وہ زیادہ سیدھے کھڑے ہو سکتے تھے ان کی خوراک گوشت اور سبزی دونوں تھی وہ جنگلوں میں رہتے تھے۔ ترقی یافتہ حیوانات کی طرح غول در غول اکٹھے رہنے کو ترجیح دیتے لیکن ان میں بھی گھر، خاندان اور قبائل بنانے کا کوئی تصور نہیں تھا۔ کیا وہ انسان تھے؟ جدید سائنسی تحقیق ان کو بھی موجودہ انسان کا درجہ نہیں دیتی

"کوئی چالیس پچاس ہزار سال پہلے کا واقعہ ہے کہ قدرت کے تخلیقی امر میں پھر اچانک ایک بہت بڑی انقلابی تبدیلی آئی اور پہلی تمام انسان نما مخلوقات کے مقابلہ میں ایک بہت زیادہ ترقی یافتہ مخلوق پیدا ہوئی۔ جس کے دماغ کا حجم وہی تھا جو ہمارا ہے۔ حیران کن بات یہ ہے کہ اس کے ظہور کے ساتھ ہی پہلے سے موجود دو ٹانگوں والے سارے حیوان مر گئے۔ اس نئی تخلیق اور ان سے پہلے والوں میں ایک تو جسمانی خوبصورتی کا فرق تھا، نئی مخلوق متوازن اور بہت خوبصورت جسم کی مالک تھی اور اس کے علاوہ بہت زیادہ ذہنی فرق بھی تھا۔ اِن میں اخلاقی قدریں بھی تھیں۔ خاندان کا قرب ان کے نزدیک بہت اہم تھا، اکٹھے رہتے اور اپنا مدعا، بات چیت اور الفاظ کے ذریعہ سمجھانے لگے تھے۔ انہوں نے اپنے مردے دفن کرنا شروع کئے، آرٹ اور مجسمے بنانے شروع کر دیئے۔ ان میں حیات بعد الموت کا تصور تھا چنانچہ انہوں نے مرنے والوں کے ساتھ ان کے استعمال کی چیزیں بھی دفن کرنا شروع کر دیں ان میں محبت اور ہمدردی کے جذبات بھی پہلے سے زیادہ تھے۔ لہٰذا ان میں خاندانی روابط پیدا ہونے لگے، اپنے دفاع کے لیے مختلف قسم کے اوزار بنانے لگے، رہنے کے لیے گھروں کا تصور اجاگر ہوا اور یہیں سے زراعت اور صنعت کا دور شروع ہو گیا۔ امریکی ماہر حیاتیات ٹارٹرسل (Tarttersal) اپنی کتاب "انسان بنا" (Becoming Human) میں لکھتا ہے "بالآخر کوئی تیس ہزار سال پہلے انسان پیدا ہو گیا پہلی دفعہ ایجاد، فصاحت، صنعت، آرٹ، ادب کا دور شروع ہوا جو پہلے ملین سالوں میں ہوتا تھا اب وہ دنوں میں ہونے لگا۔"

اگلے ابواب میں ہم دیکھیں گے کہ انسان کی یہ جدید سائنسی کہانی قرآن کریم سے اخذ کردہ نظریات کے قریب تر ہے۔ ایک منزل سے دوسری منزل کی طرف ترقی تو ضرور ہوئی لیکن یہ تبدیلی ارتقائی یعنی آہستہ آہستہ نہیں تھی بلکہ ہمیشہ اچانک معرض وجود میں آئی۔ جس کے ساتھ ہی پہلے پائی جانے والی مخلوق ختم ہو جاتی۔ اچانک حیات وممات کے اس سلسلہ سے ثابت ہوتا ہے کہ کوئی بھی نئی تخلیق ارتقا کا نتیجہ نہیں تھی بلکہ انقلابی حالات کے نتیجہ میں معرض وجود میں آتی رہی۔ قرآن کریم میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کوئی امر نافذ کرتا ہے تو کہتا ہے "ہو جا اور وہ ہو جاتا ہے" یعنی **کن فیکون** کا قانون جست در جست تخلیق کا قانون ہے جسے سائنس کی زبان میں (Creation in Quantum Jumps) کہا جاتا ہے۔ انسان کی سائنسی تاریخ میں یکے بعد دیگرے جو دو ٹانگی حیوانوں میں تبدیلیاں آتی رہیں وہ اسی قانون کے مطابق اچانک تبدیلیاں تھیں۔ جہاں تک ارتقا کا تعلق ہے قرآن کے طالب علم کو اس سے بھی انکار نہیں یہ آہستہ آہستہ تبدیلیوں کے لئے ضروری امر ہے اور اس طرح کی ترقی کو قرآن کریم کی زبان انزل، نزول" وغیرہ کے الفاظ سے بیان کیا گیا ہے۔ یہ ترقی زیادہ تر ماحولیاتی اثرات کی وجہ سے ہوتی ہے جس کا مقصد ماحول

سے مطابقت (Adoption) پیدا کرتا ہے۔

اگر ہم اس سائنسی تجزیہ کو صحیح مان لیں تو اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام زمین پر تقریباً تیس چالیس ہزار سال پہلے نمودار ہوئے تھے۔ ان کے نزول سے پہلے زمین پر مختلف ادوار میں دو ٹانگوں پر چلنے والے مختلف قسم کے حیوانات لاکھوں سالوں سے رہتے چلے آرہے تھے لیکن ظہور آدم کے ساتھ ہی وہ سب ختم ہو گئے۔ سائنس اس بات کی بھی گواہ ہے کہ موجودہ انسان سے پہلی نسل والی انسان نما مخلوق بہت خون بہانے والی، مار دھاڑ کرنے والی تھی۔ اس سے قرآنِ کریم میں آدم علیہ السلام کے متعلق فرشتوں کے سوال کی وجہ بھی سمجھ میں آجاتی ہے کہ "یہ تو خون بہائے گا" کہ وہ پچھلے پچاس لاکھ سالوں میں دو ٹانگوں پر چلنے والی مختلف مخلوقات کے کارنامے بھی دیکھ چکے تھے جو جسمانی اطوار میں کسی حد تک حضرت آدم علیہ السلام کے نقشہ سے مشابہت رکھتی تھیں لیکن مار دھاڑ اور فساد ان کا خاصا تھا۔ لہٰذا فرشتوں کا اعتراض نہیں تھا بلکہ ان کا پرانا مشاہدہ تھا۔ ان کا گمان تھا کہ شاید اللہ تعالیٰ انہی جیسوں میں سے کسی ایک کو خلیفہ بنانے والا ہے لیکن بعد میں ان کی یہ بات غلط ثابت ہوئی جس کی انہوں نے معافی مانگی۔ اللہ تعالیٰ نے علم کی بنیاد پر حضرت آدم کی برتری کی مہر تمام مخلوقات پر ثبت کر دی۔ یہی موجودہ انسان کا تمام بقیہ مخلوقات میں امتیازی وصف ہے جس کی سائنس خود سب سے بڑی گواہ ہے اور اس میں اس کا امتیاز ہے۔

قرآنِ کریم چار یا زیادہ ٹانگوں والے حیوانات کے ساتھ ساتھ دو ٹانگوں پر چلنے والے حیوانوں کے متعلق سائنسی دریافتوں کی بھی تصدیق کرتا ہے اور مزید یہ بھی خبر دیتا ہے کہ جانداروں کی تخلیق کا سبب پانی ہے۔ فرمایا:۔

وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰٓى اَرْبَعٍ ۚ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ۚ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ" O

"اور اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار کو پانی سے بنایا۔ پھر ان میں سے کوئی تو اپنے پیٹ پر چلتا ہے اور ان میں سے کوئی دو پاؤں پر چلتا ہے اور ان میں سے کچھ چار پیروں پر چلتے ہیں، اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے"۔ (سورۃ النور، آیت 45)

آئندہ چند ابواب میں ہم دیکھیں گے کہ قرآن حکیم کے مطابق آدمی کی خاص خصوصیت علم اور امن ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی روح میں سے کچھ پھونک دیا جس کے بعد اسے تمام چیزوں کا خصوصی علم ہو گیا۔ اس پر کائنات کے اسرار کا علم ظاہر ہو گیا۔ جس کی بنا پر وہ مسجودِ ملائک قرار پایا اور اسے اسلام کی جس کا لغوی مطلب وہ مذہب ہے جو امن عطا کرتا ہے۔ زندگی گزارنے کے لئے رہنمائی عطا فرمائی۔ یوں قرآنِ حکیم کا انسان ہر لحاظ سے ایک علیحدہ اور بے مثل مخلوق ہے۔ وہ غائت کائنات ہے۔ سائنس کے ارتقائی حیوان سے کوئی تعلق نہیں۔ بیشک جدید سائنس سچائی کی جستجو میں قرآنِ کریم کے قریب تر ہوتی جا رہی ہے اور انشاءاللہ وہ دن دور نہیں جب سائنسدان قرآنِ کریم کی تصدیق کریں گے اور اسکی سچائی کے گواہ بن

کرلوگوں کواس کی طرف بلائیں گے۔

شکل: اصلاحِ زمین اور انسان کے ظہور کی تیاریاں

1۔ 4600,000,000 سال پہلے زمین آسمانی پتھروں (Metours) کے مجموعہ اور گیسوں کے گرم ہونے سے معرض وجود میں آئی۔

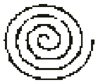

2۔ کوئی 20,000,000 سال تک مسلسل بارشوں سے زمین کے بیرونی پرت کو زندگی کے لئے تیار کیا گیا۔

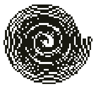

3۔ کوئی 50,000,000 سالوں میں پانی دھوپ بجلیوں اور ہواؤں کے اثرات سے زمین کے بیرونی پرت کو زندگی کے لئے تیار کیا گیا۔

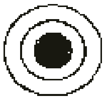

4۔ کوئی 10,00,000,000 سال ہوئے جب زمین کے پانیوں میں پہلی دفعہ زندگی کا جرثومہ پیدا ہوا۔

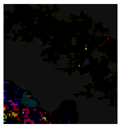

5۔ اگلے 100,000,000 سالوں میں اس ایک خلیہ سے کئی طرح کی نباتات پیدا ہوئیں اور زمین جنگلوں سے بھر گئی۔

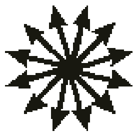

6۔ کوئی 500,000,000 سال ہوئے جب نفس واحدہ حیوانی شکل میں ظاہر ہوا اور پھر وقت کے ساتھ ساتھ اس سے ہر طرح کے جانداروں کو جنم دیا گیا۔

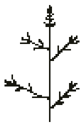

7۔ کوئی 300,000,000 سال ہوئے جب ہڈی دار جانور وجود میں آ گئے۔

8۔ 150,000,000 سال پہلے دو، چار، چھ یا اس سے بھی زیادہ ٹانگوں پر چلنے والے حیوانات ظاہر ہوئے۔

9۔ 10,000,000 سال ہوئے جب دو ٹانگوں پر چلنے والی انسان نما حیوان پیدا ہوئے۔

10۔ شاید 50000 سال پہلے حضرت انسان کا زمین پر ظہور ہوا۔ حیوانی جرثومہ میں روح الٰہی کو پھونک دیا گیا۔ انسان کے سفر کے کیمیکل وجود میں روحانی وجود ڈال دیا گیا۔ اب اس کا کام ہے کہ جس جنت سے وہ یہاں آیا ہے اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کر کے واپس وہاں پہنچ جائے ورنہ زمین پر بھوت بن کر سدا بھٹکتا رہے گا۔ کامیاب لوگ جدھر سے آئے ادھر پہنچ جانے والے ہیں۔

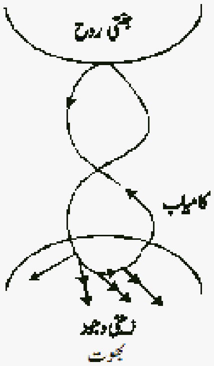

باب نمبر 3

ڈارون کے نظریہ ارتقاء اور اسلامی نظریہ ارتقاء میں فرق

3.1 ڈارون کا ارتقائی مسئلہ اور انسانی استحصال

جب بھی ارتقاء کا نام لیا جاتا ہے تو فوری طور پر مولانا محمد علی جوہر مرحوم کا وہ مشہور مصرع جو انہوں نے ڈارون کے ارتقائی نظریہ کے متعلق کہا تھا ذہن میں آتا ہے:

ؔ ڈارون نے کہا بوزنا ہوں میں

دراصل ڈارون کے نظریہ ارتقاء کے مطابق انسان کی تخلیق تاریخ کا کوئی خصوصی واقعہ نہیں ہے بلکہ یہ کروڑوں سالوں پر پھیلے ہوئے ایک مسلسل حیوانی ارتقائی عمل کا نتیجہ ہے جس میں بقاء کا حقدار صرف طاقتور کو ہے۔اس کے نزدیک اخلاقی قدریں، دین اور مذاہب انسان کے اپنے بنائے ہوئے ضابطے ہیں جن کو وہ اپنے مفاد کی خاطر بدلتا رہتا ہے۔ڈارون کی زبان میں اس اصول کو "Survival of the fittest" کہا گیا ہے۔جیسے پہلے بھی کہا جا چکا ہے یورپی اقوام کو اس سے دیگر انسانوں کو غلام بنانے اور ختم کرنے کا جواز مل گیا۔دوسرا المیہ یہ ہوا کہ اس کی بنا پر بے دینی (Secularism) کو بڑا فروغ حاصل ہوا۔

اس ارتقائی نظریہ کے مطابق سب سے پہلے زندگی اربوں سال ہوئے جب ایک جرثومہ کی شکل میں سمندروں میں ظاہر ہوئی اور اس اصول کے تحت کہ بقاء طاقتور کے لئے ہے، وقت کیساتھ طاقتور ترقی کرتے گئے اور کمزور معدوم ہوتے گئے اور تخلیق مختلف انواع میں تقسیم ہوتی گئی۔ یوں رفتہ رفتہ جرثوموں سے بڑھ کر مچھلیوں کی تخلیق ہوئی، ان مچھلیوں میں چند ایسی طاقتور مچھلیاں بھی تھیں جو سمندر سے نکل آئیں اور خشکی کی طرف رغبت رکھنے لگیں اور جب سمندروں سے باہر آنا جانا شروع ہوا تو لاکھوں سال کی مدت میں ان کی ٹانگیں نکل آئیں۔رفتہ رفتہ ان میں سے بعض کے پر بھی نکل آئے۔یہیں سے زمین کے حیوانوں اور پرندوں کی ابتداء ہوئی اور یوں آہستہ آہستہ یہ مخلوقات سمندروں سے خشکی میں دور دور تک نکلتے گئے یہاں پر گھنے جنگلات تھے، سخت موسم اور سنگلاخ زمین تھی۔آہستہ آہستہ ماحول کی شدت اور خوراک کی ضرورت سے مجبور ہو کر ایک غیر شعوری طریقہ سے ان کے جسم ماحولیاتی تقاضوں کے مطابق خود بخود تبدیل ہوتے رہے مثلاً ریگستان میں رہنے والے اونٹ کی گردن لمبی ہوتی گئی چونکہ اسے پتے صرف درختوں کی چوٹیوں پر میسر تھے، کچھ نے درختوں پر رہنا شروع کر دیا جس کے نتیجہ میں ان کی اگلی ٹانگیں معدوم ہوتے ہوتے بازو بن گئیں اور یوں بندر ظہور میں آ گئے۔اس لئے کہ کھڑا ہو کر چاروں ٹانگوں پر چلتے ہوئے گھنے جنگلات میں زیادہ دقت پیش آتی تھی انہی کی چند نسلوں نے دو پاؤں پر چلنا بھی سیکھ لیا۔چونکہ اگلی ٹانگوں کا استعمال کم ہوتا تھا اس لئے وہ سکڑنے لگیں اور ٹہنیوں وغیرہ کو پکڑنے میں ان کے زیادہ استعمال کی

وجہ سے پاؤں ہاتھوں کی شکل میں بدلنے لگے۔یوں آہستہ آہستہ بندر ترقی کرتے ہوئے آدمی بن گئے وغیرہ وغیرہ۔

ڈارون اور ان کے ساتھی محققین کا یہ بھی خیال تھا کہ یہ تبدیلیاں اس قدر آہستہ آہستہ ہوتی ہیں کہ ایک نسل تو کیا سینکڑوں نسلوں میں بھی ظہور پذیر تغیر نا قابل محسوس ہوتے ہیں لیکن بہر حال ان تبدیلیوں کا محرک ماحول ہی ہے۔اس عمل میں وہ مخلوقات جو ماحول کا مقابلہ نہیں کر سکتیں خود ہستی کے منظر سے معدوم ہوتی جاتی ہیں۔

اٹھارہویں صدی میں جب گوری قومیں افریقہ کے لوگوں کو غلام بنا بنا کر امریکہ لا رہی تھیں اور ان سے حیوانی مشقت کا کام لیتی تھیں تو اس وقت ڈارون کا نظریہ کہ "طاقتور کو بقا حاصل ہے" ضمیر کے اطمینان کے لئے بہت ہی مقبول ہوا۔اس نظریہ سے اقوام یورپ کو اپنے گناہ پر پردہ ڈالنے کیلئے ایک سائنسی بنیاد مل گئی۔چنانچہ بہت سے یورپی مفکرین نے یہ کہنا شروع کیا کہ انسانوں میں بھی مختلف ارتقائی گروپ ہیں یعنی کچھ زیادہ انسان ہیں اور کچھ کم۔ان کے مطابق افریقی نیگرو، امریکی ریڈ انڈین اور آسٹریلیا کے پرانے باشندے انسانوں اور بندروں کے درمیان کی کڑی ہیں اس لئے وہ پورے انسانی حقوق کے مستحق نہیں۔لہٰذا ان کو غلام بنانا، ان سے حیوانی مشقت لینا حتیٰ کہ ضرورت کے تحت ان کو قتل کرنا بھی جائز ہے۔اس طرح انہوں نے انسانی ارتقاء کی درجہ بندی کر ڈالی جس میں سرفہرست یورپین اقوام کو رکھا گیا کہ وہ انسانیت کا سبق سکھائیں۔افسوس کہ ان میں سے بہت سے شعوری اور لاشعوری طور پر اب بھی یہی اعتقاد رکھتے ہیں۔

3.2 مسلمان مفکر اور مسئلہ ارتقاء

اسلامی فلاسفی میں انسان روح اور جسم کا مرکب ہے۔روح اس کی اصل ہے جب کہ جسم اس کے لئے سواری ہے جس کے ذریعہ روح مادی دُنیا سے رابطہ رکھتی ہے۔جہاں تک ارتقاء کا تعلق ہے جسم ماحول کی تبدیلیوں سے اثر پذیر ہے لیکن روح مادیات کے اثرات سے آزاد ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے بھی بتا چکے ہیں کہ ڈارون سے بہت پہلے مسلمان مفکرین اچھی طرح سمجھتے تھے کہ مخلوقات میں ارتقاء قدرت کے نشوونماء کے عوامل کا ایک ضروری حصہ ہے۔ان کے نظریہ ارتقاء کی خصوصیت یہ تھی کہ ارتقاء ایک خدائی قانون ہے، خالق کی منشاء کے مطابق تخلیق کا ایک ذریعہ ہے۔ یوں زمین پر مختلف تخلیقی ادوار انسان ہی کی کہانی ہیں جن کے بارے میں قرآنِ کریم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ O

"تم ضرور چڑھتے رہو گے منزل بہ منزل" (سورۃ انشقاق، آیت۔ 19)

علامہ اقبال اپنی انگریزی کتاب "The Reconstruction of Religious thought in Islam" کے صفحہ 141 میں بتاتے ہیں کہ اسلامی سائنس کی تاریخ میں سب سے پہلے جاحظ (Jaheze) جن کا انتقال ۲۵۵ ہجری میں ہوا، نے ڈارون سے 600 قبل یہ بات معلوم کی کہ پرندوں اور حیوانوں کی زندگی ماحول سے متاثر ہوتی ہے اور ایک عرصہ کے بعد وہ نسل در نسل اپنے جسم کو ماحول کی ضرورت کے مطابق ڈھال لیتے ہیں۔اس کے بعد ابنِ مکاوۃ (Ibne Maokwaih) متوفی 421 ہجری نے جاحظ کے اس خیال کو با قاعدہ

ایک سائنسی کلیہ کے طور پر پیش کیا۔ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ جب مسلمانوں میں نباتاتی اور حیوانی ارتقاء کا نظریہ اس قدر مقبول ہوا کہ شعراء کرام نے بھی اسے موضوع سخن بنایا۔ مشہور صوفی بزرگ اور شاعر مولانا رومؒ نے اپنی مثنوی میں جس طرح اس نظریہ کے روحانی پہلوؤں کا ذکر کیا ہے وہ ہم پہلے باب نمبر 1 پیش کر چکے ہیں جو کہ ڈارون اور ویلس کے ارتقائی نظریہ سے کہیں زیادہ پر وقار ہے۔ ذیل میں ان کے اس موضوع پر کلام کا مفہوم اردو میں پیش کیا جاتا ہے فرماتے ہیں:۔

"سب سے پہلے انسان کا آغاز جامد اشیاء کے مادہ میں ہوا اور پھر یہاں سے گزر کر وہ نباتات میں ہویدا ہوا۔ سال ہا سال تک اس کا وجود پودوں کا ایک حصہ ہوتا تھا۔ پھر نباتات سے بڑھ کر وہ حیوانی زندگی میں ظہور پذیر ہوا۔ اس حال میں وہ اپنے نباتاتی حالت کے کوائف بھول چکا تھا۔ لیکن اب بھی اسے اپنی پہلی حالت کی وجہ سے پودوں سے پیار ہے، خصوصاً جب موسم بہار آتا ہے اور پھول کھلتے ہیں تو یہ پیار اس بچہ کی طرح ہو جاتا ہے جو اپنی ماں کی طرف کھنچا چلا آتا ہے۔ لیکن وہ نہیں جانتا کہ اس لگاؤ کی وجہ کیا ہے۔ پھر جیسا کہ تم جانتے ہو، خالق اعلیٰ نے آدمی کو حیوانوں کی دنیا سے بھی نکال لیا اور اسے انسانی حالت میں لے آیا۔ اس طرح آدمی قدرت کی ایک سٹیج سے دوسری میں گزرتا گیا۔ حتیٰ کہ وہ عقل مند، عالم اور مضبوط ہو گیا جس طرح کہ آج وہ ہے۔ اب اسے اپنی روح کی پہلی حالتوں کا علم تک بھی نہیں ہے۔ جان لو کہ پہلے ہی کی طرح وہ پھر اپنی اس حالت کو بدل کر کسی اور ہی اعلیٰ مقام تک رسائی حاصل کرے گا، جس کا اسے علم نہیں ہے"۔ (Translated From Allama Iqbal's Reconstruction of Religious Thought)

اس خوبصورت نظم کو پڑھ کر آدمی حیران رہ جاتا ہے کہ مولانا رومؒ نے کس قدر پیارے انداز میں تھوڑے سے الفاظ میں نظریہ ارتقاء کی پوری کڑیوں کو بیان کر کے رکھ دیا ہے۔ علامہ اقبال کی کتاب (The Reconstruction of Religious Thought in Islam) سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا اپنا نظریہ بھی رومی کی مطابقت ہی میں تھا اور وہ اس لحاظ سے ارتقاء کے قائل تھے۔

اسلامی نظریہ ارتقاء کی خصوصیت جو اسے ڈارون کے نظریہ ارتقاء سے ممتاز کرتی ہے وہ یہ ہے کہ کسی بھی نئی تخلیق کا وجود اللہ تعالیٰ کے امر "کُن" کا محتاج ہے۔ اسباب مثلاً ماحول کی تبدیلیوں یا کسی آسمانی یا زمینی انقلاب کا انکار نہیں لیکن اصل وجہ اللہ تعالیٰ کا قانون مشیت ہے جس کے مطابق نئی زندگی وجود میں آتی ہے۔ جب تخلیق ہو جاتی ہے تو اس کے بعد اس کی نشو ونما اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے قوانین اور اسباب کی پابند ہے لیکن یہاں بھی وہ اپنی فطرت میں ودیعت شدہ صلاحیت جس کو آجکل جنوم (Genome) کہا جاتا ہے کے مطابق پھولتے پھلتے ہیں۔ یوں اسلام ماحول کے اثرات کی نفی نہیں کرتا لیکن اس کا اثر بنیادی (Basic) نہیں بلکہ تدریجی تبدیلی (Modification) کا ہے یعنی یہ ایک متحرک نظریہ ہے جس کے مطابق انسانی ارتقاء ایک مدت کے بعد رک نہیں جاتا بلکہ آیت (19)84 کے مطابق منزل بہ منزل اپنی انتہا کی طرف چڑھتا رہتا

ہے لیکن پھر بھی ارتقاء کوئی اندھا عمل (Blind Process) نہیں بلکہ اس کا مقصد بھی انسان کو، جسے قرآن نے "احسن التقویم" کہا ہے، اور پھر اسے "اسفل سافلین" کی طرف دھکیل دیا تھا' دراصل اس نچلی سطح سے اٹھا کر درجہ بدرجہ (Stepwise) اپنے ڈیزائن کی انتہا تک پہنچانا ہے۔

اسلامی نظریہ ارتقاء کے متعلق ایک اور نہایت اہم بات یہ ہے کہ وہ طاقتور کی بقاء کے اصول کو نہیں مانتا بلکہ اس کی جگہ وہ کہتا ہے کہ "نفع بخش کی جیت ہے"۔ نوع انسانی کے لحاظ سے اس قانون کو یوں کہا گیا ہے:۔

خَيْرَ النَّاسِ مَنْ يَّنْفَعُ النَّاسَ

"لوگوں میں بہتر وہ ہے جو لوگوں کے لئے زیادہ نفع بخش ہے"

اسی بات کو اگر عمل ارتقاء پر نافذ کریں تو کہیں گے "Survival is for the most useful one" یعنی عمل ارتقاء بہتری کی طرف قدم ہے۔ جبکہ ڈارون کا اصول ارتقاء صرف ننگی جارحیت کو دعوت دیتا ہے۔

یہاں یہ بات بھی واضح کرنا ضروری ہے کہ اسلام ہی میں بے شمار ایسے مفکر بھی ہیں جو کسی طرح کے ارتقاء کے قائل نہیں، بلکہ ان کے نزدیک نوع انسانی کے جد امجد حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش ایک جامد عمل کے تحت ہوئی تھی۔ وہ قرآن کریم سے یہ اخذ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک خاص قسم کی مٹی، جو سڑے ہوئے گارے کے خمیر سے ہوئی تھی، کو گوندھ کر اپنے ہاتھوں سے آدم علیہ السلام کا بت بنایا اور پھر اس میں اپنی روح میں سے کچھ پھونک کر اسے زندہ کر دیا۔ پھر وہ جنت میں رہنے لگے جوان کے نزدیک آسمانوں میں شاید کوئی بہت بڑا سیارہ ہے۔ جب انہوں نے "ممنوعہ شجر" جسے گندم کا پودا کہا جاتا ہے، کا پھل کھا لیا تو انہیں زمین پر بھیج دیا گیا جہاں عمل تولید سے ان کی اولاد ہر طرف پھیل گئی۔ ان کے نزدیک ڈارون کا نظریہ ارتقاء ایک گمراہ کن نظریہ ہے اور وہ اس پر یقین رکھنے والوں کو کافر بھی کہتے ہیں۔

ان متضاد تاویلات نے ایک عام مسلمان کو بہت بڑے مسئلے میں ڈال دیا ہے۔ خصوصی طور پر سائنس کے طلبہ کیلئے تو یہ ایک لمحہ فکریہ ہے کہ وہ جدید سائنس کو رد کریں یا نعوذباللہ قرآن کریم پر شک کریں جبکہ حقیقت یہ ہے قرآن کریم شک وشبہ سے بالاتر سچائی کا سرچشمہ ہے اور سائنس سچائی کی طرف مسلسل جدوجہد کا نام ہے، یہی وجہ ہے کہ ہر جہت میں بالآخر سائنس قرآن کریم کی سچائیوں کو تسلیم کرتی آ رہی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ قرآن کریم کے طالب علموں کیلئے بھی ضروری ہے کہ وہ سائنس کو سمجھیں اور اسے رد کرنے سے پہلے روایات خاص طور پر جن کے ماخذ اسرائیلی ذرائع ہیں پر حکمت سے غور فرمائیں۔ انشاءاللہ آئندہ صفحات پر آپ دیکھیں گے کہ سائنس خود اللہ تعالیٰ کی کتاب کی سب سے بڑی گواہ بن کر سامنے آ رہی ہے۔ جو غیر مسلموں کے لئے حیران کن اور مسلمانوں کے ایمان کو مزید مضبوط کرنے کا ذریعہ بھی ہے۔

باب نمبر 4

قرآن کا انسان

(ولقد کرمنا بنی آدم)

("Indeed we have honoured the progney of Adam")

4.0 تعارف

پچھلے ابواب میں ہم نے فلاسفروں، سائنسدانوں اور مغربی تہذیب کے مقلدین کے انسان کے متعلق نظریات کا مختصر جائزہ لیا ہے۔ ان سب کی تان یہیں ٹوٹتی ہے کہ انسان ایک ترقی یافتہ حیوان ہے یا ایک ارتقائی حادثہ۔ ان کے مطابق اس کی پیدائش میں آگے پیچھے کوئی مقصد کارفرما نہیں ہے انسان کی زندگی میں اور نہ ہی اس کی موت میں کوئی راز ہے۔ اس نظریہ میں کسی طرح کی مستقل اقدار کی کوئی گنجائش نہیں، ان کے نزدیک انسان خدا کی تخلیق نہیں حتیٰ کہ مذہب اور خود رب کائنات بھی انسانی ذہن کی پیداوار ہے۔ یوں وہ سائنس کے نام پر انہی خیالات اور اوہام میں الجھے ہوئے ہیں جن میں ہزاروں سال قبل کے گمراہ لوگ تھے قرآن کریم سے ہمیں پتا چلتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے کفار بھی یہی باتیں کرتے تھے اور ان کے بعد کوئی ساڑھے چار ہزار سال ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی اسی قماش کے لوگوں سے پالا پڑا تھا۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ انسان حیوان نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی خصوصی تخلیق ہے، وہ کائنات سے نہیں بلکہ کائنات اس کی وجہ سے ہے، موت خاتمہ نہیں بلکہ زمان و مکان کے لیے سفر میں اس کی ایک منزل کا نام ہے۔

نہ تو زمیں کے لئے ہے نہ آسماں کے لئے
جہاں ہے تیرے لیے تو نہیں جہاں کے لئے

4.1 انسان بزرگ ترین ہے

اس گمراہ فلاسفی کے برعکس کہ انسان حیوانوں ہی میں سے ایک ترقی یافتہ حیوان ہے قرآن کا انسان نہ صرف انتہائی محترم اور بزرگ ہستی ہے بلکہ وہ کائنات کی غرض وغایت بھی ہے، بحیثیت انسان اس کی بزرگی میں مذہب، ملت، رنگ، شکل وصورت غرض کسی طرح کی بھی اونچ نیچ حائل نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "**الخلق عيال الله**" یعنی خلقت اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے اور آدمی کے متعلق رب تعالیٰ کا اپنا ارشاد ہے:۔

وَلَقَدۡ كَرَّمۡنَا بَنِيۡۤ اٰدَمَ

"بلاشک وشبہ ہم نے آدم کے بیٹے کو مکرم (محترم) بنایا ہے"۔

چنانچہ آدم علیہ السلام کی اولاد ہونے کی وجہ سے دنیاوی حیات میں بزرگی کا یہ شرف ہر مومن اور کافر کو یکساں حاصل ہے یہ عزت وافتخار ہر آدمی کا بنیادی حق (Human Right) ہے۔ اسی لیے صوفیائے کرام کہتے ہیں:۔

مسجد ڈھاوے، مندر ڈھاوے ڈھاوے جو کچھ ڈھیندا
اک بندے دا دل نہ ڈھاویں، رب دلاں وچ رہندا

یعنی انسان کے دل کو ٹھیس لگانا مسجد کو تباہ کر دینے سے بڑا گناہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:"مسلمان کی حرمت کعبۃ اللہ سے زیادہ ہے"۔

ولقد کرمنا بنی آدم کا یہ بھی مطلب ہے کہ انسان کائنات سے عظیم تر ہستی ہے اور جیسے قرآن پاک میں ارشاد ہے کہ "**سَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ**" رب العالمین نے ہر چیز کو انسان کی خدمت پر لگا دیا ہے۔ اس حقیقت کے پیش نظر کہ کائنات کی ہر چیز کا مقصد آدمی کی خدمت ہے تو آدمی پر بھی فرض ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے مقصدِ حیات کو پہچانے، اپنے عظیم مقام سے گر کر کوئی عمل نہ کرے اور مخلوق کی بجائے صرف اپنے خالق کے سامنے جھکے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ:۔

وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيۡلَ وَالنَّهَارَ ۙ وَالشَّمۡسَ وَالۡقَمَرَ ؕ وَالنُّجُوۡمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمۡرِهٖ ؕ اِنَّ فِيۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يَّعۡقِلُوۡنَ ۝

"اور اس نے تمہارے لئے رات اور دن کو مسخر کیا، اور سورج اور چاند اور ستارے اسی کے حکم سے تمہارے لئے مسخر ہیں بیشک اس میں نشانیاں ہیں عقلمندوں کے لئے"۔ (سورۃ النحل، آیت 12)

4.2 انسان خالقِ کائنات کا مظہر ہے

قرآنِ کریم کے انسان کا ایک عظیم امتیازی وصف اشیاء کا علم ہے۔ اللہ تبارک تعالیٰ خود علیم ہے اور اس نے انسان کو اپنے علم میں سے کچھ حصہ دے کر تمام دیگر مخلوقات میں عظیم بنایا ہے۔ اس کے متعلق قرآنِ پاک میں حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ (Case History) ہر انسان کیلئے قابلِ فخر مثال ہے۔ قرآنِ کریم کی متعدد آیات (جن میں سے کئی ایک کے حوالے پہلے بھی دیئے جا چکے ہیں) سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو جنت میں اپنے ہاتھوں خصوصی طور پر پیدا کیا اور اس میں اپنی روح میں سے بھی کچھ پھونک دیا۔ یوں انسان کو اپنی صفاتِ عالیہ کا مظہر بنا دیا۔ انہی میں علم کی صفت بھی ہے۔ چنانچہ اس "**علیم الخبیر**" ذات پاک نے انسان پر اپنی تخلیقات کے راز افشاء کر دیئے۔ وہ

کائنات کے سامنے ایک باعزت، ذی عقل، باعلم، خودمختار اور اشرف المخلوقات کی حیثیت سے لایا گیا۔ پھر ایک علمی مقابلہ کروایا گیا جس کے نتیجہ میں تمام جنات اور ملائکہ پر انسان کی علمیت کو ثابت کیا گیا۔ یعنی وہ سب علوم جن میں سے کچھ کو ہم سائنس کا نام دیتے ہیں اور ان کی مدد سے ہم آج کائنات کو سمجھنے کی کوشش کر رہے ہیں وہ دراصل بنی آدم کی فطرت کا باطنی حصہ ہیں۔ علم الاشیاء سے بھی عظیم تر تحفہ جو انسان کو نصیب ہوا وہ خود ذات پاک کا علم ہے جسے خالق کائنات کی معرفت کہتے ہیں۔ ان کی روح سے "**الست بربکم**" کے سوال کے ساتھ رب تعالیٰ نے اپنی حقیقت کا اقرار کروایا اور اپنی معرفت سمجھائی۔ افسوس کہ ہم میں سے اکثر اس روحانی علم کی روشنی حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔

4.3 ایک بے مثل ڈیزائن

قرآن کریم انسان کے بارے میں یہ بھی بتاتا ہے کہ وہ اپنے روحانی اور جسمانی ڈیزائن میں اعلیٰ ترین خصوصی تخلیق ہے جس کا کوئی ثانی نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:۔

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ٥ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ٥ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ٥ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ٥ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ٥

"قسم ہے انجیر کی، زیتون کی اور طور سینین کی، اور اس امن والے شہر کی۔ یقیناً ہم نے انسان کو بہترین ڈیزائن، (احسن تقویم) کے مطابق خلق کیا، پھر اسے (امتحان کے لئے) کم سے کم تر درجہ پر (اسفل سافلین) دھکیل دیا"۔
(سورۃ التین، آیات 5 -1)

"**احسن تقویم**" کا اشارہ انسان کی روحانی تخلیق کی طرف ہے اور اسفل سافلین اسکی حیوانی فطرت کی طرف ہے۔ مطلب یہ کہ انسان اپنی فطرت میں روحانی ترقیوں کے آخری مقامات کا حامل ہے۔ اس کا ڈیزائن اور ساخت کائنات کی تمام مخلوقات میں سے بہترین ہے۔ یہ کہ "**احسن تقویم**" بنا کر "**اسفل سافلین**" کی طرف کیوں دھکیل دیا گیا، امتحانی غرض سے ہے تاکہ انسان خود بھی اپنی فضیلت کو ثابت کرے اور زمینی چیزوں کی حرص و ہوا سے بچ کر اپنی کھوئی ہوئی جنت والے عالی مقام کو حاصل کرے۔ یہ قرآن کے انسان کے چند اعجازات ہیں لیکن افسوس کہ کچھ نام نہاد ترقی پسند اپنے آپ کو بندروں کی اولاد بتاتے ہیں۔ کاش کہ ہم اب بھی قرآن کریم کی رہنمائی میں اپنے مفروضوں سے نکل کر انسانی تخلیق کے کمالات کی طرف غور کریں۔ بندروں سے ہٹ کر اپنی سوچ کو رب کائنات کی عظمت اور شفقت کی طرف لوٹائیں۔

4.4 قرآنِ پاک میں انسانی تخلیق کی کہانی

آیئے اب ہم قرآن کریم سے اپنی تخلیق کی باتیں سنیں۔ یہ کہانی ایک سبق آموز، نہایت حیران کن، قابلِ فخر بیان ہے جو انسان کو تاریکی

کے پردوں سے نکال کر حقیقت کے نور کی طرف لے کر جاتی ہے۔قرآنِ کریم میں کئی آیات مثلاً (11-21)7 ,(116-123)20 (71-76)38,(28-31)15 میں اس عظیم واقعہ کی مختلف کیفیات بیان کی گئی ہیں۔ان آیاتِ کریمہ سے آدم علیہ السلام کی تخلیق کی جو حقیقت اُبھرتی ہے وہ حسبِ ذیل ہے۔

جس انداز میں قرآن کریم حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کی خبر دیتا ہے وہ بذاتِ خود بڑا چونکا دینے والا بیان ہے۔فرمایا:۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ▪ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ▪ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ▪ قَالَ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ O

''اور (وہ وقت یاد کریں) جب آپ کے رب نے فرشتوں کو فرمایا کہ میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں، انہوں نے عرض کیا: کیا تُو زمین میں کسی ایسے شخص کو (نائب) بنائے گا جو اس میں فساد انگیزی کرے گا اور وہ خونریزی کرے گا؟ حالانکہ ہم تیری حمد کے ساتھ تسبیح کرتے رہتے ہیں اور (ہمہ وقت) پاکیزگی بیان کرتے ہیں، (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا: میں وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے'' (سورۃ البقرہ، آیت 30)

حضرت آدم علیہ السلام کے ظہور کے اس آفاقی اعلان سے پہلے فرشتے زمین پر بسنے والی مختلف مخلوقات کے اطوار سے آگاہ تھے۔ان کے مشاہدہ میں حیوانات اور درندے آچکے تھے جو آپس میں خون خرابا کرتے اور ایک دوسرے سے چھینا جھپٹی کرتے،اپنی خوراک کے حصول کے لئے ایک دوسرے کو جان سے مارد ینے سے بھی دریغ نہ کرتے۔بلکہ بعض تو ایک دوسرے کو کچا بھی کھا جاتے۔انہی دو ٹانگوں پر چلنے والے کچھ ایسے بھی حیوان تھے جو اپنی سفاکی میں کوئی ثانی نہیں رکھتے تھے۔وہ نہ صرف اپنے ہاتھوں اور دانتوں سے بلکہ پتھروں اور چھڑیوں سے بھی دوسروں کو مارتے،اکثر اوقات مخالف کا مارا جانا بلا ضرورت ہی ہوتا۔اپنے ان مشاہدات کی بناء پر فرشتے غلط فہمی کے نتیجہ میں اس اعلان پر حیران ہوئے کہ کیا اللہ تعالیٰ انہی حیوانات میں سے کسی کو اپنا خلیفہ بنائے گا؟ اور حیرانی سے سوال کیا کہ:۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ▪ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ▪ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ▪ قَالَ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ O

''اے باری تعالیٰ! کیا آپ زمین میں اُسے نائب بنانے والے ہیں جو وہاں خون خرابہ کرے گا اور اس کا امن درہم برہم کردے گا، جبکہ ہم آپ کی تعریف وتوصیف کرتے ہیں اور ہر وقت آپ کی تسبیح پڑھتے رہتے ہیں''۔(اس پر

اللہ تعالیٰ نے فرمایا) "میں وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے"۔(سورۃ البقرہ، آیت 30)

جب حضرت آدم علیہ السلام کا جنتی وجود تیار ہو چکا، اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی روح میں سے کچھ پھونک کر اپنے اوصاف عطا کر دیئے تو فرمایا "اے آدم اب تو انہیں بتا کہ ان چیزوں کے خواص کیا ہیں؟ حضرت آدم علیہ السلام نے بلا تامل سب چیزوں کے صحیح صحیح نام بتا دیئے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی اس امتحان میں کامیابی کے بعد رب ذوالجلال دوبارہ فرشتوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ "کیا میں نے تمہیں نہیں بتایا تھا کہ "میں زمین اور آسمانوں کے تمام رازوں سے واقف ہوں اور مجھے تمہاری حیثیت اور فطرت کا بھی علم ہے اور جو تم ظاہر کرتے ہو یا چھپاتے ہو میں وہ سب کچھ جانتا ہوں"۔ جب حجت تمام ہو گئی تو رب العالمین نے فرشتوں کو حکم دیا "کہ اب تم آدم کی برتری کو تسلیم کرتے ہوئے اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جاؤ"۔ یہ حکم سن کر سب ہی سربسجود ہو گئے ماسوائے ابلیس کے کہ اس نے انکار کر دیا۔ شیطان کے اس رویہ پر اللہ تبارک تعالیٰ نے اس سے پوچھا کہ "اے ابلیس تمہیں کس چیز نے آدم کے سامنے جھکنے سے باز رکھا" تو وہ تکبر سے بولا! "میں اس کے سامنے کیسے جھکوں جسے آپ نے مٹی کے خمیر سے اٹھایا ہے۔ جبکہ میری تخلیق آگ سے کی گئی ہے جو مٹی سے برتر ہے اور اس طرح میں ایک کمتر تخلیق کے سامنے کیوں سربسجود ہوں؟"

ابلیس کی اس جسارت اور تکبر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کے مراتب چھین لیے اور اسے ذلیل و خوار کر کے راندۂ درگاہ ہونے کا حکم دیا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتا لیکن وہ تکبر اور حسد میں مزید بڑھتا چلا گیا اور آدم علیہ السلام اور اس کی اولاد کا دشمن بن گیا۔ اس کی سوچ یہ تھی کہ باری تعالیٰ کے حضور اس کی رسوائی کا باعث آدم اور ان کی اولاد ہے، اس لیے میں بھی اسے اللہ تعالیٰ کے حضور ذلیل کر کے چھوڑوں گا اور جس جنت سے مجھے اس کی وجہ سے نکلنا پڑا ہے میں بھی اسے وہاں سے نکال کر دم لوں گا۔ لیکن وہ آدم علیہ السلام پر زبردستی نہیں کر سکتا تھا چنانچہ اس نے انسان کو راہ حق سے گمراہ کرنے کی ٹھان لی۔ اس کے لیے اس کا حربہ انسان کے ذہن میں فاسد خیالات، شکوک و شبہات اور وسوسے ڈالنا ہے۔ لیکن اسکے پھندے میں وہی پھنستے ہیں جو خود بھٹکنا چاہتے ہیں، جو نیک راہ پر چلنا چاہتے ہیں شیطان ان کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے گا۔ ان کے لئے کوئی خوف یا غم نہ ہوگا، وہ انشاءاللہ اپنی کھوئی ہوئی جنت کو دوبارہ پائیں گے لیکن جو شیطان کی باتوں میں آ کر مقام انسانیت سے نیچے گر جاتے ہیں وہ اس کے ساتھ جہنم کی آگ میں ڈال دیئے جائیں گے۔

یہ ہے قرآن کے انسان کی شاندار داستان۔ بلند مقاصد کے لئے بلند مرتبہ تخلیق اپنے ڈیزائن (تقویم) میں احسن ترین اور صلاحیتوں (Potential) میں بے مثل ہے، وہ کائنات میں رب تعالیٰ کا عارف اور اس کے خواص کا مظہر ہے اور زمین پر اس کا نائب ہے۔ اس کے ذمہ ان مقاصد کی تکمیل ہے۔ جس کے لئے اسے پیدا کیا گیا۔

دنیاوی حیات کے دوران میں شیطان کا وجود انسان کے لئے بہت بڑا امتحان ہے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی مشیت کا حصہ ہیں۔ انسان کی عزت اس میں ہے کہ وہ شیطان کا مقابلہ کر کے مالک کون و مکاں کی نظروں میں اپنا مقام بنائے۔ اللہ تعالیٰ چاہتا تو بلا امتحان بھی اسے سب کچھ دے سکتا تھا لیکن اس میں پھر انسان کا کیا کمال ہوتا۔ یہ تو ایسے ہی ہے جیسے کوئی کسی پتھر کو اٹھا کر اونچے مقام پر سجا دے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انسان کو عزت، علم اور اختیار کی نعمتوں سے بقیہ تمام مخلوقات پر امتیاز دیا اور اس کی خودی کی خاطر اسے موقع دیا کہ وہ ان اعزازات کا اپنے آپ کو حق دار

ثابت کرے۔اس کے لئے ضروری تھا کہ شیطان کی تخلیق بھی ہوتی اور اسے انسان کو ورغلانے کی صلاحیت اور مہلت بھی عطا ہوتی۔

یہ تو انسان کی جنت میں کہانی کا پس منظر تھا، ادھر زمین پر طبق در طبق اس کے جسم کا ارتقا قوانین خداوندی کے تحت ایک مکمل منصوبے کے ساتھ تکمیل پذیر ہو رہا تھا۔جب جسمانی لحاظ سے بھی وہ اپنی معراج کو پہنچ گیا تو پھر ایک مناسب وقت پر اللہ تعالیٰ نے تمام بقیہ دو پاؤں پر چلنے والے انسان نما حیوانوں کو ختم کر دیا اور آدم کو اس کے زمینی جسم میں منتقل کر دیا اور زمین پر اللہ تعالیٰ کا نائب قرار دیا گیا۔اس وقت سے قیامت تک جسم زمین پر ماؤں کے پیٹوں میں جنم لیں گے جب کہ ارواح عالمِ امر سے اپنی اپنی باری پر سے اتر کر ایک مقررشدہ اجل کے لئے اس میں رہنا شروع کر دیتی ہیں۔روح ہی اس کی اصل شخصیت ہے جس کا ارتقاء زمین پر کئے گئے اعمال کے مطابق ہوتا ہے اور پھر مقررشدہ اجل کے بعد یہی روح جسم کی سواری چھوڑ کر عالمِ برزخ میں چلی جاتی ہیں۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ جسمانی لحاظ سے انسان کسی دوسرے سیارے سے گری گئی مخلوق نہیں ہے بلکہ ارضی زمین کا ہی ایک حصہ ہے البتہ اپنے روحانی مقام کے لحاظ سے اس کی ساخت، اہلیت اور فطرت اس احسن تقویم کے مطابق ہے جو جنت میں پیدا ہوا تھا اور مسجودِ خلائق ٹھہرا تھا۔اس ضمن میں قرآنِ کریم میں انسان بحیثیت جسم کے بارے میں ارشاد ہے کہ:۔

وَاللّٰهُ اَنۡۢبَتَكُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ نَبَاتًاO ثُمَّ يُعِيۡدُكُمۡ فِيۡهَا وَيُخۡرِجُكُمۡ اِخۡرَاجًا O

''اللہ تعالیٰ نے تمہیں زمین سے پیدا کیا، مانند نباتات کے، پھر تمہیں زمین ہی میں لوٹائیں گے اور زمین میں سے ہی تم زندہ کئے جاؤ گے۔(سورۃ نوح، آیات 18-17)

غرضیکہ قرآن کریم سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اپنی روحانی حقیقت میں انسان کی تخلیق جنتی ہے جب کہ طبیعیاتی دنیا میں اسکا جسم ارضی ہے۔ یعنی آدم علیہ السلام کی ایک پیدائش جنتی ہے جس میں ان کا ڈیزائن، تقویم، ماڈل جسم، روحانی فطرت، علم اور رب تعالیٰ کی صفات کا مظہر ہونے کی صلاحیت بھی شامل ہیں، ان سب کی جسمانی لحاظ سے دوسری پیدائش ارضی ہے تو جو مٹی کا پیراہن ہے جس کی بنیاد مادی عناصر ہیں اور جو زمینی اجزاء سے نشوونما حاصل کرتا رہتا ہے اور اس کا رجحان بھی انہی چیزوں کی طرف ہے جو زمینی ہیں۔آخر کار جب انسان کی زمین پر لکھی گئی تقدیر پوری ہو جاتی ہے تو وہ اپنے جسم کا ایک ایک ذرہ زمین کو واپس کر دیتا ہے اور خود اپنے روحانی پیراہن میں منتقل ہو کر اگلے مقامات کی طرف سفر کا آغاز کرتا ہے۔

باب نمبر 5

حضرت آدم علیہ السلام اور انسان کا ظہور اوّل

5.1 انسانی شخصیت

پچھلے باب کی بحث سے یہ بات عیاں ہے کہ قرآنِ کریم کے مطابق انسان کی تخلیق کے دو پہلو ہیں۔

1۔ ماورائی شخصیت

2۔ طبعیاتی شخصیت

روح چونکہ "امرِ ربی" ہے اس لئے یہ ایک مستقل حقیقت ہے جبکہ پیدائش اور موت کا عمل جسم پر ہے۔ جسمانی حد تک انسان کی زندگی بھی بقیہ حیوانات کی طرح ایک انڈے (Egg) سے شروع ہوتی ہے جو کچھ عرصہ تک ماں کے پیٹ کے محفوظ خانوں میں نشو ونما پاتا ہے اور پھر بیرونی دنیا کی کھلی فضا میں نکل آتا ہے۔ یہاں زمین سے پیدا کردہ اشیاء اس کی خوراک بنتی ہیں، پھر جوانی کے کمال کے بعد بڑھاپے میں داخل ہوتا ہے آخر کار جسم کی شکست وریخت کے عمل سے گزر کر مر جاتا ہے۔ اس حوالے سے انسان اور حیوانات یکساں موت وحیات کے عمل سے گزرتے ہیں، مٹی کے عناصر سے پیدا ہوئے، مٹی سے نکلی چیزیں کھاتے رہے اور پھر مٹی ہی میں مل کر ختم ہو جاتے۔ جہاں تک روحانی شخصیت کا تعلق ہے یہ الٰہی صفات کی مظہر ہے یہ صرف انسان ہی کا خصوصی امتیاز ہے۔ حیوانات اس عظیم تحفہ سے عاری ہیں۔ حتیٰ کہ ملائکہ بھی اس کے مقام کو نہیں پہنچ سکتے یہ حیات کی احسن التقویم والی بات ہے۔ البتہ اپنی زمینی حیات کا آغاز آدمی "اسفل سافلین" ہی سے کرتا ہے جہاں سے وہ اپنے اعمال اور ایمان کے زور سے روحانی شخصیت کی نشو ونما کر سکتا ہے:۔

> وَالتِّیْنِ وَالزَّیْتُوْنِ۝ وَطُوْرِ سِیْنِیْنَ ۝ وَھٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِیْنِ۝ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ۝ ثُمَّ رَدَدْنٰہُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ۝
>
> "بے شک ہم نے انسان کو اعلیٰ سے اعلیٰ معیار کے مطابق ڈیزائن (پیدا) کیا، پھر اسے کم سے کمتر مقام کی طرف دھکیل دیا"۔ (سورۃ التّین، آیات 4-5)

جیسے جسم کی صحت اور نشو ونما کا تعلق خوراک سے ہے اسی طرح روحانی شخصیت کی صحت اور نشو ونما کا دارومدار صحیح ایمان اور عمل صالح پر ہے۔ ان میں حقوق اللہ، حقوق العباد دونوں شامل ہیں۔ ایمان اور عمل کی کمزوری سے انسانی نفس کمزور رہ جاتا ہے اور اسفل کی خواہشات کے پیچھے بھٹکتا رہتا ہے۔ مسلسل گناہوں کے نتیجہ میں آدمی کی روحانی شخصیت مر بھی سکتی ہے۔ جس کے بعد وہ مستقل طور پر اسفل سافلین کا حصہ بن جاتا ہے۔ قرآن

پاک ایسے لوگوں کو بلحاظ انسان مردہ تصور کرتا ہے۔

ان کے برعکس قرآنِ پاک کے انسان کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کا شعور رکھتا ہے اور وہ اس کے اسماءالحسنیٰ کا مظہر ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ارشاد **تَخَلِّقو باخلاق الله** کے تحت ''اپنے آپ میں اللہ تعالیٰ کے اخلاق پیدا کرو'' کی بلندی یا پستی کی نسبت سے روحانی مقام کا تعین ہوتا ہے۔ جن لوگوں کو روحانی شعور حاصل نہیں وہ محض انسان نما حیوان ہیں، بلکہ ان سے بھی بدتر ہیں۔ انہی کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَO

''جانداروں میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بدتر وہ لوگ ہیں جنہوں نے حق کا انکار کیا۔ سو وہ ایمان نہیں لائیں گے''۔(سورۃ الانفال، آیت 55)

اس آیت مبارکہ سے صاف ظاہر ہے کہ قرآن کے انسان کی خصوصیت اللہ تبارک وتعالیٰ کی پہچان اور تقویٰ ہے۔ محض معاشرت یا بولنے کی صلاحیت یا ہتھیار بنانے کی وجہ سے وہ انسان نہیں بن جاتا، زیادہ سے زیادہ آپ اسے ایک ترقی یافتہ حیوان کہہ سکتے ہیں۔ انسان کہلانے کے حقدار صرف اور صرف وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاتے ہیں اور وحی الٰہی کی ہدایت پر عمل کرتے ہیں۔ اس لئے ماں باپ اور معاشرہ کی ذمہ داری ہے کہ تعلیم وتربیت کے ذریعے بچوں میں وہ دین اسلام کا شعور پیدا کریں تاکہ وہ **''اسفل سافلین''** سے اُٹھ کر مقام علیین کی طرف پرواز کرنا شروع کریں۔ افسوس کہ اس جدید دور میں بیشتر لوگ اپنے بچوں کی دنیاوی تربیت پر تو زور دیتے ہیں لیکن روحانی تربیت کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ نتیجتاً ایسے بچوں کے لئے، الاماشاءاللہ، اسفل سافلین کے مقام سے اُٹھنا بہت مشکل ہے اور بڑا ہونے کے بعد وہ دنیا کی غلاظت میں مزید دھنس جاتے ہیں اور بالآخر اسی پستی میں وہ بھوت بن کر بھٹکتے رہتے ہیں۔

5.2 انسان کی تخلیق کے مختلف مدارج

انسان کے روحانی اور حیوانی تشخص کو سمجھنے کے بعد ہم اس کی تخلیق کے مراحل کو سمجھنے کی کوشش کریں گے۔ اس سلسلہ میں قرآنِ کریم اور جدید سائنسی دریافتوں کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ انسان کی تخلیق تین مدارج میں ہوئی۔

1۔ جنتی جسم کے ساتھ جنت میں پہلی تخلیق۔
2۔ ارضی حیات کے لئے موزوں جسم کا زمینی ارتقاء۔
3۔ زمین پر آدم علیہ السلام کا ظہور اور انسانیت کا آغاز۔

قرآنِ کریم انسانی تخلیق اور ارتقاء کے ان تمام مدارج کا مختلف اسلوب سے ذکر کرتا ہے لیکن لوگ عمومی طور پر انسان کی جنتی حیات اور

زمینی حیات میں فرق نہیں کرتے، جس سے بعض اوقات سائنسی دریافتوں اور قرآنی آیات میں تضاد نظر آتا ہے اور ہمیں اپنی حقیقت سمجھنے میں مشکل پیش آتی ہے۔ انتشار سے بچتے ہوئے ذیل میں ہم اصل بات واضح کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں قرآن کریم سے ایک عمومی رہنمائی یہ ملتی ہے کہ دنیا میں ہونے والے تمام واقعات پہلے عالم امر میں ہوتے ہیں اور وہاں سے دنیا میں اللہ تعالی کے پروگرام کے مطابق اترتے ہیں۔ اس بات کو سمجھنے کے لئے مندرجہ ذیل آیات پر غور فرمائیں:۔

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۝ لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۙ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۝ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ۝ سَلٰمٌ ۛ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝

"بے شک ہم نے اسے (قرآن مجید) شب قدر میں اتارا اور تم کیا جانو شب قدر کیا ہے؟ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے، اس میں فرشتے اور روح اترتے ہیں اپنے رب کے حکم سے ہر امر کی طرف۔ وہ سلامتی ہے فجر کے ظہور تک۔" (سورۃ القدر، آیت 1-5)

اس حقیقت کے مطابق دنیا میں ہونے والے تمام واقعات پہلے عالم الغیب میں تخلیق ہوتے ہیں اور وہاں سے عالم الشہادۃ میں ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ اس کی تفصیلات ہماری کتاب "قیامت اور حیات بعد الموت" اور دوسری کتاب "(Cosmology and Human Destiny)" میں وضاحت سے موجود ہیں۔ مادی لحاظ سے اس کی مثال یہ ہے کہ جب ہم کوئی کام کرنا چاہتے ہیں تو سب سے پہلے اس کے لئے ارادہ، پھر اس کا نقشہ پھر تخلیق کے مختلف مرحلہ جات اور دیگر تفصیلات ہمارے ذہن میں تشکیل پاتی ہیں۔ وہاں سے پھر وہ ہاتھ، پاؤں اور زبان کے ذریعہ عالم شہادت میں ظہور پذیر ہونا شروع ہوتا ہے، کاغذ پر نقشے بنتے ہیں، ماڈل تیار کئے جاتے ہیں، کوئی کمی بیشی ہو تو اس کو دور کیا جاتا ہے اور پھر جب ہر طرح سے تسلی ہو جاتی ہے تو مادی ذرائع کے استعمال سے وہ کام ایک مجسم شکل میں سب کے سامنے آجاتا ہے۔ اب اگر وہ مطلوبہ معیار پر پورا اترے تو پھر اسے بہت بڑی تعداد میں بنانے کے لئے (Mass Production) فیکٹری میں بھیج دیا جاتا ہے اور پھر وہاں ایک خاص معیار کے مطابق بنتا رہتا ہے۔ وہاں سے وہ مارکیٹ میں پہنچتا ہے جہاں اس کی استعمال کے ذریعے آزمائش ہوتی ہے۔ آدمی کی جنتی پیدائش اور زمینی حیات کا معاملہ بھی کچھ یونہی ہے۔

عالم باطن سے اتر کر عالم شہادت میں ظہور کی ایک اور عام مثال ہماری اپنی پیدائش ہے۔ بچہ پہلے اپنے باپ کے جسم میں گم ہوتا ہے وہاں سے اتر کر ماں کے رحم میں ظاہر ہوتا ہے اور رحم کی دنیا میں ایک مدت تک رہتا ہے اور بعد میں باہر کی دنیا میں آتا ہے۔ ایسی ہی ایک اور عام سی مثال بارش کی ہے، کروڑوں ٹن پانی بادلوں میں گم ہوتا ہے لیکن زمین پر اس کا ظہور بارش کے ایک ایک قطرہ کی شکل میں ہوتا ہے۔

اس طرح کی تمام مثالیں واضح کرتی ہیں کہ عالم شہادت میں وجود پانے سے پہلے واقعات عالم باطن میں موجود ہوتے ہیں۔ اسی اصول

کے مطابق انسان کی تخلیق اگر چہ زمین پر بعد کا واقعہ ہے لیکن عالم امر میں اس کا ظہور کائنات کے ڈیزائن سے بھی پہلے ہو چکا تھا بلکہ کائنات کی غرض وغایت انسان ہی ہے۔ جیسا کہ سرورِ کائنات خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں ارشاد ہے **لولاک لما خلقت الافلاک** یعنی "اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ ہوتے تو میں کائنات کو پیدا ہی نہ کرتا یعنی کائنات کی تخلیق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کی بدولت ہے۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں:۔

؎ عالم ہے فقط مومن جانباز کی میراث
مومن نہیں جو صاحب لولاک نہیں ہے

یا یہ کہ

؎ سب کچھ تمہارے واسطے پیدا کیا گیا
سب غایتوں کی غایت اولیٰ تمہی تو ہو

قرآن کریم سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت آدمؑ کی باطنی تخلیق وتشکیل ایک ایسا امر ہے جو ہماری اس چھوٹی سی زمین پر نہیں بلکہ بے حساب وسعت والی جنت میں عمل میں آیا۔ یہ وجود کی وہی سمت (Dimension) ہے جہاں عالم باطن کی دیگر مخلوقات ہیں مثلاً ارواح، ملائکہ جیسی ہستیاں رہتی ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ ہم میں سے خوش قسمت لوگوں کی زمان ومکاں کے سفر کی آخری منزل بھی یہی جنت ہوگی۔ مختصراً ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ انسان کی عظیم داستان کا آغاز جنت میں ہوا۔ یوں انسان اللہ تعالیٰ کی خصوصی تخلیق ہے۔ اس نے اسے اپنے مبارک ہاتھ سے خود شکل دی اپنی فطرت (Image) پر بنایا اور پھر اپنی روح پھونک کر ہمیں کائنات میں یکتا مقام عطا فرما دیا۔ نہ صرف یہ بلکہ زمین پر اپنی خلافت کی خوشخبری سنا کر انسان کو بے مثال کر دیا۔ اس ضمن میں مندرجہ ذیل آیات انسان کے لئے بے حد باعث مسرت اور قابل غور رہیں فرمایا:۔

اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ ■ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ O فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ O فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ O اِلَّا اِبْلِیْسَ ■ اِسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ O قَالَ یٰٓاِبْلِیْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیَّ ■ اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِیْنَ O قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ ■ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ O قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِیْمٌ O وَّاِنَّ عَلَیْكَ لَعْنَتِیْٓ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ O قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْٓ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ O قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ O

(یاد کرو وہ لمحات) "جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رب نے فرشتوں سے فرمایا: کہ میں مٹی سے بشر (انسان) بنانے والا ہوں۔ پھر جب اسے ٹھیک طرح سے بنا لوں اور اس میں اپنی روح میں سے کچھ پھونک

دوں،تو تم اس کیلئے سجدہ میں گر جانا۔پس سب فرشتوں نے سجدہ کیا،مگر ابلیس نے (سجدہ نہ کیا)اس نے غرور کیااور یوں وہ کافروں میں سے ہوگیا۔فرمایا:۔اے ابلیس تجھے کس چیز نے روکا،کہ تو سجدہ کرے اسے جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا؟ کیاتو نے غرور کیا؟تو واقعی بہت بروں میں سے ہے۔ بولا:''میں اس سے بہتر ہوں۔ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیااور اسے مٹی سے پیدا کیا''۔فرمایا:۔تو یہاں سے نکل جا'پس تو راندۂ درگاہ ہے،اور بے شک تم پر میری لعنت ہے'۔بولا:''اے میرے رب تو مجھے مہلت دے اس دن تک کہ اٹھائے جائیں گے'' فرمایا:۔''پس تو مہلت والوں میں سے ہے''(سورۂ ص،آیات 80-71)

اس سلسلہ میں یہ سمجھنا بھی ضروری ہے کہ جنت آسمانوں میں کسی بہت بڑے سیارے کا نام نہیں ہے بلکہ قرآن کریم میں اس کو زمین وآسمان یعنی تمام کائنات کی وسعت سے بھی وسیع تر کہا گیا ہے۔اس لئے زمین موجودہ مادی کائنات سے ماورئی مقام ہے۔یعنی یہ ہمارے سامنے چار سمتی کائنات میں نہیں ہے بلکہ یہ ان کے اوپر کی جہتوں (Other Dimensions) میں پنہاں وجود ہے۔

5.3 آدم علیہ السلام کی علمی فضیلت

قرآن کریم ہمیں یہ بھی بتاتا ہے کہ آدمیت کا خصوصی وصف علم الاشیاء تھا۔(حوالہ سورہ البقرہ،آیت 32-31)اور یہ اس روح کے نتیجہ میں تھا جو اللہ تعالی نے اپنی طرف سے اس میں پھونک دی تھی۔پھر اس بے مثل وصف کا کھلے بندوں اظہار کیا گیا،خالق کون ومکان نے تمام مخلوقات کو اس تقریب میں آنے کا حکم دیااور فرشتوں سے کہا کہ اگر وہ اپنی بڑائی کے دعویٰ میں سچے ہیں تو اس کی پیدا کردہ اشیاء کے اسماء(خواص) بتائیں،لیکن انہیں یہ ادراک نہیں تھا پھر یہی حکم آدم علیہ السلام کو ہوا جسے انہوں نے ودیعت شدہ علم کی بنا پر ٹھیک ٹھیک بیان کر دیا۔یہ عظیم سائنسی امتحان حجت قائم کرنے کے لئے تھا تا کہ آدم علیہ السلام کا یکتا مقام سب پر واضح ہوجائے اور علم کی اہمیت واضح کرنے کے لئے تھا کہ زمین پر اللہ تعالی کا خلیفہ بننے کا حق اسے حاصل ہوگا۔جسے اس کی تخلیقات کا علم حاصل ہوگاورنہ رب تعالی ویسے بھی سجدہ کا حکم دے سکتا تھا۔(بحوالہ آیات قرآن کریم)[(38(72-7), 2(116), 18(50), 17(61),15(28), 7(11), 4(31-34)]۔

اس امتحان میں کامیابی کے بعد اللہ تعالی نے حضرت آدم علیہ السلام اوران کی زوجہ حضرت حوا علیہا السلام کو جنت میں ٹھہرا دیا۔یہ مضمون قرآن کریم کی آیات 2(35),7(19),20(118-119) میں بیان ہوا ہے فرمایا:۔

وَيٰٓاٰدَمُ اسۡكُنۡ اَنۡتَ وَزَوۡجُكَ الۡجَنَّةَ فَكُلَا مِنۡ حَيۡثُ شِئۡتُمَا وَلَا تَقۡرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوۡنَا مِنَ الظّٰلِمِيۡنَ ۝ فَوَسۡوَسَ لَهُمَا الشَّيۡطٰنُ لِيُبۡدِيَ لَهُمَا مَاوٗرِيَ عَنۡهُمَا مِنۡ سَوۡاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰٮكُمَا رَبُّكُمَا عَنۡ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّاۤ اَنۡ تَكُوۡنَا مَلَكَيۡنِ اَوۡ تَكُوۡنَا

مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ○ وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ○ فَدَلّٰهُمَا بِغُرُوْرٍ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ○ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ○ قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ○ قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ○

"اے آدم تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو، پس اس میں سے تم دونوں جو چاہو کھاؤ، اور اس پیڑ کے پاس نہ جانا، ورنہ تم دونوں ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔ پھر شیطان نے ان کے دل میں وسوسہ ڈال دیا تا کہ ان پر وہ چیزیں نکل جائیں جو ان سے چھپی ہوئی تھیں اور بولا! تمہیں تمہارے رب نے اس پیڑ سے اس لئے کھانے سے منع فرمایا کہ کہیں تم دونوں فرشتے نہ بن جاؤ یا ہمیشہ یہاں کے رہنے والوں میں سے نہ ہو جاؤ اور ان سے قسم کھائی کہ میں تم دونوں کا خیر خواہ ہوں۔ یوں اتار لیا انہیں اس نے اپنے فریب میں۔ پھر جب انہوں نے اس درخت کا پھل کھایا تو ان پر ان کی شرم کی چیزیں کھل گئیں، اور لگے اپنے بدن پر جنت کے پتے لپیٹنے، تب انہیں ان کے رب نے فرمایا: کیا میں نے تمہیں اس پیڑ سے منع نہ کیا تھا، اور نہ کہا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے؟ دونوں نے عرض کی "اے ہمارے رب! ہم نے اپنے آپ پر ظلم کیا اور اب اگر تو ہمیں نہ بخشے گا اور ہم پر رحم نہ کرے گا تو یقیناً ہم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوں گے۔" فرمایا! "تم سب یہاں سے اتر جاؤ" اور تمہارے لئے زمین میں ایک وقت تک ٹھہرنا ہے، اور اس سے فائدہ اٹھانا ہے۔" فرمایا! اسی میں تم جیو گے اور اسی میں مرو گے اور اسی میں سے نکالے جاؤ گے"۔ (سورۃ الاعراف، آیات 19-25)

یہی مضمون تھوڑی تبدیلی کے ساتھ آیات (32-37)2 میں دیا گیا ہے۔ آیات (116-141)20 میں بھی اسی مضمون کا اعادہ ہے فرمایا۔

فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ○ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ○ وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى ○ فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ○

"تو ہم نے فرمایا۔ اے آدم (شیطان) تیرا اور تیری زوجہ کا دشمن ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تم دونوں کو جنت سے نکال

دے، پھر تم مشقت میں ڈال دیئے جاؤ۔ بے شک، تیرے لئے جنت میں یہ ہے کہ اس میں نہ تو بھوکا ہوگا نہ ننگا، اور یہ کہ تجھے نہ اس میں پیاس لگے گی اور نہ گرمی۔" پھر شیطان نے اسے وسوسہ میں ڈال دیا بولا! اے آدم کیا میں تمہیں بتادوں ہمیشہ زندہ رہنے والا درخت اور ایسی سلطنت جس میں کوئی زوال نہ ہوگی"۔ (سورۃ طٰہٰ، آیات 117-120)

آیات (34-39)2 میں یہ مضمون اس طرح آیا ہے:۔

وَقُلْنَا يَآدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ■ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ O فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ■ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ■ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ O فَتَلَقّٰى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ■ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ O قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ■ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ O وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ■ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ O

"اور ہم نے فرمایا! اے آدم، تم اور تمہاری زوجہ جنت میں رہو اور اس میں سے بے روک ٹوک کھاؤ جہاں سے تمہارا جی چاہے اور تم دونوں اس درخت کے پاس نہ جانا، ورنہ تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔ تو شیطان نے ان دونوں کو ڈگمگا دیا اور پس ان دونوں کو وہاں سے خارج کرا دیا جس میں وہ تھے اور ہم نے فرمایا: تم سب یہاں سے نیچے اتر جاؤ تم میں سے بعض بعض کے دشمن ہوں گے، اور تمہیں ایک وقت تک زمین میں ٹھہرنا اور اس سے فائدہ اٹھانا ہوگا۔ پھر سیکھ لئے آدم نے اپنے رب سے کچھ کلمے، تو اللہ تعالیٰ نے اس کی توبہ قبول فرمائی، بیشک وہی ہے بہت توبہ قبول کرنے والا۔ ہم نے فرمایا: تم سب کے سب اس سے نیچے اتر جاؤ، پس اگر میری طرف سے تمہارے پاس ہدایت آئے تو جو کوئی میری ہدایت کی پیروی کرے گا اسے نہ کوئی اندیشہ ہوگا اور نہ کچھ غم ہوگا۔ اور جو کفر کریں گے اور میری آیات کو جھٹلائیں گے وہ دوزخ والے ہوں گے اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے"۔ (سورۃ البقرہ، آیات 39-35)

ان آیات کریمہ سے یہ صاف ظاہر ہے کہ فرشتوں سے علمی مقابلہ جیتنے کے بعد آدم اور ان کی زوجہ کو جنت میں رکھا گیا، جب شیطان کے بہکانے سے انہوں نے وہاں کا ڈسپلن توڑ ڈالا تو ان پر عتاب نازل ہوا اور انہیں جنت سے نکل جانے کا حکم ہوا۔ وہیں آدم علیہ السلام نے اپنی

غلطی کی معافی مانگی اوراللہ تعالیٰ نے انہیں معاف فرما دیا لیکن معافی کے باوجود جو فیصلہ ہو چکا تھا اس پر عمل کرایا گیا۔ یہ حکم آدمؑ ان کی زوجہ اوران کی ذریت سب کے لیے مع شیطان تھا۔ حکم ہوا کہ "تم سب کے سب نیچے اتر جاؤ"۔

بعض قرآنِ کریم کے مفسرین جنت سے مراد زمین پر کوئی باغ لیتے ہیں لیکن ایسی تفسیر نہ صرف حقائق کے خلاف ہے بلکہ اصل واقعہ کی عظمت کو بھی نقصان پہنچاتی ہے۔ جبکہ آیات مبارکہ (2:28-39) پر سرسری غور کرنے سے بھی واضح ہو جاتا ہے کہ یہ سارا واقعہ عالم جنت کا ہے۔ یہ طے شدہ مشیعت تھی کہ حضرت آدم علیہ السلام کا بالآخر زمین پر ٹھکانا ہوگا، لیکن ان کا جنتی وجود جنت ہی میں بنایا گیا۔ وہیں اس میں روح ڈالی گئی، علم عطا ہوا اور وہیں ان کا ملائکہ اور شیطان سے آمنا سامنا ہوا، وہیں ان کی زوجہ کی تخلیق ہوئی۔ پھر دونوں ایک عرصہ تک عالم جنت میں رہے، جہاں ان کی روحانی تربیت ہوتی رہی۔ آخر کار وہیں اپنے دیئے گئے اختیار کے غلط استعمال کرنے سے سزا کے مستحق ہوئے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی غلطی کو معاف فرما دیا۔ البتہ حق تعالیٰ نے انہیں اور ان کی ذریت کو جنت سے عالمِ ارواح میں بھیج دیا۔ جہاں سے انسانوں کی روحیں اپنی اپنی باری پر عالم الارض میں اتر کر اپنے لئے مخصوص جسم میں داخل ہو جاتی ہے اور اس وقت تک رہتی ہے جب تک اللہ تعالیٰ کو ان کا امتحان منظور ہوتا ہے۔

اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ جنت میں حضرت آدم علیہ السلام کی مادر شخصیت ان کے خصوصی جنتی جسم کی شکل کے مطابق تھی۔ ادھر زمین پر بھی انسان کے زمینی جسم کا ارتقاء اسی ڈیزائن کے مطابق ہوا، اور بڑھتے بڑھتے وہ آدم علیہ السلام کی اصل صورت کے مطابق ہو گیا۔ قرآنی الفاظ میں اس کا آغاز ایک نفس واحدہ (Primordial Cell) سے پانی میں ہوا اور رب العالمین کے قوانین ربوبیت کے مطابق اس کی تربیت اور ارتقاء جب تک اس نے چاہا اور جس طرح چاہا جاری رہا۔ زمین پر یہ جسم طبق در طبق منزل بہ منزل ایک ارتقاء سے دوسرے ارتقاء کی طرف بڑھتا رہا۔ حتیٰ کہ اس قابل ہو گیا کہ اس میں آدم ساتھ اپنی روح کے رہ سکیں۔ زمین پر انسان کے جسم کے ارتقاء کی مثال انسان کے لباس سے دی جا سکتی ہے، جس کی تیاری کے لئے پہلے کسان کپاس بوتا ہے، پھر جولاہا کپاس سے دھاگا بناتا ہے اور پھر اس سے کپڑا بنتا ہے اور پھر درزی اس کپڑے سے پوشاک بناتا ہے۔ اس طرح انسانی جسم کی تیاری بھی مختلف مراحل سے گزری ہے جو بظاہر ایک دوسرے سے بہت مختلف ہیں لیکن مقصد کی وحدت کے لحاظ سے ایک ہی تھے۔ اپنے ابتدائی دور ہی میں مسلمان علماء ان نظریات سے اچھی طرح آگاہ تھے۔ یہ بات مولانا روم کی اس مضمون پر نظم سے ظاہر ہوتی ہے۔ جس کا ترجمہ پہلے دیا جا چکا ہے۔

5.4 نظریہ ہبوطِ حضرت آدم علیہ السلام

جیسا کہ ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے متعلق عام طور پر مشہور اور عوام الناس میں مقبول نظریہ ہبوطِ آدم ہے کہ وہ آسمانوں میں کوئی جگہ جس کا نام جنت ہے میں بنائے گئے تھے اور پھر وہاں سے انہیں زمین پر بھیج دیا گیا۔ ان روایات کے مطابق کہانی کچھ یوں بنتی ہے کہ "سب سے پہلے خالقِ کائنات نے تمام سطحِ زمین سے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے لئے چُن چُن کر مٹی جمع کی، پھر جنت میں اس مٹی کو پانی سے گوندھا گیا اور جب وہ مٹی اچھی طرح تیار ہو گئی تو پھر اس سے آدم علیہ السلام کا بت اپنے ہاتھوں سے بنایا، جب یہ بت تیار ہو گیا تو

خالقِ کائنات نے اپنی روح سے کچھ اس میں پھونک دیا جس پر اس بت میں جان پڑ گئی، اب وہ عقل ودانش کا مالک، صاحبِ اختیار، صاحبِ علم تھا۔ اس کے بعد اس کی پسلی سے ان کی بیوی حضرت حوا کو بھی پیدا کیا، چونکہ پسلی کی ہڈی ٹیڑھی ہوتی ہے اس لئے عورت کا مزاج بھی ٹیڑھا ہے۔ اس کے بعد یہ دونوں کچھ عرصہ جنت میں رہے لیکن وہاں شیطان کے بہکاوے پر انہوں نے گندم کا دانہ کھالیا، جس کی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام اوران کی زوجہ کو جنت سے نکلنا پڑا اور انہیں زمین کی امتحان گاہ میں بھیج دیا گیا (کس چیز پر کیسے بھیجا گیا؟ معلوم نہیں)۔ زمین پر پہنچنے کے بعد نسل انسانی باقاعدہ عمل تولید سے بڑھنے لگی اور اب تک بڑھتی آرہی ہے''۔ لیکن اس قصہ میں نہیں بتایا گیا کہ جنت کہاں تھی اور وہاں سے زمین پر پہنچتے پہنچتے حضرت آدم علیہ السلام کو کتنے سال لگے۔ جدید سائنس کی معلومات کے مطابق ستاروں کے درمیان اتنی مسافت ہے کہ روشنی کو ایک ستارے سے دوسرے تک پہنچتے پہنچتے لاکھوں سال لگ سکتے ہیں۔ اگر جنت ستاروں کی دنیا ہے تو پھر آدم کو وہاں سے زمین کی طرف آتے آتے اس سے کم عرصہ تو نہیں لگا ہوگا لیکن ایسا نہیں ہوا۔

پرفیسر چارلوٹ ولیس (Prof. Charlotte Wallace) وہ فلاسفر ہے جس کے نظریات کا موجودہ عیسائی مذہب میں بڑا دخل ہے۔ وہ اپنی کتاب (A Study of Evolution) میں لکھتا ہے کہ ہبوطِ آدم کا نظریہ دراصل بائبل میں حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے واقعہ پر مبنی ہے جس پر عیسائی کلیسا نے بے شمار روایات کو جنم دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ سترہویں صدی عیسوی میں کیمبرج یونیورسٹی کے ایک بشپ نے حساب لگایا کہ خداؤں کے اتحادِ ثلاثہ (Trinity) باپ، بیٹے اور ماں نے 23 اکتوبر 4004 قبل از مسیح صبح 9 بجے حضرت آدم علیہ السلام کو آسمانوں سے زمین پر بھیجا۔ یعنی حضرت آدم علیہ السلام آج سے تقریباً 6000 (چھ ہزار) سال ہوئے جب اترے تھے۔ اس طرح لوگوں نے حضرت آدم علیہ السلام کے شجرہ ہائے نسب بھی بنا ڈالے ہیں۔ کچھ مسلمان علماء نے بھی ان عیسائی روایات سے بڑا اثر لیا ہے۔ چنانچہ ابنِ ہشام نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے متعلق اپنی کتاب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لے کر حضرت آدم علیہ السلام تک کا پورا سلسلہ نسب دیا ہے اور اس شجرہ نسب میں چالیس کے قریب نسلیں دکھائی گئی ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ سلسلہ نسب کسی صورت میں بھی مکمل نہیں ہوسکتا لیکن پھر بھی بہت سے لوگ اسے حرفِ آخر سمجھ بیٹھے ہیں۔

ہمارا مقصد یہاں کسی بھی مکتبِ فکر پر تنقید کرنا نہیں بلکہ صرف یہ واضح کرنا ہے کہ انسان کی پیدائش کے متعلق نظریہ ہبوط کے بانی مسلمان نہیں بلکہ عیسائی عالم تھے۔ ان کے برعکس جیسے مولانا رومؒ کی نظم سے بھی ظاہر ہے مسلمان مفکر تخلیق میں ارتقائی نزول کے قائل رہے ہیں۔ ڈارون کی پیدائش سے بھی چھ سو سال قبل مسلم معاشرہ میں نظریہ ارتقاء کا اس قدر رچ چا تھا کہ سائنسدان کی مجلسوں سے باہر یہ شعروادب کا بھی حصہ بن چکا تھا۔ لیکن جیسے پہلے واضح کیا جاچکا ہے کہ اسلامی نظریہ ارتقاء ڈارون کے نظریہ ارتقاء سے بالکل مختلف ہے۔ خوش آئند بات یہ ہے کہ اب جدید سائنس اسلامی نظریہ کی ترجمان بن کر سامنے آرہی ہے۔

باب نمبر 6

حضرت آدم علیہ السلام کا زمین پر ظہور

ہم نے دیکھا ہے کہ اگر چہ زمین پر ہبوطِ آدم کی کہانی انتہائی دلچسپ ہے لیکن بدقسمتی سے اس میں بہت زیادہ تضاد ہے اور رنگ افسانوی ہے۔ دوسری طرف انسان کے بارے میں جس قدر بھی نظریے سائنس نے قائم کیے ہیں ان کی اصل لیبارٹری نہیں بلکہ ہڈیوں کے ٹکڑے ہیں جن پر قیاس آرائی کر کے ایک ایسی کہانی بنانے کی کوشش کی جاتی ہے جو قابلِ قبول ہونے کی سند حاصل کر سکے۔ لیکن حقیقت یہ کہ (Anthropology) ابھی ایک ٹھوس سائنس نہیں بلکہ قیاسیات کا مجموعہ ہے۔ اس میں سائنس دانوں کی بدنیتی کو ہرگز دخل نہیں بلکہ تحقیق کی اپنی مشکلات ہیں اور دوسری وجہ سائنسدانوں کی وحی الٰہی سے ناواقفیت ہے۔ اگر ہم سائنسی تحقیق کے ساتھ ساتھ قرآنِ کریم کی روشنی میں انسان کی تخلیق کو سمجھنے کی کوشش کریں تو یقیناً ہم بہتر نتائج پر پہنچ سکتے ہیں۔ ہماری تحقیق کا محور یہی بنیاد ہے جو مندرجہ ذیل ہے۔

6.1 انسان کی کہانی بہت قدیم ہے

جیسا کہ ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں کہ عیسائی مذہب انسان کو صرف 6000 سال پرانا بتاتا ہے جو خود تاریخ نے غلط ثابت کر دیا ہے لیکن اس سلسلہ میں قرآنِ کریم نے چودہ سو سال پہلے جس حقیقت کی طرف رہنمائی فرمائی وہ حیران کن ہے۔ یہ دو حصوں پر مشتمل ہے۔

اول:۔ یہ کہ جنت میں جنتی جسم کے ساتھ حضرت آدم علیہ السلام کا بنایا جانا اور علمی فضیلت کی بناء پر مسجودِ ملائکہ ٹھہرایا جانا۔

دوم:۔ زمین پر نسلِ آدم کے لئے مناسب زمینی جسم کا درجہ بدرجہ ارتقاء جو کہ انسان کے عارضی گھر کی مثال ہے۔ وہ عالمِ ارواح سے آتا ہے کچھ عرصہ الاٹ کردہ جسم میں گزارتا ہے اور پھر واپس چلا جاتا ہے۔ زمین پر انسان کی کہانی اس کی جسمانی کہانی ہے جو کہ قرآن کریم سے پتا چلتا ہے کہ نہایت قدیم ہے اور اپنے روحانی ظہور سے بہت پہلے اس پر ایک طویل عرصہ ایسا بھی گزرا جب وہ ایک بے حیثیت مخلوق تھا۔ یہ بات مندرجہ ذیل قرآنی آیت سے واضح ہوتی ہے۔ خالقِ کائنات فرماتے ہیں:۔

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا○

"کیا انسان پر ایک لمبا دور ایسا نہیں گزرا جب وہ کوئی قابلِ ذکر چیز نہ تھا"۔ (سورۃ دہر، آیت 1)

حین من الدھر وقت کے پیمانہ پر ایک بہت لمبے غیر محدود وقفہ کو کہا جاتا ہے۔ یہ کونسا زمانہ ہے جس کا ذکر وحی الٰہی میں کیا گیا، یقیناً یہ زمین پر ظہورِ حضرت آدم علیہ السلام کے واقعہ کے بعد کا نہیں ہو سکتا، اس واقعہ کے بعد تو حضرت آدم علیہ السلام اور اس کی اولاد اشرف المخلوقات تھے اور ان کا چرچا زمین پر کیا عالمِ بالا میں بھی پھیلا ہوا تھا۔ اس لئے ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ ان آیات مبارکہ میں جس دور کا ذکر ہے

وہ زمانہ قبل از حضرت آدم علیہ السلام ہے۔یہ وہ دور ہے جس میں مولانا رومیؒ کے مطابق انسانی جسم پہلے جمادات کی نوع میں تھا پھر نباتات میں اس کا ظہور ہوا اور پھر حیوانات کے وجود میں ارتقاء کی منازل طے کرتا رہا۔اسی سلسلہ میں جدید سائنسی کوششیں بھی قابلِ فخر ہیں کہ اب سائنس بھی اسی نتیجہ پر پہنچ گئی ہے کہ انسان کی کہانی واقعی بہت قدیم ہے' کروڑوں سالوں پر محیط طبق در طبق تخلیق کا ایک سلسلہ ہے جسکی آخری بلند ترین کڑی حضرت انسان ہے اور جو نسبتاً ایک حالیہ بات ہے۔

اب اگر قرآنی لحاظ سے ہم جاننا چاہیں کہ انسانی ارتقاء کا یہ دور کس قدر طویل ہوگا تو اس کے متعلق بھی ہمیں قرآن کریم ہی سے اشارہ ملتا ہے کہ جس عرصہ کو اللہ تعالیٰ خود لمبا کہے وہ انسانی معیار پر کس قدر لمبا ہوگا۔اس کا اندازہ ہم یہاں سے لگا سکتے ہیں قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ایک دن ہمارے ایک ہزار سال اور بعض حالات میں پچاس ہزار سال کے برابر بھی ہوسکتا ہے۔ہزار سال کے دن کے بارے میں فرمان باری تعالیٰ ہے:۔

وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ O

''اور یقیناً یہاں ایک دن تمہارے رب کے ہاں ہزار برس کی مانند ہے'اس گنتی کے مطابق جو تم کرتے ہو۔''

(سورۃ الحج،آیت 47)

چنانچہ انسان کے اس دور کے متعلق جس کا ذکر سورۃ الدھر کی پہلی ہی آیت میں کیا گیا ہے اس کے مطابق وہ کوئی قابلِ ذکر ہستی نہیں تھا تو معلوم ہوگا کہ یہ آیت زمین پر انسان کے جسم کے ارتقاء کے متعلق ہے اور یہ عرصہ ہزاروں لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں سالوں پر پھیلا ہوسکتا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے۔ماڈرن تحقیق کے مطابق وہ جرثومہ جسے قرآنی اصطلاح میں "نفس واحدۃ" کہا جا سکتا ہے۔تقریباً پانچ کروڑ سال پہلے مٹی میں ظاہر ہوا اور پھر بے شمار نباتاتی اور حیوانی ادوار سے گزرتا ہوا انسانی شکل میں نمودار ہوا۔اس مضمون کو آیت (4)6 سے بھی تقویت ملتی ہے۔حکم خداوندی ہے:۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ قَضٰٓى اَجَلًا وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ O

''وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا مٹی سے،پھر اس نے ایک مدت مقرر کی،اور اس کے یہاں ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہے،پھر بھی تم شک کرتے ہو''۔ (سورۃ الانعام،آیت 2)

اس نوعیت کی تمام آیات سے صاف ظاہر ہے کہ اپنے جسم کے لحاظ سے انسان کوئی آفاقی تخلیق نہیں ہے جسے جنت میں بنا کر زمین پر پھینکا گیا بلکہ شروع ہی سے انسانی جسم کا خمیر اسی زمین سے اُٹھایا گیا تھا جس پر اس نے بعد ازاں رہنا تھا۔اس سلسلہ میں قرآنِ پاک ہماری یہ رہنمائی بھی کرتا ہے کہ وہ جرثومہ جس کی تقدیر میں انسانی جسم بننا لکھا تھا وہ بھی زمین ہی کے ماحول میں پیدا ہوا ہے۔اس لئے بعض لوگ جو یہ کہتے

ہیں کہ زندگی کسی بیرونی دنیا سے شہاب ثاقب کے ساتھ چٹ کر زمین پر پہنچی صحیح نہیں ہے۔اس بارے میں سورۃ الانعام کی آیت 2 ہم پہلے ہی پڑھ چکے ہیں۔یہاں ہم اسی مسئلے پر کچھ مزید آیات کریمہ بھی نقل کر رہے ہیں۔خدا تعالیٰ نے فرمایا:۔

مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ۝

''ہم نے اسی میں سے تمہیں پیدا کیا،اور اسی میں پھر تمہیں لوٹائیں گے،اور اس میں سے تمہیں دوبارہ نکالیں گے''۔

(سورۃ طٰہٰ،آیت۔55)

اس آیت مبارکہ کی روشنی میں ان شکوک کی کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی کہ انسانی جسم کوئی آفاقی تخلیق تھا اور زمین پر ظہور سے پہلے وہ کسی اور جگہ بنایا گیا تھا اور پھر وہاں سے یہاں گرایا گیا۔اس سے پہلے کی دو آیات (54-53) 20 میں بتایا گیا ہے کہ کیسے اللہ تعالیٰ تمہیں یہاں بھیجنے سے پہلے زمین کو رہائش کے قابل بنانا اور اس میں تمہارے لئے اور تمہارے مویشیوں کے لئے طرح طرح کی نباتات کو پیدا کیا۔زمین پر زمینی جسم کے اپنے ظہور سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام اپنے ڈیزائن اور شخصیت میں ایک جنتی مخلوق تھے۔اس کے بعد زمینی حیات کے لئے انہیں جو جسم دیا گیا وہ یہیں کی پیداوار ہے۔اس کے حیوانی ارتقاء کے بارے سورۃ النجم کی آیت 32 میں بھی واضح کی گئی ہے:۔

هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ

''وہ تمہارے حال سے اس وقت بھی خوب واقف تھا جب اس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا (اور با قاعدہ نارمل تولیدی دور کے بارے میں فرمایا گیا)،اور اس وقت بھی جب تم ماؤں کے پیٹ میں جنین تھے''۔(سورۃ النجم،آیت 32)

6.2 انسان کی تخلیق کے تین ادوار کی ایک تکنیکی مثال

اوپر دی گئی اس تشریح سے یہ نتیجہ ہرگز اخذ نہ کیا جائے کہ ہم انسان کی جنتی حیات کی نفی کر رہے ہیں۔وہ اپنی جگہ پر ایک مستقل امر ہے اور اس میں کوئی شک نہیں۔جیسے پہلے بھی کئی دفعہ بتایا جا چکا ہے کہ انسان کا ڈیزائن اور اس کا جنتی جسم آفاقی جنت میں ہی بنایا گیا تھا۔اس کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے خصوصی صلاحیتیں عطا کیں اور پھر وہیں اس کا امتحان ہوا جس میں وہ کامیاب رہا۔اس کامیابی کے بعد وہ ایک عرصہ تک جنت میں رہا اور وہاں سے عالم ارواح میں منتقل ہو گیا۔یہ حضرت آدم علیہ السلام کی کہانی کا پہلا باب تھا۔

ان کی کہانی کا دوسرا باب زمین پر عام سائنسی قوانین کے مطابق ان کے جسم کا ارتقا تھا جس کا قرآنی اصطلاح میں ایک نفس واحدہ سے پانی میں آغاز ہوا اور جس کے ترکیبی عناصر چیتی ہوئی مٹی سے لیے گئے تھے۔یہیں سے یہ ہستی جس کی قسمت میں بالآخر انسانی جسم بننا تھا۔آہستہ آہستہ ارتقاء کی منازل طے کرتی رہی۔حتیٰ کہ وہ اس قابل ہوا کہ اسے انسان جیسی یکتا اور قابل فضیلت مخلوق کا گھر بنایا جا سکے۔

اس کا تیسرا باب آج سے شاید تیس چالیس ہزار سال پہلے شروع ہوا جب زمین پر انسانی جسم کی تکمیل ہو گئی اور اللہ تعالیٰ نے انسانیت کے جدامجد حضرت آدم علیہ السلام کو عالم باطن سے عالم ظاہر کے جسم میں منتقل کر دیا اور ایک فرد واحد سے شروع ہو کر اب ہم اربوں کی تعداد میں ہیں۔

اس ساری کہانی میں جنتی تخلیق کے دور کی مثال ایک لیبارٹری کی سی ہے جہاں ڈیزائن کے مطابق ٹیسٹ کرنے کے لئے پہلا ماڈل ڈیزائن تیار کیا جاتا ہے اور اسے مطلوبہ شرائط کے مطابق کیا جاتا ہے۔ اس میں کامیابی کے بعد ڈیزائن کو فیکٹری میں بھیج دیا جاتا ہے تا کہ پھر جتنی تعداد میں چاہو اس کے مطابق متعلقہ اور مطلوبہ چیزیں بنا لو۔ انسان کی نسبت سے فیکٹری نارمل تولیدی نظام کی مثال ہے لیکن پیداوار (Production) سے پہلے ایک لمبا عرصہ فیکٹری بنانے میں لگ جاتا ہے۔ چنانچہ لیبارٹری میں تحقیق و ترقی کا مرحلہ اور فیلڈ میں فیکٹری بنانے کا کام اکثر متوازی ہی ہوتا ہے۔ انسان کی نسبت سے زمین کی تخلیق اور اس پر انسان کی نشو ونما کے لئے سامان ربوبیت کا انتظام اور ساتھ ساتھ اس کے جسم کا ارتقائی ڈھانچہ بننے کی یہ ایک مثال ہے۔

6.3 زمین پر انسان کی ابتداء

اس بحث کے بعد کہ انسانی جسم زمین پر خلا سے وارد نہیں ہوا اب ہم ایک اور بنیادی سوال کی طرف آتے ہیں کہ زمین پر اس کی ابتداء کیسے ہوئی؟ کوئی ایسا مذہب نہیں جس نے اس سوال کو حل نہ کرنا چاہا ہو۔ اس سلسلہ میں بعض اوقات تو بڑی عجیب عجیب تاویلات ملتی ہیں مثلاً ہندوؤں کی مذہبی کتابوں میں ہے کہ کچھ انسان سورج کی اولاد ہیں۔ بعض نے اس کا رشتہ خدا تعالیٰ سے جوڑا ہوا ہے کہ شودر خدا کے پاؤں سے بنے ہیں۔ اور بڑی ذاتوں کے لوگ اسکے ہاتھوں اور دماغ سے بنے تھے۔ لیکن یہ سوال سائنس کے لئے بھی اتنا ہی پیچیدہ ہے جتنا مذہب کے فلاسفروں کے لئے تھا۔ آیئے دیکھیں کہ خالق کائنات اس بارے میں کیا کہتے ہیں۔

زندگی کے متعلق قرآن حکیم کا بنیادی قانون (Basic Law) یہ ہے کہ اس کا آغاز پانی سے ہوا۔ یہی وہ قانون ہے جس پر جدید بیالوجی کی اساس ہے۔ اللہ تعالیٰ سورۃ الانبیاء کی آیت 30 میں کائنات کی تشکیل اور حیوانات کی زندگی کے بارے میں بتاتے ہیں:۔

اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ۭ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاۗءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۭ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ O

''کیا جو کافر ہیں انہوں نے غور نہیں کیا؟ کیا شروع میں آسمان اور زمین اکٹھے ایک ملغوبہ کی طرح نہیں تھے؟ اور ہم نے ان دونوں کو علیحدہ علیحدہ کر دیا، اور ہم نے ہر زندہ چیز کو پانی سے پیدا کیا، تو کیا وہ ایمان نہیں لائیں گے؟''

(سورۃ الانبیاء، آیت 30)

پہلی بات کائنات کے متعلق بتائی گئی کہ موجودہ اربوں علیحدہ علیحدہ آسمانی اجسام ابتدائے آفرینش میں اکٹھے ایک مرکب تھے اور دوسری بات حیات کے بارے میں بتائی گئی ہے کہ زندگی کی بنیاد پانی ہے۔ سورۃ النور، آیت 45 میں فرمایا گیا ہے:۔

وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَاۗبَّةٍ مِّنْ مَّاۗءٍ

''اوراللہ تعالیٰ نے ہر جاندار کو پانی سے پیدا کیا''۔(سورۃ النور، آیت 45)

ایسی تمام آیات سے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ ہر طرح کی زندگی جس میں تمام چھوٹے بڑے جاندار شامل ہیں، سب کا آغاز زمین پر ہوا اور جہاں پانی پہلے سے موجود ہوگا۔ یہ کائناتی قانون ہے۔ جہاں پانی نہیں وہاں زندگی نہیں اور جہاں پانی ہوگا وہاں زندگی ہوگی۔

آپ کہہ سکتے ہیں کہ جدید بائیولاجیکل سائنس ان آیات کی تشریح ہے۔ اس کلیہ کے مطابق ہماری زمین پر سب سے پہلے زندگی کے جرثومے سمندروں میں پیدا ہوئے، وہیں پھلے پھولے اور وہیں سے زندگی نے خشکی کی طرف رخ کیا قرآن کریم ہمیں یہ بھی بتاتا ہے کہ اپنی تخلیق کے ایک لمبے عرصہ تک زمین مردہ تھی اور یہاں کوئی زندگی نہیں تھی۔ یہی بات سائنس بھی کہنے لگی ہے کہ زمین کی عمر تقریباً چار ارب سال ہے اور اس میں سے تقریباً پہلا ایک ارب سال زندگی کے لحاظ سے یہ ایک چٹیل مردہ گاہ تھی۔

زمین کے اس ابتدائی دور میں تقریباً پانچ سو ملین سال لگاتار بارشیں ہوتی رہیں۔ گرم زمین پر سے پانی کے بخارات اٹھتے جو فضا میں ٹھنڈے ہو کر بارش کی شکل میں دوبارہ گرجاتے۔ زمین کی گرمی، سورج کی حدت اور کائناتی شعاعوں کی موجودگی میں یہ دور تیز ہواؤں اور بادلوں کا بھی تھا، جس میں بجلیاں کوندتی رہیں اور گرج و چمک کا سلسلہ لگا رہا۔ سورج کی روشنی کا سمک (Cosmic) شعاؤں اور بادلوں کی بجلیوں کی مدد سے زمین کے عناصر آپس میں ملتے رہے اور زندگی کے لئے ضروری کیمیکل بناتے رہے۔ یوں فضا کیمیکل بنانے کی ایک بہت بڑی فیکٹری تھی اور سمندروں کا پانی ذخیرہ کی جگہ۔ پھر ایک وقت ایسا آیا کہ کسی نامعلوم طریقے سے جسے ہم مسلمان امر ربی کہیں گے یہ کیمیکل اس طرح ملے کہ زندگی کا پہلا جرثومہ پیدا ہوا۔ یوں زندگی پانی میں شروع ہوگئی اور پھر اگلے ایک ارب سال میں انتہائی سرعت سے ترقی کرتی ہوئی سمندروں، میدانوں، پہاڑوں غرض ہر جگہ پھیل گئی۔ زندگی کے اس ہجوم میں اس جرثومہ کی بھی ابتداء ہوئی جس کی قسمت میں بالآخر بھی انسان کو جسم فراہم کرنا تھا۔

6.4 انسانی ارتقاء کی ابتدائی منازل

جب انسانی جنین کا پانی میں آغاز ہوگیا تو اس کے بعد کیا ہوا؟ اس سوال کے جواب میں بھی ہم کتاب خداوندی ہی سے رہنمائی حاصل کریں گے۔ مندرجہ ذیل آیات اس مضمون پر سورۃ المومنون کی آیات 12-16 معلومات کا انتہائی مفید سرمایہ ہیں:۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ o ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ o ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ▪ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ▪ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ o

''اور بے شک ہم نے انسان کو زمین کے چنے ہوئے عناصر کے مرکب سے پیدا کیا، اس کے بعد ہم نے اسے ابتدائی نطفہ (ابتدائی جرثومہ) ایک محفوظ مقام اور مناسب ماحول میں رکھ دیا، پھر اس (جرثومہ) کو ہم نے ترقی

دے کر خون کے ایک لچھے دار جسم میں تبدیل کیا، پھر اس لچھے دار جسم کو ہم نے ایک چبائے ہوئے گوشت کی بوٹی کی طرح بنا دیا اور پھر اس بوٹی کو ہڈیوں سے مزین کیا پھر ہڈیوں پر گوشت کی تہہ چڑھا دی، اس طرح ہم نے اسے ایک اور ہی مخلوق بنا دیا پس اللہ تعالیٰ بڑی برکت والا ہے اور سب سے بہتر پیدا کرنے والا ہے۔ اور پھر تم یقیناً مر جانے والے ہو۔ پھر تم سب قیامت کے دن اٹھائے جاؤ گے"۔ (سورۃ المومنون، آیات 12-16)

یہ آیات سائنس کے لئے انسانی تخلیق کے بارے معرکۃ الآراء معلومات کا خزانہ ہیں جن کا ایک ایک لفظ قابل غور ہے۔ سبحان اللہ! کتنے تھوڑے سے الفاظ میں انسان کی تخلیق کے تمام مدارج کو واضح کر دیا گیا ہے جس پر پچھلے سینکڑوں سالوں سے سائنسدان بے شمار مقالے اور کتابیں لکھ چکے ہیں۔ آیت مبارکہ 14 کا فرمان "اس طرح ہم نے اسے ایک اور ہی مخلوق بنا دیا" سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ارتقائی منازل طے کرتا ہوا جسم اپنی ابتداء میں موجودہ انسانی ہیئت سے بہت مختلف ہوگا لیکن آخر میں آ کر اللہ تعالیٰ نے اس میں کچھ ایسی خصوصی تبدیلیاں کر دیں کہ وہ اشرف المخلوقات کی شکل اختیار کر گیا۔

نیز یہ کہ اپنے جسمانی لحاظ سے انسان زمین ہی کی پیداوار ہے مندرجہ ذیل آیت مبارکہ بھی سائنس کے لئے انتہائی مفید رہنمائی فراہم کرتی ہے۔ ارشاد ہے:۔

وَاللّٰهُ اَنْبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًاo ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًاo

"اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں زمین سے پیدا کیا، مانند نباتات کے، پھر وہ اسی میں تمہیں لوٹا دے گا، اور پھر اسی سے نکال لے گا"۔ (سورۃ نوح، آیات 17-18)

یہاں غور طلب بات انسان اور نباتات کی پیدائش میں مماثلت ہے، "اللہ تعالیٰ نے تمہیں زمین سے نکالا ہے مانند نباتات کے بہت معنی خیز فرمان ہے۔ نباتات کا زمین سے اگنا تو ہر ایک کے مشاہدے کی بات ہے لیکن کبھی انسان بھی اس طرح مٹی سے نکلتا نظر آیا ہے ؟"

دراصل یہ آیہ مبارکہ انسان کی تخلیق کے اس دور کی عکاسی کرتی ہے جس کے بارے میں فرمایا گیا ہے "انسان پر ایک ایسا بھی دور آیا ہے جس میں وہ کوئی قابل ذکر ہستی نہیں تھی"۔ اس کا آغاز پانی اور مٹی کے مواد میں ایسے ہی ہوا جیسے نباتات میں کوئی بیج اگتا ہے اور بارآور ہونے سے پہلے کئی حالتوں سے گزرتا ہے۔

اسی نوع کی کئی اور آیات زمین پر انسانی جسم کے ارتقاء کے مختلف مدارج کو واضح کرتی ہیں لیکن یہاں ہمیں یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیے کہ قرآن کریم ہدایت کا سرچشمہ ہے جس میں صرف بڑے بڑے حقائق کی طرف اشارے کئے جاتے ہیں اور تفصیلات انسانی تحقیق کے لئے چھوڑ دی جاتی ہیں، جن کو معلوم کرنا اولوالالباب کا کام ہے۔ بہر حال یہ آیات الٰہی واضح کرتی ہیں کہ زمین پر انسان کے جسم کی نشو ونما یک مشت نہیں ہوئی بلکہ یہ ایک لمبے عرصے پر محیط درجہ بدرجہ مسلسل عمل تھا جس کے مطابق خالقِ حقیقی نے انسان کو پیدا کیا۔ مندرجہ ذیل آیات انسان کے اس

ارتقائی سفر کی مزید نشان دہی کرتی ہیں فرمایا:۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِo وَالَّيْلِ وَمَا وَسَقَo وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَoلَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍo

''قسم ہے مجھے شفق کی اور رات کی، اور اس کی جسے یہ ڈھانپ لیتی ہے، اور چاند کی، جب وہ پورا ہو جاتا ہے، اے (انسان) یقیناً تم ضرور چڑھتے چلے جاؤ گے طبق در طبق''۔(سورۃ انشقاق، آیات 16-19)

یعنی جس طرح ڈوبتے سورج کی شفق میں تمہیں ارتقائی مناظر نظر آتے ہیں یا چاند کی گھٹتی بڑھتی شکلیں چاندنی کے ارتقاء کو ظاہر کرتی ہیں، بالکل اسی طرح انسان بھی ایک منزل سے دوسری منزل کی طرف لگاتار چڑھتا رہے گا۔ اس کا یہ ارتقائی سفر جو پانی اور مٹی کے اندر ایک جین سے شروع ہوا پھر زمین پر حضرت انسان کی شکل میں ظاہر ہوا یہاں سے پھر عالم برزخ میں چھپ جاتا ہے، وہاں سے وہ یوم الدین کو بھی ضرور اپنے اعمال کے بوجھ کے ساتھ حاضر ہوگا۔ یہی مضمون مندرجہ ذیل آیت مبارکہ میں واضح کیا گیا ہے:۔

مَالَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًاo وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا o اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًاo

''تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ سے، وقار کی آرزو نہیں کرتے اور یقیناً اس نے تمہیں پیدا کیا ہے، ایک سٹیج در سٹیج، کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے کیسے سات آسمان بنائے ہیں طبق در طبق''۔(سورۃ نوح، آیات 15-13)

6.5 انسانی حیات کے مختلف ادوار

اوپر کی بحث سے واضح ہوتا ہے کہ انسان کی دو حیثیتیں ہیں ایک روحانی حیثیت اور دوسری طبیعیاتی حیثیت۔ روحانی حیثیت کا تعلق جنت سے ہے اور جسمانی حیثیت کا تعلق زمین سے۔ دنیا کی زندگی روح اور جسم کا امتزاجی زمانہ ہے اور پھر یوم الدین کو یہ دونوں اکٹھے ہوں گے۔ مندرجہ ذیل میں ان حقائق کے مختلف ادوار کو اختصار کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔

ا۔ زمین پر ظہور سے پہلے انسان احسن تقویم کے طور پر جنت میں ڈیزائن ہوا، اس کی خصوصی تخلیق ہوئی، اس میں روح ڈالی گئی، اس کو علم عطا ہوا، وہ مسجود ملائکہ ٹھہرا، اسے اختیار کی فضیلت عطا ہوئی، وہیں جنت ہی میں شیطان حسد کی وجہ سے اس کا دشمن بن گیا، علمی فضیلت ثابت کرنے کے بعد اسے جنت میں رکھا گیا، جہاں اس پر کچھ اختیاری پابندیاں لگائی گئیں لیکن وہ اپنے تجسس پر کنٹرول نہ کر سکا اور شیطان کے دھوکے میں آ گیا، جس کی وجہ سے اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی کی جس کے بعد احساسِ ندامت کے ساتھ وہ بہت پچھتایا جس پر اللہ تعالیٰ نے اسے معاف کیا لیکن اس نافرمانی کی بنا پر اس میں کچھ ایسی تبدیلیاں آ گئیں تھیں کہ وہ جنت میں رہنے کے قابل نہ رہا۔ اس لئے اسے وہاں سے عالم ارواح میں بھیج دیا گیا۔ یہ بلا جسم روحانی شعوری حیات کا زمانہ ہے جسے عالم موت بھی کہا جاتا

سکتا ہے جہاں اس سے اور اس کی روحانی اولاد سے **الست بربکم** کا سوال کیا گیا۔ اس سوال کی نوعیت یہ بھی بتاتی ہے کہ وہاں انسان شعور اور اختیار رکھتا ہے۔

۲۔ ادھر ان آفاقی واقعات کے متوازی زمین پر انسان کے ارضی جسم کی بھی نشوونما شروع ہو چکی تھی۔ یعنی زمین پر انسان کا جسمانی ظہور کوئی حادثہ نہیں تھا کہ وہ آسمانوں سے یہاں پھینک دیا بلکہ قانونِ قدرت کے مطابق اللہ تعالیٰ کے خاص منصوبہ اور ڈیزائن کے مطابق یہ ہزاروں لاکھوں سالوں پر پھیلا ہوا ایک جست درجہ سے ارتقائی عمل تھا جس میں وہ ایک درجہ سے دوسرے درجہ کی طرف بڑھتا گیا۔ جب زمین پر انسانی جسم احسن تقویم کا مقام حاصل کر چکا تو اللہ تعالیٰ نے عالمِ ارواح سے لا کر اس میں روح ڈال دی جس سے یک لخت وہ ایک اعلیٰ شعور اور امتیازی قوت کا مالک بن کر زمین پر اشرف المخلوقات کے طور پر ظاہر ہوا۔ اس لمحہ سے انسانی جسم کا ارتقا تو ختم ہو گیا لیکن روحانی طور پر ترقی ہمیشہ ہوتی رہے گی، جس کی کوئی انتہا نہیں۔ یہ عمل موت کے بعد بھی جاری رہے گا۔ اس وقت عالمِ ارواح سے روحیں اللہ تعالیٰ کے حکم اور پروگرام کے مطابق اُتر کر ایک ایک کر کے اپنے لئے مخصوص جسم میں داخل ہوتی رہتی ہیں اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔

۳۔ اپنے آغاز میں انسان کا جسم زمین پر پانی اور زمین کے بچے ہوئے عناصر کا ایک مرکب تھا۔ اس کی پیدائش ایسے ہی شروع ہوئی جیسے بقیہ نباتات اور حیوانات کی شروع ہوئی تھی۔ اس مرکب کو بیالوجی میں Primordial Soup کا نام دیا گیا ہے جس سے یہ جرثومہ ترقی کرتے کرتے ایسی شکل کو پہنچا جو گوشت کا ایک لوتھڑا تو تھا لیکن ابھی اس میں ہڈیاں نہیں تھیں، مزید ارتقاء کے نتیجہ میں وہ ہڈی دار جسم میں تبدیل ہو گیا۔ جدید سائنس میں ان کو Vertebrates کہتے ہیں اور پھر ان Vertebrates سے انسانی منصوبہ نے ایک اور ارتقائی جست لگائی اور تمام حیوانی نوع سے بالکل ہی علیحدہ شکل میں حضرت آدم علیہ السلام کے طور پر زمین پر اس کا ظہور ہو۔

۴۔ قرآنِ کریم ہی سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس جسمانی ارتقاء کے عمل کو نہایت تیزی سے ماں کے رحم میں بھی دہراتا ہے۔ ماں اور باپ کے نطفہ کے امتزاج کے بعد ان تمام حالتوں کا جو ارتقائی عمل کروڑوں سالوں پر مشتمل تھا، اب ماں کے پیٹ میں وہ صرف 9 ماہ کے عرصہ میں گزر جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل آیاتِ کریمہ نہایت قابلِ غور ہے:۔

خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ▪ يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْ بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ▪ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ▪ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ▪ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ٥

”اس نے تمہیں ایک نفس واحدہ سے پیدا کیا، پھر اسی سے اس کا جوڑا بنایا اور تمہارے لئے چوپایوں، میں سے آٹھ قسم کے جوڑے اتارے، (اب وہ) تمہیں ماؤں کے رحم میں پیدا کرتا ہے، ایک خلق سے دوسری خلق پر درجہ بہ درجہ، تین اندھیروں کے پردے میں، یہ ہے اللہ تعالیٰ تمہارا۔ وہ تم سب کا پروردگار ہے، اسی کی ہے بادشاہی، اس

کے سوا کسی کی عبادت نہیں، پھر تم کہاں پھرے جاتے ہو؟'' (سورۃ الزمر، آیت 6)

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔''اب وہ تمھیں ماؤں کے رحم میں پیدا کرتا ہے ایک خلق سے دوسری خلق پر درجہ بدرجہ'' نہایت ہی قابل غور بیان ہے جو ماں کے رحم کی مختلف ارتقائی منازل کو واضح کرتا ہے۔ آیت کے آغاز میں نفس واحدہ کا ذکر ہے۔ یہ وہ نفس ہے جہاں سے انسان کی ابتداء ہوئی۔ ماڈرن میڈیکل سائنس بھی قرآن حکیم کے اس بیان کی سچائی کی گواہی دے چکی ہے اور معلوم کر چکی ہے کہ رحم مادہ میں بچہ کی نشو ونما ایک سیدھی بات نہیں بلکہ طویل مدت پر پھیلا ہوا ارتقائی عمل صرف 9 ماہ کے قلیل عرصہ پر ماں کے پیٹ میں دہرا دیا جاتا ہے اور یہ سب کچھ تین تہوں والی اندھیری تھیلی جسے رحم کہا جاتا ہے میں معرض وجود میں آتا ہے۔

6.6 آدمی کا ارتقاء خصوصی تھا

اسلام کی انسانی ارتقاء کی کہانی کا ایک اعجاز یہ ہے کہ وہ انسان کی پیدائش کو دوسری تمام مخلوقات کی پیدائش کا سبب قرار دیتا ہے یعنی باقی تمام مخلوق اس لئے بنائی گئی کہ خدا تعالیٰ نے انسان کو بنانا تھا اور جب وہ بن چکیں تو پھر حضرت انسان کا ظہور کیا۔ یعنی اس تھیوری کے مطابق نباتات وحیوانات کی دُنیا کے تمام ارتقاء کا نصب العین بھی آدمی کے لئے مناسب جسم اور اس کی نشو ونما کے لئے مناسب ماحول اور خوراک فراہم کرنا تھا۔ جیسے ہم رہنے کے لئے مکان بناتے ہیں۔ اس کی تعمیر کے لئے اینٹ، سیمنٹ، سریا کیا کیا پہلے بنایا جاتا ہے۔ یہی حال انسان کی تخلیق کے منصوبے کا تھا۔ لہٰذا یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ آدمی کے آباؤ اجداد بندر یا بن مانس تھے، بلکہ صحیح یہ ہے کہ جس جرثومہ کی قسمت میں آدمی بننا تھا وہ اپنی پیدائش سے ہی آدمیت کے مقام پر فائز تھا ارتقائی منازل ظہور سے پہلے کے سفر کی داستان ہیں۔ اس کی ایک مثال کسی بادشاہ کے بیٹے کی ہے وہ اپنے بچپن ہی سے مستقبل کا بادشاہ ہوتا ہے لیکن تاج شاہی کا حقدار پہلے بادشاہ کے بعد ہی ہوتا ہے۔

انسان کے ارتقائی سفر کی مثال آپ کسی قیمتی زیور کی بناوٹ میں جو مختلف مرحلے پیش آتے ہیں ان سے سمجھ لیں۔ اس کی بنیاد سونے کی ایک ڈلی ہوتی ہے، سنار اس کو مختلف ارتقائی منازل سے گزار کر آخرکار اس کو زیور کی شکل میں لے آتا ہے۔ اسی دوران اس سے کئی طرح کی کاٹ چھانٹ نکلتی ہے اور مختلف طرح کے کئی ایک ڈیزائن کی شکلیں بھی بنتی ہیں لیکن کوئی نہیں کہے گا کہ اس طرح زیور کانٹ چھانٹ کے نتیجے میں بنا ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ کانٹ چھانٹ اس کے نتیجہ میں بنی تھی۔ یہی حال انسانی ارتقاء کا ہے۔ جس طرح کسی بڑے منصوبہ کی تکمیل کے دوران اس سے کئی چھوٹے منصوبے نکلتے ہیں اسی طرح انسان کی تکمیل کے سفر کے دوران اس سے کئی حیوانی انواع پیدا ہوئیں۔ اسی کے لئے جہان کی تکمیل کی گئی تھی، وہی اشرف المخلوقات تھا اور باقی سب اس کے ہونے کی وجہ سے ہوا۔

اسی بات کو آپ انجینئرنگ کے کسی بڑے منصوبہ کی تکمیل کے مختلف مرحلوں پر غور کرنے سے بھی سمجھ سکتے ہیں۔ 1962 میں جب امریکہ نے خلائی سفروں کا منصوبہ بنایا تو اس وقت سے اب تک یہ سفر آگے ہی آگے بڑھتا جا رہا ہے، اس دوران میں اس سے کمپیوٹر، انٹرنیٹ، لیزر، راکٹ، میزائل، روبوٹ غرض بے شمار مختلف منصوبوں نے جنم لیا ہے۔ لیکن یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ روبوٹوں سے خلائی سفر کا منصوبہ نکلا بلکہ یہی صحیح ہے

کہ روبوٹ خلائی سفر کے منصوبے کا نتیجہ ہیں ۔مغربی مصنف Prof. Colbert(6) ہمارے اسی نظریہ سے کسی حد تک اتفاق کرتے ہیں ۔ان کا بھی یہی خیال ہے کہ آدمی ایک mammal ہوتے ہوئے بھی اپنی ہی قسم کا mammal ہے اور اس کی نشوونما اپنی جداگانہ لائن میں ہوئی ۔اگر ہم اسلامی نظریہ کو ارتقائی سلسلہ سے دکھانے کی کوشش کریں تو اس کی شکل اگلے صفحہ پر دی ہوئی شکل سے ملتی جلتی ہوگی ۔اس سے پتا چلتا ہے کہ کس طرح دنیا کے تمام جاندار حیوانات انسان ہی سے نکلی ہوئی شاخیں ہیں ۔مولانا روم کے نزدیک انسان کے دل میں حیوانات اور جانوروں کے لئے محبت اور رحم کے جذبات ہیں اور حیوان میں بھی جو آدمی سے محبت ہے اس تعلق کی وجہ سے ہے ۔ارشاد باری تعالیٰ کے مطابق تمام جانداروں کی اصل تو ایک ہی ہے ۔فرمایا:۔

وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰٓى اَرْبَعٍ ۚ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ۚ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ O

’’اور اللہ تعالیٰ نے تمام جانداروں کو پانی سے پیدا کیا تو کوئی ان میں سے اپنے پیٹ پر چلتا ہے، اور کوئی ان میں دو ٹانگوں پر چلتا ہے، اور کوئی ان میں سے چار ٹانگوں پر چلتا ہے، اور اللہ تعالیٰ جیسے چاہے پیدا کرتا ہے ۔یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے‘‘ ۔(سورۃ النور، آیت 45)

یہاں دو ٹانگوں پر چلنے والے حیوانوں کا ذکر ہے ان حیوانات میں وہ تمام انسان نما شامل ہو سکتے ہیں، جنہیں سائنسدان جاوا مین یا پیکنگ مین وغیرہ کہتے ہیں اور اب وہ عدم میں چلے گئے ہیں ۔انہی میں آج سے چند لاکھ سال پہلے والے (Homo Erectus) بھی شامل تھے ۔یوں قرآن کریم اس بہت بڑی سائنسی غلط فہمی کو دور کر دیتا ہے جس کے مطابق ان مخلوقات کو انسان کا جد امجد کہا جاتا ہے ۔حقیقت یہ ہے کہ تمام دیگر مخلوقات انسان کے تخلیق کے عظیم منصوبے کے پس انداز By Products ہیں ۔وہ مرکزی مخلوق جسے بالآخر انسان بننا تھا وہ اپنے اپنے زمانہ کی مخلوقات کا ہمیشہ ہی سرتاج رہا ۔

6.7 ظہور آدم اور باغی جینز (Mutant Genes) کا نظریہ

حضرت آدم علیہ السلام کا ظہور در حقیقت تخلیق کے اس بے پایاں سلسلہ کی انتہا تھی جس کے بارے میں ارشاد ہوا کہ:۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ O

’’یقیناً ہم نے بنایا آدمی کو خوب سے خوب انداز پر‘‘ ۔(سورۃ التین، آیت 4)

شکل: نفسِ واحدہ سے انسان کا زمینی ارتقاء

قرآن کریم ہمیں بتاتا ہے کہ انسان کے لئے کائنات کو بنایا گیا ہے۔ جس میں ہر چیز انسان کی خاطر بنائی گئی ہے۔ زمین اور اس کی ہر چیز بھی انسانی منصوبہ کی خاطر ہیں۔ چنانچہ وہ نفسِ واحدہ جسے خالق کائنات نے زمین کے پانیوں میں پیدا کیا، وہ انسان کے عظیم منصوبہ کی پہلی اینٹ تھی۔ مختلف مدارج سے گذرتا ہوا وہ زمین پر حضرت آدم علیہ السلام کی شکل میں آخر کار ظاہر ہوا۔ اگر چہ جنت میں اس کی تخلیق قدیم تھی لیکن زمین پر ظہور زمانہ قریب میں اس وقت ہوا جب زمینی جسم اس مہمان خصوصی کے شان و شوکت کے معیار کو پہنچ گیا۔ مندرجہ ذیل شکل بتاتی ہے کہ تمام جاندار اسی سے بنے ہیں۔ ڈارون کا یہ خیال غلط ہے کہ انسان ان سے بنا ہے۔ سب غائتوں کی غایت اولیٰ انسان ہے۔

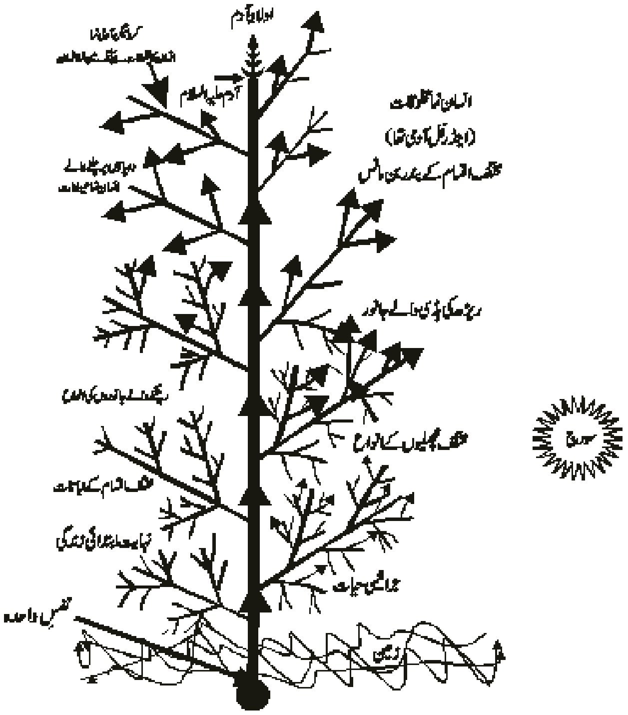

وہ نفسِ واحدہ جس کی تقدیر میں انسان کا جسم بننا لکھا گیا تھا جست در جست ارتقاء سے ترقی کرتا گیا۔ اس میں جیسے بانس کے درخت کی شاخیں پھوٹتی ہیں، دیگر مخلوقات نکلتی رہیں۔

دوسرے مقام پر ارشاد ہے:۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ■ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَO

"اور نہیں کوئی جاندار زمین پر، نہ کوئی پرندہ اپنے پروں پر اُڑتا ہے، مگر ہیں ہر ایک امت تمہاری مثل، چھوڑی نہیں ہم نے لکھنے میں کوئی چیز کتاب میں، پھر اپنے رب کی طرف تم سب اکٹھے ہونے والے ہو"۔(سورۃ الانعام، آیت 38)

جیسے ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں کہ ڈارون کے ارتقائی نظریہ کے مطابق ماحول کے اثرات کی وجہ سے زندگی کا ابتدائی جرثومہ مختلف روپ دھارتے ہوئے انواع واقسام کی حیوانی دنیا کا باعث ہے اور یہ بے دین لوگ کہتے ہیں کہ یہ سب کچھ خودبخود ہی ہو گیا۔اس کیلئے کسی بیرونی عقل یعنی رب تعالیٰ کی ضرورت نہیں۔انہی میں وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کا انکار نہیں کر سکتے وہ یہ کہتے ہیں کہ زندگی کا ابتدائی جرثومہ تو خالق کا مرہون منت ہے لیکن ایک دفعہ بنا کر اسے حالات کے حوالہ کر کے خود ذات باری تعالیٰ علیحدہ ہو گئی۔لیکن ایسے تمام نظریات باطل نظریات ہیں۔قرآن حکیم سے ہمیں یہ پتا چلتا ہے کہ انسان کی تخلیق ایک مکمل اور مربوط منصوبہ تھا جس کی ترقی اور تکمیل میں عمل ارتقاء بھی ایک ضروری کڑی ہے لیکن یہ مسلسل سست روعمل نہیں تھا بلکہ ایک جست در جست آگے بڑھنے کا عمل تھا اور یوں طبق در طبق یہ منصوبہ اپنی تمام جزئیات کے ساتھ اپنے مقصوم کو پہنچ گیا جسکا مقصود آدم کیلئے موزوں جسم کی تیاری تھی۔بالکل ایسے ہی جیسے کسی بھی بڑے منصوبے کو کچھ تشکیل سے پہلے بے شمار مرحلہ جات سے گزرنا پڑتا ہے۔

شکل: قرآن کریم کے مطابق تخلیقی ادوار۔

اچانک جست (Quantum Jumps) اور بتدریج نشوونما (Evalution) کا نظریہ

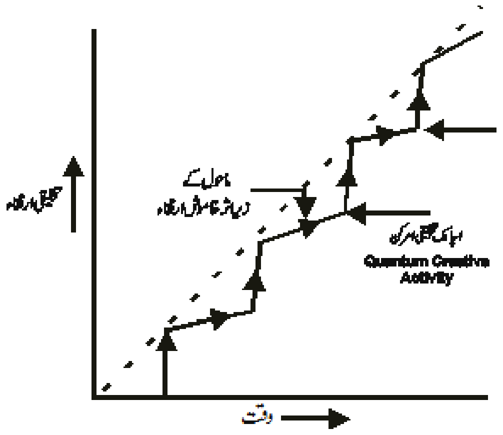

جست در جست تخلیق کا نظریہ قرآن حکیم کی آیات (14)71 }(16-19)84 وغیرہ پر مبنی ہے جن کے اوپر ہم پہلے ہی بحث کر چکے ہیں۔اوپر دی گئی شکل میں عام نظریہ ارتقاء جست در جست، منزل بہ منزل ارتقائی عمل (Quantum Evolution Theory) کا موازنہ دکھایا گیا ہے۔اس میں آپ دیکھیں گے کہ اسلامی نظریہ کے مطابق تمام حیوانات اور جانداروں کی تخلیق میں بڑی بڑی تبدیلیاں ہمیشہ اچانک تخلیقی جستوں کے مطابق ہی معرض وجود میں آئی ہیں۔اور نظریہ ارتقاء کی تخلیق میں ترقی کا عمل آہستہ آہستہ جاری رہتا ہے۔جبکہ سائنس کی جدید دریافتوں سے بھی یہی پتہ چلتا ہے کہ ڈارون کا جامد ارتقائی نظریہ سے کوئی بڑی تبدیلی ناممکن ہے۔جینز میں تبدیلی کے لیے کچھ بیرونی عقلی عوامل کے امر کن کی ضروری ہے۔جس کی نشاندہی قرآن پاک میں کی گئی ہے۔

قرآن پاک سے اخذ شدہ نظریہ کے مطابق رب تعالیٰ کے امر کن کے نتیجہ میں نئی تخلیق جوڑے (Twin) کی شکل میں اچانک پیدا ہوتی ہیں پھر منزل بہ منزل ارتقائی عمل کے نتیجہ میں ان کی نشو ونما ہوتی ہے اور پھر ایک صورت سے دوسری صورت میں تبدیل ہونے کیلئے مزید امر کن سے اچانک تبدیلی معرض وجود میں آتی ہیں جس کی نشو ونما پھر ایک مسلسل ارتقائی عمل سے ہوتی ہے۔یوں اچانک ارتقاء (Quantum Jump in creative activity) اور مسلسل نشو ونما کے عمل کے نتیجہ میں زندگی کا ابتدائی جرثومہ (جسے قرآنی اصطلاح میں "نفس واحدہ" کہا گیا ہے)اس کی ترقی کے سفر کے دوران اسی سے اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت اور منصوبہ کے مطابق کروڑوں قسم کی نباتاتی اور حیوانی زندگی کو بھی تخلیق کر دیا اور اسی کی ترقی کی آخری شکل آدمی کا جسم ہے لیکن اب رحم مادر میں کروڑوں سالوں پر پھیلے ہوئے یہ تمام مرحلے صرف نو ماہ کے مختصر عرصہ میں طے ہو جاتے ہیں۔(سبحان اللہ)

یہ سوال کہ اچانک تبدیلی کیسے معرض وجود میں آتی ہے بیالوجی کی زبان میں یہ عمل باغی جین (Mutant Gene) کی وجہ سے ممکن ہے، عام حالات میں نسل در نسل پیدا ہونے والے جینز تقریباً ایک طرح کے ہوتے ہیں لیکن کبھی کبھار ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ ایک جین ایسا پیدا ہو جائے جو عام نسل سے بالکل مختلف ہو،اب اگر اس عجیب الخلقت جین سے کوئی نئی نسل چل پڑے تو وہ بالکل ایک نئی نوع کا پیش خیمہ ہوگی۔اس طرح ہر باغی جین ارتقائی عمل میں ایک اچھی بُری جست ہے، یعنی یہ ماحول کی مطابقت نہیں بلکہ ماحول کے خلاف بغاوت کا عمل ہے لیکن ایسی اہم تبدیلیاں روز روز نہیں ہوتیں بلکہ لاکھوں سالوں کے طویل عرصہ میں بھی اگر ایک آدھ مرتبہ تبدیلی ہو جائے تو بڑی بات ہے۔مادی سائنسدان ایسی کسی تبدیلی کے عوامل کو Probability کے حوالے سے یاد کرتے ہیں۔جب کہ مسلمان سائنسدان اسے اپنے رب کا منشاء سمجھتے ہیں:۔

جہاں تک حضرت آدم علیہ السلام کے ظہور کا تعلق ہے، حقیقت یہی معلوم ہوتی ہے کہ رب تعالیٰ کے حکم سے یہ عمل ارتقاء میں ایک بہت لمبی جست تھی، نتیجتاً جیسا کہ سورۃ المومنون آیت 15 (پھر اس کے بعد تم ضرور مرنے والے ہو) میں بھی فرمایا گیا ہے اس سے ایک بالکل ہی مختلف مخلوق وجود میں آ گئی۔

حضرت آدم علیہ السلام کا ظہور کب ہوا؟ یہ سوال ابھی تک تشنہ تحقیق ہے لیکن قرآنی معلومات کی رو سے ہم یہ بات یقینی طور پر کہہ سکتے ہیں کہ پیکنگ مین یا جاوا مین یا جنوبی افریقہ سے پائی جانے والے لاکھوں سال پرانی کھوپڑیاں حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کی نہیں تھیں۔ سائنسی تحقیقات کے مطابق پہلا آدمی جو اپنی جسامت، ڈیل ڈول اور شکل وصورت میں موجودہ آدمی سے زیادہ سے زیادہ مشابہت رکھتا تھا وہ

Cromagonon ہوسکتا ہے۔جس کے آثار آج سے تیس چالیس ہزار سال پہلے ملتے ہیں ان کے دماغ کا حجم تقریباً دو ہزار کیوبک سینٹی میٹر تھا جبکہ ان سے پہلے جاوا، پیکنگ یا اسی نوع کے اور حیوانوں کے دماغ صرف سات سو پچاس سے چودہ سو پچاس کیوبک سینٹی میٹر تھے۔ان شواہد کے پیش نظر اغلب یہی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا ظہور زیادہ سے زیادہ چالیس پچاس ہزار سال پہلے ہوا ہوگا اور اگر ہم انسانی معاشرت کی ترقی کے حساب کو لیں تو پھر یہ مدت اور بھی کم ہو جاتی ہے۔اس لحاظ سے حضرت آدم علیہ السلام کا ظہور تقریباً بیس ہزار سال پرانا ہونا چاہیے یعنی سائنسی لحاظ سے آدمؑ کی نسل کا ظہور زمین پر ایک بہت بڑی انقلابی تبدیلی تھی اور وہ زیادہ دیر کی بات نہیں ہے۔

ان دلائل کی روشنی میں ہم یہ کہیں گے کہ زمین پر حضرت آدم علیہ السلام اپنے جسم کے لحاظ سے بھی خصوصی پیدائش تھے۔ان سے پہلے انسان نما مخلوق زمین پر ضرور آباد رہی ہوں گی جن کے متعلق فرشتوں نے خون خرابا اور شرارت کرنے والا کہا تھا لیکن وہ انسان نہیں تھیں۔ظہور آدم علیہ السلام کے لئے انسان کے ارتقاء میں جو اچانک تبدیلی رونما ہوئی اس کا تعلق اس کے ذہن اور جسم دونوں سے تھا تاکہ وہ علم کی امانت کا بوجھ اُٹھا کر زمین پر خلافتِ الٰہیہ کا حق دار ہو۔اس کے بعد نسل انسانی کا معمول کے مطابق نر اور مادہ سے تولیدی سلسلہ چل پڑا۔اب رحم مادر میں پیدائش کے بعد اس میں عالمِ ارواح سے اسکی روح منتقل ہو جاتی ہے اور یوں ایک نئے انسان کی ابتداء ہو جاتی ہے۔اس کے بارے میں ارشاد ہے:۔

يَآيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ O

’’اے نوع انسانی! بے شک ہم نے بنایا تم کو ایک نر اور ایک مادہ سے اور ہم نے بنایا تمھیں خاندان، اور قبیلے تا کہ آپس کی پہچان ہو، تحقیق اللہ تعالیٰ کے یہاں تم میں سے عزت والا وہ ہے، جو تم میں سے زیادہ تقویٰ والا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز جاننے والا اور خبر رکھنے والا ہے۔‘‘ (سورۃ الحجرات، آیت 13)

6.8 پہلے انسان نما حیوانوں کا کیا بنا؟

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کے بعد انسان نما حیوانوں کا کیا بنا جو ان سے پہلے کرۂ ارض پر آباد تھے؟ اس سوال کے بہت سے جواب ہو سکتے ہیں۔انسان نما حیوان تو کیا اس کرۂ ارض نے بیشمار قسم کے ایسے حیوان بھی دیکھے ہیں جن کا ڈیل ڈول اور جسامت ہاتھی کے جسم سے بھی کئی گنا زیادہ تھی لیکن وہ بھی اپنے وقت پر آئے اور پھر ایسے غائب ہوئے کہ اب ان کا نشان صرف ان کے ڈھانچوں میں موجود ہے جو برف یا خشکی میں دب گئے اور ہمارے لئے خدا تعالیٰ کی قدرت کے امین اور گواہ ہیں۔

ثابت شدہ تحقیقات کے مطابق زمین پر کئی ادوار گزرے ہیں، مثلاً کبھی زمین پر جنگل ہی جنگل تھے، جس جگہ کوہ ہمالیہ ہے یہاں کبھی گہرے سمندر تھے، پاکستان کا تمام تر خطہ بھی اربوں سال پہلے سمندری علاقہ تھا۔کبھی زمین انتہائی بڑے بڑے جانوروں کا مسکن تھی وہ گئے تو

چھوٹے جانداروں کا دور شروع ہوا ان میں سے بھی اب کئی نسلیں معدوم ہو گئیں۔ دراصل فنا کا یہ اصول پوری کائنات پر لاگو ہے اور اسکا مقصد نئے آنے والے مہمان کے لئے جگہ خالی کرنا ہے۔ اسی اصول کے مطابق جب بنی آدم کو پیدا ہونا تھا تو پہلے سے بسنے والے انسان نما حیوانوں کو قدرت نے معدوم کر دیا۔

جہاں تک وجوہات کا تعلق ہے یہ کئی ہو سکتی ہیں۔ مثلاً زمین پر کتنے ہی برفانی دور (Ice ages) آئے ہیں جب زمین کی بیشتر سطح برف سے ڈھکی ہوئی تھی۔ آخری برفانی دور کو ختم ہوئے تیس ہزار سال کا عرصہ گزرا ہے۔ اسی طرح زمین پر طوفانی سیلابی دور آتے رہے ہیں جب تمام برف پگھل گئی اور زمین پر پانی ہی پانی ہو گیا۔ آخری طوفانی سیلابی دور کو بھی ایک لاکھ سے زیادہ عرصہ نہیں گزرا اور پھر علاقائی طوفان تو آتے ہی رہتے ہیں۔ یہ تمام تبدیلیاں ماحول کو متاثر کرتی ہیں، اکثر ان کا بوجھ خوراک کی کمی پر پڑتا ہے۔ اسی طرح کوئی اچانک جراثیمی حملہ وغیرہ بھی حیوان نما انسان کے خاتمہ کی وجہ ہو سکتا ہے۔ اغلب یہ ہے کہ وہ اپنے زمانہ کے برفانی دور کا مقابلہ نہ کر سکے۔ اس کا مقابلہ کرنے کے لئے جس عقل، علم اور ذہانت کی ضرورت تھی وہ ان میں نہیں تھی، یوں وہ بھوک اور سردی کا شکار ہو کر ختم ہو گئے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ کسی وبا کا شکار ہو گئے ہوں جس کا علاج ان کے پاس نہیں تھا۔ بہرحال ان کا معدوم ہونا زمین کی تاریخ میں کوئی انہونا واقعہ نہیں تھا بلکہ ایسا اکثر ہوتا آیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ ۝

''مٹاتا ہے اللہ تعالیٰ جو چاہے اور رکھتا ہے اللہ تعالیٰ جو چاہے، اور اسی کے پاس اصل کتاب ہے''۔(سورۃ الرعد، آیت 39)

اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ ۝ اِنَّهٗ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيْدُ ۝ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ۝

ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ ۝ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ۝

''بے شک وہی پیدا کرتا ہے، پہلی مرتبہ اور دوسری مرتبہ اور وہی بخشنے والا ہے، محبت کرنے والا، بڑی شان والے عرش کا مالک، وہ کر ڈالتا ہے جو چاہے''۔(سورۃ البروج، آیات 12-16)

6.9 کیا ہم سے پہلے بھی زمین پر انسان تھے؟

یہ ایک نہایت اہم سوال ہے کہ اگر آدم علیہ السلام کی زمین پر آمد صرف 20 سے 30 ہزار سال پہلے ہے تو کیا بقیہ اربوں سالوں سے زمین انسان کے وجود سے خالی تھی، یا انسانی سلسلہ بھی چلتا آ رہا ہے؟ ایک نسل آدم آئی اور زمین پر کچھ عرصہ آباد رہی اور پھر اپنی مدت کو پورا کرنے کے بعد ختم ہو گئی اور دوسرے آدم آ گئے اور علیٰ ہذا القیاس؟

زمین پر آباد انسانوں پر بہت بڑی تباہیاں آتی رہیں ہیں جن کے نتیجہ میں پوری کی پوری نسل تباہ ہو گئی اور بچے کھچے چند لوگوں سے پھر سے انسانیت کا آغاز ہوا۔ اتنی بڑی تباہی ہوتی کہ پرانے لوگوں کی تہذیب و تمدن کے تمام آثار بھی ختم ہو جاتے۔ ہر چیز نئے سرے سے شروع ہوتی۔ اِن کی ایک عام فہم مثال حضرت نوح علیہ السلام کی ہے۔ طوفانِ نوح نے زمین پر کچھ نہ چھوڑا اور اب زمین پر جو لوگ آباد ہیں وہ اُن کی اولاد

سے ہیں۔یوں پھر انسان نے اپنی تباہی کا اتنا سامان اکٹھا کرلیا ہے کہ ایٹمی جنگ کے نتیجہ میں موجودہ صنعتی تہذیب بھی ختم ہو سکتی ہے۔قرآن کریم کی کئی ایک آیات سے ایسے معلوم ہوتا ہے کہ شاید یہ سلسلہ واقعی یونہی چلا آرہا ہے۔حضرت آدم علیہ السلام کے بعد زمین پر کتنے آدمِ ثانی آچکے ہوں جیسے موجودہ نوعِ انسانی کے جدِ امجد حضرت نوح علیہ السلام۔چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کے حوالہ سے فرشتوں کا یہ بیان ہے کہ "کیا آپ اسے خلیفہ بنانے والے ہیں جو زمین میں خون بہائے گا؟" (سورۃ البقرہ) شاید اسی طرف اشارہ ہے کہ ہم سے پہلے والی انسانی مخلوق ہولناک جنگوں کے نتیجہ میں تباہ ہوئی ہوگی۔اسکے ثبوت میں سورۃ یونس کی مندرجہ ذیل قرآنی آیات میں زبردست دلیل نظر آتی ہے۔(واللہ اعلم بالصواب)

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا ۙ وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا ۙ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ o ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْ ۙ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ o

"اور ہم نے تم سے پہلے زمانوں (القرون) والوں کو ہلاک کر دیا، جب وہ حد سے بڑھے۔اور ان کے پاس رسول روشن دلیل لیکر آئے تھے۔اور وہ ہرگز ایمان لانے والے نہیں تھے۔اور ہم ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں مجرم لوگوں کو۔پھر ہم نے ان کے بعد تمہیں زمین میں خلیفہ (جانشین) بنایا تاکہ دیکھیں، کہ تم کیسے کام کرتے ہو"۔(سورہ یونس آیات 14_13)

اس آیہ مبارکہ 13 سے ظاہر ہے کہ ہم سے پہلے بھی نوعِ انسانی پر کئی زمانے (قرون) گزرے ہیں۔ان قرون میں لوگ تھے۔ان کے اوپر بھی اللہ تعالیٰ کے رسول ہدایت لیکر آتے رہے لیکن نافرمانی کی وجہ سے وہ ہلاک کر دیے گئے۔اب زمین پر ہماری نوع کے انسان خلیفہ ہیں۔اگر ہم بھی حد سے گزر گئے تو ہلاک ہو جائیں گے اور ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے بعد ایک نئی نسل آدمؑ کو یہاں متمکن فرما دے، یوں قیامت تک آدمیت کا یہ سلسلہ وار عمل جاری رہے گا۔(واللہ اعلم)۔

باب نمبر 7

حضرت آدم علیہ السلام کی نشوونما کے مختلف مدارج
اور انسانی شخصیت کے روحانی پہلو

پہلے ابواب میں دی گئی بحث اور قرآن کریم کی آیات کی روشنی میں ہم حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے لیکر زمین پر آدمیت کی معراج تک پہنچنے کے وقفہ کو مندرجہ ذیل ادوار میں تقسیم کر سکتے ہیں:

☆ منشاء پیدائش کا اظہار۔ ☆ جنت میں حضرت آدمؑ کے پیکر کی تیاری۔

☆ اشرف المخلوقات کا درجہ عطا ہونا۔ ☆ جنت میں امتحان اور شیطان کا بہکاوا۔عتاب کے بعد معافی۔

☆ عالم ارواح میں آمد اور حق کی گواہی، تمام رسولوں کے ارواح کی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر گواہی۔

☆ زمین پر انسانی جسم کی متوازی تیاری اور پھر تولیدی سلسلہ کی ابتداء۔

اب ہم ان تمام ادوار کو ایک ایک کر کے مختصر طور پر اپنے سامنے رکھیں گے اور خدا تعالیٰ کے عظیم منصوبہ کی جزئیات اور مقاصد کو سمجھنے کی کوشش کریں گے۔

اسلام کی تعلیمات یہ ثابت کرتی ہیں کہ کائنات کی تخلیق آدمی کی تخلیق کے منصوبہ کا حصہ ہے۔یعنی یہ کہ کائنات آدمی کے لئے بنائی گئی تھی آدمی کائنات کے لئے نہیں۔یہ بات ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشادِ گرامی سے بھی واضح ہوتی ہے کہ ابھی کائنات کا وجود بھی نہیں تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام لوحِ محفوظ پر لکھ دیا گیا تھا۔اس ضمن میں اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں بار بار یہ یاد دہانی کرواتا ہے کہ "ہم نے انسان کے لئے زمین و آسمان کو مسخر کر رکھا ہے۔لہٰذا صحیح یہی ہے کہ کائنات کے عظیم منصوبہ کی بنیادی وجہ انسان ہے۔

اس عظیم منصوبہ میں ایک خاص وقت پر حضرت آدم علیہ السلام کو جنتی جسم کے ساتھ جنت میں بنایا گیا۔ادھر زمین پر تولیدی نظام کے تحت ذریت حضرت آدم علیہ والسلام کے لئے اسکے جسم کا زمینی قوانین کے تحت ارتقاء شروع کر دیا گیا۔جہاں تک یہ بات کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرشتوں سے کس وقت حضرت آدم علیہ والسلام کی تخلیق کا اظہار کیا قرآن کریم سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ واقعہ زمین کی پیدائش اور اس کی ترقی کے بعد کا واقعہ ہوگا۔اس وقت زمین طرح طرح کے حیوانوں، چرندوں اور پرندوں سے آباد ہوگی اور فرشتے ان کے حالات کو اچھی طرح واقف ہوں گے۔آیت (30)2 میں فرشتوں کے بیان کہ "اور جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رب نے فرشتوں کو کہا کہ میں زمین پر اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں تو فرشتوں نے کہا کہ وہ وہاں فساد برپا کرے گا اور خونریزیاں کرے گا" سے یہ بات بھی اخذ ہوتی ہے کہ اس وقت ان کے سامنے زمین پر ایسی مخلوق بھی گزر چکی تھی جو شکل وصورت میں آدمی نما تھی لیکن فطرتاً ان میں شرارت اور ظلم کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا اور خوب خون خرابہ کرتے تھے اور کیا

پتا کہ وہ خود آپس کی لڑائیوں کے سبب تباہ و برباد ہو چکے ہوں۔ اس لحاظ سے تخلیق آدم کا یہ جنتی واقعہ ایک پچاس لاکھ سال سے پہلے کا نہیں ہو سکتا۔ سائنسی دریافتوں کے مطابق یہی وہ وقت ہے جب زمین پر دو ٹانگوں پر چلنے والے انسان نما حیوان ظاہر ہوئے تھے۔

جہاں تک کہ حضرت آدم علیہ السلام کے جسم کی زمینی پیدائش اور اس کے بنانے سنوارنے کا دور ہے قرآن کریم سے یہ دور بہت لمبے عرصہ پر بکھرا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ یہ وہ دور ہے جس میں قرآنی الفاظ کے مطابق وہ ایک بے حیثیت مخلوق تھا۔ آیت مبارکہ میں انسان کے اس دور کے بڑے بڑے مدارج کی طرف اشارہ کیا گیا ہے فرمایا:۔

ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ‎o‎ الَّذِيْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ‎o‎ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ‎o‎ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ■ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ‎o‎

"یقیناً وہ ہر نہاں اور عیاں کا جاننے والا، عزت والا، رحم کرنے والا ہے، وہ جس نے ہر چیز بنائی۔ خوب بنائی، اور آدمی کی تخلیق کی ابتداء مٹی سے کی، پھر اس نے بنائی اس کی نسل، ایک بے قدر پانی کے خلاصہ سے۔ پھر اس نے اسے ٹھیک کیا اور اس میں اپنی روح سے کچھ پھونک دیا اور تمہارے لئے (سننے، دیکھنے اور سمجھنے کے لئے) کان، آنکھیں اور قلب بنائے، مگر تم بہت تھوڑا شکر ادا کرتے ہو"۔ (سورۃ السجدہ، آیات 6-9)

اس سائنسی شاہکار آیت مبارکہ سے پتا چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو حتمی طور پر ایک بہترین ڈیزائن کے مطابق بنایا ہے اور انہی کی طرح زمین پر آدمی کے لئے جسم کی تخلیق کا آغاز بھی مٹی سے ہوا۔ جب وہ آہستہ آہستہ ترقی کرتا ہوا ایک مناسب شکل میں آ گیا تو زمین پر انسانی دور شروع ہوا۔ اس سے پہلے دور میں وہ ایک بے حیثیت مخلوق تھا۔ آدمی کی معراج کا آغاز اس وقت شروع ہوتا ہے جب اس میں خدا تعالیٰ نے اپنے نفس میں سے کچھ پھونک دیا جس کے متعلق اوپر دی گئی آیات (8-7)32 میں ارشاد ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آدم علیہ السلام کوئی حیوانی مخلوق نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی روح کی خصوصی تخلیق ہے جس کی وجہ سے اسے علم کی روشنی عطا ہوئی، حق و باطل کے امتیاز کا پتہ چلا، خودی کا جوہر ملا اور ان تمام خوبیوں کے ساتھ وہ زمین پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے خلیفہ مقرر ہوا۔ اگر ہم انسان کے ارتقاء کو ان آیات کی روشنی میں دیکھیں تو پھر ارتقائی مدارج اگلے صفحہ پر دی گئی شکل کے مطابق نظر آئیں گے۔

(ا) اس تصویر میں ارتقاء کا پہلا دور حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے لاکھوں، کروڑوں سالوں کی مسافت ہے جو اب ماں کے پیٹ میں محض 9 ماہ میں طے ہو جاتا ہے۔ باپ اور ماں کے جرثومے ملنے سے اس کا جسم بننا شروع ہوتا ہے اور جیسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبر دی کوئی چھ ہفتہ کے بعد اس (Embryo) میں عالم بالا سے نفس آ کر مل جاتا ہے۔

(ب) دوسرا دور انسان کی زندگی میں اختیار اور امتحان کا دور ہے جس میں انسان کو اختیار ہے کہ وہ فجور کی راہ اختیار کرے یا تقویٰ کی، اسی دور کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

شکل: آدم علیہ السلام کی جنتی تخلیق اور زمین پر ان کے جسم کے ارتقاء کے کچھ ادوار

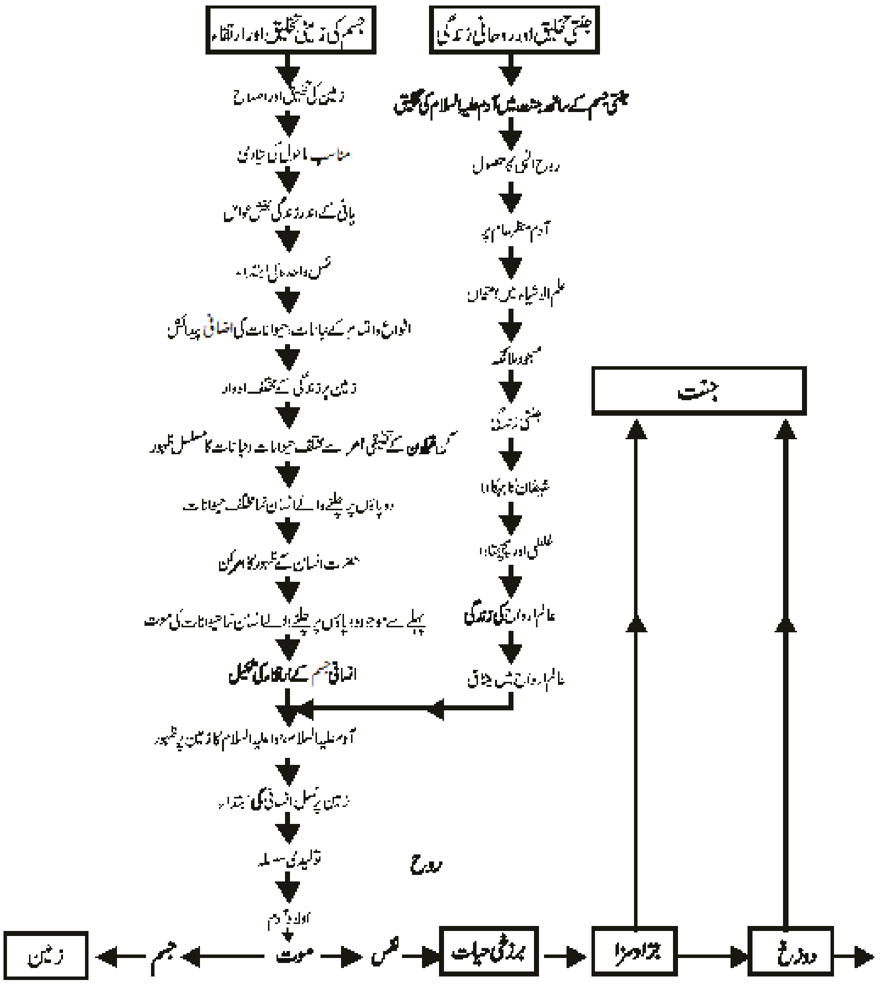

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا O فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا O قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا O وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا O

"قسم ہے نفس کی اور جیسا اس کو ٹھیک بنایا، پھر سمجھ دی فجور کی اور تقویٰ کی، بے شک فلاح پائی اس نے جس نے اسے پاک رکھا، اور نامراد ہوا وہ جس نے اسے معصیت میں ڈالا"۔ (سورۃ الشمس، آیات 7-10)

(ج) تیسرا دور موت کے بعد ٹھہراؤ کا دور ہے جس میں انسان اپنے تقویٰ یا فجور کی تصویر دیکھتا رہتا ہے اور عالم برزخ میں اپنے اعمال کا محاسبہ کرتا رہتا ہے۔ کچھ تقویٰ کی بنا پر امید کی شمع جلائی رکھتے ہیں اور کچھ اپنے فجور کی گرد کے نیچے خوف و ہراس کی زندگی گزار رہے ہوتے ہیں۔

(د) چوتھا دور جزا کا دور ہے جس کے بعد کوئی حیات نو کا جنت کی اعلیٰ بلندیوں سے آغاز کرے گا تو کوئی جہنم کی گہرائیوں سے۔

(س) جہنم ہو یا جنت ان میں بھی جمود نہیں، جیسا کہ قرآن حکیم ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ انسان ہمیشہ درجہ بدرجہ اپنی منزل کی طرف بڑھتا ہی جائے گا، اور اس کی انتہائے منزل اپنے خالق حقیقی کا قرب ہے جس میں اُسے اطمینان ملے گا۔

7.1 نفس آدمی کا امتیازی وصف ہے

اگر ہم سورۃ السجدہ کی آیات (7-8-9)32 کا پھر بغور مطالعہ کریں تو یہ واضح ہوتا ہے کہ تینوں آیات میں انسانی ارتقاء کی پوری تاریخ سمٹی ہوئی ہے جس میں پہلا دور روحانی ارتقاء کا ہے، جب جنت میں اس کا ماڈل بنا اس میں روح پھونکی گئی، علم عطا ہوا اور فرشتوں سے سجدہ کرایا گیا۔ پھر جنت میں رکھا گیا وہیں اسے شیطان نے بہکایا اور پھر وہ اپنی تمام تر ذریت کے ساتھ عالم خلق میں بھیج دیا گیا۔

دوسرا مرحلہ جنتی ماڈل کے مطابق انسانی جسم کی زمینی تیاری کا تھا۔ جب وہ اپنی جسمانی معراج کو پہنچ گیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی روح میں سے کچھ عطا کیا اور اب تولیدی سلسلے سے انسان پیدا ہو رہے ہیں۔ انسان کو روح کی وجہ سے سوچنے، سمجھنے، اچھائی اور بھلائی کی تمیز اور حق خود اختیاری ملا ہے اور دنیا میں اسی کا امتحان ہے۔

روح سے اختیار کے استعمال کے نتیجہ میں انسان کی جو شخصیت بنتی ہے اس کا نام نفس ہے۔ اس کی مثال بیج میں سے ماحول کے اثرات کی بنا پر نشوونماء کے بعد پودے سے درخت بننے کی ہے۔ اس مثال میں بیج مانند روح ہے جس میں پودے کی تمام نباتاتی خصوصیات پہلے ہی سے پنہاں ہیں۔ نفس درخت کی خصوصیات کی مانند ہے جو بیج ماحول اور مالی کی نشوونما کے اثرات کا مرکب ہے۔ اسی طرح انسانی نفس بھی روح پر ماحول کے اثرات، انسان کے ذاتی اختیار کے استعمال اور اس کی تعلیم و تربیت کے مجموعی اثرات وغیرہ سے بنتا ہے۔

مرنے کے بعد جسم دوبارہ زمین کا حصہ بن جاتا ہے، نفس برزخی حیات میں چلا جاتا ہے۔ زمین پر ظہور آدم علیہ السلام سے پہلے کے انسان نما حیوان کا زمانہ روح سے عاری وجود کا حیوانی دور تھا۔ ارتقاء خواہ منزل در منزل ہوا یا مسلسل اسی حیوانی وجود کا ہے اور جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں یہ ہزاروں لاکھوں سالوں پر محیط جسم کی نشوونما کا زمینی دور ہے۔ جب منشاء الٰہی کے مطابق یہ سلسلہ اپنی تکمیل کو پہنچ گیا تو اسے روح کا امین بنا کر انسان کو بہترین فطرت اور اعلیٰ ترین صلاحیتیں عطا ہو جاتی ہیں۔ اس لحاظ سے اسلام کا سائنس سے کوئی ٹکراؤ نہیں، صرف یہ ہے کہ سائنس زمینی ادوار کی بات کرتی ہے جبکہ اسلام ٹوٹل حقیقت بیان کرتا ہے۔ اسکے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ O

"یقیناً ہم نے انسان کو خوب سے خوب تر ڈیزائن کے مطابق پیدا کیا" (سورۃ التین، آیت 4)

اس ارشاد کے بعد یہ گنجائش نہیں رہ جاتی کہ انسان کے جسم کا مزید ارتقاء بھی ہوگا، بلکہ یہ اب ایک مکمل اور جامع تخلیق ہے جس میں کوئی سائنسدان، فلسفی یا حکیم کوئی کمی نہیں دیکھ سکا اور سب مانتے ہیں کہ اپنے اعضاء کی متناسب بناوٹ اور اعلیٰ کارکردگی میں انسان لاجواب ہے لہٰذا حضرت آدم علیہ السلام کا ظہور انسان کے جسمانی ارتقاء کی آخری منزل ہے البتہ روحانی ارتقاء سب کا اپنا اپنا ہے۔

جہاں تک زندگی کا تعلق ہے انسان کی شخصیت میں اس کا جسم محض عناصر کی ایک خاص ترتیب کا مرہون منت ہے جس میں زندگی کی رمق عناصر میں کیمیائی عمل (Bio Chemical Reactions) کی وجہ سے ہے ان بائیو کیمیکل عوامل میں فساد ہی بیماری کا باعث ہے اور جب وہ جسم اس کے قابل نہیں رہتا تو نفس اسے چھوڑ کر برزخی دنیا میں چلا جاتا ہے۔ جان لیوا بیماری، ایکسیڈنٹ، قتل، خودکشی وغیرہ میں یہی ہوتا ہے کہ جسم نفس کے قیام کے لئے بیکار ہو جاتا ہے اس لئے وہ اسے چھوڑ دیتا ہے۔

انسان اور حیوانات کی موت میں فرق یہ ہے کہ حیوانات کی موت ان کے لئے قطعی اور آخری موت ہے (لیکن مٹ جانا یہ بھی نہیں) جبکہ اولادِ آدم کی موت اس کے لئے ایک نیا آغاز ہے۔ اس لئے کہ اس کی روحانی شخصیت اس روح کی وجہ سے ہے جو اسے ماں کے پیٹ میں ودیعت ہوتی ہے۔

نفس کے لئے جسم ایک گاڑی کی مثل ہے جب تک گاڑی چلتی ہے اس کا مالک اسے اپنے استعمال میں رکھتا ہے لیکن جب وہ ناقابل استعمال ہو جاتی ہے تو وہ اسے چھوڑ کر علیحدہ ہو جاتا ہے۔ جسم کا ارتقاء ماحول اور مادیات کا پابند ہے اس کی نشوونما اور اس کی بیماریاں بھی مادی اسباب کا نتیجہ ہیں اس لئے جسمانی ارتقاء میں مرضی کا دخل نہیں بلکہ جسم ماحول کے کنٹرول میں ہے۔

نفس کا مادیات سے تعلق نہیں اس لئے اس کا ارتقاء سدا جاری و ساری ہے۔ اس کے لئے جو جو ضروری عوامل ہیں ان کا علم اللہ تعالیٰ نے انسان کے باطن میں ڈال دیا ہے اور اختیار بھی عطا فرما دیا تاکہ وہ شعوری طور پر اپنے روحانی ارتقاء کو جاری رکھے۔

باطنی کیفیات کو اجاگر کرنے اور عملی مثال کے ذریعے نفس کی نشوونما کو دکھانے کے لئے وقتاً فوقتاً اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ بندے بھی مبعوث کرتا رہا ہے جن کو وحی کا حامل بنایا، جس کے ذریعہ وہ رب تعالیٰ خدا کے منشاء کو عام کرتے رہے تاکہ لوگ جان سکیں کہ نفس کی ترقی کے لئے کیا باتیں ضروری ہیں اور وہ کونسے لوازمات ہیں جن سے پرہیز لازم ہے۔

قرآن کریم ہمیں یہ تعلیم دیتا ہے کہ نفس کی نشوونما کے لئے اس کو قلبی امراض سے محفوظ رکھا جائے اور قلبی امراض کی وجہ اس کا ارضی چیزوں کی طرف میلان ہے۔ اس لئے کہ ارض کثافت کا نام ہے اور روح کی ترقی لطیف ماحول میں بہتر ہوتی ہے۔ روح کی اپنی حقیقت عالم الغیب سے ہے، جب روح عالم شہادت میں آتی ہے تو جسم میں مقید ہو جاتی ہے۔ اس لئے وجود سے آزادی میں ہی اس کے لئے خوشی، نزوان اور ترقی ہے۔ دورانِ زندگی جو نفوس چیزوں کی حرص میں پڑ جاتے ہیں وہ اپنی حقیقی منزل سے دور ہوتے جاتے ہیں۔ دراصل گناہ کی روح اور اعمال والے کثیف سے کثیف تر ہوتے جاتے ہیں۔ اسی لئے تمام مذاہب نے ارضی چیزوں سے محبت کم سے کم رکھنے کی تعلیم دی ہے۔

7.2 نفس کی ترقی کے مدارج

اسلام کی تعلیم کے تمام لوازمات اور رہنمائی اس لئے ہے کہ انسان اپنی دنیاوی حیات میں اپنے نفس کو اس طرح ترقی دے کہ وہ واپس اپنی کھوئی ہوئی جنت کو پا سکے۔ پھر جب اپنی پیدائشی سطح سے بلند ہو کر عالم برزخ میں پہنچے تو وہاں بھی ترقی کرتا رہے۔ دنیاوی زندگی عالم شعور اور عالم اختیار ہے جہاں انسانی نفس اپنے اختیار اور علم کو استعمال کرتے ہوئے بفضل حق تعالی غیر محدود ترقی کر سکتا ہے۔ اس کی اعلیٰ ترین مثال رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ایک انسان تھے لیکن اپنی انسانی حیثیت کے باوجود ان کا نفس ترقی کے ان منازل پر تھا کہ ان کی رسائی کے مقام کو ملائکہ کے سردار جبرائیل بھی نہیں پہنچ سکتے تھے۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معراج یعنی مقامات علیین کے سفر کے دوران حضرت جبرائیل علیہ السلام کو راستہ ہی میں ساتھ چھوڑنا پڑا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امتی بھی، جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالی ہے، ترقی کے ان زینوں کو طے کر سکتے ہیں جہاں فرشتے ان سے ہم کلام ہونے لگتے ہیں:۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا تَتَنَزَّلُ عَلَیۡہِمُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوۡا وَلَا تَحۡزَنُوۡا وَاَبۡشِرُوۡا بِالۡجَنَّۃِ الَّتِیۡ کُنۡتُمۡ تُوۡعَدُوۡنَ O نَحۡنُ اَوۡلِیٰٓؤُکُمۡ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَفِی الۡاٰخِرَۃِ ۚ وَلَکُمۡ فِیۡہَا مَا تَشۡتَہِیۡۤ اَنۡفُسُکُمۡ وَلَکُمۡ فِیۡہَا مَا تَدَّعُوۡنَ O نُزُلًا مِّنۡ غَفُوۡرٍ رَّحِیۡمٍ O

"تحقیق جنہوں نے کہا اللہ تعالی ہمارا رب ہے، اور پھر اسی پر کاربند رہے، ان پر اترتے ہیں فرشتے (کہتے ہیں) نہ ڈرو اور نہ غمگین ہو، اور خوشخبری سنو، اس جنت کی جس کا تم سے وعدہ ہے۔ وہاں تمہارے لیے وہ کچھ ہے جو تم چاہو گے، اور تمہارے لئے وہاں وہ کچھ ہے جو تم مانگو گے، مہمانی ہے اس بخشنے والے مہربان کی"۔ (حم سجدہ، آیات 30-32)

افسوس کہ دنیا میں اکثریت ان لوگوں کی ہے جو زمینی حیات کے دوران اپنے نفس کے روحانی ارتقاء کی بجائے اپنے جسم اور اس کے لوازمات کی نشوونما ہی میں لگے رہتے ہیں، ایسے لوگوں پر موت کے بعد جب حقیقت واضح ہوگی تو انہیں انتہائی مایوسی ہوگی، لیکن اس وقت وہ کچھ بھی نہ کر سکیں گے۔ البتہ جو لوگ اپنے نفس کے پیدائشی درجہ پر ہی برزخی حیات یعنی عالم قبور میں داخل ہو جاتے ہیں جیسے وہ بچے جو سن بلوغ کو پہنچے بغیر ہی وفات پا جاتے ہیں یا مجذوب، جن کو عالم شعور سے واقفیت نہیں ہوتی ان کے لئے بلالحاظ مذہب و ملت اگلی راہیں آسان ہیں۔

انسان کی دنیاوی حیات اور نفس کی ترقی کے حوالے سے سورۃ الشمس کی آیات 7-10 جن کا پہلے بھی حوالہ دیا جا چکا ہے نہایت قابل غور ہیں:۔

وَنَفۡسٍ وَّمَا سَوّٰىہَا O فَاَلۡہَمَہَا فُجُوۡرَہَا وَتَقۡوٰىہَا O قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَکّٰىہَا O وَقَدۡ خَابَ مَنۡ دَسّٰىہَا O

"قسم ہے نفس کی اور جیسا اس کو ٹھیک بنایا، پھر سمجھ دی فجور کی اور تقویٰ کی، بے شک فلاح پائی اس نے جس نے

اسے پاک رکھا، اور نامراد ہوا وہ جس نے اسے معصیت میں ڈالا"۔(سورۃ الشمس، آیات 7-10)

انسان کا پیدائشی وجہ ایک بنیادی وجہ ہے، وہاں سے آگے بڑھنے کے لئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس بہترین نمونہ ہے جو ترقیوں کی انتہا کے درجہ پر فائز ہیں۔ان کے نقش قدم پر چل کر ہر انسان اپنے بنیادی وجہ سے بہتر سے بہتر حالت میں عالم برزخ میں داخل ہو سکتا ہے۔چونکہ دنیاوی زندگی میں انسان کا حیوانی پہلو اس کے ذہن اور سوچ پر غالب آیا ہوتا ہے اس لئے روح کی روشنی کو دبائے رکھتا ہے اور اکثریت روحانی ترقیوں کی طرف توجہ نہیں کرتی لیکن جیسے ہی وہ جسم سے چھٹکارا حاصل کر لیتا ہے تو صحیح صورت حال بھی دکھائی دینے لگتی ہے۔اس وقت نفس اپنی بنائی ہوئی دنیاوی زنجیروں سے نکلنا چاہتا ہے لیکن انتہائی کوشش کے باوجود بھی وہ اپنے کھوئے ہوئے مقام کو نہیں پا سکتا اس لئے برزخی دنیا میں وہ انتہائی ناامیدی، یاس اور حسرت کے عالم میں ہوتا ہے۔

7.3 حضرت آدم علیہ السلام زمین پر اللہ تعالیٰ کے نائب

ہم نے دیکھا ہے کہ خالق کے ڈیزائن میں حضرت آدم علیہ السلام ایک عظیم باب ہیں جن کے لئے کائنات کو پیدا کیا گیا۔قرآن کریم میں مختلف آیات اس بات کو متعدد بار واضح کیا ہے کہ زمین و آسمان میں سب کچھ انسان کے لئے بنایا گیا ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ؕ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ○

"کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے مسخر کئے تمہارے لئے، جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہیں اور تمہیں اپنی پوری نعمتیں عطا کیں، ظاہر اور چھپی ہوئی، اور پھر بھی لوگوں میں سے بعض ایسے ہیں، جو اللہ تعالیٰ کے بارے جھگڑا کرتے ہیں، بغیر علم، بغیر ہدایت اور بغیر روشن کتاب کے"۔(سورۃ لقمٰن، آیت 20)

پھر ارشاد فرمایا:۔

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ ؕ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○

"اور وہی ہے جس نے تمہیں بنایا اپنا نائب، زمین میں اور ایک کو دوسرے پر درجات دیئے، تاکہ آزمائے تمہیں اس چیز میں جو تمہیں عطا کی گئی۔بے شک آپ کے رب کو عذاب بھیجنے دیر نہیں لگتی، اور بے شک وہ بخشنے والا مہربان

ہے"۔(سورۃ الانعام،آیت 165)

سورۃ لقمٰن آیت 20 میں "کیا تم نے نہیں دیکھا" اس بات کا متقاضی ہے کہ انسان کائنات کی غرض وغایت پر غور کرے تاکہ وہ سمجھ سکے کہ کس طرح ہر چیز اس کے لئے کام کررہی ہے؟ غرضیکہ کارخانہ کائنات کی تخلیق کی غائت حضرت انسان ہے، سوچنے کی بات ہے کہ پھر انسان کی غایت کیا ہونا چاہیے؟

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آدمی کو زمین پر خالق کائنات کا نائب ہونے کا درجہ کیسے ملا؟ اور اس نیابت کے تقاضے کیا ہیں؟ یہاں پر فی الحال ہم پہلے سوال پر ہی توجہ دیں گے اور دیکھیں گے کہ حق تعالیٰ نے انسان کو اپنا نائب بناتے وقت کون کون سی خصوصیات ودیعت فرمائیں یعنی وہ کون سی صفات ہیں جو انسان کو حیوانی سطح سے بلند کرتی ہیں۔ یہ خصوصی صفات مندرجہ ذیل ہیں۔

1۔ اللہ تعالیٰ کی صفات کا مظہر ہونا

2۔ علم حاصل کرنے کی استعداد ہونا

3۔ ہدایت کا طالب ہونا

4۔ اختیار کا حامل ہونا

5۔ اختیارات کا صحیح استعمال

یہ وہ خصوصی باتیں ہیں جو انسان کو تمام حیوانات سے ممتاز کرتی ہیں۔ ان کے علاوہ ہماری فطری خاصیتیں تقریباً وہی ہیں جو عام حیوانوں میں بھی پائی جاتی ہیں اور یہ ہمارے حیوانی دور کی باقیات میں سے ہیں۔ اس لئے فطری طور پر حیوانوں کی طرح ہماری ارضی زندگی کا میلان بھی خوراک، رہائش، جسم کی آسائش اور نسل بڑھانے کی خواہش کے اردگرد گھومتا ہے۔ نیابت کے لئے جو صفات درکار ہیں ان کے یہ برعکس ہیں۔ اب ہم ان کا فرداً فرداً ذکر کریں گے۔

7.4 علم اور روحانی وجدان

علم حاصل کرنے کی استعداد وہ خصوصی قابلیت ہے جو آیات (42-30)2 کے مطابق انسان کو اس وقت عطا کی گئی جب اسے شرف نیابت بخشا گیا۔ اِن سے آدمی کے متعلق اسلام کا نظریہ اچھی طرح ظاہر ہو جاتا ہے، ہمیں بتایا گیا ہے کہ قادر مطلق نے آدمی کو علم حاصل کرنے کی خصوصی فضیلت عطا کی اور یہی وہ صفت ہے جس کی بنا پر وہ اشرف المخلوقات ہے۔ علم در حقیقت خدا کی اپنی صفات میں سے ایک صفت ہے۔ قرآن کریم کا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے آدمی میں اپنی روح کا کچھ حصہ ڈال دیا، اس بات کا شاہد ہے کہ اللہ تبارک نے انسان کو نام کا نائب نہیں بلکہ اسے تخلیقی قوتوں کا مالک بھی بنایا اور علم کو اس کی فطرت کا حصہ بنا دیا۔ روح کی بالیدگی کے لئے اس پر لازم ہے کہ وہ اس علم کو اپنے اندر اور باہر تلاش کرے۔ لہٰذا آدمیوں میں حقیقی معنوں میں وہی اللہ تعالیٰ کا نائب ہونے کا حقدار ہوگا جو علم کے حصول میں ایک اعلیٰ مقام پر فائز ہوگا۔ اس میں علم الاشیاء کا علم

بہت اہم ہے اس لئے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور فرشتوں کا امتحان اسی میں ہوا تھا۔ مخلوق کی معرفت سے رب تعالیٰ کی عظمت کا ادراک ہو یعنی "نیابت خالق کی معرفت اور مخلوق کی واقفیت میں ہے اس لئے "علم الاشیاء" کا حصول اسلام کا لازمی حصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے " طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ" عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَمُسْلِمَةٍ" "علم کی طلب (تلاش) ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکثر فرمایا کرتے تھے۔ "رب ارنی حقائق الاشیاء"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس دعا کا مطلب یہ ہے کہ حقائق الاشیاء کے جاننے کے لئے کوشش کرنا ہر آدمی پر لازم ہے۔ چونکہ حقائق الاشیاء سائنسی علوم سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ سائنسی علوم کی دسترس اور ان کے حصول کے لئے کوشش درحقیقت انسانی معراج کے لئے لازمی چیز ہے۔

قرآن کریم اپنی سینکڑوں آیات میں انسان کو کائنات میں غور و فکر کی دعوت دیتا ہے۔ یہ بار بار کی دعوت انسان کو حقِ نیابت کی طرف بلاوا ہے۔ اس لحاظ سے مغربی اقوام آج مسلمانوں سے بہت آگے ہیں لیکن افسوس کہ معرفت الٰہی سے محروم ہونے کی بنا پر وہ بھی نیابت کی حقدار نہیں۔ اس لئے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے متعلق آیات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ خدا کا نائب بننے کے لئے علم کے علاوہ اس کی اطاعت بھی لازمی ہے۔ اگر کوئی شخص علم تو رکھتا ہے لیکن اطاعت نہیں کرتا یا اطاعت تو کرتا ہے لیکن علم الاشیاء سے نابلد ہے تو اس نے بھی نیابت کا حق ادا نہیں کیا۔ سب سے بدقسمت وہ ہے جو جاہل بھی ہو اور اطاعت گزار بھی نہ ہو، ایسا آدمی شیطان سے بھی بدتر ہوگا۔

قرآن کریم سے ہم یہ بھی سمجھتے ہیں کہ انسان کی علمی استعداد اس کی حیوانی جبلتوں سے نہیں بلکہ روحانی قوتوں میں ہے۔ یعنی علم کی اصل روح ہے جو اسکے اندر پھونکی گئی تھی۔ یہ رب العالمین کا وہ خاص تحفہ ہے جس سے حیوانات محروم ہیں۔ روح سے انسان کو علم لدنی یعنی باطنی استعداد حاصل ہوتی ہے۔ اس بات کا تجربہ کئی ایک سائنسدانوں اور مفکروں کو بھی ہوا ہے کہ انسان کی زندگی میں کچھ لمحات ایسے ضرور آتے ہیں جب دفعتاً اس پر چھپے ہوئے حقائق روشن ہو جاتے ہیں، پیچیدہ گتھی خود بخود سلجھتی نظر آتی ہے۔ یہ انسان کے باطنی علم کی وجہ سے ہے جس کو ہم Intuition کا نام دیتے ہیں۔ قرآن کریم میں اس کا نام علم لدنی ہے۔ اس کی اساس انسان کا باطن ہے۔ سائنس کی تاریخ اس بات کا ثبوت ہے کہ فطرت کے بڑے بڑے راز روحانی جست ہی سے حل ہوئے ہیں۔ اکثر ایسا ہوا کہ سائنسدان جب تھک ہار کر مایوس ہو گیا تو اچانک روشنی کی کرن نمودار ہوئی اور زندگی بھر کی محنت کا ثمر مل گیا۔ عظیم دریافتوں اور روح کے وجدان کے اس تعلق کو کتاب (Scientific Discovery and Intuition) میں بڑی اچھی طرح واضح کیا گیا ہے کہ سوچ اور مسلسل تحقیق جزئیات کی تفصیلات کے لئے لازمی ہیں لیکن عظیم دریافتیں روح کے وجدان کا نتیجہ ہیں۔ نہ صرف سائنس بلکہ حقیقی ادب، آرٹ اور شاعری سے بھی اس کا گہرا تعلق ہے۔ تمام بڑے بڑے شاعر، فنکار اور ادیب گواہ ہیں کہ ان کی زندہ جاوید تخلیقات کسی سوچی سمجھی سکیم کا نتیجہ نہیں تھیں، بلکہ یہ الہامی تھیں۔ فنکار انہیں قلم کے ذریعہ محفوظ کر لیتے ہیں۔

7.5 ضمیر

علم حاصل کرنے کی استعداد کے علاوہ انسانی روح کی ایک اہم خاصیت "ضمیر" ہے جو اس کی آواز ہے:۔

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۝ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ۝ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ۝

"قسم ہے نفس کی اور جیسا اس کو ٹھیک بنایا، پھر سمجھ دی فجور کی اور تقویٰ کی"۔(سورۃ الشمس، آیات 7-10)

انسان کی اس عجیب اور عظیم صلاحیت کے بارے میں قرآن کریم کی سورۃ الشمس کی آیات 7-10 میں واضح کیا گیا ہے جس کا حوالہ پہلے بھی دیا جا چکا ہے۔ جو آدمی کو برے کاموں پر ٹوکتی ہے اور اچھے کاموں کی طرف راغب کرتی ہے۔ یہ انسانی فطرت میں دبی ہوئی ایک چنگاری ہے جسے محنت اور توجہ سے کوئی اجاگر کر لے یا بے توجہی سے بجھا دے۔ یہ وہ چیز ہے جو ظلم کو دیکھ کر پریشان ہو جاتی ہے، انسانوں کو آپس میں محبت کا درس دیتی ہے، رحم، ترس اور خیر خواہی کے جذبات اس کو فرحت دیتے ہیں۔ یہی وہ طاقت ہے جو بعض اوقات انسان کو ایسی بلندیوں پر لے جاتی ہے کہ عقل کے تمام تقاضوں کے خلاف وہ سچائی کے لئے اپنی جان تک قربان کر دیتا ہے، تاریخ میں کبھی وہ غازی علم الدین، کبھی جی گویرا، کبھی ارسطو کی شکل میں زہر کا پیالہ پی کر عقل سے برسر پیکار نظر آتا ہے۔

ضمیر کی آواز کو بڑھانا یا کم کرنا انسان کا اپنا کام ہے۔ اس دنیا میں زیادہ لوگ تو وہی ملیں گے جو اپنے ضمیر کو دباتے رہتے ہیں اور یوں اسے کمزور کر لیتے ہیں جسکے نتیجہ میں پھر وہ عمر بھر بھٹکتے ہی رہتے ہیں۔ درحقیقت ہوتا یہ ہے کہ ابتدا میں انسان جب کوئی غلط کام کرتا ہے تو روح فوراً اس کو ٹوکتی ہے، اگر تو انسان اپنی روح کی آواز پر توجہ کرتا رہے اور اس کے اشارے پر لبیک کہتے ہوئے برائی سے رک جائے تو آہستہ آہستہ یہ مزید طاقتور ہوتی جاتی ہے لیکن جب انسان اپنی روح کی آواز کو دباتا ہے اور دوسرے ذرائع سے رہنمائی حاصل کرتے ہوئے اپنے اچھے برے فیصلے کرتا ہے تو ضمیر کمزور ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ آخر میں انسان ضمیر کی ہدایت سے بالکل محروم ہو جاتا ہے اور یوں نفس اپنے بنیادی ارتقائی مقام سے بھی نیچے گر جاتا ہے۔ بہرحال جب تک انسان اسے سننے کے لئے تیار ہے روح اپنا یہ کام کرتی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات چور، ڈاکو، عادی مجرموں کی زندگیوں میں بھی کوئی ایسا موڑ آ جاتا ہے کہ ان کا خوابیدہ ضمیر اچانک بیدار ہو جاتا ہے اور ان کو راہ راست پر لے آتا ہے۔

7.6 شعور اور اختیار

یہ آدمیت کی تیسری صلاحیت ہے جو اس کی روح کی لازمی صفت ہے۔ یہ صفت انسان کو تمام دیگر مخلوقات سے ممتاز کرتی ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے بھی کہہ چکے ہیں انسان کے ناطے سے روح کی ترقی نفس کی صورت میں ہوتی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ نفس روح کی وہ شکل ہے جو شعور اور اختیار کے استعمال کے نتیجہ میں بنتی ہے۔ یعنی نفس ہماری وہ روحانی شخصیت ہے جو مختلف عوامل کے نتیجہ میں ابھرتی ہے۔ یہ صرف انسان کا اعجاز ہے کہ اسے اپنی زندگی میں اپنے لئے راہ متعین کرنے کا اختیار ہے۔ اس کے اعمال کی اصل یہی اختیار ہے کہ ہم سچائی کا ساتھ دیں یا بدی کی طاقتوں کا دامن پکڑیں۔ قرآن حکیم میں صاف صاف بتلا دیا گیا ہے کہ دین میں جبر نہیں۔ **لَا اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ**۔

قانون فطرت ہے کہ جہاں اختیار ہے وہاں کچھ ذمہ داریاں بھی ہوں گی۔ یہ بات دنیا کے نظام میں بھی عام ہے، ایک بڑا افسر بڑے

اختیار کا مالک ہوتا ہے، لیکن انصاف کے تقاضوں کے سامنے اتنا ہی زیادہ اسے ذمہ دار (Accountable) بھی ٹھہرایا جاتا ہے، یہی مثال انسان کی باقی مخلوقات میں ہے کہ وہ اس دنیا کا حکمران ہے، اگر وہ اپنے فرائض کو پوری طرح ادا نہ کرے تو اس سے کون حساب لے؟ ظاہر ہے کہ کلی طور پر ایسا ہونا دنیا میں ناممکن ہے۔ یہاں ظالم دندناتے ہیں اور ان کے سامنے مظلوم کو آہ کرنے کی بھی اجازت نہیں ہوتی۔ جب قانون فطرت ہے کہ ہر عمل کا ایک نتیجہ ہوتا ہے تو پھر جس پر ظلم کیا جاتا ہے اسے انصاف کیوں نہ ملے؟ جو کسی کا حق چھینتے ہیں ان کو سزا کیوں نہ ہو؟ اگر دنیا کی زندگی میں ایسا نہیں ہوتا تو کسی اور دنیا میں ضرور ایسا ہونا چاہیے؟ انسان کو اختیار دینے کے بعد اگر قدرت خود ہی ظلم کا فوری بدلہ لینا شروع کر دے تو انسانی نظامِ حیات چل نہ سکتا۔ اس لئے زندگی میں نیکی اور بدی کا بدلہ چھپا کر رکھا ہے۔ البتہ آخرت میں یہ سب کچھ ظاہر کر دیا جائے گا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ اللہ تعالیٰ کے خلاف بات ہوتی۔ اس لئے انسان کا صاحبِ اختیار ہونا اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ موت کے بعد بھی کوئی زندگی ہے جس میں اس کے اختیار اور فرائض کا حساب ہوگا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۗ وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ۗ وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ O

"ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے اور ہم تمہیں شر اور خیر سے آزماتے ہیں اور آخر کار تم سب (جزا و سزا کے لئے) ہماری ہی طرف لوٹ کر آنیوالے ہو"۔ (سورۃ الانبیاء آیت 35)

7.7 انسانی اور حیوانی قدریں

انسان دو قدروں کا مجموعہ ہے۔

1۔ انسانی قدریں اور 2۔ حیوانی قدریں

انسانی اقدار کی وجہ اس کی روح ہے جو عالم بالا سے ایمبریو Embryo میں داخل ہو کر انسان کو حیوان سے انسان بناتی ہے۔ حیوانی قدروں کی وجہ سے ہمارا جسم اِن دیگر حیوانوں سے مختلف نہیں۔ خورد و نوش کی تگ و دو، ہوس اور شہوت، لڑائی جھگڑے، دشمنی، غصہ، حق اور ناحق سے بے حسی، لالچ، غرض تمام وہ قدریں جن کا مطلوب مادی طاقت اور ذرائع کا حصول ہے سب اسی وجہ سے ہیں۔ اس کے برعکس روحانی قدریں ہمیں اپنے خالق پر ایمان اور اس کی تخلیقات کے علم کی طرف راغب کرتی ہیں، تخلیق کا سبق دیتی ہیں، کائنات کے رازوں سے پردہ اُٹھانے میں راہ دکھاتی ہیں، ایثار اور قربانی کا جذبہ عطا کرتی ہیں، برائی سے روکتی ہیں اور بھلائی کی طرف راغب کرتی ہیں۔ الغرض روحانی قدریں شخصیت کے ان پہلوؤں کا نام ہے جس کی اساس روح ہے۔ یہ قدریں روح کی نشوونما کے لئے ایسے ہی ضروری ہیں جیسے جسم کی نشوونما کے لئے کھانا پینا ضروری ہے۔ ہماری دنیاوی حیات، زمان و مکاں کے طویل سفر کے دوران وہ مختصر سا وقفہ ہے جس میں ہم علم، شعور اور اختیار کا استعمال کرتے ہوئے اپنی روحانی شخصیت کو آسانی سے ترقی دے سکتے ہیں۔ چونکہ حیوانی اور روحانی اقدار میں تضاد ہے اس لئے ایک کی طرف زیادہ جھکاؤ دوسری کی کمزوری کا باعث ہوتا ہے۔ چنانچہ اگر کوئی آدمی حیوانی قدروں کی طرف زیادہ راغب ہوگا تو روحانی طور پر کمزور ہوتا جائے گا۔ بہرحال ان دونوں کے

امتزاج اور نتائج کے زیرِ اثر انسانی روح کی جو شخصیت نکھر کر سامنے آتی ہے اسے قرآن کریم کی زبان میں نفس کہا جاتا ہے۔

انسان کا امتحان بھی یہی ہے کہ دیکھا جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دیئے گئے علم، شعور اور اختیار سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے کیسا نفس بناتا ہے؟

اس کی بڑی بڑی تین اقسام ہیں :۔

نفس امارہ	یہ حیوانی قدروں کی نمائندگی کرتا ہے۔
نفس لوامہ	یہ حیوانی اور روحانی قدروں کے بین بین ہے۔
نفس مطمئنہ	اس میں روحانی قدریں غالب ہوتی ہیں۔

لہٰذا آدمی کی کامیابی یہ ہے کہ جب وہ ارضی حیات سے فارغ ہو کر عالم برزخ کی حدود میں داخل ہو تو نفس مطمئنہ کے ساتھ وہاں جائے۔اس کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد یہ ہے کہ اپنے آپ میں اللہ والی صفات پیدا کرو۔ **"تخلقوباخلاق اللّٰہ"** اپنے آپ میں اللہ تعالیٰ کے اخلاق پیدا کرو۔یعنی وہ اسماء الحسنیٰ کا انسانی نمونہ بننے کی کوشش کرتا ہے۔یوں ایسا انسان وہ مبارک ہستی ہے جو نہ صرف اللہ والا ہوتا ہے بلکہ اپنی سطح پر وہ اللہ تعالیٰ جیسا بھی ہوتا ہے قرآنی اصطلاح میں وہ اللہ تعالیٰ کے رنگ میں رنگا ہوتا ہے۔تمام نوعِ انسانی میں اس کی بہترین مثال سرورِ کائنات خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہے۔جن کا طریق حیات اسوۂ حسنہ ہے۔جس پر چل کر انسان سیدھا جنت میں جائے گا (انشاء اللہ)۔

"تفصیلات کے لئے حصہ دوم ملاحظہ ہو"۔

حصہ دوم

انسان کی شخصیت کے کچھ ماورائی پہلو

- تعارف
- انسان کی ماورائی شخصیت، رُوح، نفس اور زندگی
- غیر مرئی طاقتیں، انسانی جینز اور مسئلہ تقدیر وقت، واقعات اور کشف
- خیال کی قوت اور سی آئی اے کا حیرت انگیز روحانی جاسوسی نظام
- زندگی کی طوالت۔ ڈیزائن لائف اور موت

تعارف

ماورے ہماری نظروں سے اوجھل ہے اس لئے یہ بہت ابہام کا شکار ہے سب سے زیادہ الجھا ہوا مسئلہ انسان کی اپنی حقیقت کا ہے۔ اس لئے کچھ لوگ اپنے آپ کو ایک حیوان قرار دیتے ہیں جن کے لئے بھی ایک زندگی ہے۔ یہیں سے پیدا ہوا، بڑھا ہوا اور پھر مر کر یہیں گل سڑ کر ختم ہو گیا یعنی وہ ایک حادثہ ہے جس کی کوئی مستقل حیثیت نہیں۔ ان کے نزدیک ماورئی ان کے تجربہ اور عقل کے کچھ بھی نہیں۔ اس لئے وہ انسان کے علاوہ ماورائی مخلوقات کا سرے ہی سے (Outright) انکار کرتے ہیں۔

کچھ ایسے بھی ہیں جو انکار کا حوصلہ نہیں رکھتے، لیکن ماورائی دنیا کو ماننے کے لئے بھی تیار نہیں۔ وہ ان کی طرح طرح کی طبیعیاتی تاویلات کے ذریعہ تشریح کرتے ہیں۔ انہی میں کئی بڑے بڑے دانشور بھی شامل ہیں۔ مثلاً علامہ عنایت اللہ مشرقی (مرحوم) اپنی کتاب "تکملہ" میں جنات کو انسانوں کا بالا طبقہ (Elite) سمجھتے ہیں۔ بعض دانشوروں کے نزدیک جنات سفید فام اقوام ہیں۔ فرشتوں کو علامہ عنایت اللہ مشرقی اور سر سید احمد خان نے قدرتی طاقتیں کہا ہے۔ مثلاً ان کے نزدیک کشش ثقل بھی ایک فرشتہ ہے۔ برق بھی کسی فرشتے کا نام ہے۔

جبکہ قرآن کریم سے واضح طور پر پتا چلتا ہے کہ انسان کی طرح جنات بھی ایک ذہین مخلوق ہے ان میں بھی کچھ مسلمان ہیں کچھ کافر، کچھ اچھے اور کچھ بُرے، ان کا بھی کوئی دین ہوتا ہے۔ ان کا وجود انسان سے قدیم تر ہے اور ان کی بنیاد آگ تھی۔ اپنی بعض خصوصیات میں انسان سے زیادہ طاقتور ہیں مثلاً وہ نہایت تیز رفتاری سے سفر کر سکتے ہیں اور اپنی شکل بدل سکتے ہیں۔ لیکن بہر حال مجموعی حیثیت میں وہ نوع انسانی سے ادنیٰ تر مخلوق ہیں۔ شیاطین بھی جنات میں سے ہی ہیں۔ وہ انسان دشمن ہیں اور ان کے اذہان (Nervous system) پر حملہ آور ہوتے ہیں، اسلئے کہ طبیعیاتی طور پر ان کا انسان پر کوئی زور نہیں۔

ماورائی مخلوقات کے ہونے یا نہ ہونے کے جھگڑے کی وجہ یہ ہے کہ انسان انہیں اپنے حواس خمسہ کے ذریعہ محسوس نہیں کر سکتا۔ نہ صرف حواس خمسہ بلکہ اپنے ایجاد کردہ طبیعیاتی آلات کی مدد سے بھی ان کی موجودگی کو ابھی تک حتمی طور پر ثابت نہیں کر سکا۔ دوسری طرف ہمارے سامنے ایسے واقعات ہو جاتے ہیں جس کے اسباب کو ہم جاننے سے قاصر رہتے ہیں۔ ان واقعات کا سبب کون ہیں؟ اگر چہ آپ کا ذاتی مشاہدہ نہ بھی ہو تو بھی کبھی کبھی سنا جاتا ہے اور اخبارات میں پڑھا جاتا ہے کہ بعض گھروں میں چیزیں جہاں رکھی گئی ہیں وہاں سے خود بخود ہی دوسری جگہ منتقل ہو جاتی ہیں۔ بعض دفعہ دیکھنے اور آوازیں سننے کے ایسے واقعات بھی سامنے آتے ہیں جن کے پیچھے کوئی ظاہری مادی محرک نظر نہیں آتا۔ بعض دفعہ لوگوں کے نوٹس میں آتا ہے کہ ایک بچہ کہیں پیدا ہوا اور وہ اپنے علاقہ کی زبان کے علاوہ کسی دوسرے علاقہ کی زبان بھی پیدائشی طور پر بولتا ہے اور ایسی باتیں بتاتا ہے جس کا اسکا اپنے خاندان سے کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے۔ غرض ایسے عجیب و غریب واقعات ہر ملک ہر طرح کے تہذیب و تمدن میں دیکھے جاتے ہیں۔ اگر ان غیر مرئی واقعات کے محرکات ماورائی نہیں تو اور کیا ہیں؟

جہاں تک مذاہب عالم کا مقام ہے، تمام بڑے مذاہب ماورائی واقعات اور مخلوقات کو مانتے ہیں۔ ہندو مذہب جو بہت قدیم مذہب ہے، اس میں تو روحوں کے آواگون کا مسئلہ، بھوت اور جنات کا وجود مرکزی نکتہ ہے۔ یہود اور نصاریٰ بھی فرشتوں، جنات اور ارواح کے وجود کو

مانتے ہیں اوران کے اعتقادات میں اہم درجہ رکھتے ہیں ۔اسلام میں بھی یہ مرکزی حیثیت رکھتے ہیں۔سب سے پہلے تو یہی کہ فرشتہ حضرت جبرائیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے قرآن کریم لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب پر وحی کرتے تھے۔جبرائیل علیہ السلام کو آپ نے کئی بار مرئی حالت میں بھی دیکھا۔ان کے علاوہ مسلمان کراماً کاتبین کو مانتے ہیں جو ہر انسان کا اعمال نامہ تیار کرتے رہتے ہیں اوراس کی زندگی اور بعد از زندگی کے بھی ساتھی ہیں قرآن شریف میں ان کا بھی ذکر ہے۔

فرشتوں کی مدد کے واقعات بھی قرآن کریم میں بتائے گئے ہیں۔مثلاً غزوہ بدر میں مسلمانوں کی تین ہزار فرشتوں سے مدد کی گئی۔جہاں تک جنات کا تعلق ہے،ایک پوری سورت کا نام "سورۃ جن" ہے۔قرآن کریم یہ بھی بتاتا ہے کہ ان کی پیدائش آگ سے ہوئی تھی جبکہ انسان کی تخلیق زمینی مٹی سے ہوئی تھی۔جنات کے قرآن کریم کے سننے اور سلام کرنے کا بھی ذکر ہے۔پھر یہ بھی بتایا گیا ہے کہ شیطان بھی جنات میں سے ہی تھا۔ان میں سلسلۂ تولید اور موت وحیات بھی چلا آرہا ہے اوران کا اپنا ایک معاشرتی نظام ہے۔نہ صرف یہ بلکہ روزِ حشر ان کا بھی حساب ہوگا اور انسانوں کی طرح اپنے اپنے اعمال کے مطابق جنت یا دوزخ کے سپرد کئے جائیں گے۔

ماورے کے وجود کی حقیقت

مذاہب عالم اوران کے اربوں ماننے والوں کے وجدانی اعتقادات اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مذاہب عالم کے بانیوں جیسی مقدس اور سچی ہستیوں کی شہادت کے بعد ماورائی مخلوقات کے وجود پر کوئی شک نہیں کیا جانا چاہیے۔ہمارا سارا علم کسی نہ کسی شہادت کی بنیاد پر ہے۔ہم سائنس میں کائنات کے متعلق بگ بینگ (Big Bang)،کائنات کی عمر،زمان ومکان کے تعلق (Continuing of Time & Space) بلیک ہولز (Black Holes)،یہ کہ روشنی کی رفتار کی آخری حد ہے،کائنات پھیل رہی ہے وغیرہ وغیرہ۔جیسے مفروضوں کی حقیقت پر کسی نہ کسی سائنس دان کی شہادت کی بنا پر یقین رکھتے ہیں۔ہم میں سے کسی نے ایٹم کے وجود کو نہیں دیکھا ہے،نیوٹرینوز (Neutrinos) کو کسی تجربہ گاہ نے محفوظ نہیں کیا،کاسمک سٹرنگ (Cosmic strings) کو کبھی محسوس نہیں کیا،لیکن پھر بھی ہم ان کے وجود کو اس لئے مان لیتے ہیں کہ بتانے والے بااعتماد لوگ ہیں۔یعنی اعتماد اور قابل اعتبار شہادت ہمارے سارے علم کی بنیاد ہے۔اگر ہم مذاہب عالم کے پیغمبروں اور رسولوں کو حق مانتے ہیں۔ان کی سچائی پر شک نہیں کرتے تو ماورائی مخلوقات مثلاً فرشتوں،جنات اور ارواح کی حقیقت کو تسلیم نہ کرنے کے لئے بھی ہمارے پاس کوئی جواز باقی نہیں رہتا۔کیونکہ ان کو بتانے والے دنیا کے معتبر ترین اور صادق ترین لوگ تھے جنہیں اللہ تعالیٰ کے نبی اور رسول کہا جاتا ہے۔

اس کے علاوہ جدید سائنسی تحقیقات (Para Psychological) بھی بھوتوں اور ماورائی خلائی مخلوقات کے قدیم نظریات کو اس شدت سے اب رد نہیں کرتیں جس شدت سے پچھلی صدی میں سائنسدان ان کا انکار کرتے تھے۔بلکہ اب تو ان میں بہت سے خاموش ہیں اور کچھ مانتے بھی ہیں کہ مجسم مخلوقات کے علاوہ غیر مجسم مخلوقات موجود ہیں لیکن ان کے بارے میں ہمارا علم ابھی بہت کم ہے۔لہٰذا اصل مسئلہ یہ نہیں کہ ان ماورائی مخلوقات فرشتے جنات اور ارواح کا وجود نہیں،بلکہ مسئلہ یہ ہے کہ ان کے وجود کی حقیقت کیا ہے؟ زیرِ نظر کتاب راقم الحروف کی تقریباً دس سالہ تحقیقات کا نتیجہ ہے۔جس کا مقصد اسلام،مذاہب عالم اور سائنسی حوالوں سے کچھ غیر مرئی مسائل کی حقیقت کو سمجھنا ہے۔

باب نمبر 8

انسان کی ماورائی شخصیت، رُوح، نفس اور زندگی

تعارف

انسان کی ماورائی حیثیت کے متعلق جدید سائنسی تحقیقات واضح اشارہ کرتی ہیں کہ انسانی روح کوئی مفروضہ نہیں بلکہ ایک ٹھوس حقیقت ہے۔ ہمارے اپنے ماحول میں بھی ایسے واقعات ہوتے رہتے ہیں اگر ہم اِن پر غور کریں تو روحوں کا وجود ہمارے لئے کوئی معمہ نہ رہے، لیکن اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ہم ان کا مشاہدہ کئے بغیر پاس سے گزر جاتے ہیں۔ اگر مشاہدہ کرتے بھی ہیں تو غور نہیں کرتے، یا پھر ہم اپنے مشاہدے کو ذاتی حد تک محدود کر لیتے ہیں۔ ساری دنیا میں لوگوں کا حال کچھ ایسا ہی ہے۔ ڈاکٹر ریمنڈ موڈی جنہوں نے امریکہ میں عارضی موت کے بعد زندہ ہونے والوں پر تحقیق کی ان کا بھی یہی کہنا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ پچھلی صدی میں مادیات کا حملہ اس قدر شدید رہا ہے کہ روحوں جیسی غیر مادی مخلوق کی بات کرنے یا سننے کے لئے بڑا حوصلہ چاہیے۔ اکثر ذہن اس قدر مرعوب ہو چکے ہیں کہ وہ ایسے حقائق کا سامنا کرنے کی تاب نہیں لاتے، چنانچہ آسان راستہ یہی رہ جاتا ہے کہ اس سلسلہ پر خاموشی اختیار کی جائے یا صرف کہہ دیا جائے ہمیں کچھ معلوم نہیں یا انکار کر دیا جائے۔

لیکن اس سوچ کو آپ روشن خیالی نہیں کہہ سکتے بلکہ یہ انتہائی غیر سائنٹیفک، مقلدانہ سوچ ہے۔ جس کی رو میں بہہ کر انسان اپنے آپ سے بہت دور ہوتا جاتا ہے۔ کبھی وہ مذہب کے زیر اثر اپنی پہچان کو روحانی حوالے سے جانتا تھا، لیکن اب مادیات کے دباؤ نے انسان کی سوچ کو بھی مادی بنا دیا ہے۔ جس کے نتیجے میں انسان روحانی اطمینان کھو چکا ہے اور وہ مادی سائنس سے اس قدر متاثر ہے کہ ٹھوس دلیل کے بغیر کوئی بات ماننے کے لئے بھی تیار نہیں۔ لہٰذا آج ضرورت اس امر کی ہے کہ انسان کے ماورائی پہلوؤں کو سائنسی انداز میں سمجھا اور پرکھا جائے۔ یہ کام مادی سائنس سے بھی بڑا کام ہے لیکن افسوس کہ آج کا انسان باوجود غیر معمولی مادی ترقی کے اس لحاظ سے تاریک دور میں ہے۔ اگر کوئی اس موضوع پر سنجیدہ ریسرچ کرنا بھی چاہے تو گوناگوں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

دراصل سائنس کی دنیا بھی مقلدین سے بھری پڑی ہے۔ اگر کسی بڑے سائنسدان نے کہہ دیا کہ مذہب میرا مسئلہ نہیں، روحیں میرا موضوع نہیں یا میں خدا کی ہستی کا قائل نہیں ہوں تو بہت سے دوسروں نے اس کی تقلید ہی کو اپنی تقدیر بنا لیا۔ حالانکہ سائنس کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ سیاسی و معاشرتی وجوہ سے قطع نظر کسی بڑے سائنسدان نے یہ نہیں کہا کہ اس کی تحقیق یہ ثابت کرتی ہے کہ خدا تعالیٰ کا وجود نہیں یا ارواح کوئی چیز نہیں۔ اگر کہا بھی ہو تو پھر کیا، حقیقت کسی کے کہنے سے بدل نہیں سکتی۔ درحقیقت سائنس میں تو اس قدر گہری جزئیات ہیں کہ اپنے دائرہ کار سے باہر بڑے سے بڑا سائنسدان اپنے آپ کو اجنبی محسوس کرتا ہے۔ اس لئے اگر کوئی بڑا سائنسدان یہ کہہ دے کہ خدا نظر نہیں آتا تو وہ ہرگز قابلِ تقلید نہیں۔ یہ اس کا ذاتی معاملہ ہے۔ لیکن یہ کہنا بھی غلط ہے کہ سائنسدانوں کی اکثریت خدا کو نہیں مانتی۔ سچ تو یہ ہے کہ کچھ بڑے سائنسدان ایسے بھی ہیں جن کا خدا کی

ہستی پر ایمان مذہب کے مبلغین سے بھی زیادہ رہا ہے۔

8.1 روحوں پر سائنسی تحقیقات

دراصل ارواح کی سائنس آج کے دور میں وہی حیثیت رکھتی ہے جو گلیلو (Galileo) کے زمانہ میں کائنات کی تھی۔ خوش آئند بات یہ ہے کہ آج دنیا میں کئی ایک ادارے اور سنجیدہ سائنسدان ہیں جو اس موضوع پر نہایت شد ومد سے تحقیق میں مشغول ہیں۔ امریکہ اور یورپ میں پچھلے پچاس سالوں میں جو کام ہوا وہ یقیناً قابلِ قدر ہے۔ اسکے علاوہ روس میں بھی ٹیلی پیتھی اور روحانی سراغ رسانی کے حوالے سے انسان کی ماورائی حیثیت کو تسلیم کر لیا گیا ہے اور وہاں اس موضوع کو ایک سائنسی حیثیت حاصل ہوتی جا رہی ہے۔ اگر کوئی پیچھے رہنے والے ہیں تو وہ ہمارے مسلمان ممالک ہیں۔ اس لئے پاکستان میں بھی ضروری ہے کہ روحوں پر تحقیق کا کام شروع کیا جائے، بلکہ ہمارے اوپر اسلام کی طرف سے بھی فرض عائد ہوتا ہے کہ ہم دنیا کو اپنے دین کی تعلیمات کی روشنی میں ارواح فرشتوں اور جنات جیسی فوق الطبعیات مخلوقات سے روشناس کرائیں تا کہ آدمی اپنے آپ کو بہتر سمجھ سکے۔ ورنہ بعید نہیں کہ مغرب کی مادیات، روحوں کے متعلق علوم کو بھی اپنے مادی رنگ میں رنگ دے۔

روحوں کے بارے میں سائنسی تحقیقات سے یہ بات ثابت ہوتی نظر آتی ہے کہ روح انسان کا وہ حصہ ہے جس کا جسمانی موت کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ اگر چہ ابھی تک ہونے والے سائنسی تجربات اور مشاہدات موت کے بعد بہت مختصر وقفہ کا احاطہ کرتے ہیں، زیادہ سے زیادہ دس سے پندرہ منٹ، لیکن ان سے یہ بات پایہ ثبوت تک پہنچی ہے کہ انسانی شخصیت زندہ رہتی ہے اور دنیاوی زندگی کے ساتھ ہی ایک اور زندگی کا آغاز ہو جاتا ہے۔ سائنسی تجربات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ عارضی طور پر مرنے والے لوگوں نے دوسری دنیا میں جو کچھ دیکھا یا سنا وہ ان کی دبی ہوئی خواہشات اور رجحانات کے زیرِ اثر نہیں تھا بلکہ واقعی جسم سے باہر کے مشاہدات تھے۔ یعنی یہ سب تحقیق ثابت کرتی ہے کہ موت انسان کی بقا میں ایک بے حد معمولی (؟) حیثیت رکھتی ہے۔ یہ وہی بات ہے جو قرآن کریم ہمیں بار بار سمجھانے کی کوشش کرتا ہے فرمایا:۔

قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِیْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰی عٰلِمِ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ○

"آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما دیں کہ دیکھو وہ موت جس کا تم سامنا کرنے سے ڈرتے ہو یقیناً تم اس سے مل کر رہو گے۔ اس کے بعد تم اسکے سامنے حاضر کر دیئے جاؤ گے جو حاضر اور غائب تمام تر علم رکھتا ہے اس وقت وہ تمہیں بتائے گا کہ تم دنیا میں کیا کرتے رہے ہو۔" (سورۃ الجمعہ، آیت۔ 8)

قرآنی تعلیمات ہی کی روشنی میں ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ جیسے فرشتوں کی تخلیق کی بنیاد غیر مادی توانائی ہے اسی طرح روح بھی ایک نور ہے، لیکن یہ نوری توانائی کس قسم کی ہے اس کا علم ابھی تک انسانی علم کے دائرے سے باہر ہے۔ آج کل "الغیب" (Hidden Matter and

(Energy) پر جو تحقیقات ہو رہی ہیں ۔ہو سکتا ہے کہ ان سے یہ عقدہ بھی حل ہو جائے ۔جیسے قرآن کریم میں جوڑوں (Pairs) میں پیدائش کا تخلیقی فارمولا دیا گیا ہے سائنس بھی اسی نتیجہ پر پہنچی ہے کہ ہر چیز کا جوڑا ہے ۔اس اصول پر طبیعیات اور مابعد طبیعیات کا بھی جوڑا ہونا چاہیے ۔یعنی یہ کوئی غیر سائنسی بات نہیں کہ کائنات میں غیوب موجود ہیں جو ہمارے مشاہدے میں آنے والی کائنات کے متوازی مخلوقات ہیں ۔روح فرشتے، حیات، جنت، دوزخ ایسے تمام ماورائی حقائق اسی کا حصہ ہیں ۔

حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے اور ان کی پیدائش کے بعد جو مکالمہ فرشتوں، شیطان اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے درمیان کلام پاک میں دیا گیا ہے،اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جنوں کی تخلیق کا منبع نار ہے جو طبیعیات میں آگ کا مظہر ہے جب کہ فرشتوں کی تخلیق نور سے وجود میں آئی جس کا ایک مظہر روشنی ہے ۔یوں جنات اور فرشتوں کی فطرت میں اگرچہ زمین وآسمان کا فرق ہے لیکن اپنی ماہیت میں ایک ہی ہیں ۔دونوں کی خاصیت برقی مقناطیسی شعائیں (Electromagnetic Radiations) ہو سکتی ہیں جن میں فرق صرف فریکوئنسی (Frequency) کا ہے ۔اسی طرح عین ممکن ہے کہ انسان کی روح بھی کسی طرح کی برقی مقناطیسی شعاؤں ہی کی توانائی ہو ۔بہر حال حتمی طور پر ابھی تک انسان اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا ۔اگرچہ امریکہ اور مغربی ممالک میں نفوس کی جو تصاویر لی گئی ہیں ان میں یہ ایک نوری ہیولا کی مانند ہی نظر آتا ہے ۔

جہاں تک آدمی کی زندگی کا تعلق ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم سب توانائی سے چلنے والی مشینوں کی طرح ہیں جن کے اندر اپنے ہی پاور ہاؤس ہیں مثلاً ہماری زندگی کی ہر حرکت، ہر سانس، ہر سوچ، ہر نظر، درحقیقت توانائی ہی کی مختلف اشکال ہیں جنکا منبع دراصل سورج ہے، لیکن چونکہ ان عوامل کا اظہار جسمانی اعضاء کے ذریعہ ہوتا ہے اس لئے ہم انہیں ہی سب کچھ مان لیتے ہیں ۔

انسان کی شخصیت میں توانائی کے عمل کی اہمیت کو سمجھنے کے لئے پڑھنے کے عمل کی مثال مفید رہے گی ۔آپ جو مضمون پڑھ رہے ہیں اس کی سائنسی توضیح یوں ہے کہ کاغذ کے صفحہ پر گرنے والی روشنی کی توانائی کاغذ اور حروف سے ٹکرا کر آپ کی آنکھ پر مرتکز ہو رہی ہے ۔یہاں توانائی کی یہ کرن بجلی کی لہروں میں بدل جاتی ہے، پھر بجلی کی شکل میں یہ توانائی دماغ کے ان حصوں میں پہنچ جاتی ہے جو دیکھنے کے لئے مخصوص ہیں، وہاں دماغ کے خلیات پر اثر انداز ہو کر کیمیائی توانائی کی ایک اور شکل کو جنم دیتی ہے جو حروف کو دماغ کے حافظہ کے خلیات پر نشانات کی شکل میں محفوظ کر دیتی ہے اور وہاں عقل اس کو معانی کا جامہ پہناتی ہے ۔اس سارے عمل میں آپ نے دیکھا ہے کہ مادی آنکھیں اور دماغی خلیات وغیرہ محض ذرائع ہیں جو توانائی کی ایک حالت کو دوسری حالت میں تبدیل کرنے کے کام آتے ہیں اور نہ دیکھنے، پڑھنے، سمجھنے اور یاد رکھنے کا عمل اپنی فطرت میں توانائی ہے ۔اس کے بعد ان سے معانی اخذ کرنا اور ان سے اثر لینا اور پھر ان پر عمل کرنا کسی اور غیر مرئی وجود کا محتاج ہے ۔جس کو ہم شعور، عقل وغیرہ کا نام دیتے ہیں جو اپنی حقیقت میں نہ توانائی ہیں نہ مادہ بلکہ ہمارے نفس ہی کے خواص ہیں ۔

اس لطیف مثال سے قطع نظر آپ انسانی نشوونما ہی کو لیں ۔ظاہر میں یہ 100 فیصد مادی معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقت اس سے بہت مختلف ہے ۔مثلاً ہمارا گوشت پوست، چربی، ہڈیاں یعنی ہمارے جسم کے مادی اجزا بھی اپنی اصل میں سورج کی توانائی سے ہی بنے ہیں ۔اس عمل میں پودے سورج سے توانائی لیکر خوراک بناتے ہیں جو ہم کھاتے ہیں ۔اسی طرح بالواسطہ ہمارا جسم سورج ہی کی توانائی کی ایک مادی شکل ہے اور چونکہ

سورج کا وجود بگ بینگ کے مرکز کی وجہ سے ہے اس لئے حقیقت کے باطنی پیمانوں پر ہم سب بگ بینگ میں بھی موجود تھے۔

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ہر انسان کا آغاز ایک ایسے جرثومہ سے ہوتا ہے جس کا سائز ایک سینٹی میٹر کے کھربویں حصہ کے قریب ہے یہ وہ چیز ہے جسے دیکھنے کے لئے بہت ہی زیادہ طاقتور خوردبین چاہیے لیکن جدید سائنس کا کہنا ہے کہ ہماری تمام شخصیت اس کے اندر موجود ہوتی ہے بالکل ایسے ہی جیسے کسی درخت کی شخصیت اس کے بیج کے اندر پنہاں ہوتی ہے۔ سورج کی توانائی سے پیدا شدہ خوراک کھا کر ہم ایک نہ نظر آنے والے جرثومہ سے بڑھ کر وہ آدمی بن جاتے ہیں جو کائنات پر غور وفکر اور اسے قابو کرنے کی کوشش کرتا ہے اور بسا اوقات اتنا ناشکرا ہے کہ اپنے ہی رب کے وجود پر شک کرتا ہے۔

ان مثالوں کا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ ہمارے مادی جسم اور زندگی کی حقیقت کسی لطیف توانائی کا ہی نتیجہ ہیں اور روح وہ امر ربی ہے جس کے حکم اور پروگرام کے ماتحت ہمارا وجود شروع ہوتا ہے اور یہی زندگی کی بھٹی سے گزر کر نفس بن کر نکلتی ہے۔

قرآنی تعلیمات سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ روحیں اس وقت بھی موجود تھیں جب انسانی جسم کی تخلیق بھی نہیں ہوئی تھی۔ پھر تمام انسانیت کی روحیں حضرت آدم علیہ السلام کے جسم میں داخل کردی گئیں۔ یہ جنت کے زمانہ کی بات ہے۔ روحوں کا عمل تولید کے ذریعہ انسانی اجسام میں داخل ہونے کا عمل حضرت آدم علیہ السلام کے دنیا میں ظہور کے ساتھ ہوا۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ماں کے پیٹ میں بچے کے آغاز کو جب چالیس دن ہو جاتے ہیں تو اس میں روح داخل ہوتی ہے۔ پیدائش کے بعد حالات اعتقادات اور اعمال کے اثرات کے نتیجہ میں یہی فطری روح، نفس کی شکل اختیار کر لیتی ہے جیسے بیج سے پودا اگتا ہے۔ ہمارا مستقبل ہمارے نفس کی اس حالت پر منحصر ہے جس حالت میں اس دنیا کو ہم چھوڑتے ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کے وجود میں ہم سب کی روحیں تھیں آیت مبارکہ (38)2 "تم سب اتر جاؤ" سے ظاہر ہے اس حکم میں تمام نوع انسانی شامل ہے فرمایا:۔

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○

"ہم نے حکم دیا کہ تم سب یہاں سے اتر جاؤ۔ پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئے، تو جو میری ہدایت کی اتباع کرے گا۔ نہ ہوگا ان کے لئے کوئی خوف اور نہ کوئی غم"۔ (سورۃ البقرہ، آیت۔38)

زمین پر بھیجنے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ان سے اپنے متعلق بھی وعدہ لیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:۔

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖ ۚ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۚ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ ۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ○

"(اے نوعِ انسانی) اللہ تبارک وتعالیٰ کی اپنے اوپر مہربانیاں یاد کرو اور اس وعدہ پر غور کرو جس پر تم نے پابند رہنے کا عہد کیا۔ اس وقت تم سب نے یہ کہا تھا کہ ہم نے اس وعدہ کو اچھی طرح سن لیا ہے اور اطاعت کی۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو (اب تم اس وعدہ کے مطابق اپنے رب کے فرائض کو پورا کرو) بیشک اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کے اندرونی راز بھی خوب اچھی طرح جانتا ہے"۔ (سورۃ المائدہ، آیت۔ 7)

اگر ہم انسانی ضمیر کا مجموعی طور پر تجزیہ کریں تو ان آیات میں چھپی ہوئی یہ گہرائی نظر آنے لگتی ہے۔ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ انسانی جین میں لکھ دیا اور ہم سب اس کی یادداشت (Memory) کے ساتھ پیدا ہوتے ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ انسان خواہ کہیں کا ہو، کسی بھی زمانہ کا ہو۔ اس میں رب تعالیٰ کی ذات کا احساس ضرور ہوتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ بسا اوقات ماحول کے زیرِ اثر وہ اس کا پورا ادراک کرنے سے قاصر ہوتا ہے۔ اپنی زمینی حیات میں روح جب نفس بن کر ابھرتی ہے اس کے بارے ارشاد ہے کہ:۔

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۝ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ۝ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ۝

"قسم ہے نفس کی اور اس کی جس نے اسے سنوارا، اس کو صحیح اور غلط کی تمیز عطا کی، بے شک اس نے فلاح پائی جس نے (اس کو نیک کاموں سے) سنوارا۔ اور یقیناً ناکام ہو گیا جس نے اسے خراب کیا"۔ (سورۃ الشمس، آیات۔ 10-7)

انسان خواہ ان پڑھ ہو، عالم ہو، جاہل ہو، مشرق کا ہو، نیا ہو یا پرانا، جدید دور کا ہو یا آج سے ہزاروں سال پہلے کا، ان سب کا بغور تجزیہ کریں تو معلوم ہو گا کہ ان سب میں صحیح اور غلط کی تمیز اس کی فطرت کا حصہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اخلاقی قدریں تقریباً سب معاشروں میں مشترک ہیں۔ فریب اور جھوٹ کو ہمیشہ برا کہا گیا ہے، ظلم کو ہمیشہ نفرت کی نگاہ سے دیکھا گیا اور کسی نہ کسی شکل میں سبھی اللہ تعالیٰ پر یقین کرتے آرہے ہیں۔ اس کی وجہ وہی ہے جس کی طرف قرآن کریم کی آیات (10-7)، 9 اور (7) 5 میں اشارہ کیا گیا ہے یعنی غلط اور صحیح کی تمیز اور باری تعالیٰ کا تصور انسانی روح میں شروع ہی سے رکھا ہوا ہے لیکن تعلیم و تربیت، ماحول اور شعور کے اختیار کے استعمال سے نفوس کچھ سے کچھ بن جاتے ہیں۔

8.2 آزمائش اور اس کی ضرورت

اب ہم اس طرف آتے ہیں کہ آزمائش کیا ہے۔ ہر تخلیقی کارکن خواہ وہ انجینئر ہو، سائنسدان ہو، ڈاکٹر ہو یا آرٹسٹ ہو جب کسی نئی تخلیق کا خاکہ اپنے ذہن میں تیار کرتا ہے تو سب سے پہلے اس کا مقصد متعین کرتا ہے، پھر ڈیزائن شروع کرتا ہے جس میں اس کی قابلیت، اہلیت اور کارکردگی ڈال دی جاتی ہے۔ جب ڈیزائن اچھی طرح مکمل ہو جاتا ہے تو پھر کاریگر اس مشین کا ماڈل بناتا ہے۔ پھر ڈیزائن کی طلب (Requirement) کے مطابق اسے امتحان کے مختلف مرحلوں سے گزارا جاتا ہے۔ جب ماڈل تمام آزمائشوں سے گزر چکا ہوتا ہے تو مطلوبہ

تعداد میں فیکٹری کو تیاری کا آرڈر مل جاتا ہے۔ وہاں بھی ہر ایک پروڈکٹ کو ٹیسٹنگ کے پروگرام میں سے گذرنا پڑتا ہے۔ اگر کوئی پروڈکٹ قابل اصلاح نہیں ہوتی تو اس کو دوبارہ پگھلانے کا حکم دے دیا جاتا ہے۔

یہی مثال ہم پر صادق آتی ہے۔ جنت میں حضرت آدم علیہ السلام کی مثال ایک ماڈل کی تخلیق جیسی ہے اور دنیا میں تولیدی سلسلہ کی مثال فیکٹری میں مصنوعات کی عام پیداوار (Mass Production) کی سی ہے۔ آدم علیہ السلام کو جنت میں ٹیسٹ سے گزارا گیا۔ ہمارے لئے آزمائش کی تجربہ گاہ اس دنیا کو قرار دیا گیا۔ آزمائش کے لئے مطلوبہ لوازمات کا کام انسانی تقدیر سے لیا جاتا ہے۔ نتیجہ اس پر ہمارے ردِ عمل سے ظاہر ہوتا ہے۔ تقدیر اور اعمال سے دیکھنا یہ ہے کہ کیا روح مطلوبہ آزمائشوں پر پوری اترتی ہے یا نہیں؟ جو نفوس آزمائشوں پر پورا اترتے ہیں انہیں معیار کے مطابق درجات مل جاتے ہیں۔ اگر کوئی خامی یا نقص رہ جائے تو ٹھکائی (Rework) کے مقام پر بھیج دیا جاتا ہے جسے جہنم کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہمیں امید رکھنی چاہیے کہ گنہگار نفوس بھی مطلوبہ معیار پر پہنچنے کے بعد اپنے اصلی گھر یعنی جنت میں بھیج دیے جائیں گے۔ لیکن کچھ نفوس ایسے بھی ہیں جو ٹھکائی (Rework) کے قابل نہیں رہتے ان کو ہمیشہ کے لئے ڈھلائی کے جہنم میں ڈال دیا جاتا ہے۔ آزمائش کی اس پوری روئداد کو قرآن کریم چند الفاظ میں اس طرح بیان کرتا ہے کہ:۔

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًاO

''بے شک ہم نے انسان کو (دنیا میں) ایک نطفہ سے پیدا کیا اس لئے کہ ہم اسے آزمائیں اسے سننے اور سمجھنے والا بنا دیا''۔ (سورۃ الدھر، آیت۔2)

نفوس کے دنیا پر آزمائشی دور میں سے گزارنے کا فیصلہ اس وقت صادر ہوا جب جنت میں حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام کی ارواح کو حق خود اختیاری اور شعور عطا کر دیا گیا لیکن انھوں نے جلد ہی ثابت کر دیا کہ وہ اپنی اس صلاحیت کو ٹھیک طرح استعمال نہیں کر رہے ہیں۔ جیسا پہلے ذکر ہو چکا ہے قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے اس کی کہانی اس طرح بتائی ہے کہ جب آدم علیہ السلام اور حوا علیہا السلام کی تخلیق ہوئی اور انہیں شعور کے ساتھ ساتھ حق خود اختیاری بھی دے دیا گیا تو ان سے کہا گیا کہ یہ جنت ہے اس میں جہاں چاہو تم رہو اور جو چاہو کھاؤ پیو۔ لیکن انہیں متنبہ کیا گیا کہ یہ شجر ہے جس کے قریب بھی تم نے نہیں جانا، یعنی آزمائش کا مطلوبہ معیار پوری طرح واضح کر دیا گیا۔ یوں آدمیت درحقیقت روح کے شعوری طور پر حق خود اختیاری کا نام تھا۔ وہیں ان کا ایک حاسد دشمن بھی ان کے ساتھ تھا جو چاہتا کہ کسی طرح آدمی اپنے خالق کی نگاہوں میں ذلیل و خوار ہو جائے۔ اس نے دوست بن کر آدم کو ورغلایا جس کے نتیجہ میں وہ ڈسپلن کی اس آزمائش پر پورا نہ اتر سکے جو ان کے جنت میں ہمیشہ رہنے کی لازمی شرط تھی۔ اس پر انہیں زمین کی طرف بھیج دیا اور فیصلہ فرمایا کہ جنت کو دوبارہ پانے کے لئے بنی آدم میں سے ایک ایک کو آزمائش کے امتحانوں میں سے گذارا جائے گا اور صرف اسے ہی اپنے حقیقی مقام یعنی جنت پر فائز کیا جائے گا جو مطلوبہ معیار پر پورے اتریں گے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہوا:۔

قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ o
قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ o

"اتر جاؤتم سب کے سب،تم ایک دوسرے کے دشمن ہو،اب زمین پر کچھ عرصہ تمہارا قیام ہوگا اور وہیں پر تمہارے استعمال کی چیزوں کا انتظام ہوگا اور فرمایا! اسی میں تم رہو گے اور اسی میں مرو گے اور پھر اسی میں سے تم نکالے جاؤ گے"۔(سورۃ الاعراف،آیت۔24-25)

8.3 روح اور زندگی کا امتیاز

اس بات کو واضح کرنے کے بعد کہ روح اور نفس کیا ہے،اب ہم اس طرف آتے ہیں کہ زندگی کیا ہے؟ کیا یہ روح کی وجہ سے ہے یا روح اس کی وجہ سے ہے؟ اور کیا حیوانات میں بھی روح ہے؟

ہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں کہ قرآنی تعلیمات سے ثابت ہوتا ہے کہ زندگی قوانین ربی کی امین ہے اور ایٹم،ایٹم میں موجود ہے جو ان کی قوانین فطرت کی طرف رہنمائی کرتی ہے،اپنے مدارج میں ہر ایک کی زندگی کا مرتبہ جدا جدا ہے۔یوں جمادات،نباتات اور حیوانات سب کی اپنی اپنی زندگی ہے۔لیکن روح جو علم،شعور اور اختیار رکھتی ہے وہ صرف انسان کی خصوصیت ہے۔جہاں تک "جان" (Life) کا تعلق ہے یہ انسانوں اور حیوانوں سب میں مشترک قدر ہے۔جان کا مقصد روح کو ایک متحرک جسمانی شخصیت دینا ہے جس کے ذریعہ وہ دنیا کے اسباب سے فائدہ اٹھانے کے قابل ہوتی ہے جب کہ خود اختیاری کی بناء پر اپنے لئے زندگی کا ایک راستہ متعین کرتی ہے۔کوئی سرکشی کر کے اپنے رب سے دور نکل جاتا ہے اور کوئی فرمانبرداری کر کے قریب تر ہو جاتا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ o الَّذِيْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ o فِيْۤ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ o

"(اے نوع انسانی) تمہیں آخر کس چیز نے اپنے پروردگار سے سرکشی کرنے پر مجبور کر دیا ہے؟ جس نے تم کو پیدا کیا، پھر سنوارا، اور پھر ایک نسبت سے بڑا کیا، وہ جس شکل میں چاہتا ہے تمہیں بنا دیتا ہے"۔
(سورۃ الانفطار،آیات۔6-8)

اوپر کی آیت میں انسان کی (Biochemical) نشوونما اور جرثومہ سے لیکر بچہ کی پیدائش تک کے تین مرحلوں کا ذکر کیا گیا ہے سب سے پہلے پیدا کیا یعنی زندگی دی،پھر اس زندہ جرثومہ کو بڑا کرنا شروع کر دیا اور اعضا بنائے،یہ نہیں کہ کان تو بڑی ہو جائے لیکن آنکھ چھوٹی رہ جائے،دایاں ہاتھ تو بڑھ جائے اور بایاں چھوٹا رہ جائے بلکہ ہر عضو کو ایک متناسب حسن سے بڑا کیا۔

جہاں تک روح کا تعلق ہے مندرجہ ذیل آیات کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ جب انسان کا بچہ رحم مادر میں انسانی شکل پالیتا ہے تو پھر اس میں اللہ تعالیٰ اپنا امر پھونک دیتا ہے جس کے نتیجہ میں وہ انسان کی خصوصیت پر سرفراز ہوجاتا ہے۔ فرمایا:۔

الَّذِیۡۤ اَحۡسَنَ کُلَّ شَیۡءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلۡقَ الۡاِنۡسَانِ مِنۡ طِیۡنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلَ نَسۡلَهٗ مِنۡ سُلٰلَةٍ مِّنۡ مَّآءٍ مَّهِیۡنٍ ۝ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِیۡهِ مِنۡ رُّوۡحِهٖ وَجَعَلَ لَکُمُ السَّمۡعَ وَالۡاَبۡصَارَ وَالۡاَفۡـِٕدَةَ ؕ قَلِیۡلًا مَّا تَشۡکُرُوۡنَ ۝

''وہ جس نے ہر چیز کو احسن طریقہ سے پیدا کیا اور آغاز کیا انسان کی پیدائش کا مٹی سے۔ پھر اس نے ان کی نسل بنائی ایک بےقدر پانی کے خلاصہ سے، اور پھر اسے سنوارا، اور پھر اس میں اپنی روح سے کچھ ڈال دیا۔ اور تمھارے لئے کان اور آنکھیں اور دل بنائے مگر تم بہت تھوڑا شکر ادا کرتے ہو''۔ (سورۃ السجدہ، آیت۔ 5-9)

8.4 روح اور جان کی نشوونما

اوپر دی گئی وضاحت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انسانی جرثومہ (Ovam) میں جان ابتدا ہی سے ہوتی ہیں اور روح بعد میں داخل ہوتی ہے۔ پھر دونوں بڑھنا پھولنا شروع کردیتے ہیں۔ یوں وہ جرثومہ جلد ہی ایک ایسی شکل میں آجاتا ہے جس سے انسانی جسم کا آغاز ہوجاتا ہے۔ اس کے بعد انسانی جسم کی نشوونما جاری رہتی ہے حتیٰ کہ وہ ایک مکمل انسان کی شکل میں دنیا میں ظاہر ہوجاتا ہے۔

روح اور جان کے امتزاج کے متعلق آج سے ایک ہزار سال پہلے امام غزالیؒ نے اپنے کتاب ''کیمیائے سعادت'' میں سیر حاصل بحث کی ہے۔ زندگی کے جس جز کو ہم نے حیات (Biochemical Life) کہا ہے امام غزالیؒ نے اس کا نام روحِ حیوانی رکھا۔ جس کے وجود کو انہوں نے عناصر کی ایک خاص ترتیب کا مرہونِ منت قرار دیا ہے۔ جس جز کو ہم نے نفس کہا ہے وہ اس کو روحِ انسانی کہتے ہیں۔ شاعر برج نرائن چکبست لکھنوی نے اپنے خیالات کی اس طرح ترجمانی کی۔

زندگی کیا ہے عناصر میں ظہور ترتیب
موت کیا ہے، انہی اجزا کا پریشاں ہونا

آیاتِ کریمہ (5-9)32 کے حوالہ سے امام غزالیؒ فرماتے ہیں: یہاں دونوں روحوں کے الگ الگ ہونے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ایک روح کا مٹی کے تعلق سے ہے اور اسکے معتدل کرنے کے عمل کی طرف سوّیتہ کا اشارہ کیا یعنی میں نے اس کو سنوارا، اور یہی اس کا اعتدال تھا اس کے بعد فرمایا گیا ہے، نفخت فیهِ من روحی اس طرح اللہ تعالیٰ نے انسانی روح کو اپنے آپ سے نسبت دے کر انسان میں اپنی صفاتِ اعلیٰ کی صلاحیت عطا کردی۔ امام غزالیؒ کہتے ہیں کہ چونکہ روح حیوانی کا سفلی اشیاء سے تعلق ہے اس لئے علم طب میں اس کی وضاحت موجود ہے اور

اس کے مزاج کو اعتدال پر رکھنے کے لئے علاج مقرر ہیں تا کہ بیماریوں سے نجات مل سکے۔اس کے برعکس روحِ انسانی علوی ہے جو قلب کی حقیقت سے تعلق رکھتی ہے اس کے لئے بھی اعتدال کے درجات بنا دیئے گئے ہیں اور روحِ انسانی کو معتدل رکھنے کے لئے شریعت اسلام نے علم، اخلاق اور ریاضت کو بتایا ہے۔ (صفحہ 113 ترجمہ کیمیائے سعادت۔مترجم ثاقب نقوی)

ہوسکتا ہے کہ روح اور جان کے اس نظریہ سے بعض لوگوں کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ روح اگر علم اچھے برے کی تمیز اور حقِ خود اختیاری کا منبع ہے تو پھر سب لوگوں میں یہ استعداد مختلف کیوں ہے؟ اس سوال کے جواب میں پہلے یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ روح کی مثال بیج کی سی ہے۔جدید سائنس کے استعاروں میں یہ جینز پر ثبت شدہ ہدایات (Instructions) کی مانند ہے جو باپ کے جرثومہ کے ذریعہ ایک نسل سے دوسری نسل میں منتقل ہوتی رہتی ہے۔اس میں سیکھنے، سمجھنے اور جاننے کی بنیادی قوتیں ودیعت کی گئی ہیں لیکن ان کی استعداد کو بڑھانا اور ان سے کام لینا انسان کا اپنا کام ہے۔جس میں والدین، سکول ور معاشرتی ماحول اور دیگر ماورائی اثرات وغیرہ بھی شامل ہیں۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ:۔

وَنَفْسٍ وَّمَاسَوّٰىهَاO فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا O قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا O وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَاO

"قسم ہے نفس کی اور اس کی جس نے اس کی تکمیل کی اور اس میں اچھے برے کی تمیز کی فطرت ڈالی۔وہ آدمی یقیناً کامیاب ہوا جس نے نفس (کی اس فطرت کو) تقویت دی اور یقیناً وہ ناکام ہوا جس نے اسے برباد کیا"۔
(سورۃ الشمس، آیات۔7-10)

اس لئے اپنی فطری صلاحیتوں سے فائدہ اٹھانا اور ان کو بڑھانا انسان کا فرض ہے۔اگر دیکھا جائے تو دنیا میں آنے کا مقصد یہی ہے کہ ہمارا نفس کامیابی سے ان تمام آزمائشوں سے گزرتا جائے تا کہ پاس ہو کر اپنے حقیقی مقام کو پا سکے۔اس لئے جو لوگ اس آزمائشی دور میں اپنے نفس کی صحیح سمت میں نشوونما نہیں کرتے انہیں اس بات کی توقع بھی نہیں رکھنی چاہیے کہ وہ مقرر شدہ معیار پر پورا اتر سکیں گے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ:۔

اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًاO اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًاO

"کہو! کیا ہم بتا دیں کہ سب سے بڑھ کر ناقص اعمال کن لوگوں کے ہیں؟۔یہ وہ لوگ ہیں جن کی دوڑ دنیا کی زندگی کے لئے لگی ہوئی ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ ہم بہت اچھا کام کر رہے ہیں۔یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی نشانیوں سے انکار کیا اور اپنے رب کی ملاقات سے منکر ہوئے۔سو ان کے تمام اعمال ضائع ہو گئے پس ہم ان کے لئے قیامت کے دن کوئی تول قائم نہ کریں گے"۔(سورۃ الکہف، آیات۔104-105)

(شاید ایسے ہی نفوس ہیں جو مرنے کے بعد بھوت بن کر زمین پر پھرتے رہتے ہیں بھوتوں پر مزید معلومات کے لئے باب نمبر 17 ملاحظہ کیجئے)۔

شکل: انسان کا مقاماتِ علیّین سے اسفل سافلین کا سفر اور واپسی

انسان کا آغازِ سفر جنت سے ہوا۔ وہاں سے آدم علیہ السلام کی بھول کی وجہ سے مزید امتحانوں سے گذارنے کے لئے عالم ارواح سے ہوتے ہوئے زمین پر اترتے ہیں۔ یہاں سے اگر امتحانی نتائج اچھے ہیں تو واپس عالم برزخ سے ہوتے ہوئے انشاءاللہ جنت میں پہنچ جائیں گے ورنہ زمین سے نیچے مقاماتِ اسفل سافلین کو سرک جائیں گے۔ مقامِ اسفل سے جنت کی طرف اٹھنے کے لئے نیک عملی سے محنت ضروری ہے۔

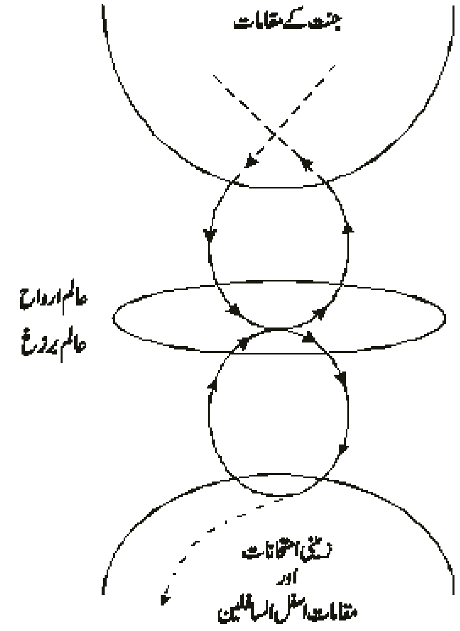

باب نمبر 9

غیر مرئی طاقتیں، انسانی جینز اور مسئلہ تقدیر

Invisible Powers and Human Genes

9.0 تعارف

بیسویں صدی جہاں مادی سائنس کی تھی وہاں یہ صدی اس لحاظ سے بھی یاد رکھے جائے گی کہ اس میں انسانی نفس کی پہچان کے متعلق سائنس کی بنیاد بھی رکھی گئی۔حیرانی کی بات یہ ہے کہ روحانی سائنس پر تحقیقات کا کام بھی زیادہ تر مغربی ممالک میں ہی ہو رہا ہے اور مشرق جو تمام ادیان کا بانی ہے وہ یہاں بھی پیچھے رہ گیا ہے۔مشرق کی اس خاموشی سے جو بہت بڑا نقصان ہوا اور ہو رہا ہے وہ یہ ہے کہ مغربی روحانیت بھی مغربی مادیت کی وسعت (Extension) ہی معلوم ہوتی ہے جس کے نتیجہ میں روحوں سے مادی فوائد حاصل کرنے اور بھوت پریت کو زیادہ تقویت ملی ہے۔لہٰذا اب یہ مسلمانوں کا کام ہے کہ وہ آگے بڑھ کر علم الغیب کے اخلاقی اور روحانی پہلوؤں کو اجاگر کریں تا کہ انسان موت کے بعد آنے والی زندگی کے مرحلوں مثلاً عالم برزخ کی کیفیات اور عالم حشر، جزا و سزا، جنت و جہنم کے حالات سے آگاہ ہو اور ان میں کامیابی سے داخل ہو سکے۔

مغربی مصنفین اور محققین میں ملبورن کرسٹوفر کی کتاب روح کی تلاش (Search for the Soul) اور ڈاکٹر ریمنڈ موڈی کی کتاب "زندگی بعد از زندگی" (Life After LIfe) اور ان کے علاوہ روحوں اور پیرا سائیکالوجی کے موضوع پر درجنوں اور جگہ سائنسی کام کے نتائج سے روح، حیات بعد الموت اور متعلقہ غیر مرئی مضامین پر سائنسی حلقوں میں بہت زیادہ دلچسپی پیدا ہو گئی ہے۔ان دریافتوں کے متوازی بہت اہم دریافت انسانی جینز کی ہے کہ انسان کی باطنی شخصیت کے بہت سے پہلو انہیں کے تابع ہیں۔یہ دریافت انسان کی حقیقت کو سمجھنے میں ایک اہم قدم ثابت ہو رہی ہے۔

روحانی رازوں میں سے ایک مسئلہ ٹیلی پیتھی کا بھی تھا جس کے وجود سے تو انکار ممکن نہیں تھا لیکن یہ کیسے اور کیوں ہے؟ اس پر کوئی سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ سوچ کے ذریعہ ایک آدمی ہزاروں میل دور دوسرے آدمی تک پیغام کیسے پہنچا سکتا ہے؟ لیکن پچھلے بیس تیس سالوں کی تحقیقات نے یہ ثابت کیا ہے کہ شاید اسکا تعلق بھی جینز ہی سے ہو۔

غیر مرئی محسوسات میں غیبی طاقتیں بھی ہیں جنہیں یورپ میں (Invisible Ghosts) کا نام دیا گیا ہے،ان کے بارے میں کئی سوالات ابھر رہے ہیں کہ کیا یہ وہ بھٹکتے ہوئے انسانی نفوس ہیں جو موت کے بعد اپنے اصل مقام کو نہیں پہنچ سکے یا کوئی اور ذہین مخلوق ہیں یا ان کا تعلق خلائی دنیاؤں سے ہے؟ یا یہ ہمارا واہمہ ہیں؟ اس طرح کے سوالات پہلے مذہب کے اوہام سمجھے جاتے تھے لیکن اب سنجیدہ سائنسدانوں کی توجہ طلب کر رہے ہیں کہ وہ سائنسی انداز میں ان کا حل ڈھونڈنے کی طرف پیش قدمی کریں۔ابھی تک جو نتائج سامنے آئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ غیبی

محسوسات کی حقیقت تک پہنچنے کے لئے جینز (Genes) اوران کی ترمیم (Genetic Engineering) پر جو تحقیقات ہو رہی ہیں بڑی مددگار ثابت ہوں گی۔ان کے علاوہ کلوننگ (Cloning) کے ذریعہ لیبارٹری میں انسانی نسل کو پیدا کرنے کیلئے جو پیش رفت ہو رہی ہے وہ بھی سنجیدگی سے غور کرنے کے قابل ہے۔مندرجہ ذیل میں ہم ایسی ہی جدید سائنسی دریافتوں کے تناظر میں ماورائی حقائق کو سمجھنے کی کوشش کریں گے۔

9.1 مشابہ جڑواں بچوں کا مسئلہ (Identical Twins Case) اور ٹیلی پیتھی

دماغی پیغام رسانی یعنی ٹیلی پیتھی میں چھپے راز کو سمجھنے میں اس وقت حیرت انگیز ترقی ہوئی جب 1976 میں ہو بہو جڑواں بچوں کے رویہ پر تحقیق کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ہو بہو ہم شکل جڑواں بچوں کی خاص بات یہ ہے کہ ان کے جینز ایک ہی قسم کے ہوتے ہیں۔ان کی ایک سی شکل ہونے کی بھی یہی وجہ ہے۔اسی سے سوچا گیا کہ ہوسکتا ہے کہ ان کے رویہ میں حیران کن مماثلت کا باعث بھی ان کے جینز کی مماثلت ہی ہو۔اس موضوع پر جو 1987 تک کام ہوا تھا اس کی سمری نومبر 1987ء کے نیوز ویک "News Week, Nov-1987" میں چھپ چکی ہے اور بعد میں "All About Twins" کے نام سے اس کی سمری مئی 1988ء کے ریڈرز ڈائجسٹ میں بھی چھپی تھی۔ایک محقق (Researcher) تھامس بچارڈ (Thomas Butchard) جو امریکہ کی یونیورسٹی آف منیسوٹا میں کام کرتے ہیں انہوں نے 1971 میں ہو بہو جڑواں بچوں کے اوپر تحقیق شروع کی۔یہ وہ بچے تھے جنہیں حالات کی وجہ سے بچپن ہی میں ایک دوسرے سے علیحدہ ہونا پڑا اور پھر زندگی میں کبھی ملنے کا اتفاق نہ ہو۔ان تحقیقات کے نتیجہ میں حیران کن بات یہ نظر آئی کہ اگر چہ ان کی تعلیم و تربیت علیحدہ علیحدہ ماحول میں ہوئی تھی نہ وہ کبھی ملے تھے، نہ ان کا ماحول ایک سا تھا لیکن پھر بھی ان کی زندگیوں میں کافی حد تک مماثلت پائی گئی۔سائنسدانوں کے لئے یہ انتہائی ششدر کرنے والی بات تھی کہ عموماً ایسے بچے زیادہ تر ایک ہی جیسی چیزوں کو پسند کرتے ہیں،ایک ہی طرح کے شعبوں میں کام کرتے ہیں،ایک ہی جیسی بیماریوں کا شکار ہوتے ہیں،ان کے کپڑوں کے رنگ اور کھانوں کے ذائقے (Taste) تک ایک سے ہیں۔اگر ایک بیمار ہوتا ہے تو دوسرا ہزاروں میل دور بیمار ہو جاتا ہے،ایک کو سر درد ہوتا ہے تو دوسرے کو بھی ہوتا ہے۔

اس سلسلہ میں برجٹ ہیریسن (Briggett Harrison) اور ڈروتھی لوو (Drothy Lowe) نے تو دنیائے سائنس کو حیران کرکے رکھ دیا ہے،یہ دونوں جڑواں بہنیں تھیں لیکن پیدائش کے چند ہفتوں بعد علیحدہ ہو گئیں، 34 سال تک انہیں ایک دوسرے کا کچھ پتہ نہیں تھا،نام تک یاد نہیں تھے لیکن جب مشابہ جڑواں بچوں پر ریسرچ شروع ہوئی تو سائنسدانوں نے ان دونوں کو بھی ڈھونڈ نکالا۔پہلی دفعہ جب ان کا ملاپ انگلینڈ میں اچانک کرایا گیا تو یہ ایک حیران کن منظر تھا کہ دونوں نے اپنی چاروں انگلیوں میں سات سات انگوٹھیاں (Rings) پہنی ہوئی تھی،برجٹ Briggett کے بچوں کے نام رچرڈ،اینڈریو اور کیری ہوس ہیں اور ڈروتھی Drothy کے بچوں کے نام بھی یہی تھے۔

اس طرح کا ایک اور حیران کن واقعہ ایک صاحب ڈونلڈ کیتھ (Donold Keith) کا تھا۔راک ویل ہیری لینڈ U.S.A میں سیر کر رہے تھے کہ اچانک جیسے بجلی کا جھٹکا لگا ہو،جسم میں شدید درد کی لہر دوڑ گئی اور پھر وقفہ وقفہ کے بعد یہ تکلیف آتی جاتی تھی،اس شام کو انہوں نے اپنے جڑواں بھائی لیوس (Louis) کو فون کیا تو اس نے بتایا کہ ان کے ایک پٹھے (Groin Muscle) کو چوٹ لگ گئی ہے اور بار بار جھٹکے

وار شدید درد اٹھتا ہے۔

ایک واقعہ کارا (Karah) اور سارا (Sarah) کا ہے یہ دونوں بہنیں تھیں اور U. S. A میں رہتی ہیں۔ دونوں ہر کام ایک سا کرتی تھیں۔ مثلاً ایک ٹیسٹ میں انہیں 200 سوال دیئے گئے اور علیحدہ علیحدہ بٹھایا گیا لیکن ٹیچر کے لئے حیران کن بات تھی کہ دونوں نے بالکل ایک جیسے سوال حل کیے۔

سائنسدانوں کے لئے اہم سوال یہ ہے کہ وہ کونسی طاقت ہے، کون سا میڈیا ہے جو ان سے ایک سے کام کرواتا ہے؟ روح یا دماغ؟ اس کا جواب ابھی ڈھونڈنا ہے۔ ان میں کیا چیز ہے جو بلا سوچے سمجھے انہیں ایک سا رویہ رکھنے پر مجبور کرتی ہے؟ وہ کیوں ایک سی چیزیں پسند کرتے ہیں؟ کیوں ایک وقت پر ایک سی بیماری سے دوچار ہوتے ہیں؟ ان کے درمیان کسطرح کا ٹیلیفون ہے کہ ہزاروں میل ایک دوسرے سے وہ متاثر ہوتے ہیں؟

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس طرح کی ذہنی بات چیت ESP (Extra Sensory Perceptions) کیا ہمارے جین Gene کی وجہ سے ہے یا ہو بہو جڑواں بھائی بہنوں کے اذہان کے درمیان کوئی خفیہ پیغام رسانی (Hidden Communication) کا روحانی نظام ہے جس کے ذریعے وہ ایک سی حرکتیں کرتے ہیں؟ یا ان پر جنات چڑھے ہوتے ہیں جو باہمی رابطہ رکھتے ہیں؟ وجہ کوئی بھی ہو لیکن یہ لازمی کوئی غیر مادی سبب ہے جسکو جینز کا پیغام رسانی کا سسٹم، روح، نفس، جنات کوئی نام بھی دے دو، لیکن جو کچھ بھی ہے انتہائی غیر معمولی بات ہے۔ یعنی انسان صرف جسم نہیں بلکہ اس کی ماورائی اصل اسکے علاوہ ہے جس کا انسانی جینز (Genes) سے گہرا تعلق ہے۔

9.2 مسئلہ تقدیر اور اختیار

انسانی شخصیت کے اس ماورائی پہلو سے ہم ایک دوسرے اہم مسئلے کی طرف آتے ہیں جسے مسئلہ تقدیر کہا جاتا ہے سیکولر تہذیب جس کی ترقی یافتہ شکل مغربی دنیا ہے وہاں پر پچھلی صدی میں تقدیر کے مسئلہ کو رد کر دیا گیا تھا اور اس کی جگہ انسان کا غیر محدود اختیار (Absolute Free Will) کا نظریہ لایا گیا یعنی انسان جو چاہے کر سکتا ہے اور واقعات خواہ وہ فرد کی ذات یا قوم کے متعلق ہوں ان کے پیچھے خالصتاً مادی وجوہات کام کرتی ہیں لہٰذا ان پر قابو پایا جا سکتا ہے۔ یہ بات عیسائیوں کے نظریہ جبر (Fixed Destiny) کے ردِ عمل کے طور پر آئی جس کے مطابق انسان محض مجبور ہے اور جو کچھ ہوتا ہے وہ پہلے سے ہی طے شدہ ہے اور ہو کر رہے گا۔ مسلمانوں میں بھی اس نظریہ پر صدیوں سے بحث چل رہی ہے جس پر دو مشہور فرقے ایک 'جبریہ' اور دوسرا 'قدریہ' وجود میں آئے۔ "جبریہ" وہ تھے جو انسان کی مجبوری کے قائل تھے اور "قدریہ" وہ جو سمجھتے تھے کہ انسان اپنی قسمت کا خود مالک ہے، دونوں ہی اپنے لئے دلائل قرآن اور حدیث سے لاتے تھے حالانکہ ان سے بہت پہلے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی مسئلہ کی پیچیدگی کو بہت اچھی طرح واضح کر دیا تھا۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ انسان کتنا با اختیار ہے اور کتنا مجبور ہے تو انہوں نے سوال کرنے والے سے کہا کہ اٹھ کر ایک ٹانگ پر کھڑے ہو جاؤ، پھر اسے کہا اپنے بازو اوپر کر لو۔ جب وہ یہ کر چکا تو کہا اب دوسری ٹانگ بھی اٹھا لو اس پر مخاطب بول اٹھا کہ "میں یہ کیسے کر سکتا ہوں؟" آپؓ نے فرمایا: "تیرے سوال کا یہی جواب ہے، تم ایک حد تک آزاد ہو اور ایک حد تک مجبور"۔

9.3 سائنس اور مسئلہ جبر وقدر

اب اکیسویں صدی کے شروع میں مغربی دنیا بھی مسئلہ سائنس کے ذریعہ سمجھ رہی ہے۔جس کی بنیاد خالص تحقیق ہے۔اس میں بھی اہم ترین وہ تحقیقات ہیں جو مشابہ جڑواں بچوں (Identical Twins) پر ہیں۔جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے اس جدید تحقیق سے یہ ثابت ہوا ہے کہ اگر چہ وہ دور دور رہتے ہوں اور ایک دوسرے کو بچپن سے ملے ہوں یا نہ پھر بھی ہو بہو مماثل جڑواں بچوں کی عادات میں حیرت انگیز حد تک مماثلت پائی جاتی ہے۔ان میں چند ایک مثالیں ہم پہلے ہی یہاں بیان کر چکے ہیں۔

ایسی ہی ملتی جلتی روئیداد اوہو Ohio کے جم پرنگر اور لیوس پرنگر کی بھی ہے۔وہ ۴۸ سال پہلے پیدا ہوئے،پیدائش کے چار ہفتے بعد وہ علیحدہ کر دیئے گئے تھے۔48 سال بعد ان کے دوبارہ ملنے پر حیران کن انکشاف ہوا کہ دونوں نے ایک ہی نام کی عورتوں سے شادی کی،دونوں نے پہلی بیویوں کو ایک ہی وقت میں طلاق دی،پھر دوبارہ جن عورتوں سے شادی کی ان کے نام بھی ایک جیسے تھے،ان کے بچوں کے نام بھی بالکل ایک جیسے تھے،دونوں کا ایک پیشہ تھا،دونوں کا مشغلہ (Hobby) لکڑی کے بنچ بنانا تھا اور انہوں نے اپنے گھروں میں ایک ہی ڈیزائن کے بنچ (Bench) بنا کر جمع کئے ہوئے تھے،ایک ہی ماڈل اور رنگ کی گاڑیاں رکھتے تھے اسی طرح ان کے سارے کام مماثل تھے حتیٰ کہ ان کے کتوں کے نام بھی ایک ہی تھے۔اس طرح کی مثالوں سے سائنسدانوں کے لئے قابل تحقیق بات یہ ہے کہ یہ سب کچھ کیسے ممکن ہوا حالانکہ وہ ایک دوسرے کو جانتے تک بھی نہیں تھے؟ ایسی تحقیقات کے دوران سائنسدانوں نے مزید درجنوں جڑواں بھائی بہن دریافت کئے جن کے درمیان ذہنی طور پر پیغام رسانی ہوتی رہتی تھی،خاص طور پر ان کی زندگیوں میں بڑے بڑے واقعات ایک ہی وقت میں ایک ہی جیسے ہوتے تھے۔مثلاً ایک کے چوٹ لگی تو دوسرے کے بھی اسی وقت لگ گئی،ایک مرا تو دوسرا بھی مر گیا۔اس موضوع پر تحقیق کرنے والے سائیکالوجسٹوں میں ایک سائنسدان نینسی سیگل (Nancy Segal) ہیں جنہوں نے ایک عرصہ اس مسئلہ پر ریسرچ کی ہے۔ان کا کہنا ہے کہ "میں ہو بہو مماثل جڑواں بھائی،بہنوں میں ESP یا یا ہمی ذہنی پیغام رسانی کو رد نہیں کر سکتی ہوں یہ اتنے زیادہ واقعات ہیں کہ ان کو اتفاقیہ نہیں کہا جا سکتا"۔

اٹلی روم کے مینڈل انسٹی ٹیوٹ (Mendal Institute) کے سائنسدان گیڈا (Gedda) اور ساتھیوں نے بھی مماثل جڑواں بھائی،بہنوں کے درمیان حیرت انگیز حد تک ایک ہی کیفیات اور حالات پائے ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ "ان لوگوں کو ایک ہی بیماریاں،ایک ہی نشوونما (Growth) ہوتی ہے۔ایک ہی وقت میں دانت نکالتے ہیں اور ایک ہی وقت میں بالغ ہوتے ہیں،اگر ایک گنجا ہے تو اسی عمر میں دوسرا بھی گنجا ہو گا"۔

اس سوال کے متعلق کہ ہو بہو جڑواں بچوں کے ایک جیسے حالات کیوں ہیں،کونسی طاقت ہے جو انہیں ایک ہی طرح کے واقعات پر مجبور کرتی ہے،اکثر سائنسدانوں کا اب یہ خیال ہے کہ یہ تقدیری مماثلت ان کے ایک ہی طرح کے جینز (Genes) کی وجہ سے ہے یعنی ہمارے جینز کے اندر بنے بنائے پروگرام شدہ ٹائم کلاک ہیں جن کے مطابق ہماری زندگی چلتی ہے اور ایک ہی طرح جینز کے درمیان کوئی روحانی رشتہ قائم ہوتا ہے جس سے انہیں ایک دوسرے کی خبر رہتی ہے۔اگر ایسا نہیں تو پھر کیا وہ ہو بہو ایک ہی شخصیت ہیں۔صرف جگہ کا فرق ہے۔

9.4 حیرت انگیز نتائج

مماثل جڑواں بچوں پر تحقیق اور جینز کی ماہیت کے بارے مزید دریافتوں سے سائنسدان یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ انسانی جینز کے اندر آدمی کی صحت، سوچ اور تقدیر بند ہے۔ہم جو کچھ بھی ہیں اپنے جینز کی خصوصیات کی وجہ سے ہیں۔ہماری عادات، ذہن، صحت، جسم کی شکل، سوچ اور ہماری زندگی کے حالات کا ایک بڑی حد تک انحصار ہمارے جینز کی بناوٹ پر ہے۔یعنی ہماری تقدیر کا فیصلہ ہمارے جینیٹک کوڈ(Genetic Code) میں ہو چکا ہوتا ہے۔تعلیم اور ماحول سے اس میں کسی حد تک ترمیم تو ممکن ہے لیکن اسے تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔

سائنسدانوں کا یہ بھی خیال ہے کہ ہوسکتا ہے کہ ہمارے جینز میں سے کوئی لہریں نکلتی ہوں جو ہزاروں میل دور اپنے جیسے جینز پر اثر انداز ہوتی ہیں۔آخر برجٹ اور ڈورتھی کو کس نے بتایا کہ وہ ملاقات کے دن ایک ہی رنگ کے کپڑے پہنیں گی اور اپنے ہاتھوں میں سات سات انگوٹھیاں پہن کر آئیں گی؟ ڈانلڈ کیتھ کے پٹھوں میں درد کی ٹیسیں کیوں لگی تھی جب سینکڑوں میل دور اسکے بھائی کے پٹھوں کو چوٹ لگی؟اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ جینز میں بائیالوجیکل ریڈیو ٹرانسمیٹر (Biological Radio Receiver and Radio Transmitter)بنے ہوئے ہیں۔جس کا یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ ہر شخص کے جینز اپنے متعلق پیغام نشر کرتے رہتے ہیں اگر دوسری طرف اسی نوعیت (Same Frequency) کا جین ہوگا تو وہ اس پیغام کو پکڑ لے گا۔

جینز کے متعلق ان نئی دریافتوں سے اختیار کے نظریہ (Free Will) کو شدید ٹھیس لگی ہے، سائنسدان حیران ہیں کہ کیا ہم اپنے جینز کے غلام ہیں؟یہ وہی بات ہے جو صدیوں سے جبریہ فرقہ والے کہتے ہیں کہ ہم تقدیر کے غلام ہیں۔ان تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے سارے بڑے بڑے فیصلے اس کی پیدائش سے پہلے ہو چکے ہوتے ہیں۔باپ کا جرثومہ جب ماں کے بیضہ سے ملتا ہے تو بہت کچھ اسی لحہ طے ہو جاتا ہے۔آپ کی ذہانت، جسم کے خدوخال، عادات، جسمانی اور ذہنی قوتیں اور چاہتیں اور کیا کیا باتیں ہیں جو سب اس خوردبینی جرثومہ پر پہلے ہی سے لکھی آ رہی ہیں۔اب بات یہ رہ جاتی ہے کہ اس لکھی ہوئی تقدیر کو بدلنے پر ہم کس قدر قادر ہیں؟

اس سوال کو معلوم کرنے کے لئے مینسوٹا یونیورسٹی والی سائنسدانوں کی ٹیم نے 350 بالکل مماثل جڑواں لوگوں کو 15,000 سوالات دیئے۔ان کے جوابات سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ ہماری شخصیات کا جینیٹک (Genetic) نظام سے بہت گہرا تعلق ہے۔مثلاً لیڈر شپ خصوصیات میں 61% جینز کا اور 39% بقیہ چیزوں، مثلاً ماحول، تعلیم، ٹریننگ وغیرہ کا دخل ہے۔اسی طرح مسائل کا مقابلہ، شرم کرنا، خوف، مہم جوئی میں بھی پچاس سے ساٹھ فیصد کا تعلق جینیٹک (Genetic) سے ہے۔انہوں نے یہ بھی معلوم کیا کہ بعض چیزیں مثلاً صفائی، سلیقہ، جذبات سے برانگیختہ ہونا وغیرہ کی خصوصیات میں نشوونما اور ماحول کے اثرات کا حصہ صرف چالیس سے ساٹھ فیصد تک ہے باقی کا انحصار جینز کے اوپر ہے۔یعنی مجموعی حیثیت میں آدمی کی شخصیت اور زندگی اس کے جینز کی وجہ سے ہے۔

مستقبل میں جب کلوننگ کے ذریعہ ایک ہی آدمی کے جینز سے فوج تیار کی جائے گی اور اس کو ایک سے ماحول میں رکھا جائے گا تو اس تھیوری کے مطابق معلوم ہوتا ہے کہ ان سب کی ایک ہی سوچ اور رویہ ہوگا۔عین ممکن ہے کہ وہ آپس میں جینز کے پیغام رسانی کے طریقہ سے ایک

دوسرے کے خیالات تک سے بھی واقف ہوں گےاور ایک دوسرے کو بغیر کسی آلات کے پیغامات پہنچا سکیں۔اس کے اثرات دنیا پر کیا ہوں گے؟ یہ سوچنے کی بات ہے۔بہر حال اب تک کی ریسرچ سے یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ آپ اس کو جینز کہیں یا تقدیر، بہت حد تک زندگی کے حالات، عادات اور کام کاج میں ہم تقدیر کے پابند ہیں۔لیکن پھر بھی ماحول اور تعلیم کے اثر کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، یہ اور بات ہے کہ یہاں بھی انسان کا کوئی ذاتی اختیار نہیں۔اس لئے انسان کی خود مختاری (Free Will) محض دکھاوا ہے اصل میں وہ اپنے جینز اور ماحول کا غلام ہے۔

ان تحقیقات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ انسان کے اندر جسم اور جان کے علاوہ ایک اور بھی خاص چیز ہے جسے آپ جینز کا اثر (Genes Effect) کہیں یا روح (Spirit) یا نفس (Inner Self) یا غیر مرئی جسم (Astral Body) کہہ لیں، کچھ بھی کہہ لیں یہ انسان کی تخلیق کا وہ ماورائی حصہ ہے جو جسم سے باہر پیغام رسانی کر سکتا ہے اور روبہ کو کنٹرول کرتا ہے۔جینیٹک (Genetic) کے حوالے سے ابھی تک جو تحقیق ہوئی ہے اس سے یہ بات بھی سامنے آرہی ہے کہ ہمارے نفس کا تعلق بھی آدمی کے جینز (Genes) سے ہے۔چونکہ زندگی اس تقدیر کے مطابق چلتی ہے جو جینز پر لکھی جا چکی ہے اس لئے یہ بات دور از قیاس نہیں ہوگی کہ انسانی روح جسے قرآن کریم "امـر ربـی" کہتا ہے جینز پر لکھا ہوا خالق کا پروگرام (Software) ہو۔

9.5 جین کیسے کام کرتے ہیں؟

اب ہم بیالوجی کے حوالہ سے مختصر طور پر اس بات کا جائزہ لیں گے کہ جینز کیسے کام کرتے ہیں؟ انسان کی نارمل تخلیق ماں اور باپ دونوں کے ملاپ سے ہوتی ہے۔باپ سپرم (Sperm) دیتا ہے اور ماں اس کو بیضہ فراہم کرتی ہے جس سے وہ خوراک حاصل کرتا ہے۔ان میں سے ہر ایک پر 23 کروموسوم (Chromosome) ہوتے ہیں، دونوں کے ملنے سے سیل (Cell) بن جاتا ہے یوں ایک سیل میں 46 کروموسوم ہو جاتے ہیں، 23 ماں کے اور 23 باپ کے اور تقریباً ایک لاکھ کے قریب جینز ہوتے ہیں اور ہر ایک جین میں ایک ہزار کے قریب نیوکلوٹائیڈ (Nucleotide) ہوتے ہیں جو ایک طرح کے حروف ہیں جن سے جینز کے اندر کا پروگرام لکھا گیا ہے۔اس کی مثال کمپیوٹر کی زبان (Computer Language) ہے۔ان لاکھوں جین اور ان کی اندر جو کروڑوں نیوکلوٹائیڈ (Nucleotide) ہیں ان سب کے حساب کا نام جینوم (Genome) ہے۔جو انسان کی تقدیر کا نقشہ ہے۔

تقدیر کی نسبت سے اگر جین فقرات ہیں تو کروموسوم سے مل کر بننے والا سیل مضمون ہے پھر یہ سیل ایک سے دو، دو سے چار، چار سے آٹھ۔یوں ضرب کھاتے اور بڑھتے جاتے ہیں اور یونہی جسم کی نشوونما ہوتی جاتی ہے اور جینز پر لکھائی کے مطابق دماغ، آنکھیں، ناک، منہ نقشہ ہاتھ پاؤں ہر ایک چیز بنتی جاتی ہے۔یہ بالکل ایسے ہی سمجھ لیجئے جیسے اینٹیں ایک ہی جیسی ہوتی ہیں لیکن ڈیزائن کے مطابق مختلف جوڑتوڑ سے بلڈنگ کے تمام حصے تیار ہوتے جاتے ہیں یا محدود حروف تہجی سے اربوں مضامین لکھے جاتے ہیں۔اس طرح جینز کے اوپر طے شدہ پروگرام کے مطابق بچے کی نشوونما ہوتی رہتی ہے اور ایک فرد یعنی سیل چلتا پھرتا، صاف دل و دماغ والا اتنا بڑا انسان بن جاتا ہے۔

9.6 تقدیر اور اختیار کا استعمال

جیسا کہ ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں کہ انسان کے حوالہ سے تحقیقات کا ایک اہم میدان تقدیر کا ہے۔ ہو بہو مماثل جڑواں بچوں کی تحقیقات کی بنیاد پر ہم یہ بھی دیکھ چکے ہیں کہ جدید سائنسی دریافتوں کے مطابق ایسے لگتا ہے جیسے ہم میں سے ہر ایک اپنی تقدیر کو لے کر اس دنیا میں آتا ہے۔ دنیا میں تقدیر عالم ارواح کے اعمال کا نتیجہ ہے اور عالم برزخ کی تقدیر دنیا کے اعمال کا نتیجہ ہوگی۔ اس سلسلہ کو انسان کی دُنیاوی حیات کے پہلے اور بعد کے ادوار کو سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو اسلامی فلاسفی میں دُنیا میں تقدیر عالم ارواح کے اعمال کے نتیجہ ہے اور عالم برزخ کی تقدیر دُنیا کے اعمال کا نتیجہ ہوگی۔ قرآنِ کریم کے حکم " لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى " کے مطابق اچھی بُری تقدیر کا سبب بالآخر انسان خود ہے۔ لیکن سمجھنے کی بات یہ ہے کہ اس تقدیر پر ہمارا ردِّ عمل کیا ہوتا ہے۔ دراصل یہی مجموعی ردِّ عمل ہی ہمارا حاصل زندگی اور یہی اعمال نامہ ہے۔ سب جانتے ہیں کہ وقت تین حصوں میں منقسم ہے۔ مستقبل، حال اور ماضی۔ جیسے ایک فلم چل رہی ہو، جو منظر سامنے ہے وہ حاضر ہے جو ابھی ریل (Reel) پر ہے وہ مستقبل ہے اور جو دوسری ریل (Reel) پر چڑھ چکا ہے وہ ماضی میں چلا گیا ہے۔ اس نظام میں مستقبل والی ریل کھل رہی ہے اور ماضی کی ریل چڑھ رہی ہے یوں ایک تسلسل کے ساتھ واقعات ہمارے سامنے سے گزر کر ماضی میں بند ہو جاتے ہیں۔ یوں ماضی اور مستقبل دونوں ہی واقعات کے ذخیرے (Storehouses) ہیں فرق صرف یہ ہے کہ مستقبل کا سٹور مسلسل خالی ہو رہا ہے اور ماضی والا سٹور بھرتا جا رہا ہے، حال جب ہمارے ہاتھوں میں سے گزر رہا ہوتا ہے ہم اس پر اپنے ردِّ عمل کے نشانات لگاتے جاتے ہیں کوئی اس کو خوبصورت تر کرتا ہے تو کوئی اسے آلودہ کرتا جاتا ہے۔ ماضی کے ذخیرہ میں ہمارے ردِّ عمل کے ڈبے ہماری پہچان ہیں۔ کوشش یہ کرنا چاہیے کہ ہم اپنی پہچان کے ان نشانات کو صاف ستھرا رکھیں۔

اوپر کی بحث سے یہ واضح ہو چکا ہے کہ ہم تقدیر بنانے والے بھی ہیں اور اس کو بھگتنے والے بھی ہیں۔ ایک دنیا کے (اعمال) کے نتائج دوسری دنیا میں ہماری تقدیر بن جاتے ہیں۔ اس مشاہدے میں ہم واقعات میں شریک ہیں۔ کسی حد تک اپنے اوپر بیتنے والے واقعہ کے ڈبے کو اوپر نیچے، اِدھر اُدھر بھی کر سکتے ہیں یہ ہمارا اپنا اختیار ہے لیکن یہ اختیار واقعات کے ظاہر تک ہی محدود ہے۔ اس کی مثال ایسے ہی ہے کہ آپ کسی مزدور کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانے کے لئے ایک لیبل شدہ ڈبہ دیتے ہیں اب یہ مزدور کی مرضی پر منحصر ہو سکتا ہے کہ وہ اسے ریڑھی میں رکھ کر لے جائے، یا سر پر اٹھائے یا کندھوں کا استعمال کرے آپ اس میں دخل نہیں دیتے البتہ اگر وہ تھک کر بیٹھ جاتا ہے یا ڈبہ کو گرا دیتا ہے تو اسے کوئی اور اٹھا لیتا ہے۔ اسی طرح زندگی میں ہم تقدیری واقعات کو بدل نہیں سکتے لیکن ان کو کس طرح بجا لاتے ہیں، یہ ہمارا اختیار ہے۔ جو اس اختیار کو بہتر طور سے بجا لاتے ہیں ان کو مواقع بھی زیادہ ملتے ہیں۔ مثلاً ریڑھی والا مزدور زیادہ ڈبے لے کر جا سکتا ہے، جنھوں نے سر پر اٹھائے ہیں ان کی نسبت سے وہ زیادہ تیز بھی ہے، یوں ریڑھی والے کو زیادہ مواقع ملتے ہیں اور وہ زیادہ مزدوری بھی حاصل کرتا ہے۔

یہی کچھ حال زندگی میں ہماری تقدیر، اختیار، اعمال اور جزا کا ہے۔ ہم سب مستقبل کے واقعات کے سٹور کے سامنے کھڑے ہیں اور اندر کا اہل کار ہمیں سامنے پڑا واقعہ کا ڈبہ تھما تا جاتا ہے اور ہم اسے لے کر ماضی کے سٹور میں جمع کرانے کے لئے چل پڑتے ہیں۔ ہمیں یہ اختیار نہیں کہ سٹور کیپر سے اپنی مرضی کا ڈبہ لیں، البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ اس کو جلدی سے چھوڑ کر واپس آ کر دوسرا ڈبہ لے لیں یا اتنے مضبوط ہوں یا اسباب رکھتے

ہوں کہ ایک ہی وقت میں بہت سے ڈبے اٹھائیں۔اس طرح اپنی پسند کا ڈبہ اٹھانے کے لئے ہمارے مواقع (Chances) بڑھ جاتے ہیں اور مزدوری (جزا) بھی زیادہ ملتی ہے۔یعنی تقدیر مقرر ہو چکی ہے لیکن مواقع تقدیر کا انحصار ہمارے اپنے اوپر ہے۔

ہم میں سے کچھ کم ہمت ایک ہی ڈبہ اٹھا کر آہستہ آہستہ چلے جاتے ہیں، کبھی سٹور کیپر کی شکایت کرتے ہیں کبھی راستہ میں نقص نکالتے ہیں، کبھی دوسروں سے حسد کرتے ہیں، کبھی تھک کر بیٹھ جاتے ہیں، کبھی تقدیر کو روتے ہیں۔ہم میں کچھ ایسے بھی ہیں جو اپنی سستی یا تیزی یا حرص کی وجہ سے تقدیر کے ان ڈبوں کو راستہ میں گرا دیتے ہیں یا گم کر دیتے ہیں یا دی گئی ہدایات کے خلاف کام کر کے نقصان کا باعث بنتے ہیں۔ایسے لوگوں کو ظاہر ہے جزا کی بجائے سزا ہوگی، جرمانہ اور قید بھی ہو سکتی ہے۔ان کے برعکس ہم میں سے کچھ وہ ہیں جو تقدیر کے ڈبوں کو احسن طریقہ سے اٹھا کر منزل مقصود تک پہنچاتے ہیں ان کو بہتر اجر ملتا ہے۔اس لئے ہمارا فائدہ اسی میں ہے کہ ہاتھ آئی تقدیر (Opportunity in Hand) کو بہترین طریقہ سے اپنے مالک کی ہدایت کے مطابق سر انجام دیں تا کہ اس کی خوشی کے حق دار ہوں۔جو تقدیر کی تکمیل کے ساتھ منسلک ہے۔ایسے شخص کے لئے "اس کا آج" بہت اہم ہے اور اسے یہ فکر ہوتی ہے کہ میرا آج ضائع نہ ہو جائے اس لئے کہ آج کے اعمال کے نتائج کل ہماری تقدیر ہوں گے۔یوں اسے مستقبل کی فکر کھاتی ہے نہ ماضی کا غم۔اس لئے کہ یہ دونوں اس کے بس سے باہر ہیں۔

باب نمبر 10

وقت، واقعات اور کشف

10.1 واقعات اور ان کا ظہور

یہ سمجھنے کے بعد کہ انسانی نفس ایک مستقل حقیقت ہے جو جسمانی موت کے بعد بھی زندہ رہتا ہے، تحقیق کا ایک بہت اہم پہلو اس کا مستقبل اور ماضی میں ممکنہ سفر ہے۔ اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل نکات خصوصی طور پر قابل غور ہیں:

☆ کیا انسان کا غیر مادی وجود وقت سے آگے یا پیچھے جا سکتا ہے۔

☆ کیا دنیا میں جو واقعات معرض وجود میں آتے ہیں وہ وقت کی جانب (Time Dimension) میں پہلے ہی سے موجود (Programmed) ہیں؟

ان سوالوں کے جواب میں ہم سمجھتے ہیں کہ وقت متواتر حرکت میں ہے اور مستقبل سے ماضی کی طرف جا رہا ہے اور اپنے ساتھ واقعات کو بھی بہالے جاتا ہے۔ واقعات اور وقت کی مثال ایسے ہے جیسے پانی کا دریا اونچائی سے نیچائی کی جانب بہہ رہا ہو اس کے ساتھ ساتھ پانی کے اوپر تیرنے والی چیزیں بھی نیچے کو آرہی ہوتی ہیں اور بالآخر یہ سب سمندر کی وسعت میں گم ہو جاتے ہیں۔ اگر انہیں واپس نکالنا ہو تو غوطہ خوروں کی ضرورت پڑتی ہے لیکن وہ بھی اسی قدر کر سکتے ہیں جتنی ان کی استطاعت اور ہمت ہو۔

اس بہتے دریا کے کنارے انسان کھڑا ہے، تھوڑے عرصہ کے لئے تیرنے والی چیزیں اس کے سامنے سے گزرتی ہیں اور وہ ان سے اثرات لیتا ہے، انہی سے اسے پانی کے بہنے کا احساس ہوتا ہے، اگر فرض کرو کہ سطح آب کے اوپر کچھ نہ ہو تو پانی کی حرکت کا احساس تک بھی نہ ہو۔ یہی حال واقعات کا ہے، انہی سے وقت کے بہاؤ اور اس کی رفتار کا احساس ہوتا ہے۔

اگر کوئی آدمی تیزی سے اوپر کی طرف چل پڑے تو وہ تیرتی ہوئی چیزوں کو اپنی جگہ پر پہنچنے سے پہلے ہی دیکھ کر واپس آ سکتا ہے۔ اسی طرح یہ ممکن ہے کہ انسانی نفس وقت کے بہاؤ کے خلاف سفر کرتا ہوا مستقبل میں چلا جائے اور یوں آنے والے واقعات کا بہت پہلے مشاہدہ کر لے لیکن جیسے دریا کے بہاؤ کے خلاف جانے کیلئے خصوصی محنت اور کوشش کرنا پڑتی ہے اسی طرح نفس کو بھی مستقبل میں سفر کے لئے خصوصی جدوجہد کرنا پڑتی ہے۔

ماضی سمندر کی طرح ہمارے سامنے سے گزرتے ہوئے تمام واقعات کا سٹور ہاؤس ہے یعنی یہ واقعات کو ختم نہیں کرتا بلکہ ان کو محفوظ کر لیتا ہے۔ اگر کوئی باہمت غوطہ خور ہو تو اس کے اندر جا کر ان کو پھر سے دیکھ سکتا ہے۔ ایک طرح سے واقعات انسانی یادداشت میں بھی سٹور ہوتے جاتے ہیں یہ ماضی کے متبادل نظام ہے یہاں واقعات اپنا عکس چھوڑ کر جاتے ہیں۔ ان کو ہم یاد کر کے ذہن ہی میں دوبارہ دیکھ لیتے ہیں لیکن یہ اصل کا عکس

ہوتے ہیں۔اس کی مثال ٹیلی ویژن کی سکرین ہے جس پر نظر آنے والے واقعات اصل کا گمان ہوتے ہیں لیکن دراصل وہ کسی سٹوڈیو میں ہونے والے واقعات کا عکس ہوتے ہیں یعنی اصل واقعات اگر چہ کسی دور کی جگہ ہوتے ہیں لیکن ان کا عکس آپ کے گھر میں دیکھا جا سکتا ہے۔

10.2 خواب اور خوابوں کی حقیقت

ہم میں سے ہر ایک نے اپنی زندگی میں کوئی نہ کوئی خواب ضرور دیکھا ہوگا جو بعد میں حقیقت ثابت ہو گیا۔اگر وہ واقعہ کسی باطنی دنیا میں پہلے سے موجود نہ تھا تو یہ کیسے ممکن ہوا؟ حقیقت یہی ہے کہ واقعات وقت کے دھارے پر پہلے سے ریکارڈ ہو چکے ہیں۔خوابوں میں ہماری روح انہیں مستقبل میں پہنچ کر دیکھ لیتی ہے بعد میں اللہ تعالیٰ کے پروگرام کے مطابق وہی واقعات عالم شعور میں ہمارے سامنے آجاتے ہیں اسے ہم حال کہتے ہیں جس کے ایک طرف مستقبل ہے اور دوسری طرف ماضی۔یعنی حال بذات خود کوئی وقت نہیں۔نہ یہ ایک سیکنڈ ہے نہ یہ ایک گھنٹہ بس ایک انتہائی باریک لمحہ ہے جس لمحہ واقعہ عام لوگوں کے سامنے آتا ہے اور اپنی یادداشت چھوڑ کر ماضی کے سٹور ہاؤس میں غائب ہو جاتا ہے۔

ہم مستقبل میں کیسے سفر کر سکتے ہیں۔اس کا جواب پانے کے لئے کچھ لوگوں نے بڑی ریاضتیں اور محنتیں کی ہیں اور انہیں کسی حد تک کامیابی بھی ہوئی ہے لیکن یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ بعض لوگوں کو قدرتی طور پر خاص عطا ہوتی ہے اور وہ بڑی آسانی سے سچی پیش گوئی کر لیتے ہیں۔انہی میں ایسے بھی ہیں جنہیں سچے خواب دیکھنے کا ملکہ ہوتا ہے۔مندرجہ ذیل میں ہم وقت کے دھارے پر سفر کی ایک حقیقت کو ایک انگریز محقق کی کوششوں کے حوالے سے ذکر کریں گے۔

اس انگریز فوجی کرنل کا نام جے۔ڈبلیو۔ڈیون (J.W. Dune) تھا۔1899ء میں انہیں کچھ سچے خواب دیکھنے کا تجربہ ہوا جس نے انہیں بہت متاثر کیا۔ان کا رویہ ایک عام آدمی کا سا نہیں تھا بلکہ وہ چونکا اُٹھے کہ یہ کیسے ممکن ہوا کہ اس نے جو کچھ خواب میں دیکھا ہے کچھ ہی دنوں کے بعد وہی حقیقت بن کر سامنے آ گیا۔جب انہوں نے اس بات کی تہہ تک پہنچنے کا تہیہ کر لیا اور سائنسی انداز میں اس بات کو جاننے کی کوشش کی تو وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ غیب خواہ مستقبل میں ہو یا ماضی میں وہ اپنے آپ کو ظاہر کرنے کے لئے بیتاب ہے۔

عالم خواب میں جب آدمی کا ذہن مادی دنیا سے کٹ جاتا ہے تو اس کا نفس اس وقفہ میں وقت کی دونوں جانب نکلنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور جو بھی محنت کرتا ہے وہ اس قابلیت کو پا لیتا ہے مَن طَلَبَ وَجَدَ وہاں جو کچھ پڑا ہے وہ دیکھ لیتا ہے۔لیکن صبح اٹھنے تک بہت سی معلومات ذہنی انتشار کا شکار ہو جاتی ہیں۔

کرنل ڈیون نے تحقیق کے بعد معلوم کیا کہ عام طور پر صرف دس میں سے ایک آدمی اپنا خواب یاد رکھتا ہے لیکن وہ بھی اس میں سے زیادہ تر بھول جاتا ہے۔بلکہ کئی نئی باتیں بھی اپنے خواب میں شامل کر لیتا ہے یعنی دیکھے گئے خواب جھوٹے نہیں ہوتے لیکن یادداشت کا انتشار ان کو مکدر کر دیتا ہے۔اس نقص کو دور کرنے کے لئے کرنل ڈیون نے لندن میں باقاعدہ ایک ریسرچ گروپ قائم کیا جس میں سائنسدان اور سائیکالوجسٹ

شامل تھے اور اس موضوع پر بڑا قابل قدر کام کیا گیا۔ اس کی کچھ تفصیلات ذیل میں دی جارہی ہیں۔ یہ تفصیلات ان کی کتاب "وقت کے ساتھ ایک تجربہ" سے لی جارہی ہیں۔(An Experiment with Time)

(Ref: J.W. Dune's Book "AnExperiment with Time") طبع (First Published March 1927 by AVC Black Ltd. London)

یہ کتاب مارچ 1927ء کو شائع ہوئی اور اب تک کئی ایڈیشن آچکے ہیں۔ کتاب محض خوابوں کے مشاہدات ہی نہیں بلکہ وقت Time کو سمجھنے کے لئے بڑا مدلل سائنسی تجربہ بھی ہے اور اس میں انسانی نفس کی بقا اور صلاحیتوں کے کئی ایک زاویوں پر سائنسی بنیادوں پر بحث کی گئی ہے۔ اپنی کتاب کے دوسرے ایڈیشن کے تعارف میں وہ لکھتے ہیں کہ:

"This book contains the best analysis of the Time Regress ever completed. Incidentally, it contains the first scientific agreement for human immortality. This I may say, was entirely unexpected ----------". (Page-7)

ان تجربات کے بعد روح کے بارے میں لکھتے ہیں کہ انسان نفس ہے اور وقت کے مستقبل میں جا کر وہاں کے واقعات کو نہ صرف دیکھ سکتا ہے بلکہ ان کا رخ موڑنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے۔ موت اس نفس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی، دماغ اس کے لئے ایک آلہ ہے جس سے یہ کام لیتا ہے لیکن نفس موت کے بعد بھی زندہ رہتا ہے۔

"Man is Soul" with powers of intervention with which he may alter the course of observed events --- a mind which not only reads the brain but employs it as a tool ------------ The inference is that this observer can survive the destruction of that brain which he observes". --------------- (Page-22)

کرنل ڈیون کی اس موضوع پر دلچسپی 1899ء میں شروع ہوئی جب وہ سوڈان میں ڈیوٹی دے رہے تھے۔ وہاں ایک دو ہفتے پرانا اخبار ملتا۔ اس کے علاوہ ان کے پاس بیرونی دنیا سے رابطہ کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ انہوں نے وہاں محسوس کیا کہ بعض اوقات وہ جو واقعات خواب میں دیکھتے تھے ہفتوں بعد جب اخبار ملتا تو اس میں وہ درج ہوتے۔ اسی دوران انہیں یہ احساس بھی ہوا کہ خواب کی حالت میں وہ گردوپیش میں ہونے والے واقعات کو بھی دیکھ لیتے ہیں۔ ایک دفعہ انہوں نے خواب میں دیکھا کہ رات کے تین بج کر 28 منٹ پر ان کا ٹائم کلاک بند ہو گیا، جب وہ صبح اٹھے تو دیکھا کہ واقعی ٹائم کلاک جو ڈرائنگ روم میں تھا اس کی سوئیاں تین بج کر 28 منٹ پر کھڑی تھیں۔ وہ حیران تھے کہ یہ کیسے ممکن ہوا؟ کیا دوبارہ بھی ایسا ہو سکتا ہے؟ چنانچہ انہوں نے اپنے اوپر تجربات شروع کر دیے اور ان کی حیرانی کی کوئی حد نہیں تھی جب وہ آنکھوں کے بغیر اپنی قوت تخیلہ/ مراقبہ کے ذریعہ کلاک کے اوپر وقت دیکھ لیتے تھے۔

ایک دفعہ انہوں نے خواب میں دیکھا کہ "قاہرہ سے ایک مہم خرطوم کے لئے روانہ ہو گئی ہے"۔ کچھ دنوں کے بعد جب اخبار ڈیلی ٹیلیگراف ملا تو وہاں بھی یہ خبر چھپی تھی کہ جمعرات شام پانچ بجے قاہرہ سے چلنے والی مہم خشکی کے راستے خرطوم کے لئے روانہ ہو گئی ہے۔

مارچ 1902ء کو انہوں نے خواب میں ایک شہر کو آگ لگی دیکھی اور لوگوں کا خوف وہراس اور آگ بجھانے کی کوششوں کے مناظر

دیکھے۔ کچھ عرصے کے بعد اخبار ملا تو اس میں بتایا گیا تھا کہ فرانس کے ایک جزیرہ جو ویسٹ انڈیز میں ہے وہاں پر آتش فشاں پھٹ پڑا جس سے شہر کو آگ لگ گئی اور چالیس ہزار لوگ مر گئے۔

1912ء میں انہوں نے ایروپلین کے ایک حادثہ کو خواب میں دیکھا جس میں ان کے ایک دوست مر گئے۔ اس کے کچھ دنوں کے بعد واقعی یہ ہو گیا۔ 12 اپریل 1913ء کو انہوں نے ایک ٹرین کا حادثہ خواب میں دیکھا جو 14 اپریل کو پیش ہو گیا۔

کرنل ڈیون اپنی کتاب کے صفحہ 53 پر لکھتے ہیں کہ "اس طرح کے تقریباً 20 خواب آئے جو سچے تھے۔ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ یہ اتفاقیہ حادثات نہیں بلکہ کسی بڑی غیبی حقیقت کی عکاسی کرتے ہیں۔ زیادہ تر غالب یہ ہے کہ واقعات اپنی غیبی حالت میں وقت کے دھارے پر ہیں اور ایک مقررہ پروگرام کے مطابق مادی شکل میں مقرر شدہ اجل (Timed Programme) کے مطابق کسی نہ کسی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں۔

10.3 خواب اور سائنسی تحقیق

جب پے در پے اسی طرح کے سچے خواب نظر آنے لگے جن میں وہ کبھی ماضی اور کبھی مستقبل کے واقعات کو دیکھتے تو ان سے متاثر ہو کر انہوں نے تہیہ کر لیا کہ وہ اس مسئلہ کو سائنسی انداز میں سمجھنے کی کوشش کریں گے۔ چنانچہ انہوں نے فوج کی نوکری چھوڑ کر اس موضوع پر سنجیدہ سائنسی انداز میں تحقیق شروع کر دی اور خوابوں کا باقاعدہ تجزیہ شروع کر دیا۔ اسی تحقیق کے دوران انہیں معلوم ہوا کہ سچے خوابوں کو دیکھنے والے وہ اکیلے ہی نہیں بلکہ اور بھی کئی لوگ ہیں جو یہ قابلیت رکھتے ہیں۔

1914ء میں پہلی جنگ عظیم کی وجہ سے اس موضوع پر مزید تحقیق رک گئی لیکن 1917ء کے بعد اس کام کو آگے بڑھانے کے لئے انہوں نے لندن میں باقاعدہ ایک اکیڈمی بنائی جس کے سامنے یہ منصوبہ تھا کہ اگر نیند کی حالت میں ہم وقت سے آگے نکل کر یا پیچھے جا کر وہاں کے حالات دیکھ سکتے ہیں تو جاگتے ہوئے ایسا ممکن کیوں نہیں؟ اس کے علاوہ اکیڈمی نے یہ پروگرام بھی بنایا کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو ممبر شپ کے ذریعے سچے خواب دیکھنے کے پروگرام پر لگایا جائے۔ ممبرز کے لئے یہ ہدایت تھی کہ جاگتے ہی سب سے پہلے اپنے خواب کی پوری تفصیل لکھ لیں۔ اس سوسائٹی کے اراکین ہفتہ وار میٹنگ کرتے اور گرد و اور بقیہ دنیا میں ہونے والے واقعات کو دیکھے گئے خوابوں سے موازنہ کرتے۔ ان کی اس تحقیق سے یہ بات ظاہر ہوئی کسی میں کم کسی میں زیادہ لیکن ہر آدمی میں سچے خواب دیکھنے کی صلاحیت موجود ہے لیکن اکثر لوگ چونکہ ذہنی انتشار کا شکار ہوتے ہیں اس لئے ان کے خواب بھی منتشر ہوتے ہیں۔ انہوں نے یہ بھی معلوم کیا کہ ہر خواب میں ماضی اور مستقبل کے عکس ملے جلے ہوتے ہیں جس کی وجہ سے انہیں علیحدہ علیحدہ دیکھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:۔

"Almost everyone now has experienced that sudden feeling, disturbing conviction that something which is happening at that moment has happened before? ---------- All dreams in general, all dreams, every body's dream - were composed of images of past experience and images of future experience blended together in approximately equal proportion". (Pages 58-59)

10.4 کشف اور آدمی کی چوتھی سمت

اس اصول کے تحت کرنل ڈیوی نے یہ تحقیق کی کہ اگر خوابوں میں دیکھے گئے عکسوں میں سے ماضی کے عکس نکال دیے جائیں تو بقیہ مستقبل رہ جائے گا جس سے مستقبل بینی ممکن ہوجاتی ہے۔ انہوں نے اپنی ریسرچ کے بعد یہ بھی نتیجہ نکالا کہ اگر کائنات کی چار اطراف (Dimensions) یعنی عرض، طول، اونچائی اور وقت ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ آدمی جو کائنات میں اس کا شاہد ہے بذات خود چار اطراف والا نہ ہو، یعنی ہر آدمی کی اہم خصوصیت اس کی وقت والی سمت ہے جسے موت نہیں۔ اگر وہ اپنی چوتھی سمت یعنی وقت کی سمت پر سفر کرنے کی صلاحیت حاصل کرلے تو غیب اس پر حاضر کی طرح ظاہر ہوجائے گا۔

ہماری پانچویں سمت ہماری روح (نفس) ہے یہ کائنات کی وقت والی چوتھی سمت پر عبور حاصل کرسکتی ہے۔ جسے آپ سپرٹ (Spirit) یا Mind,Self کا نام دیتے ہیں۔ جب کہ مادی اجسام فنا ہوجاتے ہیں۔ ہمارے اس وجود کو فنا نہیں بلکہ وقت کی مانند یہ ہمیشہ رہنے والا (Immortal) ہے۔ اس تھیوری کو سامنے رکھتے ہوئے اس گروپ نے اس بات کی طرف ریاضت شروع کی کہ کسی طرح نفس کو جاگتے ہوئے جسم سے آزاد کیا جائے تاکہ وہ وقت پر سفر کرے اور وہاں کیا ہورہا ہے دیکھ سکے۔ اسی بات کو صوفیائے کرامؒ کی اصطلاح میں کشف کہا جاتا ہے۔

ان ریاضتوں کے نتیجہ میں اس تحقیقی گروپ کے کئی لوگوں نے مختلف حدود تک مستقبل بینی میں کامیابی حاصل کرلی۔ یہاں تک کہ ان میں بعض تو الماری میں بند کتاب کے کسی صفحہ پر کیا لکھا ہوا ہے پڑھ کر سنا دیتے۔ یہ ایک ایسا تجربہ تھا جس کو وہ بار بار کرکے دکھا سکتے تھے۔ اس طرح انہوں نے سائنسی طور پر یہ ثابت کردیا کہ آدمی میں ضرور کوئی ایسی چیز ہے جو مادیات سے بالاتر ہے۔ ماضی اور مستقبل میں جانے کی صلاحیت رکھتی ہے اور مناسب ریاضتوں کے بعد وہاں جاکر مستقبل میں پیش آنے والے واقعات کو دیکھ بھی سکتی ہے۔ اس کا یہ مطلب لیا گیا کہ ہمارے سامنے پیش آنے والے واقعات وقت کے دھارے پر پہلے ہی سے موجود ہیں۔ اس کی مثال ٹیلیویژن پر دیکھی جانے والی فلم کی سی ہے جو ٹیلیویژن کی سکرین پر پہنچنے سے پہلے فضا میں بجلی اور مقناطیسی لہروں کی شکل میں موجود ہوتی ہے یا واقعات کمپیوٹر میں پروگرام کی مانند ہیں جو وقت کے ساتھ کھلتا جاتا ہو۔ بہرحال جو ہوتا ہے وہ پہلے ہی طے شدہ ہے۔ آدمی کی مرضی اس کی تقدیر کی تابع ہے۔ وہ اپنے آپ کو خود مختار سمجھتا ہے کہ وہ جو کرتا ہے اپنی مرضی سے کرتا ہے حالانکہ نہیں جانتا کہ مرضی کی وجہ کیا تھی؟

کرنل ڈیون کے تجربات اور تحقیقات سے یہ بھی ثابت ہوا کہ مستقبل میں جھانکنے کیلئے نیند سے زیادہ جاگتے ہوئے بہتر نتائج ملتے ہیں۔ اگر کوئی شخص اپنے آپ کو ذہنی انتشار سے پاک کرلے، پریشانیوں سے نکل جائے اور ماضی کو مکمل طور پر بھول سکے تو پھر اس پر مستقبل روشن ہوجائے گا یعنی مستقبل بینی کی قابلیت کو حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ آدمی اپنے ذہن کو تمام دوسرے خیالوں سے پاک کرسکے۔ یہ وہی بات ہے جو ہمارے صوفیائے کرامؒ اور دوسرے مذاہب کے بزرگ ریاضتوں سے حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ خصوصی طور پر **لآ الٰــــہ** کا ورد جسے نفی اثبات کہتے ہیں ہمارے صوفیائے کرامؒ کا ذکر ہے۔ اس کا مقصد ماسوائے اللہ تعالیٰ نفس کا ہر خدائی سے آزادی حاصل کرنا ہے۔ چنانچہ اس کلمہ کے

ورد سے آدمی اپنے ذہن کو کلی طور پر زمان و مکان، آسمان و زمین کی ہر چیز سے خالی کر دیتا ہے حتیٰ کہ خلاء کا تصور بھی نہیں رہتا۔ جب یہ مقام حاصل ہو جاتا ہے تو وہ کشف کی صلاحیت پا لیتے ہیں۔ کشف میں غائب حاضر ہو جاتا ہے اور عامل مستقبل بینی کر سکتا ہے۔ لیکن صوفیائے کرامؒ کے نزدیک کشف حاصل ہو جانا کسی اہمیت کی بات نہیں بلکہ اگر کوئی انہی میں کھو جائے تو یہ نفس کی روحانی ترقی کے آگے حائل امر ہے۔ اصل بات ایسی چیزوں سے آگے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنا ہے۔ اس ضمن میں کرنل ڈیون لکھتے ہیں کہ۔

"I spent for the greater part of the time in reflecting of the past and starting fresh with a mind comparatively blank. ----- These experiments showed one, that provided one, was able to focus one's attention to the task,one could observe the 'effect' first as readily when awake as when sleeping. ----- One had merely to get rid of all thinking of the past and the future would become apparent of disconnected flashes!" ----- (Pages 100-102)"Thus future events are at any rate real enough to experience as the pre-representation". ------ (Page 106)

کرنل ڈیون ہی کے ہمعصر مشہور سائنسدان پروفیسر ایڈنگٹن (Prof. Eddingtion) کے خیال میں ہر آدمی کے لئے اس کا وقت ایک چلتی ہوئی سڑک کی مانند ہے جس پر واقعات درج ہیں وہ لکھتے ہیں:۔

The extent of Time-Extended objects are usually in Relativity theory, called world lines (Tracks). In individual, says Professor Eddingtan "Is a four-dimensioned object of greatly elongated form; ----- of durable expiration in Time and insignificant extent in space. Practically a line, his own track in the world, represents him. ----- The track of the observer is that observer himself. ----- Our time length is not unoccupied, it contains physical configurations".

کرنل ڈیون اپنی تحقیق کے نتائج میں لکھتے ہیں کہ "انسان کی مثال ایک ربڑ کی ڈوری کی سی ہے جس کو وقت کی سمت میں جتنا چاہیں کھینچ لیں وہ بہت دور تک جا سکتی ہے لیکن مکان (Space) میں وہ انتہائی محدود ہے۔ وقت کی سمت میں آدمی ایک لائن نظر آئے گا اور یہ لائن کائنات میں اس کا راستہ ہے۔ اس راستہ پر اس کی قسمت کے واقعات منزلوں کی طرح ثبت ہیں۔ اس کی مثال ایک فلم کی سی ہے جو مستقبل کے سپول (Spool) سے اتر کر ماضی کے سپول کے اوپر چڑھتی جاتی ہے اور سامنے ایک چھوٹی سی کھڑکی ہے جس میں سے ہم پیش آمدہ حالات کو دیکھتے ہیں اور یہ ایک نہ ختم ہونے والا سپول ہے۔ دنیا کی زندگی صرف اس کا ایک خاص سین (Special Scene) ہے ورنہ فلم جاری رہتی ہے۔ یوں ایک مسافر کی طرح ہم اپنا سفر زمان و مکان میں جاری رکھتے ہیں۔ انسان دنیاوی حیات کے دوران بھی ریاضت کے ذریعہ نفس ماضی، حال اور مستقبل میں سفر کرنے کی صلاحیت حاصل کر کے وہاں موجود واقعات کو دیکھ سکتا ہے۔

ایسی سائنسی تحقیقات سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ انسان آزاد نہیں بلکہ بڑی حد تک تقدیر کا پابند ہے اور دنیا میں جو واقعات ظہور پذیر ہوتے ہیں وہ مالک کائنات نے پہلے ہی سے مقرر کر دیئے ہیں یعنی انسان واقعات کا "باعث" نہیں بلکہ "شاہد" ہے۔ ہاں البتہ اس کا ان پر ردِ عمل اور

تاثرات لینا اس کے اپنے آپ پر منحصر ہے۔ یہی اس کی آزمائش ہے جسے مالک کائنات دیکھتا ہے۔ اگلے جہان میں اس کے مقام کا تعین بھی اسی عمل پر ہے۔ قابل غور بات یہ ہے کہ جس طرح واقعات زمانہ کی کتاب میں پہلے سے پروگرام شدہ ہیں اسی طرح ان پر انسان کا ردعمل بھی وقت کی یادداشت میں محفوظ ہوتا جاتا ہے۔ ان اعمال کی فلم مرنے کے بعد ہمیں دکھائی جاتی ہے اور انہی کے نتائج کے زیر اثر ہمارا برزخ کا زمانہ گذرتا ہے۔

10.5 مستقبل بینی

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وقت کی گاڑی پر بیٹھ کر کیا ہم مستقبل میں پیش آنے والے واقعات کو دیکھ سکتے ہیں؟

اس سوال کی معقولیت اس سے ظاہر ہے کہ اپنی یادداشت (Memory) کو کھنگال کر یا تاریخی ماخذوں کی مدد سے یا دوسروں کی یادداشت سے فائدہ اٹھا کر یا پرانی دستاویز کی مدد سے واقعات کا وہ کوسٹور جو ماضی ہو چکا ہے اس کو نہ صرف ہم اپنے ذہن میں دیکھ سکتے ہیں بلکہ ان کا تجزیہ بھی کرتے رہتے ہیں۔ جہاں تک حال کا تعلق ہے اس کے دیکھنے کے لئے تو ہمیں کوئی خاص محنت بھی نہیں کرنا پڑتی۔ اس لئے سوچنے کی بات ہے کہ اگر ہم وقت کے ایک طرف جا سکتے ہیں تو دوسری طرف کیوں نہیں؟ اگر ہم ماضی کو پڑھ سکتے ہیں تو مستقبل کو کیوں نہیں؟

مستقبل بینی کے لئے کوششوں کو اگر دیکھا جائے تو اس میں سب ہی مذاہب والے لوگ شامل نظر آتے ہیں، مسلمان، ہندو، عیسائی، یہودی، حتیٰ کہ مذہب سے بالکل نا آشنا اور کافر بھی اس میدان میں کامیابی کا دعویٰ کرتے ہیں اور ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ کامیابی کا دعویٰ کرنے والے لوگ مختلف نسلوں اور خطوں کے ہیں۔ ان میں روس کے دہریے، امریکہ کے لبرل، ہندوستان کے مشرک، چین کے فلاسفر، یورپ کے عیسائی اور مسلمان ممالک کے صوفی بزرگ بھی شامل ہیں۔ اس سے یہ بات عیاں ہے کہ مستقبل بینی کا تعلق انسان کی نیکی بدی یا مذہب سے نہیں بلکہ یہ ایک انسانی صلاحیت ہے۔ جس کو محنت اور ریاضت کے ذریعہ ترقی دی جا سکتی ہے۔ اس کی ایک واضح مثال ابن صیاد کی ہے، یہ شخص رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں یہودی گھرانہ میں پیدا ہوا اور لڑکپن ہی میں اس کی غیب دانی اس قدر مشہور تھی کہ فخر موجودات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی نوٹس لیا۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر چہ غیب کا صحیح علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے لیکن اس نے انسان کو یہ صلاحیت بھی دی ہے کہ کسی حد تک اپنے نفس کو آزاد کرنے کی مشقیں کر کے وہ مستقبل کے واقعات کا مشاہدہ کر سکے۔ بعض اوقات شیطانی قوتیں، جنات وغیرہ کچھ لوگوں کو اپنا معمول (Medium) بنا لیتے ہیں اور اسے غیب کی خبریں بتاتے ہیں۔ بہر حال مستقبل بینی کا انحصار روح کی وقت کی مستقبل والی سمت کی طرف پھیلاؤ کی صلاحیت (Extention of Soul) پر ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے نفس کو اپنی مرضی کے مطابق وقت کی کسی خاص جہت (Dimension) میں آگے بڑھا لے تو روحانی طور پر پہنچ کر وہاں کے حالات دیکھ سکتا ہے۔ لیکن غیب دانی، دلوں کے رازوں تک پہنچ جانا اور کشف وغیرہ اللہ تعالیٰ کے قرب یا ولائت کی نشانی نہیں بلکہ انسان کی ذاتی صلاحیت ہے۔ جس طرح ہم دیگر انسانی صلاحیتوں کو بڑھانے یا گھٹانے پر کسی حد تک قادر ہیں اس صلاحیت کو بھی محنت اور توجہ سے اجاگر کر سکتے ہیں۔

باب نمبر 11

خیال کی قوت
اور
سی آئی اے کا حیرت انگیز روحانی جاسوسی نظام

("Psychic Warrior" by Major Moore House USA)
(C.I.A'S PARANORMAL ESPIONAGE DEPARTMENT)

11.0 تعارف

ٹیلی پیتھی یعنی خیال کی قوت سے دوسروں کے اذہان کو متاثر کرنا اور پیغام رسانی ایک ماورائی بات ہے۔ ہپنا ٹزم بھی خیال کی قوت کا ہی کھیل ہے۔ کمیونسٹ روس کے زمانہ میں وہاں سائبیریا اور ماسکو کے درمیان پیغام رسانی کے لئے باقاعدہ ٹیلی پیتھی سٹیشن بنائے گئے تھے اور بڑے کامیاب تجربات کیے گئے۔ یورپ اور امریکہ میں بھی بیشمار سائنسی تجربات سے ثابت ہوا ہے کہ کچھ لوگ قدرتی طور پر اس میں اعلیٰ دسترس رکھتے ہیں یعنی یہ ایک انسانی صلاحیت ہے جو مختلف لوگوں میں مختلف درجہ میں موجود ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ امریکہ اور روس میں انسانی شخصیت (نفس Self) کو جاگتے ہوئے جسم سے آزاد کرنے کے بھی کئی تجربات ہوئے ہیں جن کی مدد سے پیغام رسانی، دوسروں پر دسترس حاصل کرنا، اذہان کو کنٹرول کرنا اور روحوں کے ذریعہ چوری ڈھونڈنا، گم شدہ اشیاء کی تلاش وغیرہ جیسے غیر معمولی کام شامل ہیں۔ 1970ء تک تو یہ سب پیرا سائیکالوجسٹوں اور روحانی دنیا میں دلچسپی رکھنے والے حضرات کے کھیل تھے لیکن ان انسانی صلاحیتوں کو دشمن کے سراغرسانی، اذہان کو قابو کرنے اور جاسوسی کے لئے جب سے CIA نے استعمال کرنا شروع کیا ہے یہ ایک سنجیدہ علم بن گیا ہے۔ جس سے سائیکی جنگ لڑی جاتی ہے۔ 1996ء تک اس سلسلہ میں دنیا کی سب سے بڑی سپائی ایجنسی (Spy Agency) میں کیا ہو رہا ہے شاید ہی کسی کو علم تھا۔ شاید یہ کبھی بھی پتا نہ چلتا اگر CIA کا ہی ایک سابقہ آفیسر میجر ڈیوڈ مور ہاؤس (David Moore House) اس راز کو ظاہر نہ کر دیتا۔ ذیل کا مضمون اس کی کتاب "Psychic Warrior" کا اختصار ہے۔

میجر مور ہاؤس کی کتاب سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں۔ اول یہ کہ امریکی حکومت جو سائنسی ترقی میں بھی سپر پاور ہے وہ غیبی وجود مثلاً ارواح (Spirits)، جن (Jinn)، بھوت پریت وغیرہ کو نہ صرف سرکاری طور پر تسلیم کرتی ہے بلکہ ان طاقتوں کی مدد سے نہایت رازدارانہ (Top Secret) سراغرسانی کا کام لینے کیلئے تحقیق بھی کر رہی ہے۔ کتاب کا مصنف ڈیوڈ مور ہاؤس اپنی کتاب کے سرورق یہ دعویٰ کرتا ہے کہ ماورائی

طاقتوں کےذریعے C.I.A. کی سراغرسانی کی یہ سچی کہانی ہے (A True Story of the C.I.A's Paranormal Espionage) مصنف جوسی آئی اے میں عرصہ تک ایک آفیسر کےطور پر خدمات سرانجام دیتا رہا ہے اپنی کتاب میں اپنے بارے جو کچھ بتاتا ہے اس کا اختصار مندرجہ ذیل ہے۔

"ڈیوڈ مورہاؤس (David More House) 16 اپریل 1979ء کو U.S. آرمی کی انفنٹری کور میں کمیشن افسر ہوا اور 16 سال کی سروس کے بعد 1995ء کو وہ فوج سے میجر کے رینک میں ریٹائرڈ کردیا گیا۔ اس کا باپ بھی ایک فوجی تھا اور اس کا اپنا کیریئر بھی بہت زیادہ درخشاں تھا۔ جب اسے کمیشن ملا تو فوجی کیڈٹ کی حیثیت سے وہ بےشمار اعلیٰ سے اعلیٰ اعزازات لے چکا تھا۔ فوج میں اپنی دلیری، ذہانت اور محنت کی وجہ سے اسے بہت اچھی ذمہ داریاں ملتی رہیں۔ اگست 1986ء کو اسے اردن میں اردنی فوج کی تربیت کے لئے 260 پلاٹون کمانڈ کے ساتھ بھیج دیا گیا جہاں اس کی زندگی کی کایا پلٹ گئی۔

1987ء کی بات ہے کہ وہ اردن کی پہاڑی وادی جسے "وادی موسیٰ" کہا جاتا ہے، میں موسم بہار میں جنگی مشقیں کرا رہے تھے۔ یہ وہی جگہ ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے لئے اللہ تعالیٰ نے معجزانہ طور پر پانی کے بارہ چشمے جاری کردیئے تھے۔ یادگار کےطور پر وہاں آج بھی ایک چھوٹی سی مسجد ہے جسے مسجد موسیٰ علیہ السلام کہا جاتا ہے اور ایک چشمہ ابھی تک بہتا ہے۔ اچانک ایسا ہوا کہ کسی طرف سے ایک گولی آئی جو میجر مورہاؤس کے ہیلمٹ میں پھنس کر رہ گئی ورنہ سر کے آرپار ہوجاتی، بعد میں وہاں سے اس کا سر کافی زیادہ سوج گیا جس سے ظاہر ہے کہ چوٹ کے اثرات دماغ کے اندر تک گئے ہوں گے۔ فوری طور پر میجر اپنی جگہ کھڑا ہوا لیکن پھر بےہوش ہوگیا۔ بےہوشی کے عالم میں اس نے دیکھا کہ فضا دھند آلود ہے اور اس کے سامنے کھلے عربی لباس میں ملبوس کوئی آٹھ دس لوگ ہیں۔ ان میں سے ایک نے آگے بڑھ کر کہا کہ "تم ٹھیک ہوجاؤ، ظلم بند کرواؤ اور امن کے لئے کام کرو، امن (Peace) کے متعلق لوگوں کو سکھاؤ"۔ یہ پیغام دینے والے نے اسے بتایا کہ "وہ اس کا محافظ فرشتہ ہے اور یہ بھی کہا کہ وہ اس کا خیال رکھے گا"۔ اس کے ساتھ ہی دھند دور ہوگئی اور وہ ہوش میں آگیا۔

اس واقعہ کو اس نے خواب یا وہم تصور کیا لیکن تھوڑے ہی دنوں کے بعد اسے دوبارہ وہی فرشتہ ملا لیکن اب ہوش وحواس کی حالت میں اس نے دوبارہ اسے وہی پیغام دیا۔ اب کے میجر مورہاؤس کو کسی طرح کا شک نہیں تھا کہ یہ وہم نہیں بلکہ ایک حقیقت ہے لیکن کیوں اور کیسے؟ یہ بات اس کی سمجھ سے باہر تھی۔ اردنی کمانڈر آفیسر نے انہیں پہلے دن ہی بتایا تھا کہ اس وادی میں جنات اور ارواح رہتے ہیں لیکن امریکی فوجیوں نے اس بات کو مذاق میں اڑا دیا تھا۔ بہرحال اپنے محافظ فرشتے سے ملاقات اور بات چیت نے میجر مورہاؤس پر گہرا اثر چھوڑا لیکن اس ڈر سے کہ فوج میں ایسی باتیں کرنے والوں کو اچھا نہیں سمجھا جاتا اس نے اس واقعہ کا کسی سے ذکر تک بھی نہ کیا لیکن اس کے بعد اس کے ذہن پر اکثر عجیب عجیب تصورآتے رہتے۔ اسے سچے خواب نظر آتے اور اسے یوں محسوس ہوتا جیسے وہ وقت کے آگے دیکھ سکتا ہے، وہ اپنی اس کیفیت کے بارے میں لکھتا ہے کہ:۔

"It was an odd feelings, humming mind, eyes open all the time, I began referring to it as the television in my head". (Page 42)

11.1 CIA کا روحانی جاسوسی محکمہ

جولائی 1987ء کو اردن کا مشن مکمل ہونے پر وطن واپسی ہوئی لیکن روحانی شخصیت سے ملاقات کا سلسلہ بند نہ ہوا، بلکہ پریشانی بڑھتی گئی۔ اس کا خیال تھا کہ کسی سائیکالوجسٹ کے پاس جاؤں لیکن اس خوف سے کہ کہیں فوج میں کیرئیر پر برا اثر پڑے وہ ایسا نہ کرسکا۔ واپسی پر اس کی تعیناتی فوج کے محکمہ سراغرسانی میں ہوگئی۔ وہاں اس کی ملاقات ایک سائیکالوجسٹ سے ہوئی جو کہ پیرا سائیکالوجی میں پی ایچ۔ڈی تھا۔ مورہاؤس نے اپنے کچھ مشاہدات کا اس سے ذکر کیا تو اس نے کہا یہ کوئی بیماری نہیں بلکہ قدرت کی طرف سے ایک تحفہ ہے جو بڑے کام کی چیز ہے۔ اس کی حوصلہ افزائی سے متاثر ہوکر مورہاؤس نے اسے کچھ مزید واقعات بھی بتائے۔ اس پر اس سائیکالوجسٹ نے اسے پڑھنے کے لئے کچھ ٹاپ سیکریٹ فولڈر دیے جن میں ان لوگوں کے واقعات تھے جو زمان ومکان کی حدود کو پار کرسکتے تھے، جنھیں "دور بین نگاہ رس" (Remote Viewers) کا نام دیا گیا تھا۔ ڈاکٹر مذکور نے مورہاؤس کو بتایا کہ در حقیقت تمہارا یہ قدرتی تحفہ بھی اسی جانب ایک قدم ہے اور سختی سے ہدایت کی کہ کسی کو کچھ پتا نہیں چلنا چاہیے۔ ان فولڈر میں ایک واقعہ امریکی اغوا کنندہ (Hostages) کو ڈھونڈنے کے متعلق تھا۔ واقعہ کی تاریخ جولائی 1978ء تھی۔ لوگوں کے ناموں کی بجائے ان کے نمبر تھے۔ اس واقعہ میں ایک دور بین نگاہ رس (Remote Viewer) (وہ عامل جو بیٹھے بیٹھے اپنے روحانی سفر کے ذریعہ غائب کی چیزوں کو ڈھونڈ لیتا ہے) کی روح اس کے جسم کو چھوڑ کر امریکی اغواء شدہ آدمی کو ڈھونڈنے کے لئے ماضی میں چلی جاتی ہے۔ وہ اس گھر تک پہنچ جاتی ہے جہاں اس کے اغواء کرنے والے بیٹھے ہیں، وہ ان کی باتیں سنتا ہے جن سے پتہ چلتا ہے کہ وہ مغوی کو قتل نہیں بلکہ سودے بازی کرنا چاہتے ہیں۔

دوسرا واقعہ بھی کم حیرت انگیز نہیں تھا، اس میں ایک اور دور بین نگاہ رس (Remote Viewer) کا ذکر تھا کہ وہ کیسے روحانی طور پر شہر در شہر، ملک در ملک کسی کی تلاش میں پھر رہا تھا جسے آخر کار اس نے ڈھونڈ ہی نکالا۔ ان واقعات کو پڑھنے کے بعد مورہاؤس لکھتا ہے کہ "مجھے پتا چلا کہ میری حالت کسی بیماری کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ قدرت کی طرف سے مجھے ایک نئی طاقت عطا ہورہی تھی"۔ کچھ دنوں کے بعد میری تعیناتی کے احکام دوسری جگہ کے لئے آگئے، یہ ایک انتہائی سیکرٹ محکمہ تھا، جس کا نام اور پتا میں نے کبھی بھی نہیں سنا تھا، وہاں مجھے ڈاکٹر بارٹر (Dr. Barter) اپنے ساتھ لے کر گیا اور وہاں کے منیجر مسٹر لیوی (Mr. Levy) سے میری ملاقات کروائی۔ وہاں مجھے معلوم ہوا کہ لیوی میرے متعلق پہلے ہی سے بہت کچھ جانتا تھا، اس نے مجھے مبارک دی کہ یہاں ہزاروں میں سے کسی ایک خوش قسمت کی ہی سلیکشن ہوتی ہے۔

اب مجھے پتا چلا کہ یہ CIA کا نہایت ہی خاص محکمہ ہے، جہاں پر روحانی طاقتوں کے ذریعہ دشمن ممالک کی سراغرسانی کی جاتی ہے۔ یہاں پر داخل ہونے والوں کو زمان ومکان، ماضی اور مستقبل میں جانے کی ٹریننگ دی جاتی ہے، لیکن تربیت پانے کے لئے پہلے سے موجود قدرتی صلاحیت/استعداد کا ہونا ضروری ہے۔ کچھ لوگ غیر مرئی قوتوں کے ساتھ پیدا ہوتے ہیں اور کچھ لوگوں کو بعد میں قدرت عطا کرتی ہے لیکن ہر صورت میں یہ قدرت کی عطا ہے۔ اس محکمہ کا کوڈ نام (Code Name) سن سٹریک/سٹار گیٹ (Sun Streak/Star Gate) تھا۔ اسے جو موقع

ملا تھا اس سے مور ہاؤس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ لکھتا ہے کہ:۔

"Think of it: I can be trained to traverse time and space, to see and experience anything and everything". (Page 77)"I will travel to other worlds, see things that happened long ago and learn to see things that have not even happened yet". (Page 88)

مور ہاؤس کو وہاں روحانی سراغرسانی کی ٹریننگ ملنا شروع ہوگئی۔ باقاعدہ لیکچر ہوتے۔ ٹریننگ سکول، اعلیٰ تکنیکی مشینوں اور آلات سے بھرا پڑا تھا۔ ٹریننگ کے آغاز پر وہاں کے چیف انسٹرکٹر مسٹر لیوی نے اسے بتایا کہ یہ ٹریننگ تمہاری زندگی بدل کر رکھ دے گی۔

"This training will change you for the rest of your life. Neither you nor your family will be the same". (Page 87)

اس ٹریننگ میں اسے وقت کے دھارے پر ماضی، حال اور مستقبل میں جانے کے متعلق بتایا گیا، مثلاً اس کی تفصیل میں وہ لکھتا ہے کہ:۔

"In this lecture Mil handed out the historical evidence of time travel and out of body travel from ancient Egyptians heriographics to scriptures. Man, Mill argued, is more than his physical self". (Page 94)

11.2 روحانی جاسوسی کے لئے لیبارٹریاں

شروع شروع میں اسے مطالعہ کے لئے کچھ کاغذات دیے جن کے بعد اس کی باقاعدہ تربیت شروع ہوا تھی، اس دوران کئی طرح کے ٹیسٹ بھی ہوتے رہے، چند ہفتوں بعد اس کی باقاعدہ ٹریننگ کا آغاز ہوا، ٹریننگ سے پہلے مسٹر لیوی نے اسے لیبارٹری کا لگوایا۔ ان کی تفصیل سے معلوم ہوا کہ CIA نے روحوں کے ذریعہ جاسوسی کو ایک باقاعدہ سائنس بنا دیا ہے۔ یہ تربیت گاہیں، پیروں، فقیروں، جوگیوں کے ڈیرے نہیں بلکہ سائنسی آلات سے مزین جدید لیبارٹریاں ہیں، ان میں سے چند ایک کے متعلق موٹے موٹے نکات مور ہاؤس سے خود سنیے۔

"He (Mr. Riley, the Senior Instructor) said, Let me introduce you to world beyond. This is the monitoring room. This is where they monitor your body signs, respiration's pulse, temperature. This is your life line back to reality. If you ever get into trouble there in the Ether, they will know it in here, and they will break the session to get you back home. The joystick let the monitors control the cameras in the viewing rooms. They can zoom in you to see what you're writing, or you are doing on RV (Remote Viewing) and ERV (Extended Remote Viewing)". ایک دوسرے آلہ کے متعلق بتایا گیا:۔

"On this little gimmick here we will monitor your brain waves during your first months of training. When we are certain that you can achieve the desired frequency in the appropriate amount of time, you don't have to wear the electrodes anymore".

ایک اور کمرے کے بارے سے بتایا گیا:۔

"This is ERV room number-I and the other is number-II. This is ERV chair you sit in it like this." Riley jumped into the seat and began pulling wires and belts on position. "These are light and volume controls, here where on this console, you wear these headphones".

مورباؤس کے لئے حیران کن بات یہ تھی کہ لیبارٹری میں ہر چیز خاکی رنگ (Gray) کی تھی۔ پردے دیواریں، فرش، مشینیں اور آلات کرسیاں، میز غرض ہر چیز بلکہ خاکی رنگ کی تھی۔ ایسا کیوں ہے؟ اس سوال پر اسے بتایا گیا کہ:

I asked why everything is gray? "To avoid mental noise, we correct information in the signal in transfer. It is kind of TV interference, the something happens in your head, if there is a lot of color, light or noise in the room where the viewer is working, the chances are high that it will interfere with the session. By eliminating all that mental noise, we can keep the chances of 'pure' session fairly high". لیبارٹری کے اگلے کمرہ میں اسے بتایا گیا کہ:۔

"This is dowsing room. It is where you will be trained to find a moving target on the map". "This is CRV (Coordinate Remote Viewing) room. It is bigger than the ERV room, with a narrow table, eight feet long in the middle. A row of track lights was centered over table and a control panel sat next to the place viewer worked from. Everything was gray, just like the others. This CRV chair had all the hookups the other ones did, plus it adjusts to whatever height you want to be comfortable".

لیبارٹری کے ٹور کے اختتام پر چیف انسٹرکٹر مسٹر لیوی نے اسے بتایا کہ زمان ومکان کو فتح کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ انہوں نے کہا کہ:

"When you are training to conquer time and space you will be troubled by dreams, hallucinations because there are parallel worlds that touch and intersect with us constantly and there is world of deceivers. You are dealing with them all ---------- you have long way to go". (Page 91-95)

11.3 دشمن روحانی قوتوں سے مزاحمت

"لیوی نے بتایا کہ زمان ومکان کے سفر کی ترتیب کے دوران کئی طرح کی روحانی رکاوٹیں پیش آئیں گی۔ دوسری غیبی مخلوقات مثلاً جن اور ارواح وغیرہ آڑے آئیں گے۔ اس نے خاص طور پر بتایا کہ وہاں کئی دھوکے باز ہیں وہ غلط راستوں پر پہنچانے کی کوشش کریں گے، ان سے خاص طور پر بچنا ہے"۔ (یہ ایسی بات ہے جیسے ہمارے ہاں بھی مشہور ہے کہ چلہ کشی کرنے والوں کو شروع میں غیر مرئی قوتیں جنات وغیرہ آ کر بہت ڈراتے ہیں لیکن جب طالب علم اپنی شخصیت کی طاقت کے زور پر نہ گھبرائے تو بالآخر یہ قوتیں اس کی مطیع ہو جاتی ہیں)۔

11.4 روحانی ٹریننگ کا طریقہ

آگے جا کر موررہاؤس لکھتا ہے کہ لیبارٹریوں کے اس معلوماتی ٹور کے بعد کلاس روم دکھائے گئے۔ اگلے دو ماہ لیکچر سنتے گزر گئے، باقاعدہ امتحان ہوتے، نمبر اور گریڈنگ بھی ہوتی رہی۔ تین ماہ کی تھیوری کی تعلیم کے بعد پریکٹیکل ٹریننگ کا آغاز ہوا۔ یہ ٹریننگ ماسٹر ٹریز (Master Trainer) کی نگرانی میں ہوئی۔ اگر ٹریننگ ماسٹر ٹریز کے بغیر ہو تو جان جانے کا بھی خطرہ ہوتا ہے۔ ٹریننگ کے سیشن (Session) کے دوران طالب علم کا بلڈ پریشر، دل کی دھڑکن، درجہ حرارت، دماغ سے نکلنے والی شعاعیں، سانس کی رفتار اور جسم کے دیگر کئی اعضاء کی حالت کو مانیٹر کیا جاتا ہے۔ ٹریننگ انتہائی مشقت خیز ہوتی ہے۔ ٹریننگ کے سیشن کے دوران انسان کا نفس Spirit اس کے جسم کو چھوڑ کر زمان و مکان میں دیے گئے اہداف (Targets) کی طرف چلا جاتا ہے۔ اس دوران نفس کا جسم کے ساتھ تعلق بس ایک کمزوری غیر مرئی تار سے ہوتا ہے اگر یہ تار ٹوٹ گئی تو پھر بندہ واپس نہیں آسکتا'۔

ٹریننگ کی تفصیلات میں جاتے ہوئے موررہاؤس لکھتا ہے کہ "نفس پر جو کچھ گذرتا ہے جسم اس کو محسوس کرتا ہے مثلاً نفس آگ کے نزدیک جاتا ہے تو گرمی محسوس کرتا ہے، اگر ٹھنڈی جگہ جائے تو جسم کو ٹھنڈ لگے گی، اگر خلا میں جائے گا تو اس کا دم گھٹنے لگے گا، نفس کی تھکاوٹ سے جسم بھی تھکتا ہے۔ چنانچہ ہر ایک تربیتی پروگرام انتہائی تھکا دینے والا ہوتا تھا اور اس کے بعد گھنٹوں آرام ضروری ہو جاتا تھا"۔

اپنی ٹریننگ کے بارے میں وہ بتاتا ہے کہ یہ ٹریننگ تقریباً 6 ماہ جاری رہی، ہر ایک سیشن ماضی کے کسی نہ کسی حقیقی واقعہ پر مشتمل تھا۔ مثلاً ایک واقعہ اس کی اپنی درخواست پر ہوا۔ اس کا ایک دوست ہوا باز جو آٹھ سال پہلے اپنے ہوائی جہاز کے حادثہ میں بحرالکاہل کے کسی جزیرہ میں گم ہوگیا تھا۔ موررہاؤس اس حادثہ کو ہوتے دیکھنے کے لئے ماضی کے سفر پر نکلا۔ اپنے اس تربیتی سفر میں وہ اس علاقہ کے جزیروں کو ایک ایک کرکے دیکھتا رہا، اکثر علاقے گھیرے جنگلات اور پہاڑوں کے سلسلہ والے تھے۔ آخر کار ایک جگہ اس نے اپنے دوست کو پا لیا اور ملاقات پر حادثہ کی تفصیلات پوچھیں۔ ہوا باز نے بتایا کہ "ہمارا جہاز بہت نیچا اڑ رہا تھا، پہاڑی چوٹی سے ٹکرایا اور ملبہ جنگل میں گرا، ہم آٹھوں کے آٹھوں ساتھی مر گئے تھے، میں مرنے والوں میں سے آخری تھا۔ اس نے بتایا کہ مرنے کے بعد میں بہت دفعہ تمہارے خوابوں میں آتا رہا ہوں، کئی دفعہ گھر بھی جاتا رہا ہوں۔ اس نے میرا اور میری بیوی کا شکریہ ادا کیا کہ ہم اس کے بچوں کا اب تک خیال رکھتے آئے ہیں، پھر اس نے اپنی بیوی کے نام پیغام دیا کہ وہ جس شخص کے ساتھ مل رہی ہے اس سے شادی کر لے"۔

زمان و مکان میں سفر کی تفصیلات میں جاتے ہوئے موررہاؤس معلومات اخذ کرنے کے طریقہ کے متعلق لکھتا ہے کہ "میں جو کچھ مشاہدہ کر رہا تھا میں وہ ساتھ ساتھ لکھتا جا رہا تھا اور ہاتھ سے سکیچ بھی کرتا جاتا تھا۔ ٹریننگ سیشن کے بعد جب میں نے اپنے منیجر لیوی کو وہ کاغذات دکھائے تو وہ اپنے آفس سے ایک فائل لے آیا اور مجھے دکھائی، میں حیران تھا کہ وہاں پر اس نے جو تصویر بنائی ہوئی تھی اور واقعہ کی جو تفصیل لکھی تھی وہ تقریباً وہی تھی جو میں دیکھ کر آیا تھا۔ لیوی نے بتایا کہ دراصل ہم نے اس حادثہ کی چھان بین کی تھی۔ جزیرہ پر رہنے والے لوگ جہاز کا ملبہ بھی اٹھا کر

لے گئے تھے اور لاشیں بھی، جن کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے تھے۔ حکومت نے ہماری اطلاع پر وہاں زمینی ریسرچ کے لئے ٹیم بھیجی جس نے ہماری اطلاعات کی تصدیق کی"۔(صفحہ 11-13)

11.5 روحانی جاسوسی کے عملی منصوبے

مور ہاؤس لکھتا ہے کہ کامیاب ٹریننگ کے بعد اسے دوربین نظارے (Extended Remote Viewing) کا انچارج بنایا گیا۔ اس جاب کے دوران انہوں نے اور ان کے ساتھیوں نے بڑے بڑے جاسوسی کام انجام دیئے۔ جن کی تفصیلات وہ اپنی کتاب میں دیتا ہے۔ انہی میں پین ایم فلائٹ نمبر 103 کے مشہور حادثہ کی تفتیش بھی تھی۔ سوال یہ تھا کہ حادثہ کسی دہشت گردی کا نتیجہ ہے یا کوئی اور وجہ؟ زمینی تفتیش کے ساتھ ساتھ یہ کام سٹریک (Streak) کو بھی دیا گیا، انہوں نے بھی دیکھا کہ یہ حادثہ دہشت گردی تھی جس کو ایک ایرانی فدائی خاتون نے سرانجام دیا۔ یہ خاتون جسم کے ساتھ بم باندھ کر جہاز میں داخل ہوئی۔ اس کے پاس دھماکے کو آگ دکھانے کے لئے ریموٹ بم بھی تھا، اس کے علاوہ چاکلیٹ بار کی شکل میں اس کے ہاتھ میں دھماکہ خیز مادہ تھا۔ مور ہاؤس روحانی طور پر اس جگہ بھی پہنچا جس جگہ یہ منصوبہ طے پایا تھا۔ اس گھر کے ان افراد کو بھی دیکھا جنہوں نے اس منصوبے کی تفصیلات طے کی تھیں۔(صفحہ 155-156)

اسی طرح کوریا کے جہاز کے حادثہ کی تفصیلات دیکھنے پر ان کی ڈیوٹی لگی جو روس نے میزائل مار کر گرایا تھا۔ چونکہ یہ مسئلہ سیاسی لحاظ سے بھی بڑا حساس تھا اس لیے مسٹر لیوی اور مور ہاؤس نے علیحدہ علیحدہ تفتیش کی۔ مور ہاؤس بتاتے ہیں کہ وہ روحانی طور پر جہاز کے اندر پہنچ گئے۔ پائلٹ کو دیکھا وہ اپنے روٹ کے باہر جہاز کو چلا رہا تھا اور پائلٹ غیر دلچسپی سے بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے جہاز کے ارد گرد چکر لگا کر دیکھا تو اسے وہاں ایک غیر معمولی آلہ نظر آیا جس کے متعلق اس کا خیال ہے کہ یہ سپیشل ٹائپ کا کیمرہ تھا جو راڈری شعاؤں سے کام کرتا ہے۔ اس کا استعمال نیچے زمین پر راڈار سٹیشن کی تصویریں کھینچنا تھا۔ پرواز کے دوران جہاز روسی علاقوں میں چلا گیا جسے انہوں نے میزائل کے نشانہ سے نیچے گرا دیا۔ اس دریافت سے مور ہاؤس لکھتا ہے کہ اسے بڑی ذہنی تکلیف ہوئی کہ حکومت امریکہ کا موقف اس سے بالکل الٹ تھا اور الزام روس پر لگایا گیا تھا کہ اس نے زیادتی کر کے 350 بے گناہ لوگوں کو مار دیا ہے جب کہ اصل بات اور نقل کراتے بے گناہ لوگوں کی جان لینے والے وہ خود تھے جنہوں نے سویلین جہاز کے پائلٹ کو جاسوسی کرنے کے لئے مقررہ شدہ روٹ سے باہر اڑنے کے لئے کہا اور جہاز میں جاسوسی آلات بھی خود ہی نصب کیے تھے۔

وہ لکھتا ہے کہ اس کے کارناموں میں ایک نہایت اہم کام روحانی دوربینی کا ڈرگ مافیا کو پکڑنے کے لئے استعمال تھا۔ انہیں امریکہ پہنچنے والے ڈرگ کیریئرز (Drug Carriers) اور ان کشتیوں کو پکڑنے کا کام دیا گیا جن پر ڈرگ لائی جاتی ہیں۔ یہ کام عراق کویت جنگ سے چند مہینے پہلے ہی شروع ہوا تھا اور بڑی کامیابی ہوئی۔ ڈرگ مافیا کو پکڑنے والے CIA کے محکمہ نے سٹریک سن (Streak Son) کو تعریفی خطوط لکھے۔ جنگ کے دوران میں کچھ عرصہ تک یہ کام رک گیا لیکن بعد میں جب دوبارہ شروع ہوا تو ہمارے روحانی جاسوسوں نے بڑی اعلیٰ کارکردگی

دکھائی۔(صفحہ 154-155)

مورہاؤس لکھتا ہے کہ یہ بات بھی بڑی دلچسپی کی حامل ہے کہ زمینی سراغرسانی کے علاوہ CIA اور ناسا NASA مل کر روحانی سراغرسانی کوخلائی تحقیق کے لئے بھی استعمال کرتے آرہے ہیں۔مندرجہ ذیل دوواقعات ان کی مختصر روئداد ہیں۔

ان میں سے ایک سفر میں وہ مریخ (Mars) پر اپنے روحانی جسم کے ساتھ چلے گئے اور وہاں کے ماحول، پہاڑوں اور وادیوں کے متعلق ایسی مفید معلومات لائے جو ناسا (NASA) کی لائی گئی معلومات کے مطابق تھیں۔اس میں اصل فرق ذرائع کا تھا کہ یہاں ایک آدمی اپنے چشم دید حالات کو بیان کرتا تھا اور ناسا (NASA) والے یہی کام اپنی مشینوں سے کرتے تھے۔اس کے علاوہ ناسا کے سٹیلائٹ وہاں مہینوں بعد پہنچتے ہیں جب کہ روحانی طور پر آدمی منٹ میں پہنچ کر وہاں سے واپس بھی آگیا۔(صفحہ 136-137)

دوسرا سفر خلا میں خلائی مخلوق کی تلاش تھا۔اس کی تلاش میں ایک سفر میں وہ شمسی نظام سے بھی بہت دور ایک اور نظام میں پہنچ گئے۔لکھتا ہے کہ وہ سیارہ ہماری زمین ہی کی طرح تھا اور وہاں ہماری ہی طرح کے لوگ نظر آئے۔وہ جس مجلس میں پہنچا وہ کسی بادشاہ یا کسی دینی رہنما کا دربار معلوم ہوتا تھا،لیڈر قد کاٹھ میں بھی دوسرے لوگوں سے کافی زیادہ بڑا تھا۔اس کے اردگرد ادب سے کئی لوگ خاموش بیٹھے تھے،سب کا لباس پرانے مصری بادشاہوں کا سا تھا۔(صفحہ 143-144)

11.6 خطرات اور بغاوت

مورہاؤس کے لئے یہ روحانی دوربینی کا کام اتنی دلچسپی والا تھا کہ اس کے پاس اب اپنے بیوی بچوں کے لئے بھی وقت نہیں تھا۔وہ اس کی عجیب وغریب طاقتوں سے خوف کھاتے تھے اور اسے کسی دوسری ہی دنیا کا باشندہ سمجھتے تھے۔اس کے علاوہ اس کی زندگی اب غیر محفوظ بھی ہو گئی تھی۔جس طرح مادی دنیا میں دوست دشمن ہیں اسی طرح روحانی دنیا میں بھی دوست دشمن ہیں۔اس کے علاوہ اس کام میں CIA اکیلی ہی نہیں بلکہ ان کے علاوہ کچھ دوسرے محکمے،غیر ممالک اور پرائیویٹ گروہ بھی روحانی سراغرسانی کا کام کرتے ہیں اور وہ ایک دوسرے کو نیچا دکھانا چاہتے ہیں۔اس کے علاوہ غیر مرئی مخلوقات فرشتے، جنات وغیرہ بھی مورہاؤس کا پیچھا نہیں چھوڑتے تھے۔غرض دشمن روحانی قوتیں اسے ہر وقت گزند پہنچانے کے لئے تیار تھیں۔کئی دفعہ تو ایسا ہوا کہ وہ گھر آیا اور رات کو اس پر اس کے روحانی دشمن حملہ آور ہو گئے۔صبح بیوی بچے اسے بے ہوش دیکھ کر بڑے پریشان ہوئے،اسی طرح کے واقعات کے نتیجہ میں اس کے اپنے بیوی بچوں کے ساتھ تعلقات کشیدہ سے کشیدہ تر رہنے لگے جن کا انجام بالآخر علیحدگی تھا جس کا اسے بہت افسوس تھا۔

آگے وہ لکھتا ہے کہ انہی پریشانی کے دنوں میں کویت عراق جنگ میں امریکہ نے اپنے تین لاکھ فوجی بھیجے۔جنگ کے فوری بعد ان کے یونٹ کو کام دیا گیا کہ وہ سارے عراق میں روحانی طور پر گھوم کر دیکھیں کہ وہاں ملٹری کے لحاظ سے کوئی غیر معمولی چیز تو نہیں۔چنانچہ اس کے لئے

مورہاؤس اوران کے ایک اور ساتھی روحانی دوربین نگاہ رس کو علیحدہ علیحدہ مشن دیا گیا۔ مورہاؤس بتاتے ہیں کہ ان کا نفس جب وہاں پہنچا تو ہر طرف تیل کے کنوؤں کو آگ ہی آگ لگی دیکھی۔ سارا ماحول پٹرول کے دھوئیں سے بھرا ہوا تھا۔ پھر اس نے اردگرد کی زمین پر غور سے دیکھنا شروع کیا تو کویت عراق موٹروے کے ساتھ صحرائی ریت میں اس نے جگہ جگہ سٹین لیس سٹیل کے کنستر پڑے دیکھے ان کا منہ سڑک کی جانب تھا۔ یہ کنستر ایسے ہی تھے جو کیمیکل اور حیاتیاتی بم کے مواد کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ جو کبھی امریکہ نے صدام حسین کو ایران کے خلاف جنگ کے دوران دیے تھے۔ یہ معلومات بڑی خوفناک تھیں کہ عراق نے اتحادیوں پر ایسے خطرناک ہتھیاروں کا استعمال کیا ہے اور ہماری گورنمنٹ نے اس کا نام تک بھی نہیں لیا۔ وجہ صاف ظاہر تھی کہ ایسا کرنا ان کی سیاسی مصلحتوں کے خلاف جاتا تھا۔ امریکی فوج جس نے وہاں کامیابی کے جھنڈے گاڑ دیے تھے ان کی اصلیت ظاہر ہو جاتی کہ وہ کامیاب نہیں ہوئی بلکہ اوپر سے ہزاروں ٹن بم پھینک کر آگئی ہے اور ہزاروں معصوم امریکی (اپنے ہی دیے گئے) کیمیکل اور حیاتیاتی بموں سے ہونی والی بیماریاں اپنے اجسام کے اندر لے کر واپس امریکہ آگئے ہیں اور حکومت اس بات کو راز میں رکھ رہی ہے تاکہ کوئی شخص مالی بدلہ Compensation بھی کلیم نہ کرے۔

مورہاؤس لکھتا ہے کہ اس کے نزدیک یہ امریکی عوام سے امریکی فوج کی ہائی کمان اور حکومت کا بہت بڑا فراڈ تھا جو اس کے اور میجر لیوی جو پچھلے بیس سالوں میں وہاں کام کر رہے تھے کے نزدیک ناقابل برداشت جرم تھا۔ انہیں پہلی دفعہ احساس ہوا کہ امریکی حکومت مجرم ہے اور اس جرم کے لئے وہ انہیں استعمال کر رہی ہے۔ انہوں نے پکا ارادہ کر لیا کہ وہ امریکی عوام تک یہ بات پہنچائیں گے۔ یہیں سے مورہاؤس کی بری قسمت کا آغاز ہوتا ہے۔ (صفحہ 168-173)۔ وہ لکھتا ہے کہ "CIA کو کسی صورت میں بھی یہ بات گوارا نہیں تھی کہ اس کا یہ انتہائی خفیہ راز (Top Secret) آشکارا ہو جائے وہ اس کے لئے کچھ بھی کر گذرنے کے لئے تیار تھے" اپنی کتاب میں وہ یہ بھی بتاتا ہے کہ:۔

"سب سے پہلے تو اسے روحانی سراغ رسانی کے محکمے سے نکالا گیا، اس پر سرکاری رازوں کے ظاہر کرنے کے الزام پر مقدمہ بنایا گیا اور اسے بغاوت (Treason) کے جرم میں کورٹ مارشل کرانے کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ اس غم کی گھڑی میں اس کی بیوی اور اس کے بوڑھے ماں باپ اس کے کام آئے۔ انہوں نے ملٹری سے جان چھڑانے کے لئے اسے ایک سویلین ہسپتال میں داخل کرا دیا لیکن جلد ہی CIA اسے وہاں سے دور کسی ملٹری ہسپتال میں لے گئی۔ ان حالات میں اسے انتہائی مایوسی اس بات کی تھی کہ ملٹری اس کی پندرہ سالہ خدمات کو بھول کر اسے ایک مجرم بنا رہی ہے اور اس کے باپ کی 40 سالہ خدمات کو بھی بھول گئی ہے جو خود ایک فوجی افسر تھے۔ اس کی بیوی بچوں نے جو ملٹری کی خاطر مشکلات اٹھائی تھیں کیا ان سب کا صلہ یہی تھا؟" اب اس کو خاندان کی محبت کا صحیح اندازہ ہوا اپنی اس وقت کی ذہنی حالت کے متعلق وہ لکھتا ہے کہ:۔

"On this release from the nightmare very rebirth was inside myself. Aside from the symbolic death of my spirit, the only ingredient I required, I already had the pure home of my family. And of course, I almost found the reason for all my troubles, to get the message out that we are more than just the body. We are spirits loosely tethered to earth, and there are elements and worlds far beyond what we know here. This is more

than we have dreamed of but none of that matters if we cannot grasp the significance of this life".

"You can spend a life time tapping into Ether to explore other realms, but you have to come home sooner or later --------". "What we do here in support of others is where true happiness lies. I found that out the hard way".

11.7 روحانی قوتوں کا بھلائی کے لئے استعمال

اپنی رہائی کے بعد مور ہاؤس نے اپنے محافظ فرشتہ کی ہدایت کے مطابق یہ فیصلہ کرلیا کہ خواہ کچھ بھی ہو وہ انسان کی روحانی صلاحیتوں کو انسان کے فائدہ کے اور دنیا میں امن کے لئے استعمال کرے گا اور ان روحانی طاقتوں کے علوم کو لوگوں میں پھیلائے گا تا کہ اس سے فائدہ اٹھا کر جرائم کا خاتمہ ہو، ایڈز اور کینسر جیسی لاعلاج بیماریوں کا علاج معلوم کیا جائے، خلائی دنیاؤں کی تسخیر ہو اور مظلوموں کی مدد کی جائے اس کے علاوہ اس نے یہ فیصلہ بھی کرلیا کہ وہ CIA کے انسانیت دشمن ارادے بھی ظاہر کر کے رہے گا چنانچہ اپنی کتاب کے آخر میں وہ لکھتا ہے کہ:

"At this point of my life all I want is to tell the story of remote viewing to anyone who will listen, not because it is amazing or controversial but it carries a message for all mankind. There are other worlds out there, other dimensions, with civilizations, intelligences, love, hatred, success and feelings, every thing we experience here in our world. There are also benevolent as well as evil energies out there. Some have the express purpose of destroying or hindering our progress here, and they have spent millennia practicing their craft". (Page 240-242)

11.8 روحانی سراغرسانی اور CIA کے بارے مزید تاثرات

CIA کے بارے میں وہ اپنی کتاب کے صفحہ 249-250 پر وہ لکھتا ہے کہ:-

"When I was a young captain I learned an invisible lesson during a conversation with the Army, Deputy Chief of Army Staff of Intelligence, the highest ranking intelligence officer in the Army". He told me and other two officers present. "The CIA does nothing, says nothing, allows nothing unless own interests are severed. They are the biggest assembly of liars and thieves that country ever put under one roof and they are an abomination". Now those are his words not mine, but --------------. If what he said is true, then in serving its interests CIA presents only what it thinks the average American

Citizen needs to hear, or what it believes. Butchers will steer the public to the CIA's desired conclusions". ------------ CIA is in the business of manipulating the belief systems of entire nations ----------- within CIA also only a select few know the real story, ---------------". (Page 249-250)

CIA میں روحانی سراغرسانی کے مستقبل کے بارے میں وہ لکھتا ہے کہ گورنمنٹ اس پر پہلے سے بھی زیادہ خرچ کرتی ہے لیکن سٹریک (Streak) پراجیکٹ کے راز سے پردہ اٹھ جانے کی وجہ سے اب وہ بہت زیادہ محتاط ہو گئی ہے۔

"I believe that remote viewing for intelligence purposes remain now very fully financed, very hidden and very protected and is now very deadly. I don't think govt. intends to make the same mistake it did with the Stargate/Sun streak". ------------

جب وہ سٹریک پراجیکٹ میں کام کر رہا تھا اسے اس وقت شک تھا کہ اس کے علاوہ بھی CIA اسی طرح کے دوسرے پراجیکٹ چلا رہی تھی لیکن ایک دوسرے کو پتا نہیں چلنے دیا جاتا تھا۔

"We had always suspected that there was another program, more secret and even more powerful than ours. --------- The word on the street is that remote influence is all the rage in intelligence. I believe that the CIA is heavily involved in this insidious technique. If they could influence someone to kill from a distance of thousands of miles and remote influence has this potential, they would hold an extremely valuable weapon". (Page 251)

"Remote Viewing is not a dead issue, it has not gone away. CIA campaign at the fall of 1995 to discredit Remote Viewing was classic dis-information campaign, and most of the information circulating in this respect was also misleading". (Page 250)

11.9 انسان صرف جسم ہی نہیں

کتاب کے آخر میں وہ لکھتا ہے کہ "مجھے پوری پوری امید ہے بہت جلد روحانی دور بینی کی انسانی صلاحیتیں انسانی فلاح کے لئے استعمال ہوں گی اور انسان کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ صرف جسم نہیں بلکہ اس کی شخصیت میں جسم تو محض ایک گاڑی ہے، اس کا اصل تو اس کی روح یا نفس ہے جو ہمیشہ زندہ رہتا ہے اور وہ زمان و مکان کا پابند نہیں بلکہ وہ ان کو تسخیر کر سکتا ہے"۔ یہ اب سائنسی طور پر ثابت شدہ بات ہے اور اس کی سب سے بڑا گواہ دنیا کی سب سے بڑی ملٹری اور سائنسی طاقت USA اور اس کا سب سے خطرناک اور طاقتور محکمہ CIA ہے۔ اپنی کتاب کے صفحہ 257 پر وہ لکھتا ہے کہ:۔

"I could write volumes more on what I have seen or by countless other military trained remote viewers. It was common place for us to have spiritual experiences. We knew and

intercepted the reality of those things as easily as we did the existence of wiggles silos, or Soviet submarines or cocaine shipments hidden in the bowels of freighters". ---------------

"It proves there is much more around us than our physical senses see. The gift of remote viewing is a precious and wonderful tool". ----------------

"I can say with equal conviction, that, like thing placed in mortal hands, this gift can be transported into a carriage that will plague mankind rather than serve, protect and advance it". -------------------

"The secret is out, remote viewing exists, it works, it has been tested, proven and used in intelligence for over two decades. The recent govt. admissions (The Washington Posts, article about the CIA's involvement in Psychic Warfare, Internet story in fall 1995), concerning the use of psychic warfare are crucial irrefutable testimony that what I have said here is the truth". ------

"The government of the most powerful nation on the face of the earth has admitted that it knows humans can transcend time and space to view distant persons, places, things, and events, and information thus gathered can be brought back. I hope you comprehend the significance of that information". (Page 257) (Ref: "Psychic Warrior", by "David More House")

آپ نے CIA کے سابقہ میجر (ر) ڈیوڈ مور ہاؤس کی کہانی کے مختلف اقتباسات پڑھ لیے۔ دراصل یہ کہانی امریکہ سراغرسانی محکمہ CIA کی روحانی ذرائع کو استعمال کرتے ہوئے جاسوسی کی حیرت انگیز داستان ہے لیکن ہمارے نزدیک اس کی زیادہ اہمیت یہ ہے کہ یہ انسان کی ماورائی قوتوں، روح اور نفس پر ایک ناقابل تردید شہادت ہے۔ مغربی دنیا نے اپنی مخصوص ذہنیت کے مطابق ان کا استعمال مادی اور دنیاوی عارضی فوائد کے حصول کے لئے کرنا شروع کیا ہے جب کہ اصل بات حیات بعد الموت کی خوشیوں کے لئے کام کرنا ہے جس کا واحد حل زندگی اسلام کے مطابق زندگی گزارنا ہے۔ اس سلسلے میں مولانا رومؒ فرماتے ہیں:۔

علم را بر تن زنی مارے بود
علم را بر دل زنی یارے بود

ترجمہ: ''علم سے تن پروری کرے گا تو یہ تجھے ڈس لے گا، علم سے دل کی پرورش کرے گا تو یہ تیرا دوست بن جائے گا''۔

11.10 پس چہ باید کرد

CIA کے میجر ڈیوڈ مور ہاؤس کی اس کہانی میں ہمارے روحانی بزرگوں اور عاملوں کے لئے بھی ایک اہم سبق ہے۔ ہمارے ہاں بھی

ایسے بیشمار لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے بڑی روحانی قوتیں عطا کی ہیں لیکن وہ اس کو علم کے طور پر نہیں لیتے بلکہ اپنے لیے ایک مخصوص تحفہ سمجھتے ہیں اور پھر ان میں سے بعض اپنی یہ کراماتیں لوگوں کو اپنی ذات کا رعب ڈالنے کے لئے دکھاتے اور بتاتے ہیں۔اس لیے ماورائی دنیا کو ابھی یا جادو کی دنیا سمجھا جاتا ہے۔یوں ہمارے ہاں اس کی علمی اور عملی افادیت نہ ہونے کے برابر رہ گئی ہے۔چاہیے کہ ہمارے وہ بزرگ جنہیں اللہ تعالیٰ نے ماورائی قوت اور ماورائی ہستیوں سے رابطہ کی صلاحیت بخشی ہے وہ اس کو ایک باقاعدہ سائنس کے طور پر لوگوں کو سکھائیں اور صیغہ راز میں رکھنے کی بجائے مزید تحقیقاتی کام کریں تا کہ یہ سب کچھ انسانیت کی خدمت کے لئے استعمال ہو سکے، آنے والی آفات سے نمٹا جا سکے، بیماریوں کا علاج کیا جا سکے اور انسان کو گمراہی سے ہدایت کی طرف لایا جائے تا کہ ان کی آخرت سنور جائے۔

اس کے علاوہ ایک نہایت ضروری بات یہ ہے کہ اہم شخصیات کو دشمن کے روحانی حملوں کی زد میں آنے سے بچایا جائے۔جیسا کہ آپ نے میجر مور ہاؤس کی سرگزشت میں پڑھا ہے ان دنوں دنیا کی بڑی بڑی سپائی ایجنسیاں (Spy Agencies) بھی اس کام میں ملوث ہیں۔یہ کام پرانے زمانہ میں بھی ہوتا تھا مثلاً جب ہندوستان پر مسلمانوں کی حکومت تھی تو ہندو جوگی اس وقت کے مسلم فرمانرواؤں کو ذہنی قلبی اور روحانی گزند پہنچانے کے لئے ان پر خیال کی قوت کے حملے (Psychic Missiles) کرتے رہتے تھے۔وہ یہ کام جادو، بھوت پریت اور دیگر شیطانی قوتوں کی معرفت سے کرتے لیکن اس وقت کے مسلمان بزرگ ان کے حملوں کو راستہ میں ہی روک دیتے۔یہی وجہ ہے کہ پایہ تخت دہلی ہمیشہ ہی بڑے بڑے مسلمان بزرگوں کا بھی صدر مقام رہا ہے۔لیکن آج کل کے حالات اس زمانہ کی نسبت زیادہ خطرناک ہیں۔اس لئے چاہیے کہ ہمارے اولیاء آگے بڑھ کر اپنے ممالک کے ذمہ دار لوگوں کو دشمن کے شر سے بچائیں۔ان کی طرف پھینکے گئے خیال کی قوت کے میزائلوں (Thought Missiles) کو راستہ ہی میں روکنے کی کوشش کریں۔وہ بیچارے بُری طرح روحانی حملوں کا شکار ہیں۔اچھا بھلا وطن دوست آدمی جب کسی بہت اہم سیاسی یا فوجی مقام پر پہنچتا ہے تو ایسی حرکات اور فیصلوں کا مرتکب ہوتا ہے جن کی اس سے توقع نہیں کی جا سکتی۔وہ غیروں کا دوست اور اپنوں کا دشمن جیسا کردار ادا کرنے لگتا ہے۔اس کی وجہ اس پر حملہ آور خیال کے میزائل ہوتے ہیں جو اس کی ذہنی حالت کو بدل دیتے ہیں۔دشمن رفتہ رفتہ ان کے دماغ کو اپنے کنٹرول میں لے لیتا ہے۔

ان خطرات کے پیش نظر بہت ہی ضروری ہے کہ ہمارے روحانی بزرگ اپنا کردار ادا کریں اور اپنے اہم لوگوں کو دشمن کے قبضہ میں جانے سے بچائیں۔غرض آج کی سائیکی جنگ میں انہیں اپنا روحانی کردار ادا کرنا چاہیے۔کہیں ایسا نہ ہو کہ جس طرح طبیعاتی اسباب میں ہم پیچھے رہ گئے ہیں، ان کی طبیعاتی قوتوں سے بھی ہم مار کھا جائیں۔

باب نمبر 12

زندگی کی طوالت ۔ ڈیزائن لائف اور موت

12.1 زندگی کی مدت اور اس کی بقاء

زندگی یا جان کو ہم ماڈرن زبان میں Biochemical Existence یعنی حیاتیاتی وجود کہہ سکتے ہیں ۔اس کا انحصار انسانی خلیات کی صحیح صحت پر ہے اور یہ ان اصولوں کے تحت عمل کرتی ہے جو حیوانی زندگی کو کنٹرول کرتے ہیں ۔جان (life) کے زندہ رہنے کے لئے ہوا، پانی، خوراک سب کی ضرورت ہے ۔اسی طرح جان کو بیماری متاثر کرتی ہے اور دوا سے یہ ٹھیک بھی ہوتی ہے اور بہتر خوراک سے اس کی بہتر نشوونما ہوتی ہے ۔چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول ہے کہ دودھ سے انسانی زندگی بڑھتی ہے ۔

پرانے زمانہ میں جب علاج کی سہولتیں کم تھیں اور جراثیموں کے خلاف انسان کا دفاع نہیں ہو سکتا تھا اس وقت انسانی زندگی کی اوسط مدت آج کی نسبت بہت کم تھی، بے شمار بچے بچپن میں ہی مر جاتے تھے، لوگ بھوک اور بیماری کی وجہ سے جلدی بوڑھے ہو جاتے لیکن اب بہتر غذا اور علاج معالجہ کی سہولتوں اور حفاظتی تدابیر کی وجہ سے اس میں کوئی شک نہیں کہ زندگی کی مدت اوسطاً بڑھ گئی ہے ۔یقیناً جان (life) اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کے پاس اس کی مقدس امانت ہے جسکی حفاظت ہم پر فرض ہے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "جان (life) خدا کا تحفہ ہے اس کی نگہداشت کرو" ۔اس لیے آپ نے علاج معالجہ کی ہدایت کی ۔اور انسانی صحت کے برقرار رکھنے کے لئے بہت سی احتیاطی تدابیر بتائیں، جنھیں آج کل کی زبان میں (Preventive Health Programs) کہا جاتا ہے ۔

12.2 زندگی کی طوالت اور ڈیزائن لائف

اوپر دی گئی تمام باتیں اس طرف دلالت کرتی ہیں کہ بہت حد تک جان (life) کا انحصار انسانی صحت کے معیار پر ہے ۔انسان موت پر فتح تو حاصل نہیں کر سکتا لیکن یقیناً اسے پیچھے ڈال سکتا ہے ۔لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ وہ مقررہ وقت سے آگے بڑھ سکتا ہے یا موت کا کوئی وقت مقرر نہیں ۔درحقیقت اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسانی زندگی کی مدت اس کے پیدائش کے جرثومہ کے اندر ہی متعین کر دی ہے جو اسکے جین جین (Gene) پر ثبت شدہ ہے ۔اس حوالے سے قرآن پاک کی مندرجہ ذیل آیات نہایت قابل غور ہیں :۔

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا ■ وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى

وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ■ وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ ■ اِنَّ

ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ"O

"اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر پانی کی بوند سے پھر تمہیں جوڑا جوڑا بنایا۔اور کوئی مادہ نہیں اٹھاتی اور نہ وہ جنتی ہے مگر اس کے علم سے۔کوئی بھی بڑی عمر کو نہیں پہنچتا،اور نہ ہی عمر میں سے کوئی مدت کم کی جاتی ہے لیکن یہ سب ایک کتاب میں درج ہے۔اور بے شک یہ اللہ تعالیٰ کے لئے آسان ہے"۔(سورۃ فاطر،آیت۔11)

اس آیت مبارکہ سے یہ ظاہر ہے کہ عمر میں کمی بیشی اللہ تعالیٰ کی مرضی سے ممکن ہے اور یہ سب کچھ ایک کتاب میں لکھا جا چکا ہے۔دنیا میں شاید یہ کتاب ہمارے جینز (Genes) کا اپنا ریکارڈ ہے۔ماڈرن تحقیق یہ ثابت کرتی ہے کہ انسان کا ایک ایک خلیہ (Cell) اپنی نوعیت میں پورا کمپیوٹر ہے۔جس پر انسانی زندگی کا پروگرام درج ہوتا ہے۔اس میں زندگی کی تمام منازل کا ذکر ہے۔انسان کی وراثت میں پائی ہوئی بیماریاں بھی یہاں درج ہوتی ہیں۔وہ کس قدر ذہین ہوگا،اس کی صحت کیسی ہوگی،قد کس قدر ہوگا،اس کی آنکھوں کا رنگ کیسا ہوگا،وہ غصہ والا ہوگا،محبت والا ہوگا،ہمدرد ہوگا،ظالم ہوگا،ہونہار ہوگا،غرض کہ انسان کے متعلق سب کچھ اس کے خلیہ خلیہ پر پہلے سے درج ہوتا ہے جس کے مطابق انسانی زندگی کا کلاک چلتا رہتا ہے حتیٰ کہ آخری حکم آجاتا ہے جس پر زندگی کی حرکت بند ہو جاتی ہے اور انسانی قفسِ حیات کے بندھن سے آزاد ہو کر عالمِ برزخ میں چلا جاتا ہے۔

جینز (Geens) میں پروگرام شدہ زندگی کی مدت کو ہم انجینئرنگ کی زبان میں ڈیزائن شدہ زندگی یعنی (Design Life) کہہ سکتے ہیں۔اس کا تصور آپ ایسے کریں کہ جب کوئی انجینئر کوئی مشین بناتا ہے اس مشین کی تمام داخلی اور خارجی معلومات کی بنیاد پر اس کی زندگی مقرر کر دیتا ہے اور وہ گارنٹی دیتا ہے کہ اگر اس مشین کی دیکھ بھال مطلوبہ ہدایات کے مطابق کی گئی تو اتنے سال چلے گی لیکن ڈیزائن لائف کا پورا ہونا دیکھ بھال کے معیار پر منحصر ہوتا ہے۔فرض کریں ایک کار کی ڈیزائن لائف 10 سال ہے لیکن اگر مالک اس کی احتیاط نہیں کرتا،وقت پر آئل نہیں بدلتا،اس کی سروس میں کوتاہی کرتا ہے یا غلط طریقے سے چلاتا ہے تو یقیناً وہ کار دس سال نہیں چلے گی۔بلکہ پہلے ہی ختم ہو جائے گی لیکن وہی آدمی اگر کار کی بہتر سے بہتر احتیاط کرے تو وہ 10 سال سے بھی زیادہ چل سکتی ہے۔البتہ حادثہ کی صورت میں پہلے ہی دن ختم ہو سکتی ہے۔

تقریباً یہی حال انسانی زندگی کا ہے۔اللہ تعالیٰ نے انسانی زندگی کو مقرر کر دیا ہے۔جس کے مطابق آدمی کو دنیا میں اپنی ڈیزائن لائف کو پورا کرنا چاہیے لیکن اکثر لوگ اس حد تک پہنچنے سے پہلے ہی موت کی آغوش میں چلے جاتے ہیں۔اس کی کئی وجوہات ہو سکتی ہیں مثلاً یہ کہ آدمی کسی حادثہ کی نذر ہو گیا جو انسان کے اپنے بس سے باہر ہے ایسی بے وقت موت کی صورت میں اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو باقی ماندہ ڈیزائن لائف چھن جانے کا اجر دیتا ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی جاتی ہے کہ" جو آدمی ڈوب کر مر گیا،اچانک مکان گرنے سے نیچے آکر مر گیا،کسی نے اسے قتل کر دیا یا کسی اور حادثہ میں قضائے الٰہی سے مر گیا تو وہ شہید ہے"۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ لوگ طبعی زندگی کو پہنچنے سے پہلے اس لئے مر جاتے ہیں کہ وہ اپنی زندگی کی قدر نہیں کرتے اور ایسی بری عادات اپنا لیتے ہیں جن سے موت جلدی واقع ہو جاتی ہے۔یہ خودکشی کے مترادف ہے،مثلاً شراب نوشی،سگریٹ نوشی،کم خوابی وغیرہ سے اپنی صحت خراب

کر لیتے ہیں۔ بعض لوگ اپنی جاہلیت کی وجہ سے بیماریوں کا شکار ہو جاتے ہیں، مثلاً صفائی جو ایمان کا لازمی جز ہے اس کی طرف توجہ نہیں کرتے، جراثیم سے بچتے نہیں، اپنی زندگی کو لہو ولعب میں گنواتے پھرتے ہیں۔ دراصل ایسی مضر صحت عادات خودکشی کی طرف اقدام ہیں جو کہ اسلام میں بہت بڑا جرم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتایا کہ "جو آدمی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی زندگی کا اپنے ہاتھوں سے خود خاتمہ کر لیتا ہے اس پر جنت حرام ہے۔ موت کی تمنا کرنا اور اسکے لئے دعا کرنا بھی منع ہے"۔

اس لئے اسلام میں اپنی صحت کا خاص خیال رکھنا بھی ایک طرح کی عبادت ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو صاف ستھرے ہیں۔ چنانچہ نارمل حالات میں انسان کا مدعا یہ ہونا چاہیے کہ وہ خود کو ہلاکت میں نہ ڈالے، ان چیزوں سے بچے جن کی وجہ سے صحت خراب رہ سکتی ہے اور اچھی عادات اپنا کر اپنی ڈیزائن لائف تک پہنچنے کی کوشش کرے۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں صعوبتیں اٹھانے یا جہاد میں شہید ہونے سے اگر ڈیزائن لائف پوری نہیں ہوتی تو یہ اللہ تعالیٰ کے لئے وہ قربانی ہے جس کا وہ بے حساب اجر دیتا ہے۔

12.3 جان کی حفاظت اور بقاء

اس تمہید سے ہمارا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ انسانی جان جس کی بنیاد مادی ہے اس کی بقا بھی مادی وسائل پر منحصر ہے۔ یہ کہنا کہ زندگی کی مدت لکھی ہوئی ہے بالکل صحیح بات ہے لیکن ہم میں اکثر ماحول کے اثرات، بیرونی عوامل جن پر ہمارا کوئی اختیار نہیں یا اپنی بے احتیاطی یا حالات کی مجبوریوں کے ہاتھوں اس لکھی ہوئی زندگی سے بہت پہلے ہی مر جاتے ہیں۔ اس بات کا ثبوت ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث سے بھی اخذ کرتے ہیں (حوالہ (۱) طب نبویؐ اور جدید سائنس۔ ڈاکٹر خالد غزنوی۔ (۲) طب نبویؐ امام ابن قیم الجوزیہ) مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی سے مروی ہے کہ "جان خدا کا ایک تحفہ ہے اس کی نگہداشت کرو"۔ "رات کو بھوکے مت سوئیں اس سے زندگی کم ہوتی ہے"۔ اس لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مناسب غذا اور علاج معالجہ کی ہدایت فرمائی۔ خود بھی دوا کا استعمال کیا اور دوسرے لوگوں کو بھی اس کی تلقین کی۔ اسی سلسلہ میں جس جگہ چھوت چھات کی بیماری پھیلی ہو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہاں جانے اور وہاں کے لوگوں کو دوسری آبادیوں میں جانے سے منع فرمایا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو یہ ہدایت بھی فرمائی ہے کہ اپنے آپ کو خواہ مخواہ ہلاکت میں نہ ڈالیں۔ چنانچہ اسلام میں خودکشی بہت بڑا جرم ہے اور جان کی حفاظت بہت بڑی نیکی۔ چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ "جس نے ایک جان بچائی گویا اس نے ساری انسانیت کو بچا لیا اور جس نے کسی بے گناہ کو قتل کر دیا گویا اس نے ساری انسانیت کا قتل کیا"۔

خدا کے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحت کی احتیاط کے لئے بھی بہت سی تدابیر بتائی ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ "جب کھانا کھانے لگو تو تھوڑی بھوک رکھ لو، پیٹ بھر کر نہ کھاؤ" سب لوگ جانتے ہیں کہ زیادہ کھانا انسانی صحت کا کس قدر دشمن ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ذاتی صفائی (Personal Hygiene) کی طرف بھی خصوصی توجہ دلائی اور اس کے لئے دانتوں کی صفائی کو لازمی قرار دے دیا۔ (گندے دانت نہ صرف دیکھنے میں برے معلوم ہوتے ہیں بلکہ بیشتر بیماریوں کا باعث بھی بنتے ہیں) احادیث کی کتابوں میں طب نبویؐ

ایک مستقل باب ہے جس سے اندازہ ہونا چاہیے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علاج معالجہ کو کس قدر اہمیت دیتے تھے۔ انہی باتوں کا نتیجہ تھا کہ اسلام کے ابتدائی دور میں مسلمانوں میں بیماری تقریباً نہ ہونے کے برابر تھی۔

روایت ہے کہ ایک دفعہ روم کے حکمران نے اہل اسلام کے علاج کے لئے ایک طبیب مدینہ منورہ میں بھیجا تا کہ اپنی طب کے ذریعہ مسلمانوں کی خدمت کرتا رہے۔ لیکن کچھ عرصہ بعد وہی حکیم حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور مدینہ منورہ سے جانے کی اجازت طلب کی اور وجہ یہ بتائی کہ "مسلمانوں کی انفرادی اور معاشرتی زندگی اس قدر پاکیزہ ہے کہ یہاں کوئی بیمار نہیں ہوتا۔ اس لئے میری ضرورت نہیں"۔

یہ تمام باتیں اس طرف دلالت کرتی ہیں کہ عام حالات میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کے مطابق زندگی کی طوالت کا انحصار حفظان صحت کی تدابیر، خوراک اور علاج معالجہ وغیرہ کے معیار پر ہے اور جان کی حفاظت اور بقاء کے لئے احتیاط ہر مومن پر فرض ہے۔ حدیث پاک میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے "جو اپنی جان کی حفاظت کرتے ہوئے مارا گیا پس وہ شہید ہے"۔ لہٰذا اپنی جانوں پر خدا تعالیٰ نے ہمیں اختیار بخشا ہے۔ قرآن کریم کا یہ حکم کہ "اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو" ایک لحاظ سے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ خدائی قوانین کو توڑنے سے قبل از وقت موت بھی آسکتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی دی گئی ہدایت کے مطابق زندگی گزارنے سے زندگی کی مدت بڑھ بھی سکتی ہے۔ انسان اگرچہ موت پر فتح تو حاصل نہیں کرسکتا لیکن اپنے وقت سے پہلے مرنے سے ضرور بچ سکتا ہے۔ لیکن جو کچھ بھی ہوتا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کی مرضی اور اس کی تقدیر کے مطابق ہوتا ہے۔ عناصر بھی اسی کے حکم سے کام کرتے ہیں۔

12.4 زندگی کی مقررہ مدت

اوپر کی بحث میں ہم نے کسی جگہ یہ نہیں کہا کہ زندگی کو بڑھایا جاسکتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ہم اپنی لکھی ہوئی زندگی سے قبل از وقت نہ مرجائیں۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے موت کی آرزو کرنے اور دعا کرنے سے منع فرمایا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ موت کا کوئی وقت نہیں۔ موت کا وقت مقرر ہے اور اس طرح خدا تعالیٰ کی طرف سے زندگی کی مہلت بھی مقرر ہے لیکن افسوس کا مقام یہ ہے کہ اکثر ہم اپنی ہی کوتاہیوں، غلطیوں اور ناعاقبت اندیشی کی بنا پر یا اپنے کنٹرول سے باہر عناصر اور عوامل کی وجہ سے اپنی مقررہ مدت سے پہلے ہی مرجاتے ہیں اور یوں جان جو خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک تحفہ ہے اس کو ضائع کردیتے ہیں۔ اس کی انتہا خودکشی ہے۔ یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا اس لیے موت سے پہلے مرنے میں بھی قصور وار ہم خود ہیں لیکن بے وقت مرنا بھی قوانین خداوندی ہی کے تحت ہوتا ہے۔ جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ کیا عمر پہلے سے مقرر شدہ ہے، اس کا جواب "ہاں" کے علاوہ کچھ اور نہیں لیکن ذات باری تعالیٰ اپنے امر پر غالب ہے۔ اس لئے دعا کی قبولیت سے آئی موت بھی ٹل سکتی ہے۔

12.5 ڈیزائن لائف کی مدت

جیسے پہلے کہا جا چکا ہے ہر انسان اپنی زندگی کی مدت کے ساتھ پیدا ہوتا ہے۔ یہی اس کی ڈیزائن لائف ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ اپنی یا کسی اور وجہ سے مارا نہیں جاتا تو وہ زندگی کی اس مدت کو پہنچے گا۔ بصورتِ دیگر اپنے وقت سے پہلے ہی چل بسے گا۔ یہ سوال کہ کسی آدمی کی ڈیزائن لائف کس قدر ہے۔ اس کے جواب کے لئے انسانی علم فی الحال بہت ہی محدود ہے۔ ابھی تک انسان اپنے جین (Genes) پر لکھے ہوئے پروگرام کے صرف کچھ حصہ ہی پڑھنے کے قابل ہوا ہے۔ لیکن توقع کی جا سکتی ہے کہ مزید سائنسی تحقیقات کے بعد یہ ممکن ہو جائے گا کہ جینوں کے ذریعہ انسان کی ڈیزائن لائف یعنی قدرتی مدت معلوم ہو سکے۔ قرآن کریم سے ہمیں یہ ضرور پتا چلتا ہے کہ عموماً ڈیزائن لائف آج کل کی طبعی زندگی سے بہت زیادہ ہوتی ہے۔ پرانے زمانے میں ایسے لوگ بھی تھے جن کی عمریں ہزار سال یا اس سے بھی زیادہ تھیں مثلاً ارشاد خداوندی ہے کہ:۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا ■ فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَo

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم نے نوحؑ کو اس کی قوم کی طرف بھیجا اور وہ ان کے درمیان ایک ہزار کم پچاس سال رہا پھر انہیں ایک طوفان عظیم نے آلیا اور وہ ظالم تھے "۔(سورۃ العنکبوت، آیت۔14)

حضرت نوح علیہ السلام اس طوفان سے بچا لیے گئے اور اس طرح وہ نو سو پچاس سال سے بھی زیادہ عرصہ زندہ رہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی عمر بھی ایک ہزار سال سے زیادہ بتائی گئی ہے۔ اس لئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ انسانیت کے آغاز کے وقت آدمی کی اوسط ڈیزائن لائف ہزار برس کے قریب تھی البتہ انفرادی طور پر اس سے کم یا زیادہ بھی ہو سکتی ہے۔ اس کے برعکس فی زمانہ ہم دیکھتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی ڈیڑھ دو سو سال کی حدود کو بھی چھو جائے تو وہ ایک معجزہ سے کم بات نہیں سمجھی جاتی۔ انسان کی زندگی کا کم ہوتے جانا اللہ تعالیٰ کی مرضی پر موقوف ہے اسباب کی دنیا میں اسکا انحصار انسان کے بدلتے ہوئے رہن سہن، بڑھتی ہوئی ذہنی الجھنوں، خوراک میں تبدیلی، موسموں کے تغیر وغیرہ پر ہے، یوں ہزاروں سالوں پر پھیلی ہوئی وجوہات اور اسباب کے نتیجہ میں اوسط انسانی عمر سکڑ کر ایک صدی سے بھی کم ہو گئی ہے۔ جب کہ عین ممکن ہے کہ اب بھی اگر حالات سازگار ہوں تو کبھی انسانی زندگی عمرِ نوحؑ کو پہنچ جائے۔ لہٰذا اگر سائنس کسی طرح آدمی کی زندگی کو لمبا کرنے میں کامیاب ہو جاتی ہے تو قرآن کریم کے طالب علم کے لئے یہ کوئی حیرانی کی بات نہیں ہوگی بلکہ قدرت کی ایک منشا پوری ہو رہی ہوگی جسے انسان نے اپنی نادانیوں سے کھو دیا ہے۔

یہاں یہ واضح کرنا بھی ضروری ہے کہ طبعی موت سے پہلے مرنے پر بھی کسی کا کوئی ذاتی اختیار نہیں دراصل انسان پر ماحول کے اندر اور باہر سے لاکھوں اوامر اثر انداز ہوتے ہیں جس کا صحیح ادراک ماسوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو نہیں ہو سکتا۔ اس لیے اس ذات باری تعالیٰ کے علاوہ کوئی سائنسدان یا محقق موت کا وقت متعین نہیں کر سکتا۔ البتہ ناسازگار حالات، قدرتی آفات اور حادثات کی وجہ سے مرنے کے امکانات

(Probability) بڑھ جاتے ہیں۔ لیکن کلی طور پر ان اتفاقات اور امکانات کا علم بھی صرف رب تعالیٰ کو حاصل ہے اس لیے ماسوائے اللہ تعالیٰ کے موت کے وقت کو کوئی نہیں جان سکتا۔ البتہ اگر ہم اللہ تعالیٰ کی راہ میں صعوبتیں اٹھائیں، بیمار ہو جائیں، زخمی ہو جائیں، یا شہید ہو جائیں تو ایسی موت پر اجرِ عظیم کے حق دار ضرور بن جاتے ہیں۔ بڑے انعام کی بات یہ ہے کہ ڈیزائن لائف سے پہلے مرنے کی صورت میں بقایا زندگی نیکی میں شمار ہو جاتی ہے اور اس کا اجر ان اعمال کی صورت میں ملتا ہے جو انسان مرتے وقت کر رہا ہوتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے اپنی طبعی زندگی سے پہلے مر جانے میں بہت زیادہ فائدہ کی بات ہے۔

ہم قصوروار وہاں ہیں جہاں ہم جان بوجھ کر اپنی صحت کو نقصان پہنچائیں یا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالیں اور اس طرح دانستہ کوتاہیوں سے اپنی طبعی عمر کی حد کو پہنچنے سے پہلے ہی روح کا رشتہ زندگی سے توڑ دیں۔ یہ زندگی جیسی نعمت کی ناقدری ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناشکری ہے۔ ایسے لوگ نہ صرف خدا تعالیٰ کے ناشکرے ہیں بلکہ روح کے لئے ارتقائے الٰہی کی جانب ترقی کے مواقع ضائع کر کے اللہ تعالیٰ کے حضور ایک مجرم کی حیثیت سے پیش ہوتے ہیں۔ مانا کہ موت پر ہمارا کنٹرول نہیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فرامین کے مطابق زندگی کی بقا کیلئے کوشش کرنا تو ضروری ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا تحفہ ہے جسے اس کی رضا میں گزارا جائے اور جب بیمار ہو جائیں تو موت مانگنے کی بجائے صحت کی دعا کریں۔

12.6 زندگی کا بڑھنا اور گھٹنا ﴿قرآنی دلیل اور احادیث سے واقعات﴾

ہم پہلے واضح کر چکے ہیں کہ قرآن کریم سے ہمیں یہ پتا چلتا ہے کہ زندگی کی مدت یعنی ڈیزائن لائف مقرر شدہ ہے اور یہ انسان کی تقدیر کا حصہ ہے لیکن تقدیر مقرر کرنے والا تقدیر کو بدل بھی سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے امر کو بدلنے پر غالب ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق زندگی میں کمی بیشی ہو سکتی ہے اور ہوتی رہتی ہے۔ سورۃ فاطر میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:۔

وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ O

"اور نہیں کسی عمر والے کو زیادہ عمر دی جاتی اور نہ ہی اس کی عمر میں سے کمی کی جاتی ہے، مگر یہ سب کچھ ایک کتاب میں ہے، بے شک یہ اللہ تعالیٰ کے لئے بہت آسان ہے"۔ (سورۃ فاطر، آیت۔ 11)

اس کا مطلب یہ ہے کہ مقرر شدہ عمر میں زیادتی اور کمی بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔ آیت مبارکہ کی تشریح میں سید احمد رفاعی اپنی تفسیر رفاعی میں لکھتے ہیں جو عمر کم یا زیادہ کی جاتی ہے اس کا نوشتہ بھی پہلے ہی سے موجود ہے یعنی لوحِ محفوظ میں یہ لکھا ہے کہ اگر فلاں شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے گا تو فلاں وقت تک زندہ رہے گا اور جب نافرمانی کرے گا تو اس کی عمر میں اتنا کم کر دیا جائے گا اس امر کی طرف جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے کہ:۔

"صدقہ دینا اور عزیزوں کے ساتھ حسن سلوک یہ دو باتیں ملکوں کو آباد کرتی ہیں اور عمروں کو زیادہ"۔

سید رفاعی صاحب کے مطابق "ہمیں ایک چیز بھی ایسی معلوم نہیں جو صلہ رحمی (اقارب کے ساتھ مہربانی کا سلوک) کی مانند عمر کو بڑھاتی ہو۔ یہاں تک کہ اگر ایک شخص کی زندگی کے صرف تین برس باقی ہوں اور اس سے صلہ رحمی بن پڑے تو اللہ تعالیٰ اس میں تیس برس کا اضافہ فرما کر 33 برس کر دیتا ہے اور اس سے قطع رحمی ہو جائے تو اس کی عمر میں سے تیس برس کاٹ کر وہاں 33 کی بجائے تین برس ہی رہ جاتے ہیں"۔ (حوالہ تفسیر رفاعی صفحہ 524)

عمر میں کمی یا زیادتی کے ممکنات کے بارے میں مندرجہ ذیل روایات بھی اہم ہیں۔ (یہ واقعات مولانا اشرف علی تھانوی کی کتاب جمال الاولیاء سے لیے گئے ہیں جو دراصل حضرت شیخ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی کی تصنیف جامع کرامات الاولیاء کی تلخیص ہے جو کہ 1324 ہجری میں تالیف ہوئی تھی)۔

"حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک نوجوان فوت ہو گیا اس کی ماں جن کا نام حضرت فریضہ انصاریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھا، بوڑھی اور اندھی عورت تھی۔ ہم نے اس کو کفن دے دیا اور اس کی ماں سے تعزیت کی تو اس نے کہا کہ میرا بیٹا مر گیا ہے؟ ہم نے کہا ہاں مر گیا ہے۔ اس پر اس نے کہا اے اللہ! آپ کو معلوم ہے کہ میں نے آپ کی اور آپ کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ہجرت کی ہے۔ بخوشی اسلام لائی، بتوں کو نفرت سے چھوڑ آئی ہوں۔ اے اللہ! آپ بتوں کو پوجنے والوں کو میری اس مصیبت سے خوش نہ فرمایئے اور اس مصیبت میں مجھ پر وہ غم نہ ڈالیے جس کے تحمل کی مجھ میں طاقت نہیں۔ خدا کی قسم ابھی اس کی بات پوری بھی نہیں ہوئی تھی کہ مرے ہوئے لڑکے نے اپنے چہرے پر سے پردہ اٹھایا اور پھر کھانا کھایا، ہم نے بھی اس کے ساتھ کھانا کھایا اور اس کے بعد اپنی ماں کے مرنے تک وہ زندہ رہا"۔ (بحوالہ ابن عدی اور ابن ابی الدنیا اور بیہقی وغیرہ)

بیہقی اور ابن عساکر سے روایت ہے کہ:۔

حضرت سعد بن ابی وقاص شدید مرض میں مبتلا تھے اور بچنے کی کوئی امید باقی نہیں تھی، انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے میرے اللہ! میرے بچے چھوٹے چھوٹے ہیں تو مجھ سے موت کو اتنا موخر کر دے کہ بالغ ہو جائیں، اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دعا قبول فرمائی اور بیس سال کے لئے ان کی موت موخر کر دی گئی"۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کی وجہ سے مستجاب الدعا تھے یعنی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دعا رد نہیں جاتی تھی۔ حاکم نے قیس سے روایت کی ہے کہ:۔

''ایک دفعہ ان کے سامنے کسی شخص نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کو برا بھلا کہا تو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دعا کی کہ اے اللہ! یہ شخص آپ کے ولی کو برا بھلا کہہ رہا ہے۔ آپ اس مجمع کو اس وقت تک متفرق نہ کیجئے جب تک کہ اپنی قدرت نہ دکھائیں۔ تو خدا کی قسم ہم لوگ متفرق نہ ہوئے تھے کہ اس کی سواری زمین میں دھنسنے لگی اور اس نے اس کو کھوپڑی کے بل پتھروں پر پھینک دیا جس سے اس کا دماغ پھٹ گیا اور وہ مر گیا''۔

بخاری و مسلم اور بیہقی نے عبدالمالک بن عمر کے واسطہ سے روایت کی ہے کہ "ایک شخص نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امانت اور دیانت پر بہتان باندھا تو حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دعا کی کہ اے اللہ! اگر یہ شخص جھوٹا ہے تو اس کی عمر دراز کر دے اور اس کی تنگ دستی دراز کر دے اور اس کو فتنوں میں ڈال دے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اس شخص کو دیکھا کہ بہت بوڑھا ہو گیا تھا، بڑا تنگدست تھا اور طرح طرح کے فتنوں میں مبتلا تھا اور کہا کرتا تھا کہ میرا یہ حال سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بد دعا سے ہوا ہے"۔

اوپر کی احادیث اور روایات اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں کہ عمر مقرر ہے لیکن صدقہ، صلہ رحمی، دعا یا دوا سے اللہ تعالیٰ اس میں کمی بیشی کر دیتا ہے۔

12.7 زندگی کی طوالت کا راز اور مقصد حیات

سائنسی طور پر یہ چیز ثابت شدہ ہے کہ زندگی کی طوالت کا ایک راز حفظان صحت کے اصولوں میں ہے۔ جو قومیں اپنی صحت کا خیال رکھتی ہیں ان کی عمریں بھی نسبتاً زیادہ ہیں۔ اس کے علاوہ عمروں کی طوالت، ماحول اور علاقہ پر بھی منحصر ہے مثلاً وادی ہنزہ کے لوگ مجموعی طور پر اپنی لمبی عمروں کی وجہ سے دنیا بھر میں مشہور ہیں لیکن ان تمام چیزوں کے علاوہ زندگی کی طوالت کا راز زندگی گزارنے کے مقصد میں بھی ہے جسے بہت کم لوگ سمجھتے ہیں۔ وہ لوگ وقت سے پہلے نہیں مرتے جن کے سامنے کوئی منزل ہو اور اس کے لئے نہایت اخلاص سے کوشاں بھی ہوں، خدا تعالیٰ اکثر انہیں اپنی منزل تک پہنچنے کی مہلت دیتا ہے اور جب ان کی زندگی کا وہ مقصد پورا ہو جاتا ہے تو پھر انہیں اپنے پاس بلا لیتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ لمبی زندگی کے لئے دیگر چیزوں کے علاوہ ضروری ہے کہ آدمی ایک پُر مقصد زندگی بھی گزارے۔

یہ بھی یاد رہے کہ عموماً مقصد کی تکمیل موت کا پیغام بھی ہوتا ہے اور مقصد پورا ہونے کے بعد لوگ جلدی انتقال کر جاتے ہیں۔ بے شمار ایسی مثالیں ہیں کہ جب ان کا مقصد پورا ہو گیا تو اس کے بعد وہ مر گئے مثلاً قائد اعظم محمد علی جناح باوجود ایک کمزور صحت کے آدمی تھے، پاکستان کے

حصول تک وہ سخت محنت بھی کرتے رہے اور ٹھیک ٹھاک رہے، جب پاکستان بن گیا تو ایک سال میں رحلت فرما گئے۔

خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زندگی سے بھی ہمیں یہی سبق ملتا ہے کہ جب آیت **اکملت لکم دینکم** نازل ہوئی تو مسلمان خوشیاں منا رہے تھے کہ ان کا دین مکمل ہو گیا لیکن ایک مزاج شناسِ رسول رو رہا تھا۔ یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے، جب لوگوں نے ان سے رونے کی وجہ پوچھی تو کہنے لگے کہ میرا یہ رونا جدائی کے ڈر سے ہے، جب دین مکمل ہو گیا ہے تو پھر حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زندگی کا مقصد بھی پورا ہو گیا ہے جس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مزید دنیا میں رہنا بے سود ہے۔ چنانچہ آیت مبارکہ کے نزول کے چند ماہ بعد ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے داعی اجل کو لبیک کہا۔

مقصد اور زندگی کی طوالت کے درمیان تعلق کو سمجھنے کے لئے آپ ان لوگوں کی زندگیوں کا مطالعہ کریں جن کی زندگی کا مشن اپنے مقصد کا حصول تھا۔ عموماً آپ دیکھیں گے کہ ایسے لوگ نہ صرف بڑی عمر پاتے ہیں بلکہ آخری دم تک مستعد بھی رہتے ہیں۔ ہمارے سامنے انہی میں قائد اعظمؒ، امام خمینیؒ، گاندھی، چرچل، برنارڈ شاہ، برٹرینڈ رسل، ماؤزے تنگ، ہوچی منہ، غرضیکہ بہت سے مشاہیر کی مثالیں ہیں جو مقصد کی تکمیل کی لگن میں ایسے لگے کہ موت بھی ان کا سامنا کرنے سے ڈرتی تھی۔ آپ کا شاید یہ بھی مشاہدہ ہو کہ وہ لوگ جو گورنمنٹ ملازمت میں ہیں جب ریٹائرڈ ہو جاتے ہیں تو ان میں سے اکثر پانچ دس سال کے اندر اندر ہی ختم ہو جاتے ہیں لیکن وہ لوگ جو کاروباری ہیں اور ریٹائرڈ نہیں ہوتے وہ نسبتاً لمبی عمر کو پہنچ جاتے ہیں۔ اس کی بھی یہی وجہ ہے کہ ایک ریٹائرڈ آدمی جینے کی دھن کھو دیتا ہے، اس کے لئے زندگی بیکار ہو جاتی ہے اور وہ بھی زندگی کے لئے بیکار ہو جاتا ہے لہٰذا جلد ہی اسے موت آلیتی ہے۔

مغرب کے لوگوں کی عمریں بڑھنے میں یقیناً یہ بھی ایک عنصر ہے کہ وہ اپنے آپ کو زندگی سے ریٹائرڈ نہیں ہونے دیتے اور اکثر ایک بامقصد زندگی گزارتے ہیں چنانچہ آپ انہیں آخری دم تک کسی دھن میں لگا ہوا پاتے ہیں۔ یہ صرف چند ایک مثالیں تھیں۔ مجھے یقین ہے جب آپ خود غور فرمائیں گے تو اس نظریہ کی حمایت میں آپ کو کئی اور مثالیں بھی مل جائیں گی۔ ہماری اس ساری بحث کا حاصل یہ ہے کہ زندہ رہنے کے لئے مقصد ضروری ہے۔ مقصد زندگی کو طوالت بخشتا ہے لہٰذا اگر زندہ رہنا چاہتے ہیں تو زندگی کو بامقصد رکھیں اور اپنی منزل کے حصول کے لئے متواتر دل و جان سے کام کرتے جائیں پھر آپ دیکھیں گے کہ کیسے موت پیچھے ہٹتی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ مہلت دیتا جاتا ہے۔

12.8 موت کا وقت

جیسے ہم پہلے بھی کہہ چکے ہیں کہ کسی کو یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے کہ موت کا وقت مقرر نہیں۔ لیکن جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے کہ آدمی اپنی غلط کاریوں اور خواہشات کی وجہ سے اس مقرر شدہ وقت سے پہلے خود اپنی قبر کھودنا شروع کر دیتا ہے۔ اگر کسی آدمی کی زندگی کو متاثر کرنے والے تمام عوامل کا کسی طرح احاطہ ہو سکے تو سائنسی حساب سے اس کی عمر کے بارے میں کسی حد تک حساب لگانا ممکن ہو گا۔ اس لیے اگر آنے والے وقتوں میں سائنس ایسے عوامل کے تجزیہ سے بتا سکے کہ کسی آدمی کی بقیہ عمر کیا ہے تو حیرانی کی بات نہیں ہو گی۔ چونکہ انسان کا ایک ایک سیل، ایک ایک حرکت اللہ

تعالیٰ کے علم میں ہے اس لیے وہ جانتا ہے کہ کون کب مرنے والا ہے اور چونکہ وہی سب قوانین کا مالک اور خالق ہے اس لیے موت خواہ وقت سے پہلے ہو یا طبعی، اسی کے حکم سے وارد ہوتی ہے اور وہ جو چاہے کرتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے کہ:۔

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ؕ وَسَنَجْزِى الشّٰكِرِيْنَ ○

''اور کوئی نفس نہیں مرسکتا بغیر اللہ تعالیٰ کے حکم کے۔ سب کا وقت مقرر ہو چکا ہے''۔(سورۃ آلِ عمران، آیت۔145)

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ○

''ہر نفس کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے اور تم کو پورا بدلہ ملے گا قیامت کے دن، جو آگ سے بچ کر جنت میں داخل ہوا وہ اپنی مراد کو پا گیا اور دنیا کی زندگی تو دھوکہ کا مال ہے''۔(سورۃ آلِ عمران، آیت۔185)

12.9 دعا اور درازیِ عمر

موت حیاتیاتی خلیات کی انتہائی تخریب کا وقت ہے۔ خلیات کی یہی موت انسان کی زندگی کا خاتمہ ہے اور روح کے انتقال کا وقت بھی۔ امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مطابق روح انسانی اور روح حیوانی (زندگی) کا ساتھ اس وقت تک رہتا ہے جب تک حیاتیاتی تخریب سے روح حیوانی ختم نہیں ہو جاتی۔ اس وقت روح انسانی جو سوار کے مثل ہے روح حیوانی سے محروم ہو جاتی ہے۔ سواری کے جانے کے بعد اس کا رشتہ اسباب کی دنیا سے بھی کٹ جاتا ہے اور وہ عالم ارواح کو منتقل ہو جاتی ہے۔

لیکن ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ حیاتیاتی خلیات کا عمل بھی وہی خدا کنٹرول کرتا ہے جس کے قوانین کے تحت ہم وجود میں آئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ نا امید اور لاعلاج مریض بھی بعض اوقات معجزانہ طور پر بچ جاتے ہیں۔ یہ وہ موقع ہوتا ہے کہ جب ڈاکٹر اپنی جدوجہد سے مایوس ہو کر لواحقین کو دعا کے لئے کہتے ہیں اور بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بارگاہ ایزدی میں کسی ماں باپ، کسی بہن، بیوی یا کسی معصوم کی دعا قبول کر لی جاتی ہے اور مردہ جسم میں بھی جان ڈال دی جاتی ہے۔ احادیث سے اس کی مثالیں اوپر دی جا چکی ہیں۔

اسلامی روایات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ایک آدمی اپنی ساری زندگی یا اس میں سے کچھ حصہ کسی کو ہدیہ بھی کر سکتا ہے۔ طریقہ یہ ہے کہ انسان نہایت صدقِ دل سے دعا کرے کہ یا باری تعالیٰ اگر مریض کی زندگی ختم ہو چکی ہے تو میں تیری وساطت اور حکم سے اپنی زندگی میں اتنے سال یا ساری کی ساری زندگی اپنے اس مرنے والے عزیز کو تحفہ کرتا ہوں مجھے موت دے دے اور اس کے بدلے میں اس کو میری زندگی

عطا کر دے۔ بیشک تو جس کو چاہے زندگی دے اور جسے چاہے موت دے۔ اس ضمن میں شہنشاہ بابر اور ہمایوں کا واقعہ تو بہت ہی مشہور ہے۔ ہمایوں بادشاہ شہنشاہ بابر کا اکلوتا بیٹا تھا اس کے تخت و تاج کا وارث۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ ہمایوں بہت بیمار ہو گیا حتیٰ کہ وقت کے تمام اطباء اور حکماء شہزادے کی زندگی بچانے سے مایوس ہو گئے لیکن خدا پر یقین رکھنے والا باپ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نا امید نہیں تھا۔ اس پریشانی کے عالم میں بادشاہ نے تمام مصاحبین کو شہزادے کے کمرے سے باہر جانے کے لئے کہا اور خود اس کی جگہ مرنے کے لئے تیار ہو گیا۔ وہ ایک رقت آمیز منظر تھا جب ایک بادشاہ نہیں بلکہ ایک مجبور باپ انتہائی عاجزی سے اپنے بیٹے کی چارپائی کے گرد چکر لگا رہا تھا اور رو رو کر دعا کر رہا تھا۔ "الٰہی! بابر کی زندگی لے لے اور ہمایوں کی جان بخش دے۔ بابر کی زندگی لے لے اور ہمایوں کی جان بخش دے"۔ ابھی وہ ساتویں چکر ہی میں تھا کہ قریب المرگ ہمایوں نے آنکھیں کھول دیں اس طرح بابر کی جان کا صدقہ قبول ہو چکا تھا، بیٹا بچ گیا لیکن شہنشاہ خود بستر مرگ پر تھا۔

یہ تو تاریخ میں ایک بادشاہ کا واقعہ ہے لیکن آپ خود بھی کئی ایسے معجزانہ طور پر موت سے بچنے کے واقعات جانتے ہوں گے۔ امریکی سائنسدان ڈاکٹر موڈی اور دیگر سائنسدانوں کے مشاہدات (جن کا تفصیلاً ذکر ہماری کتاب حیات بعد الموت میں آچکا ہے) میں بھی جو لوگ مرنے کے بعد زندہ ہوئے ان میں سے بھی کچھ لوگوں نے بتایا ہے کہ مرنے کے بعد وہ دنیا میں دوبارہ واپس نہیں آنا چاہتے تھے لیکن ان کے لواحقین کی پُر اثر دعاؤں نے انہیں واپس کھینچ لیا۔

12.10 سکرات موت

سکرات موت کا مطلب وہ تکلیف ہے جو آدمی کو جاں کنی کے وقت پیش آتی ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے اسلامی اکابرین کا خیال ہے کہ انسان کے لیے سکرات موت انتہائی بھاری اور مشکل موت ہے۔

جہاں تک جدید تحقیق کا تعلق ہے وہ بھی یہ مانتے ہیں کہ موت کے وقت انسان انتہائی بے چینی کے عالم میں ہوتا ہے آخر ایسا کیوں نہ ہو؟ اگر جسم میں کسی جگہ معمولی سا زخم ہو جائے تو درد کی کیسی کیسی ٹیسیں اٹھتی ہیں لیکن موت کے وقت تو ایک ایک خلیہ ٹوٹ جاتا ہے اس لیے انسان کے اوپر اس سے بڑی تکلیف کیا ہوگی۔

جان ہماری رگ رگ میں پیوستہ ہے۔ قبضِ روح کے وقت جب یہ کھینچی جاتی ہے تو یہ ایسے ہی ہے جیسے انسان کانٹے دار جھاڑیوں میں کھینچا چلا جاتا ہو لیکن موت کے وقت چونکہ انسان کے چیخنے چلانے کی قوتیں جواب دے چکی ہوتی ہیں اس لیے وہ فریاد نہیں کر سکتا۔

موت کے وقت کی تکلیف کسی پر بھی آسان نہیں ہے۔ اولوالعزم پیغمبر بھی اس سے نہیں بچے۔ حدیث پاک ہے کہ وفات کے وقت اللہ تعالیٰ کے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرما رہے تھے کہ "اے اللہ! محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) پر موت کو آسان کر دے"۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ اس سے پہلے میں سوچا کرتی تھی کہ موت کی سختی صرف گنہگاروں پر آتی ہے لیکن رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی موت کو دیکھ کر اب

مجھے پتا چلا کہ جان کنی کی تکلیف بھی انسان کے درجات کو بلند کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔اس کی وجہ سے مومن کے بہت سے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔اس لئے وہ جن کی موت آسان ہوتی ہے کوئی قابلِ رشک بات نہیں۔

12.11 سکراتِ موت گناہوں کا کفارہ اور روح کی سربلندی کا ذریعہ

احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے یہ چیز عیاں ہے کہ انسان پر جو تکالیف قدرتی طور پر آتی ہیں اور آرہی ہیں ان کو صبر اور خدا کی رضا سمجھ کر برداشت کرنا چاہیے۔یہ سب تکالیف اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے کے لئے امتحان کے پرچہ جات ہیں انہیں اگر اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے صبر سے برداشت کیا جائے تو روح کی سربلندی کا باعث بنتی ہیں۔بیماری تو بیماری ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فرمان ہے کہ مومن کے پاؤں میں جو کانٹا چبھتا ہے بشرطیکہ وہ صبر کرے،اس کے لئے باعث درجات ہے۔اسی بنیاد پر یہ مسئلہ متفقہ علیہ ہے کہ زندگی میں تمام اعمال حسنہ کے باوجود بھی روح کے لئے کچھ درجات ابھی باقی رہ جاتے ہیں۔جس کا حصول صرف جاں کنی کی سختی برداشت کرنے سے آسان ہوجاتا ہے۔امام غزالیؒ اپنی کتاب''کیمیائے سعادت''میں لکھتے ہیں کہ اگر کافر دنیا میں نیک اعمال کرتا رہا تو اس پر قبض روح کا مرحلہ آسان رہتا ہے تا کہ اس کی نیکی کا اس کو بدلہ مل جائے اور اللہ تعالیٰ پر آخرت میں اس کا کوئی حق نہ رہ جائے۔شاید یہی وجہ ہو کہ مغربی سائنسدانوں کے مشاہدات (باب نمبر 15,14) میں عارضی موت سے زندہ ہونے والے اکثر افراد نے سکرات موت کا کوئی زیادہ ذکر نہیں کیا۔

سکرات موت کے وقت ایک عام انسان پر دو طرح کی تکالیف وارد ہوتی ہیں۔ایک تکلیف ذہنی جس میں اسے دنیا چھوڑنے کا غم اور رنج شامل ہے اور دوسری تکلیف جسمانی،یہ وہ وقت ہے جب خون کی گردش اور اس میں آکسیجن کی مقدار کم ہورہی ہوتی ہے اور خلیات کے اوپر شدت سے توڑ پھوڑ کا عمل جاری ہوتا ہے۔چنانچہ موت کا کھچاؤ،اس کی گھٹن،تکلیف اور درد نس نس اور رگ رگ میں ہوتا قابل سمجھ ہے۔مرغ بسمل کو کس نے نہیں دیکھا۔اس وقت یہی حال انسان کا بھی ہوتا ہے لیکن بعض بیماریاں ایسی بھی ہوتی ہیں جن میں دماغ موت سے بہت پہلے ہی ماؤف ہوجاتا ہے۔آدمی پر سکتہ طاری ہوجاتا ہے اور اس طرح بیہوشی کے عالم میں موت آتی ہے۔ہوسکتا ہے کہ ایسے حالات میں درد محسوس کرنے والی حسیات مفلوج ہوجاتی ہوں اور آدمی موت کے مرحلوں سے آسانی سے گزر جاتا ہو لیکن یہ اس کے لئے اچھا نہیں۔گناہ کے کفارہ اور توبہ کا آخری موقع بھی یونہی گذر گیا یہی وجہ ہے کہ اچانک موت سے پناہ مانگی گئی ہے اور اچانک اموات کی زیادتی قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔

نزع کے وقت سکرات موت اختیاری نہیں اس لیے اللہ تعالیٰ جو کسی پر ظلم نہیں کرتا،انسان کو اس فطری تکلیف کے بدلے بلند درجات عطا کرتا ہے۔چنانچہ جو لوگ اس حقیقت کا ادراک رکھتے ہیں وہ سکرات موت کو بھی خوش آمدید کہتے ہیں اور وہ ان دواؤں کا سہارا لینا پسند نہیں کرتے،جو موت کی تکلیف کے لئے احساس کو مصنوعی طریقہ سے ختم کردیں بہر حال موت آرام سے آئے یا تکلیف سے،یہ قیامت کی طرف پہلا زینہ ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:۔

اِلَيۡهِ مَرۡجِعُكُمۡ جَمِيۡعًا ؕ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ اِنَّهٗ يَبۡدَؤُا الۡخَلۡقَ ثُمَّ يُعِيۡدُهٗ لِيَجۡزِىَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالۡقِسۡطِ ؕ وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَهُمۡ شَرَابٌ مِّنۡ حَمِيۡمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيۡمٌۢ بِمَا كَانُوۡا يَكۡفُرُوۡنَ O

"اسی کی طرف تم سب کو لوٹ کر جانا ہے یہ وعدہ ہے اللہ تعالیٰ کا سچا۔ وہی خلق کو پہلی بار بناتا ہے اور پھر اس کو دہراتا ہے تاکہ بدلہ دے ان کو جو ایمان لائے تھے اور جنہوں نے نیک نیتی کے ساتھ اچھے کام کیے تھے۔ اور کافروں کے لئے ہے پینے کو کھولتا ہوا پانی اور دردناک عذاب ہے یہ بدلہ ہے ان کے کفر کا"۔ (سورۃ یونس، آیت۔4)

12.12 الوداعی وقت

نزع کا وقت روح کے لئے دنیا سے الوداع ہونے کا وقت ہے۔ اس وقت انسان کو جلدی جلدی دوسری دنیا کے آثار نظر آنے لگتے ہیں اور یہ دنیا اس سے دور ہٹتی جاتی ہے۔ اس وقت زندگی کے جو چند لمحات باقی ہیں وہ انتہائی قیمتی ہیں۔ یہ انسان کی پوری زندگی کا خلاصہ ہے۔ وہ لوگ جن کا ضمیر صاف نہیں وہ اس وقت بھی دنیا کے خیالات سے نجات حاصل نہیں کر سکتے۔ انہیں زندگی کی تمام کمائی ہاتھوں سے نکلتے معلوم ہوتی ہے اس لیے وہ کسی صورت میں بھی مرنا نہیں چاہتے۔ قرآن کریم سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ موت کے فرشتے ایسے لوگوں کی روحوں کو زبردستی نکال کر لے جاتے ہیں۔ ان کیلئے موت کا وقت انتہائی حسرت و یاس والم کا وقت ہوتا ہے۔ اس لمحے وہ اپنی پوری عمر کی محنت کو ضائع ہوتے دیکھ رہے ہوتے ہیں اور آگے بھی کچھ نظر نہیں آتا۔ ہو سکتا ہے کہ اس وقت اس کے بیٹے، بیٹیاں، اہل خاندان، عزیز، رشتہ دار اور دوست سب ہی اس کے ارد گرد جمع ہوں لیکن وہ اس کیلئے مزید مایوسی کا باعث ہوتے ہیں۔ وہ دیکھتا ہے کہ دنیا کے لوازمات جن کے لئے اس نے ساری زندگی گزاری تھی کیسے اب ایک ایک کر کے بیکار ہوتے جا رہے ہیں۔ اس وقت گزری ہوئی زندگی کے تمام لمحات بار بار اس کی آنکھوں کے سامنے آ رہے ہوتے ہیں۔ وہ دیکھ رہا ہوتا ہے کہ اس کی زندگی بھر کی کمائی ضائع ہو گئی اور آخرت کیلئے اس کا توشہ خالی ہے جیسے حق تعالیٰ نے فرمایا ہے ایک تلخ حقیقت اس کے سامنے ہوتی ہے

مَنِ اهۡتَدٰى فَاِنَّمَا يَهۡتَدِىۡ لِنَفۡسِهٖ ۚ وَمَنۡ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيۡهَا ؕ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزۡرَ اُخۡرٰى ؕ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيۡنَ حَتّٰى نَبۡعَثَ رَسُوۡلًا O

"جس نے ہدایت پائی تو اس نے اپنے نفس کیلئے ہی ہدایت پائی اور جو گمراہ ہوا تو یہ گمراہی بھی اسی کیلئے ہے اور کوئی نفس کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور ہم عذاب نہیں دیتے جب تک کہ رسول نہ بھیجیں"۔ (سورۃ بنی اسرائیل، آیت۔15)

حقیقت یہ ہے کہ وقت نزع پوری زندگی سے زیادہ اہم ہے۔ زندگی کے چند لمحات باقی ہیں اور اس آخری وقت کے اعمال، خیالات اور

بول چال ہمیشہ ساتھ رہیں گے۔ یہ ایک انقلابی وقت ہے۔ یہ وقت ایک پردے کو عبور کر کے دوسرے پردے میں داخل ہونے کا وقت بھی ہے، یہاں پر ایک سفر کا اختتام ہوتا ہے اور دوسرے سفر کا آغاز ہوتا ہے۔ پرانے ساتھیوں سے الوداع ہونے کا وقت ہے اور آگے آنے والوں کا کوئی پتا نہیں۔ اس لیے یہ ایک غیر یقینی کا بھی وقت ہے۔ اگر اس وقت اللہ تعالیٰ یاد رہا تو قبر میں بھی اللہ تعالیٰ یاد رہے گا۔ لہٰذا اگر آپ اس وقت مرنے والے کی مدد کرنا چاہتے ہیں تو اس کے سامنے اللہ تعالیٰ کو یاد کریں۔ کلمہ طیبہ کا ورد کریں اور اس کی فلاح کے لئے دعا کریں۔ مومنین کے لئے یہ دنیا کی قید سے آزادی کا وقت ہے۔ انہوں نے ارضی حیات کو امتحان سمجھا اور اپنے رب کے قرب کے لئے محنت کرتے رہے۔ ان کے لئے موت اپنے مدعا کے حصول کا وقت ہے اور اپنے ایمان کو حقیقت میں دیکھنے کا وقت ہے۔ بےقراری ان کو بھی ہے لیکن یہ بےقراری اپنے رب سے جلد از جلد ملاقات کے شوق کی وجہ سے ہے۔ ان کے لئے یہ وقت دنیا کے کٹھن دور کے اختتام کی گھڑی ہے اور وہ خوشی خوشی موت کو خوش آمدید کہتے ہوئے اپنے رفیقِ اعلیٰ کے حضور حاضر ہو جاتے ہیں۔

12.13 نفس کی پرواز

موت تجدید مذاق زندگی کا نام ہے
خواب کے پردے میں بیداری کا اِک پیغام ہے (اقبال)

ہم اس مسئلہ پر پہلے ہی سیر حاصل بحث کر چکے ہیں کہ روح نفس اور زندگی مختلف چیزیں ہیں جسے ہم موت کہتے ہے وہ دراصل جسم کی زندگی کی موت ہے جب کہ نفس کو ہمیشہ کے لئے بقاء ہے۔ جسم کی موت حیاتیاتی خلیات کی تباہی کی وجہ سے ہے اور اس ضمن میں ہمارے اور دوسرے حیوانات میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ اس طرح سکرات موت کی تکلیف کی وجہ بھی حیاتیاتی ہے جہاں تک جسم سے نفس کے جدا ہونے کا مسئلہ ہے وہ حیاتیاتی موت کے عوامل سے ایک جدا مسئلہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نفس اور جسم کا بندھن اتنا مضبوط نہیں کہ نفس جسم کے تابع ہو کر رہ جائے، بلکہ زندگی میں تقریباً ہر روز نیند کے عالم میں یہ جسم سے علیحدہ ہوتا رہتا ہے اور بیداری پر پھر واپس آجاتا ہے اس لیے نفس کا جسم سے جدا ہونا حیاتیاتی موت کا باعث نہیں بنتا۔ لیکن جسم کی موت کے بعد چونکہ نفس کے لئے دنیا میں رہنے کا سبب ختم ہو جاتا ہے اس لیے وہ عالم ارواح کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ اس کی مثال کسی مکان کے مکین کی ہے۔ اگر مکان تباہ ہو جائے یا اس سے چھین لیا جائے تو وہ وہاں سے ہجرت کر جاتا ہے۔ اس کی دوسری مثال اس مسافر کی ہے جب اس کی روانگی کا وقت آجاتا ہے تو وہ خود گھر کی بتیاں بجھا کر باہر نکل جاتا ہے۔

قرآن کریم میں روحانی موت کا بھی ذکر ہے۔ یہ ان لوگوں کی موت ہے جو بظاہر تو زندہ ہیں لیکن ان کی روح اس قدر پراگندہ ہو چکی ہوتی ہے کہ ہدایت کی روشنی ان تک پہنچنا بند ہو جاتی ہے اور یوں ایسے لوگوں کا قلب روحانی روشنی سے خالی ہو جاتا ہے۔ انہیں قرآن کریم روحانی لحاظ سے مردہ قرار دیتا ہے۔ انہیں حیوانات بلکہ حیوانات سے بھی بدتر کہتا ہے۔

حصہ سوم

انسان کی ماورے شخصیت

- زندگی روح اور نفس
- روحوں پرمغربی سائنسی تحقیقات
- ڈاکٹر موڈی کے "بعداز موت مشاہدات" کی تفصیلات اور تجزیہ
- روح کی خوشبو
- خوش بخت نفوس اور بدبخت بھوت
- بھوت پریت ، جنات و غیرہ کا چڑھنا اور ان سے نجات کے طریقے
- مرکر زندہ ہونے والوں کے مشاہدات اور عالم برزخ کی کیفیات کا اسلامی تجزیہ
- بعد الموت کی شعوری حالت اور شہداء کے اجسام کا محفوظ رہنا
- بعدالموت کی زندگی اور حالات قبر
- روحوں سے براہ راست یا خواب میں ملاقات
- کامیاب زندگی اور روحانی ارتقاء

باب نمبر 13

زندگی، روح اور نفس کے متعلق بنیادی مسائل

13.0 تعارف

انسان کا سب سے بڑا روحانی اور سائنسی مسئلہ اس کی اپنی پہچان ہے، وہ کیا ہے، کدھر سے آیا ہے، حقیقی خوشی کیسے مل سکتی ہے؟ کیا اس زندگی کے بعد بھی کوئی زندگی ہے اور اگر ہے تو موت کے بعد کیا ہوگا؟ اس کے لئے زندگی کیسے گزارنی چاہیے؟ دنیا کے تمام مذاہب کا مدعا بھی انہی سوالوں کا جواب فراہم کرنا ہے اور یہی سائنس جاننا چاہتی ہے۔ اکیسویں صدی میں انسان اگر خود اپنے ہاتھوں ہلاک نہ ہو تو شاید اسے کسی حد تک ان کا سائنسی جواب بھی مل جائے۔ خوش قسمتی کی بات یہ ہے کہ اب بہت سے سائنسدانوں کی جستجو کا محور انسان کی تخلیق بن چکا ہے لیکن اکیلی سائنسی جستجو اس منزل کو پانے کے لئے کافی نہیں۔ حقیقت تک پہنچنے کے لئے انہیں بھی اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کی تعلیمات سے فائدہ اٹھانا پڑے گا اور اس سلسلہ کی آخری اور مکمل ہدایت قرآن پاک سے رہنمائی لینا لازمی ہوگا۔ قرآن حکیم سے جو ہم سمجھے ہیں اس کے مطابق جب حضرت آدم علیہ السلام اپنے ڈیزائن سے نکل کر فرشتوں کے سامنے لائے گئے تھے تو دیکھنے والے کے لئے یہ بالکل ایک نئی تخلیق تھی۔ دوسری طرف اس عظیم منصوبہ کی تکمیل کیلئے زمین پر اس کا جسم بھی مختلف ادوار سے گذر رہا تھا۔ وہ مقصود کائنات تھا اور یوں اس کے ارتقاء کے اندر سے بیشمار مخلوقات نکل رہی تھیں۔ اس عمل میں ہونے والا انسان مختلف ابتدائی مدارج سے گذر رہا تھا جیسے بڑی ڈگری کے حصول کے لئے چھوٹی جماعتوں سے گذرنا پڑتا ہے۔ آدم علیہ السلام کو جنت میں دیکھ کر فرشتوں نے ان کی خلافت کے اعزاز پر جو حیرانی کا اظہار کیا تھا اس کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ وہ زمین پر اس سے ملتے جلتے ڈیزائن کے ارتقا پذیر انسانی اجسام دیکھ چکے تھے۔ ان انسان نما حیوانات کو دیکھ کر فرشتے عجیب غلط فہمی میں بھی مبتلا تھے کہ جس تخلیق کو اشرف المخلوقات کا خطاب ملنے والا تھا اس کے ماضی والے کرتوت لہو ولعب، خون خرابا والے تھے لیکن انہیں یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ سب تو راستہ کی دھول تھے۔ آپ سے پہلے پیدا ہونے والی مخلوقات میں سے کچھ خالص روحانی تھیں اور کچھ خالص حیوانی۔ جب کہ نیا آنے والا شاہکار "بیک وقت روحانی اور حیوانی" مخلوق ہوگا۔ یوں آدم علیہ السلام روح اور جسم کا حسین امتزاج اور عمل ارتقاء میں ایک بے مثال اڑان تھے، اور تخلیق کے میدان میں وہ بالکل ایک نئی ہستی تھا۔

قرآن کریم سے حضرت انسان کی جو داستان ہم دیکھتے ہیں وہ اس طرح ہے کہ سب سے پہلے انسان کا ماڈل حضرت آدم علیہ السلام کی شکل میں جنت میں تیار ہوا۔ اسے **احسن التقویم** یعنی اعلیٰ ترین ڈیزائن کہا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی خصوصی تخلیق فرمائی اور اس میں اپنی کئی صفات ودیعت فرمائیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خالقِ کائنات نے اس میں اپنی روح پھونک دی جس سے وہ خدائی صفات کا مظہر بن کر

سامنے آیا۔علمی امتحان میں اس کی کامیابی اورفرشتوں کو سجدہ کا حکم اسی سلسلہ کی کڑی تھیں ۔یہی مقصودِ کائنات تھا اوراسی سے زمین پر نسلِ انسانی کا سلسلہ شروع ہوا تھا۔ایسی تخلیق جو اپنے خالق کی عارف ہو۔مادی اور روحانی اقدار کا ایک خوبصورت مرقع ہو۔

اس عظیم تجربہ کی دنیاوی مثال اعلیٰ قسم کی صنعتی مصنوعات بنانے کی منصوبہ بندی سے دی جاسکتی ہے۔سب سے پہلے کچھ بڑے بڑے دماغ اس منصوبہ کے خدوخال نمایاں کرتے ہیں،پھر تفصیلات طے ہوتی ہیں،پھر اس کا ڈیزائن ہوتا ہے اوراس ڈیزائن سے کسی خاص لیبارٹری میں اس کا پروٹوٹائپ (Proto Type) آزمائشی ماڈل بنایا جاتا ہے پھر اس کی ٹیسٹنگ ہوتی ہے۔ماڈل کی کامیاب ٹیسٹنگ کے بعد اس کا ڈیزائن فیکٹری کے حوالہ کردیا جاتا ہے جہاں ضرورت کے مطابق اس کی لاکھوں کروڑوں نقلیں صنعتی طریقوں سے تیار کی جاتی ہیں اور مارکیٹ کی جاتی ہیں مارکیٹ بذات خودبھی ایک تجربہ گاہ ہے۔انسان کی تخلیق کے بھی کچھ ایسے ہی مراحل تھے۔اس کا ڈیزائن اور ماڈل جنت میں بنا،وہیں اس کی ٹیسٹنگ ہوئی لیکن اس کی پیداوار (Mass Production) کے لئے زمین کی فیکٹری ہے یہاں قیامت تک وہ سلسلہ تولید سے پیدا ہوتے رہیں گے،اسی میں پروان چڑھتے ہیں اوراسی میں مرتے ہیں اور وہیں سے دوبارہ اٹھائے جائیں گے اور یہیں ان کی مارکیٹ ٹیسٹنگ ہوتی ہے۔

اس لمبے سفر میں انسان کی تخلیق،اس کی نشوونما اورانجام کے متعلق کچھ حقائق کا تعلق تو عالم ظاہر سے ہے اور کچھ کی بنیاد ایمان بالغیب پر ہے۔مندرجہ ذیل میں ہم ان مسائل کا قرآن کریم کی رہنمائی اور موجودہ سائنس کی دریافتوں کے حوالہ سے تجزیہ کریں گے۔

13.1 ایمان بالغیب

سب سے پہلے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ نفس اور روح کیا چیز ہیں؟یہ ایک انتہائی بنیادی سوال ہے۔اگرچہ ایمان بالغیب والوں کے لئے ایسے سوالات کوئی وقعت نہیں رکھتے،تقویٰ اور بصیرت کا تقاضا یہی ہے کہ انسان ان مسائل کے پیچھے سرگرداں نہ ہو اور قرآن کریم کی تعلیمات کو بغیر سوال کیے مانا جائے۔درحقیقت اعلیٰ یقین وہی ہے جو بالغیب ہو۔چنانچہ قرآن کریم میں مومنوں کی تعریف کی گئی ہے کہ "وہ غائب پر یقین لانے والے ہیں"(3)2۔ایمان کی یہی کیفیت انسانی سکون اوراطمینان کی ضمانت ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ایمان بالغیب،ایمان بالحاضر کا پیش خیمہ ہے یعنی انسان جب ایمان بالغیب کی گھاٹیوں کو عبور کرتا جاتا ہے تو ایک مقام پر اس پر اصل حقیقت خودبخود عیاں ہونے لگتی ہے اس مقام کے بعد ایمان بالغیب شک وشبہ سے بالاتر علم الیقین کی حدود میں وارد ہوجاتا ہے،تب آنکھ ظاہر بین نہیں بلکہ عین الیقین اور حق الیقین والی کیفیات سے لطف اندوز ہوتی ہے،حجاب اٹھ جاتے ہیں اور حقیقت سے وصل بالواسطہ حاصل ہونے لگتا ہے۔اس سلسلہ میں بھی اسلام ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ ایمان بالغیب کی بنیاد بھی دلیل پر ہونی چاہیے۔فرمایا "**فاتو برھانکم ان کنتم صادقین**" قرآن کریم یہ تعلیم بھی دیتا ہے کہ ہر چیز کی تخلیق کا غائیت انسان ہے یہی وجہ ہے کہ ہر چیز کا ڈیزائن اس سے نکلا ہے اوراسی لئے دیگر مخلوقات اس کے لئے مسخر کردی گئی ہیں۔اشیاء کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ تم انسان کے لئے ہو۔اس کی خدمت کرو۔چنانچہ اس حکم کی تعمیل میں ہر چیز کی

زبردست خواہش ہے کہ انسان اس کا تصرف حاصل کرے تا کہ وہ اس کے کچھ کام آ سکے۔انسان کا یہ اعزاز اس لئے ہے کہ تمام کائنات میں شعوری طور پر وہی عارف رب کائنات ہے۔ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "رب تعالیٰ ایک مخفی خزانہ کی مانند تھا۔اس نے چاہا کہ پہچانا جاؤں جس کے لئے اس نے اپنی ہی روح سے انسان کو بنایا (حدیث قدسی) اور پھر اس کی خاطر کائنات کو بنایا اور اسے علم الاشیاء عطا کیا۔اس کی تشریح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث سے بھی ملتی ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ان کا نور بنایا۔اس وقت نہ چاند تھا، نہ سورج نہ ستارے کچھ بھی نہیں تھا کہ رب تعالیٰ نے عارفوں کے عارف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور پیدا کیا اور پھر اس نور کے اظہار کے لئے کائنات کو بنایا۔یوں پہچان کی اس خواہش نے ہر غیب کو بے تاب کیا ہوا ہے کہ کوئی ہو جو آگے بڑھ کر اسے پالے، کوئی ہو جو اسے آواز دے تا کہ وہ جواب دے۔سائنسی تحقیقات کی کامیابی کی وجہ بھی یہی ہے۔جب سائنسدان چیزوں کی ماہیت کو سمجھنے کے لئے سوچ بچار کرتے ہیں تو وہ خود بول اٹھتی ہیں کہ وہ کیا ہیں؟ سبحان اللہ! جب خالق کائنات کا اعلان ہے کہ مجھے پکارو، میں جواب دوں گا تو اس کی تخلیقات انسان کی آواز پر کیوں جواب نہ دیں گی۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِىْ عَنِّىْ فَاِنِّىْ قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِىْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِىْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ○

"اور اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب میرے بندے تم سے میرے متعلق پوچھیں (تو فرما دیں) کہ میں ان کے قریب ہوں اور جو مجھے پکارے میں ان کی پکار کا جواب دیتا ہوں۔انہیں چاہیے کہ میرا حکم مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں تا کہ وہ ہدایت پا جائیں"۔(سورۃ البقرۃ، آیت۔186)

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِىْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِىْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ○

"(لوگو!) تمہارا رب یہ فرماتا ہے کہ مجھے پکارو تا کہ میں تمہاری پکار کا جواب دوں۔وہ لوگ جو میری عبودیت سے تکبر کرتے ہیں عنقریب جہنم میں جائیں گے ذلیل وخوار ہو کر"۔(سورۃ المومن، آیت۔60)

اوپر کی آیات کریمہ اس بات پر کھلی دلالت کرتی ہیں کہ خالق کائنات چاہتے ہیں کہ انسان اس کی طرف رجوع کرے اور اسی سے مانگے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ دعا عبادت کا مغز ہے۔انسان سے ایمان بالغیب کا تقاضا صرف یہ ہے کہ وہ اپنی سوچ اور نیت کو اللہ تعالیٰ کی طرف پھیر دے۔وہ جو اس کا خالق ہے اور اس کی تخلیقات پر غور کرے تا کہ خالق کی عظمت کا ادراک ہو۔اس کے بعد پھر غیب کھلنے لگتا ہے، طالب اور مطلوب کے درمیان راز کے پردے اٹھنا شروع ہو جاتے ہیں۔

13.2 ایمان بالدلائل

اگرچہ ایمان بالغیب کا درجہ بڑا اعلیٰ اور ارفع ہے لیکن اس سائنسی دور میں یہ لازمی ہوگیا ہے کہ زندگی، موت اور نفس کے حقائق کو دلائل سے سمجھنے کی بھی کوشش کی جائے۔ آخر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی تو ایمان بالغیب کے باوجود اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کیا تھا کہ "اے خدا! مجھے دکھا کہ تو مُردوں کو کس طرح زندہ کرتا ہے" (قرآن کریم)؟ ان کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تو یہاں تک گزارش کر دی کہ "اے رب! مجھے اپنا دیدار نصیب کر" (قرآن کریم)۔ اس لیے اگر آج کوئی یہ سوال کرتا ہے کہ روح کیا ہے؟ حیات بعد الموت کیسی ہے؟ تو یہ گناہ کی کوئی بات نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے جلیل القدر پیغمبروں کو تجربا اور مشاہدہ سے مطمئن کیا، وہ کسی بھی سچے محقق کو اندھیرے میں نہیں چھوڑے گا۔ بے شک قرآن کریم خوشخبری دیتا ہے کہ "اللہ تعالیٰ ڈھونڈنے والوں پر اپنے راستے آسان فرما دیتا ہے"۔ حدیث پاک میں بھی ہے کہ "**من طلب وجد**" جس نے طلب کی اس نے پالیا۔ آیئے اس مخلص جذبے سے روح کی پہچان کی تلاش شروع کر دیجئے۔

13.3 روح کے متعلق قدیم انسانوں کے نظریات

روحوں کے وجود پر انسان کا یقین تقریباً اتنا ہی پرانا ہے جتنا انسان خود پرانا یا قدیم ہے۔ ابھی تک انسانی تاریخ کے بارے میں جو ماخذ ملے ہیں ان میں اس بات کے ٹھوس مشاہدات موجود ہیں کہ انسان ہمیشہ ہی سے روح کو مانتا چلا آتا ہے اور حیات بعد الموت کا قائل رہا ہے۔ تقریباً سب مذاہب کسی نہ کسی طریقے سے کہتے ہیں کہ اعمال کے مطابق جزا و سزا ہے۔

آج سے پانچ ہزار سال پہلے فراعنہ مصر کے مقبرے یہ بتاتے ہیں کہ وہ بھی موت کے بعد زندگی کے قائل تھے اور اپنے مُردوں کے ساتھ ہی زندگی میں استعمال ہونے والی اشیاء اس یقین کے ساتھ دفن کرتے تھے کہ جب وہ دوبارہ اٹھیں گے تو ان کو کسی چیز کی کمی پیش نہ آئے۔ چین میں بھی پرانے بادشاہوں کی یادگاریں یہی بتاتی ہیں۔

ہندوستان میں آریا قوم یہ ایمان رکھتی تھی کہ روح اپنے روپ بدل کر ظاہر ہوتی رہتی ہے اور مردہ کی روح اپنی زندگی میں کیے گئے اعمال کے مطابق کسی دوسری نوع میں دوبارہ جنم لیتی ہے۔ اس جنم در جنم سلسلہ کے تخیّل کو مسئلہ آوا گون (Reincarnation) کہتے ہیں۔

ایشیاء سے دور جنوبی اور شمالی امریکہ میں بھی ماقبل تاریخ قبائل کا خیال تھا کہ روحیں مرتی نہیں بلکہ وہ فضاء میں گھومتی رہتی ہیں یہی وجہ تھی کہ وہ اپنے آباؤ اجداد کی ارواح کی پرستش کرتے تھے۔ اس طرح افریقہ اور آسٹریلیا کے پرانے قبائل میں بھی آباؤ اجداد کی ارواح کو پوجنے کا رواج پایا جاتا تھا۔ جاپانی اور چینی مذاہب یہ سمجھتے ہیں کہ نیک لوگوں کی روحیں مرنے کے بعد خداؤں کا روپ ڈھال لیتی ہیں۔

غرضیکہ ماہرین عمرانیات اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ دنیا کی تاریخ میں کوئی ایسا کلچر یا سوسائٹی نہیں گذری جو انسانی روح کے وجود کو کسی نہ کسی صورت میں نہ مانتی ہو۔ مطلب یہ کہ روحوں کا تصور یہود، عیسائی یا مسلمانوں کی ایجاد نہیں بلکہ دنیا کے ہر ایک خطہ کے انسان ہمیشہ ہی سے اسے

حقیقت سمجھ کر مانتے چلے آئے ہیں حتیٰ کہ آسٹریلیا کے ابوریجنل (Aboriginal) میں بھی حیات بعد الموت کا عقیدہ پایا جاتا ہے۔اگر سچائی کا معیار لاکھوں سالوں پر محیط وقت کی گواہی ہے تو پھر روحوں کا وجود ثابت شدہ ہے اور ضرورت صرف اس امر کی ہے کہ ہم یہ سمجھنے کی کوشش کریں کہ ہمیں زندگی کیسے گذارنا چاہیے کہ مرنے کے بعد والی زندگی تکلیف دہ نہ ہو۔لیکن جو لوگ مذہب کو سچائی کا معیار سمجھنے میں ہچکچاہٹ محسوس کرتے ہیں ان کے لئے بھی تجربہ اور مشاہدہ کی ضرورت ہے۔ان کی تسکین کے لئے اس کتاب میں ہم ایسے بے شمار واقعات، مشاہدات اور تجربات پیش کریں گے جن سے روح کے وجود کے متعلق کوئی شک و شبہ نہیں رہ جاتا۔

13.4 روح اور نفس میں فرق

عوام الناس میں انسان کی مابعد الطبیعیات حقیقت کو عام طور پر روح کہا جاتا ہے جس کا ترجمہ Soul, Spirit وغیرہ کے الفاظ سے کیا جاتا ہے جبکہ قرآن کریم انسان کی ماورائی کیفیت کے لئے زیادہ تر نفس کا لفظ استعمال کرتا ہے۔ہم اسلام کی تعلیمات سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ زندگی کا آغاز روح سے ہوتا ہے لیکن دنیاوی حیات کے زیر اثر جو شخصیت بنتی ہے یعنی ذہنی و قلبی، سائیکی، تگ و دو اور اعمال کے نتیجہ میں روح کی جو شکل بنتی ہے اسے نفس کہا جاتا ہے۔یوں نفس ہماری ٹوٹل شخصیت ہے۔یہ وہی ہے جسے "ہم، میں، وہ اور تم" کے نام سے پکارتے ہیں جبکہ باطنی علوم اور انسانی ضمیر روح کے خصائل ہیں۔روح اور نفس دونوں کی مثال بیج اور درخت سے دی جا سکتی ہے۔ہم جانتے ہیں کہ ہر بیج میں درخت چھپا ہوتا ہے اور ہر درخت میں بیج چھپے ہوتے ہیں۔بوئے جانے کے بعد بیج زمین کی زرخیزی اور نمی کی بدولت پودے کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور پھر آہستہ آہستہ سورج کی روشنی سے توانائی اور زمین سے پانی اور نمکیات لے کر درخت بن جاتا ہے جو سب بظاہر تو بیج سے بالکل مختلف شکلیں ہیں لیکن اپنی اصل میں بیج پر گذرنے والے حالات کا مظہر ہیں۔بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ پرورش کے اثرات کی وجہ سے درخت بیج کی بہت سی خصوصیات کھو دے۔کچھ یہی حال ہمارا اپنا ہے یوں کہا جاتا ہے کہ نفس دراصل روح کی اچھی بری ارتقائی شکل ہے جس کا انحصار شعور اور اختیار کے استعمال پر ہے۔مطلب یہ کہ ہم روح کے ساتھ دنیا میں آتے ہیں اور نفس کے ساتھ یہاں سے جاتے ہیں۔

13.5 زندگی اور موت کا عمل

اب ہم زندگی کے مسئلہ کو سمجھنے کی کوشش کریں گے۔UNO کے ایک اندازہ کے مطابق آج کل ہر ایک منٹ میں تقریباً 600 افراد پیدا ہوتے ہیں اور 500 کے قریب مر جاتے ہیں اگرچہ ان میں سے ہر ایک موت اور ہر ایک نئی زندگی ایک غیر معمولی واقعہ ہے لیکن پھر بھی بہت کم لوگ اس کو سمجھنے کی طرف کوشش کرتے ہیں، کچھ اسے اللہ تعالیٰ کی مرضی اور کچھ اسے حادثہ قرار دے کر چپ ہو جاتے ہیں۔حالانکہ نہ پیدائش ایک حادثہ ہے اور نہ ہی موت کوئی حادثہ ہے۔اتنی بڑی چیز بھلا کیسے بے معنی ہو سکتی ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ ہماری دنیاوی حیات و ممات ہمارے وجود کے

سفر کی درمیانی کڑیاں ہیں جس کا طول پیدائش سے پہلے بھی ہے اور موت کے بعد بھی۔ ہماری مشکل یہ ہے کہ ہمارا مشاہدہ صرف پیدائش اور موت کے درمیانی وقفہ تک محدود ہے اور اگر ہم اس محدود مشاہدہ کی بناء پر زندگی و موت کے متعلق آخری رائے قائم کر لیں تو ہم غلط بھی ہو سکتے ہیں۔

وہ لوگ جو انسان کی اس دنیا میں آمد و رفت کو ایک حادثہ قرار دیتے ہیں وہ اصل میں اپنی سوچ کی وسعت میں کمی کی بناء پر ایسا سوچتے ہیں۔ اس کی بنیاد ان کا یہ باطل خیال ہے کہ انسان محض ایک حیوان ہے۔ جب کہ انسان حیوانات سے بالکل علیحدہ ایک بلند مرتبہ تخلیق ہے جس کا وجود بائیو کیمیکل بھی ہے جو اس کی زندگی کا سبب ہے، اور روحانی بھی، جو اسے ضمیر، علم اور شعور کی بناء پر دوسری تمام نوع حیوانی سے ممتاز کرتا ہے۔ چنانچہ ہماری جسمانی زندگی اور موت بے شک دوسرے حیوانات کی مثل ہے لیکن ہماری روحانی شخصیت ان سے بالکل علیحدہ چیز ہے۔ اس کو سمجھنے کے لئے کسی آٹوموبائل کی مثال لیں۔ ہمارے جسم کی مثال ایک کار کی مانند ہے اور ہماری خوراک کی مثال پٹرول کی مانند ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کار پٹرول کی طاقت سے چلتی ہے لیکن اس سے کام لینے والا وہ ڈرائیور ہے جو اسے چلا رہا ہے۔ یہی حال ہمارے نفس کا ہے جو جسم کی کار میں بیٹھنے سے پہلے بھی موجود تھا اور کار سے اترنے کے بعد بھی باقی رہتا ہے اگر کسی وجہ سے کار بالکل ناکارہ ہو جائے تو وہ اسے ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیتا ہے۔

قرآن کریم کے مطابق موت اور زندگی وقت کے بے پایاں بحرِ تخلیق کے دو مختلف مظہر ہیں۔ اس میں دنیاوی حیات وہ حالت ہے جس میں ہمیں کچھ اختیار حاصل ہے اور موت وہ کیفیت ہے جب اختیار چھن جاتا ہے یا یوں کہیں کہ زندگی کچھ کرنے کا زمانہ ہے اور موت کے بعد والا زمانہ نتائج دیکھنے اور بھگتنے کا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں نیند کی کیفیت کو موت سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اس لئے کہ نیند میں اعمال کی طاقت منقطع ہو جاتی ہے۔ البتہ خواب آتے رہتے ہیں جو اکثر ہمارے اعمال ہی کی مختلف شکلیں ہوتی ہیں۔ زندگی میں انسان کو جو اختیار دیا گیا ہے اس اختیار کا مقصد انسان کی آزمائش ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:۔

الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ O

"(اللہ تعالیٰ وہ ہے) جس نے تخلیق کیا موت کو اور حیات کو تا کہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے بہتر عمل والا کون ہے، اور وہی عزت والا بخشنے والا ہے" (سورۃ الملک، آیت۔2)

اس آیت مبارکہ سے ایک بہت اہم بات یہ نظر آتی ہے جس طرح زندگی ایک تخلیق ہے موت بھی ایک تخلیق ہے۔ فرمانِ الٰہی "وہ جس نے تخلیق کیا موت کو اور حیات کو" کا صاف مطلب ہے کہ یہ دونوں تخلیقی امور ہیں۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ موت خاتمہ نہیں بلکہ کسی اور تخلیقی انداز میں نیا ابھار ہے۔ اس کی مثال ہم پانی کے وجود کی ٹھوس، مائع اور گیس کی حالتوں سے دیتے ہیں۔ اگر چہ کیفیات بالکل جدا جدا ہیں لیکن اپنی اصلیت میں پانی پانی ہی رہتا ہے۔ ایک اور مثال کسی ملازم کی ہے جو کسی مقام پر تعینات تھا پھر اس کی تبدیلی کے احکام صادر ہو جاتے ہیں اور کسی نئی جگہ منتقل کر دیا جاتا ہے۔ اس طرح زندگی اور موت اصل میں کیفیتوں کا انتقال ہے۔ اس روحانی انتقال کے عمل کو درج ذیل آیات اچھی طرح واضح

کرتی ہیں۔ارشادِخداوندی ہے کہ:

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ O

"تم کس طرح اللہ تعالیٰ پر ایمان کو جھٹلاؤ گے؟ کیا تم یہ نہیں دیکھتے کہ تم مردہ تھے اور اس نے تمھیں زندگی بخشی اس کے بعد وہ تمھیں موت دے گا، اس کے بعد پھر دوسری دفعہ زندگی عطا کرے گا، اور آخرکار تم اسی کی طرف لوٹ جاؤ گے "۔(سورۃ البقرۃ، آیت۔28)

اور ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:۔

قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ O

"(قیامت کے دن) وہ کہیں گے، اے پروردگار! آپ نے ہمیں دو دفعہ موت دی اور دو دفعہ زندگی عطا کی، اب ہم اپنے گناہوں کو پہچان گئے ہیں، پس ہے کوئی نکلنے کا راستہ؟ "(سورۃ المومن، آیت۔11)

13.6 آواگون کا گمراہ کن نظریہ

ان آیات سے اس اعلیٰ حقیقت کی نشاندہی ہوتی ہے کہ موت نہ ہونے کا نام نہیں بلکہ زندگی کی طرح یہ بھی تخلیقی امر ہے۔یوں نفس کے مسلسل سفر میں زندگی اور موت برعکس دو حالتوں کا نام ہے۔زندگی جسم کے ساتھ اور موت جسم کے بغیر ہے۔ان آیات سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مسئلہ آواگون جو بار بار کا جنم اور بار بار مرنے کی بات کرتا ہے اور روزِ جزا اور قیامت کو نہیں مانتا ایک گمراہ کن باطل نظریہ ہے۔قرآن کریم کے نزدیک ہر انسان کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ یوم الدین کو قیامت کے بعد ملے گا۔

مسئلہ آواگون (Reincarnation) دراصل نہ صرف قرآنی لحاظ سے بلکہ سائنسی لحاظ سے بھی بالکل غلط نظریہ ہے۔اس مسئلہ کی رو سے آدمی اپنی زندگی میں جو اچھے برے اعمال کرتا ہے اس کے نتیجہ میں اس کی دوسری پیدائش ہے۔یعنی اپنے کئے گئے اعمال کا مزا چکھنے کے لئے اپنے اگلے جنم میں انسان بندریا کتا یا تو رکچھ بھی ہوسکتا ہے۔اچھے اعمال کے نتیجہ میں وہ ایک غریب گھرانے کی بجائے کسی خوشحال گھرانے میں بھی پیدا ہوسکتا ہے۔مختلف اقسام والی بار بار کی زندگی کا یہ سلسلہ ہمیشہ سے چلا آرہا ہے۔اس کا یہ بھی مطلب ہے کہ کُل روحوں کی تعداد جامد رہتی ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا کی آبادی مسلسل بڑھ رہی ہے۔آج سے چھ ہزار سال پہلے اندازہ ہے کہ ساری دنیا پر کوئی ایک ملین کے قریب لوگ رہتے

ہوں گے جواب بڑھ کر چھ ہزار ملین ہو گئے ہیں۔ تو یہ پانچ ہزار نو سو ملین اضافی ارواح کہاں سے آ گئیں؟ اس کے علاوہ یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ ایک بدکردار انسان جب کتا یا بلی بن کر سامنے آتا ہے تو وہ اپنے اس نئے جنم میں کونسے اعمال کرے گا کہ وہ دوبارہ انسانی جنم پا لے؟ اس طرح کیا امیر، غریب، خوش بخت اور بدبخت انسان اپنے پرانے جنم کے اعمال کی وجہ سے ہیں یا موجودہ حالات اور اعمال کی بنا پر؟ کیا خوشحال امریکہ میں پیدا ہونے والے بدحال ہندو انڈیا کی نیک روحیں ہیں اور انڈیا کے مفلوک الحال امریکہ کے مرے ہوئے بدمعاش ہیں؟ غرض جس پہلو سے بھی دیکھا جائے مسئلہ آوا گون کی کوئی بنیاد نظر نہیں آتی۔

13.7 روح اور نفس کا سفر

حقیقت یہ ہے کہ روح بحیثیت امر ربی ایک ابدی حقیقت ہے جو دنیاوی زندگی شروع ہونے سے پہلے روح عالم ارواح میں برزخی وجود رکھتی ہے۔ دنیا میں اس کا قیام اختیاری اور شعوری ہے جس کے اثرات سے روح نفس میں تبدیل ہو جاتی ہے، جب جسم نفس کے لئے غیر موزوں ہو جاتا ہے تو یہ حالت موت میں چلا جاتی ہے۔ عالم برزخ میں قیام کی حالت کا نام قبر ہے۔ عالم برزخ میں نفس کو جسم کی ضرورت نہیں بلکہ وہاں اکثریت کی حالت عالم خواب کی سی ہے جس میں دنیا کی زندگی کے اعمال اور ان کے نتائج مختلف شکلوں میں نظر آتے رہتے ہیں۔ اس وجہ سے عالم برزخ کا دور پر آشوب بھی ہو سکتا ہے اور خوشیوں کا گہوارہ بھی۔ انہی میں وہ بدبخت بھی ہیں جن کی زندگی حرص و ہوا میں گزرتی ہے۔ انہیں مرنے کے وقت محرومی کا اس قدر قلق ہوتا ہے کہ وہ سوچ بھی نہیں سکتے اور بھوت بن کر زمین پر حسرت کے عالم میں پھرتے رہتے ہیں۔ وہ خوش قسمت جو دنیا میں ذکر و فکر والے ہوتے ہیں انہیں کائنات کی سیر کے لئے آزادی عطا ہو جاتی ہے۔ ان میں جو بہت ہی خوش بخت ہیں، جیسے شہداء اور صالحین وہ بلا حساب و کتاب سیدھے جنت میں چلے جاتے ہیں۔

ہمیں سمجھانے کے لئے موت اور زندگی کے عمل کو قرآن کریم سونے اور جاگنے کے عمل سے تشبیہ دیتا ہے، (60)6۔ نیند کی حالت میں اگرچہ جسم موجود ہوتا ہے، خون کی گردش جاری ہوتی ہے، سانس چل رہی ہوتی ہے، لیکن انسانی شعور دب جاتا ہے اس لیے وقت کا احساس ختم ہو جاتا ہے، سوچنے، سمجھنے، دیکھنے، سننے، محسوس کرنے، غرضیکہ تمام وہ ذرائع جو دنیا کے رابطہ کا ذریعہ ہیں ان سے ہم قطعی نابلد ہو جاتے ہیں لیکن نیند میں انسان کا لاشعور (نفس) مستعد ہو جاتا ہے اور خواب دیکھتا ہے جن سے کبھی خوش ہوتا اور کبھی ڈرتا ہے۔ بعض اوقات خواب میں وہ مستقبل اور ماضی میں ذخیرہ شدہ (Stored) واقعات کو بھی دیکھ لیتا ہے۔

موت، زندگی، موت اور پھر زندگی، کے مسلسل عمل کو اکثر جگہ قرآن کریم رات اور دن کے ہیر پھیر سے بھی تشبیہ دیتا ہے۔ دراصل رات اور دن زمین پر یکے بعد دیگرے روشنی اور اندھیرے کی دو حالتوں کا نام ہے جو ایک دوسرے کا پیچھا کرتی نظر آتی ہیں جب کہ زمین اپنے محور کے گرد مسلسل گھومتی رہتی ہے۔ اس عمل میں جو حصہ روشنی کے سامنے ہوتا ہے وہاں دن نکل آتا ہے اور جو روشنی سے دور ہوتا ہے وہاں رات طاری ہوتی ہے یعنی دن رات کیفیت کی تبدیلی ہیں۔ مستقل طبیعاتی تبدیلی نہیں ہے۔ اسی طرح انسانی نفس بھی مسلسل سفر میں ہے۔ جب وہ مادی جسم پر ہویدا ہو تو

یہ زندگی ہے اور جب وہ اس سے علیحدہ ہو تو یہ موت ہے۔ حقیقت میں نہ جسم کے مادی اجزا مرتے ہیں اور نہ نفس ختم ہوتا ہے۔ مندرجہ ذیل میں ہم اس عمل کو چند مساوات سے واضح کریں گے۔

(زمین) + (سورج کی روشنی)__________حالت دن

(زمین) - (سورج کی روشنی)__________حالت رات

اسی طرح

(جسم کے مادی اجزا) + (روح) _______حالت زندگی

(جسم کے مادی اجزا) - (روح) _______حالت موت

پہلی مثال میں سورج کی وجہ سے دن اور رات کا ظہور زمین کے جسم پر ہوتا ہے اور دوسری مثال میں روح کی وجہ سے زندگی اور موت کا گذر انسان کے جسم پر ہوتا ہے۔ ان مثالوں میں زمین یا انسانی جسم محض اظہار کا ذریعہ ہیں ورنہ سورج کی طرح روح کو دوام ہے اور دن رات کے سلسلہ کے مانند زندگی اور موت بھی وقت کے دھارے پر دو مختلف حالتوں کے نام ہیں۔ یہ صرف زمین پر ہمارا مشاہدہ ہے کہ رات کو سورج ڈوب جاتا ہے اور دن کو نکل آتا ہے، جب کہ اوپر آسمانوں میں سے دیکھنے والوں کے لئے سورج بھی مسلسل ہے اور زمین بھی مسلسل حرکت میں ہے اور زمین پر دن رات کا سلسلہ ایسے معلوم ہوتا ہے جیسے ایک سفید دھارا ایک کالی دھار کے پیچھے لگی ہو۔ اسی طرح روح کا سورج بھی صرف ایک ظاہر بین کیلئے ڈوبتا ہے لیکن حقیقت میں وہ قائم و دائم ہے یعنی زندگی اور موت صرف نسبتی مشاہدہ کے نتیجہ میں مختلف نظر آتے ہیں ورنہ موت، روح کے سورج کی نظروں سے اوجھل ہونے کی حالت ہے اور زندگی اس سورج کے ظاہر ہونے کا نام ہے۔ موت سے ہم زندگی میں داخل ہوتے ہیں اور زندگی جو عمل کا وقفہ ہے اس سے ہم موت میں داخل ہو جاتے ہیں۔ روح کے ساتھ ہم آتے ہیں اور نفس کے ساتھ ہم جاتے ہیں۔ یوں موت ختم ہوتا نہیں بلکہ حالت کا بدل جانا ہے۔

موت کو سمجھے ہے غافل اختتامِ زندگی
ہے یہ شامِ زندگی، صبحِ دوامِ زندگی (علامہ اقبالؒ)

اس کی مثال پانی کی تین حالتوں یعنی مائع، ٹھوس اور گیس کی ہے۔ ظاہر میں ان کے درمیان بہت بڑی تبدیلی ہوتی ہے لیکن باطن وہی رہتا ہے۔ جسم ظاہر ہے جو بنتا رہتا ہے اور مرتا رہتا ہے جبکہ نفس اپنی جگہ پر قائم و دائم حقیقت کے طور پر زندہ رہتا ہے۔ یہی ہے وہ جسے ہم "ہم" کہتے ہیں جسے موت کے بعد خالق کے حضور پیش کر دیا جاتا ہے۔ قرآن کریم نفس کی ہمیشگی کی زندگی کی حقیقت کو مندرجہ ذیل الفاظ میں واضح کرتا ہے کہ:۔

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ O

"بھلا تم کیسے اللہ تعالیٰ کے منکر ہو گئے جب کہ تم حالتِ موت میں تھے، پس اس نے تمھیں زندگی دی، پھر وہ تمھیں مارے گا پھر وہ تمھیں حالتِ زندگی میں لائے گا پھر تم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہو"۔

(سورۃ البقرۃ، آیت۔28)

13.8 روح کی حقیقت

مندرجہ بالا تعارف کے بعد اب ہم بنیادی اور مشکل سوال کی طرف توجہ کرتے ہیں کہ روح کی حقیقت کیا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جب یہ سوال پوچھا گیا تو اس کا جواب خالق کائنات نے وحی کے ذریعہ یوں دیا کہ:۔

"اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ لوگ روح کے متعلق پوچھتے ہیں، فرما دیجئے کہ یہ میرے رب کے امر سے ہے، اور تمہیں اس کا بہت تھوڑا علم عطا کیا گیا ہے"۔

سورۃ السجدہ کی آیہ مبارک میں روح کا تعلق خالق کائنات نے اپنی ذات پاک سے جوڑا ہے۔ فرمایا کہ:۔

ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ٥

"پھر اس (تخلیق آدم) کو سنوارا گیا، اور پھونکا اس میں اپنی روح میں سے کچھ، اور بنایا تمہارے لئے سُننا، دیکھنا اور سمجھنا لیکن تم تھوڑا شکر کرتے ہو"۔ (سورۃ السجدۃ، آیت۔9)

ان ارشادات باری تعالیٰ سے مندرجہ ذیل باتیں ظاہر ہوتی ہیں۔

1. یہ کہ روح کا وجود ہے۔
2. اس کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے امر سے منسلک ہے۔
3. انسان کبھی بھی روح کی پوری حقیقت نہیں سمجھ سکے گا لیکن اس کی تھوڑی سمجھ انسان کی بصیرت کی پہنچ میں ہے۔
4. سمع، بصیرت اور شعور یعنی عقل ودماغ، وجدان روح کی خصوصیات ہیں۔
5. روح چونکہ امر ربی سے ہے اس لیے اس کا تعلق طبعیات یعنی وجود سے نہیں بلکہ لاوجود سے ہے۔
6. امر ربی کو موت نہیں ہو سکتی اس لیے روح کو بھی موت نہیں آسکتی۔
7. انسان میں اللہ تعالیٰ نے "اپنی روح سے کچھ پھونک دیا" کا مطلب یہ ہے کہ کسی حد تک انسان میں الٰہی صفات پائی جاتی ہیں

اللہ تعالیٰ کے انسان میں روح پھونکنے کا تصور آپ سورج کی شعاع سے کر سکتے ہیں۔منبع سورج ہے لیکن زمین کے جس ذرہ پر پڑتی ہے اسے منور کر دیتی ہے اور سورج کی گرمی ذرہ کے جسم کا حصہ بن جاتی ہے۔کرن کی اصل سورج کے ساتھ ہے لیکن سورج سے علیحدہ ہونے کے بعد بھی قائم رہتی ہے۔

آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد کہ "روح کے متعلق تمہیں تھوڑا علم دیا گیا ہے" اللہ تعالیٰ کے اپنے علم کے مقابلے میں اشارہ ہے جب کہ انسان کی نسبت سے یہ علم بھی بہت ہوگا۔اس لیے ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ اگر انسان روح پر باقاعدہ تحقیق شروع کرے تو یقیناً مثبت نتائج برآمد ہوں گے۔

13.9 کیا روح کی فطرت توانائی ہے؟

ارشاد مبارک "روح امر ربی ہے" ۔کو سمجھنے کے لئے لفظ امر کے معنی پر غور کرنا ہوگا جس کا عام طور پر معنی "ارادہ، کام، معاملہ، حکم" وغیرہ لیا جاتا ہے قرآن کریم سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ امر ہستی کا سبب ہے۔یعنی تخلیق کا آرڈر ہوا اور تخلیق معرض وجود میں آ گئی۔تخلیق کائنات کے بارے میں سائنس بھی بالآخر اسی نتیجہ پر پہنچی ہے کہ یہ ہمیشہ سے نہیں بلکہ اس کا ایک نقطہ آغاز ہے جس سے پہلے کچھ نہیں تھا، نہ زمان ومکان، نہ مادہ، نہ توانائی۔پھر کچھ ہوا اور اچانک لاوجود وجود میں بدل گیا، سائنس اس امر کو بگ بینگ (Big Bang) کہتی ہے۔اور اس وقت سے برآں کچھ نہ کچھ ہوتا جارہا ہے۔

اس سلسلہ میں قرآن کریم سے ظاہر ہوتا ہے کہ امر ربی کا اظہار 'کن' یعنی 'ہوجا' کا آرڈر تھا جس کے ساتھ ہی 'کائناتی سفر' برابر مقدار میں منفی اور مثبت توانائی میں تقسیم ہو گیا اور وہیں سے توانائی مادہ میں بدل گئی اور یوں چیزوں کا آغاز ہو گیا۔ ''کن'' اللہ تعالیٰ کا مستقل امر (Standing Order) ہے۔اس وقت سے ہر چیز اس حکم کو پورا کرنے کی طرف لگی ہوئی ہے اور اپنی بساط کی حد تک اپنے وجود کا اظہار کرتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ جہاں بھی حالات سازگار ہوں زندگی کسی نہ کسی شکل میں ظاہر ہو جاتی ہے۔یعنی مالک کے ''کن'' کے حکم پر عمل کرنے کے لئے وجود اور لاوجود بھی بے قرار ہیں۔

امر ربی کے طور پر روح بھی کن کا امر ہے یہ اظہار ارادہ ہے، جس کا تعلق لاوجود سے ہے۔لیکن اس کے نتائج وجود کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں۔اس کی مثال کمپیوٹر کے سافٹ ویئر سے دی جا سکتی ہے۔یہ صرف ہدایات اور کچھ حساب ہے جو اپنی فطرت میں نہ وزن، نہ حجم رکھتے ہیں یعنی لاوجود ہیں لیکن کمپیوٹر ہارڈویئر (Hardware) کے ذریعہ کئی ایک وجود کا باعث بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔یہی حال روح کا ہے۔یہ امر ربی ہے اس کے نتیجہ میں جو تخلیق ہوتی ہے وہ نفس ہے جو ہم خود ہیں۔جسے ہم مندرجہ ذیل شکل میں دکھا رہے ہیں۔

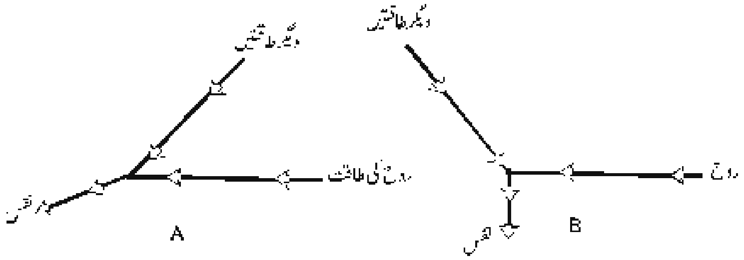

تصویر: نفس اور روح کے درمیان تعلق

آپ شکل A میں دیکھ رہے ہیں کہ اگرچہ روح پر اثر پذیر بیرونی طاقتوں کے اثرات بالکل مطابقت نہیں رکھتی لیکن اپنی سمت میں الٹ بھی نہیں، اس لئے نفس کی سمت اگرچہ روح سے علیحدہ ہے لیکن زیادہ بھی نہیں۔ البتہ شکل B میں بیرونی اثرات مخالف سمت میں کام کر رہے ہیں جس کے نتیجہ میں نفس کا رخ روح کے فطری رخ سے الٹ ہے۔ اس کو نفس امارہ کہتے ہیں جب کہ شکل A والے نفس کو نفس مطمئنہ کہتے ہیں۔

13.10 روح اور اللہ تعالیٰ کا نور

اب ہم اس سوال کی طرف آتے ہیں کہ نفس اور روح اپنا اظہار کس طرح کرتے ہیں؟ جیسے قرآن کریم کے حوالہ سے ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ انسانی روح اللہ تعالیٰ کی روح ہی سے اخذ شدہ ہے، اس لیے ہماری روح اور نفس بھی اسی طرح اظہار کرتی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ اپنا اظہار کرتا ہے اور ہم سب جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنا اظہار اپنی صفات سے کرتا ہے۔ اس طرح روح میں بھی کچھ ربی صفات ہیں لیکن کیا نفس بھی انہی صفات کا حامل ہوگا؟ اس سلسلہ میں چونکہ نفس مطمئنہ وہ ہے جس کی سمت روح سے زیادہ دور نہیں اس لئے نفس مطمئنہ الوہی صفات کا حامل ہوتا ہے لیکن نفس امارہ جو شیطان کے زیر اثر روح ہے وہ شیطان کے اثر میں آ کر شیطانی صفات کا حامل ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی وہ صفت جس سے سب وجود اور لاوجود کو شعور ملتا ہے، جس سے ہمیں چیزوں کی پہچان ہوتی ہے وہ صفت نور ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پاک کی مثال قرآن کریم میں 'نور علیٰ نور' سے دی ہے۔ سورۃ نور میں ارشاد ہے کہ:۔

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ
زُجَاجَةٍ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ

وَّلَاغَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْلَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ۭ نُوْرٌ عَلٰي نُوْرٍ ۭ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ O

''اللہ تعالیٰ نور ہے آسمانوں اور زمین کا، مثال اس کے نور کی مانند ہے جیسا ایک طاق، جس میں ایک چراغ ہے۔ وہ چراغ ایک فانوس میں ہے، اور وہ فانوس مانند ایک ستارے کے ہے، جو موتی کی طرح چمکتا ہے اور روشن ہوتا ہے، ایک برکت والے درخت زیتون سے، اگر چہ اسے آگ نہ بھی چھوئے۔ وہ نور علیٰ نور ہے، اللہ تعالیٰ اپنے نور سے ہدایت کی راہ دکھاتا ہے جسے چاہتا ہے، اور اللہ تعالیٰ انسانوں کے لئے مثالیں بیان فرماتا ہے، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے''۔ (سورۃ النور، آیت۔35)

نور کے بارے میں ہم قرآن کریم میں یہ بھی دیکھتے ہیں کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی کہ ''اے خدا! تو مجھے اپنی ذات پاک دکھا تو حکم ہوا کہ تم مجھے دیکھ نہ پاؤ گے۔ لیکن جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اصرار کیا تو اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے نور کا جلوہ کوہ طور پر نازل کیا جو اتنا طاقتور تھا کہ پہاڑ ٹوٹ پھوٹ گیا اور موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی بے ہوش ہو گئے۔ نور کی طاقت کے اندازے کے لئے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل زمین کے لئے اپنے نور کو ستر پردوں میں ڈھانپا ہوا ہے اگر ان میں سے ایک پردہ اٹھ جائے تو دنیا خاکستر ہو جائے۔ ان روایات اور آیات کریمہ سے یہ بات تو صاف واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ماہیت کا اظہار اپنے نور کی توانائی سے کرتا ہے۔ چونکہ روح کا تعلق بھی اس ذات پاک سے ہے اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ انسانی روح بھی اپنی فطرت میں نور ہے۔

آئیں اب اسی مسئلہ کو عام سائنسی بنیادوں پر سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ سب سے پہلے اپنے جسم، اس کی حرکات وسکنات اور سوچنے سمجھنے کی قوتوں پر غور فرمایئے۔ ہمارا چلنا پھرنا، کام کرنا، اپنی اصل میں کیا ہے؟ جب ہم چلتے ہیں تو پورے جسم کا بوجھ اٹھائے پھرتے ہیں۔ جس کے لئے بہت سی توانائی کی ضرورت ہے۔ انسان کی ہڈیوں اور گوشت کے اندر اس کام کے لئے جو موٹریں لگی ہوئی ہیں وہ کیسی ہیں؟ اور کیسے چلتی ہیں؟ جب آپ تھوڑا اس پر غور فرمائیں گے تو معلوم ہوگا کہ جسم کی سب حرکات وسکنات اور کام کرنے کی استعداد کا ماخذ جسم کے اندر کی توانائی ہے۔ یہ توانائی ہم خوراک سے حاصل کرتے ہیں، یہ خوراک یا تو پودوں سے حاصل کی جاتی ہے یا ان حیوانوں سے جن کی خوراک پودے ہیں۔ پودوں میں یہ توانائی کہاں سے آتی ہے؟ اس کا بڑا منبع سورج ہے۔ سائنس یہ بھی معلوم کر چکی ہے کہ سورج کی توانائی کا منبع وہ مادہ (ہائیڈروجن اور ڈیوٹیریم ہے) جو بگ بینگ میں پھیلا ہوا تھا اور بگ بینگ اللہ کے امر کن کا نتیجہ تھا۔ اس سے یہ ظاہر ہوا کہ درحقیقت جس توانائی کی بدولت ہم چلتے پھرتے ہیں یا کام کرتے ہیں اس کی ظاہری حقیقت سورج ہے لیکن اصل امر کن ہے۔ یوں ہماری موجودہ حرکات وسکنات بلکہ ہمارا سارے کا سارا جسم دراصل سورج کی توانائی ہی کی مختلف اشکال ہیں۔ وہ روحانی جرثومہ جس سے ہم سب کے جسم کا آغاز ہوتا ہے اس کا سائز محض ایک سینٹی میٹر کا لاکھواں حصہ

ہوتا ہے۔جو اتنا چھوٹا ہے کہ اسے صرف طاقتور خوردبینوں کی مدد ہی سے دیکھا جا سکتا ہے لیکن جب سورج کی توانائی ماں کی خوراک کے واسطے سے اس تک پہنچتی ہے تو وہ بڑھ کر انسانی جسم کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔لہٰذا یہ جو جسم ہمیں نظر آتا ہے یہ بھی سورج کی توانائی کا ایک مظہر ہے۔گویا اپنی اصل میں مادی اور روحانی دونوں لحاظ سے ہم توانائی کا ایک سسٹم ہیں جو باطنی نظام میں امر کن کے امر سے وابستہ ہے اور اللہ کے نور کا ایک حصہ ہے۔

13.11 اعمال، جسم اور روح

اس ضمن میں ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ مادہ اور توانائی باہم تبدیل ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں، جس کا باہمی تعلق 1904ء میں عظیم سائنسدان آئن سٹائن Ein Stein نے $E=mC^2$ کی مساوات سے ظاہر کیا۔اس مساوات میں E کا مطلب توانائی، m کا مطلب مادہ اور C روشنی کی رفتار جو کہ 3 لاکھ کلومیٹر فی سیکنڈ ہے۔پھر مزید یہ کہ ایٹم کی ماہیت کے بارے میں سائنسی دریافتوں سے معلوم ہوا ہے کہ تمام اشیا مالیکیولوں کا مجموعہ ہیں اور ایٹم اپنی ماہیت میں الیکٹران، نیوٹران اور پروٹون سے مل کر بنے ہیں جن کی تشکیل مزید سادہ تر ذرات کیوآرک (Quaric) اور لیپٹان (Leptons) کی مرہون منت ہے اور وہ سب بھی اپنی اصل میں محض توانائی کے گولے ہیں یعنی اپنی اصل میں ہر چیز کا ظاہر اور باطن توانائی ہے۔اس سوچ کے مطابق ہم میں سے ہر ایک بیک وقت مادہ بھی ہے اور توانائی بھی ہے۔جس کی تشکیل بگ بینگ کے نتیجہ میں ہوئی تھی اور بگ بینگ سے پہلے لاوجود ہی لاوجود تھا جسے ہم وجود کی دنیا والے کبھی بھی سمجھ نہیں سکتے۔اس لیے کہ ہماری سوچ کا منبع دماغ ہے جو وجود کی نسبت سے ہے اور وجود کے اندر مقید ہے۔یہی وجہ ہے کہ بگ بینگ پر جا کر سائنس ختم ہو جاتی ہے۔اسی طرح روح کا تعلق لاوجود کی ذات پاک سے ہے، جسے عقلی طور پر کبھی بھی سمجھا نہیں جا سکتا البتہ قلبی طور پر محسوس کیا جا سکتا ہے۔یہ توانائی کے ذریعہ کام کرتی ہے نظر آتی ہے لیکن خود توانائی نہیں۔

توانائی درحقیقت انسانی جسم میں مختلف عوامل کے اظہار کا ایک ذریعہ ہے۔اگر ان عوامل کا اظہار کسی اور طریقہ سے ہو سکے تو پھر جسم کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔اس بات کو سمجھنے کے لئے آپ کسی کتاب کے پڑھنے کی مثال لیجئے۔کتاب آپ کے سامنے ہے اور آپ کی آنکھیں الفاظ پر مرتکز ہیں، روشنی جو ایک خالص توانائی ہے، کاغذ پر گر رہی ہے، کاغذ اور الفاظ سے ٹکرا کر یہ روشنی آنکھ کی پتلی تک پہنچتی ہے جو مادی چیز ہے، آنکھ میں روشنی کی یہ کرن بجلی کی لہروں میں بدل جاتی ہے، بجلی کی یہ لہریں اور دماغ کے خلیات مل کر ایک کیمیائی توانائی کو جنم دیتے ہیں جو کاغذ پر لکھے ہوئے حروف کی اشکال کی دماغ کے مخصوص خلیات میں فلم بناتی ہے۔اس کے اثرات شعور میں منتقل ہوتے ہیں، اور وہاں حافظہ کے خلیات پر محفوظ ہو جاتے ہیں اور عقل ان کو معانی بخشتی ہے۔

پڑھنے کے اس سارے عمل میں آپ نے دیکھ لیا ہو گا کہ آنکھیں اور دماغ محض مادی ذرائع ہیں جو توانائی کی ایک حالت کو دوسری حالت میں بدلنے کا ذریعہ ہیں۔جب کہ اصل میں ہمارے پڑھنے اور سمجھنے کی بنیاد ایک خالص توانائی کا عمل ہے اور اس سے معانی اخذ کرنا بالکل ایک غیر مادی سبب پر منحصر ہے۔اس طرح ہمارے سوچنے، دیکھنے اور سمجھنے کے لئے جسمانی اعضاء کی اہمیت صرف ہماری باہر کی دنیا سے رابطے کی ہے۔اس

لیے کہ مادی دنیا سے رابطہ قائم کرنے کے لئے مادی ذرائع ہی کی ضرورت ہے، ورنہ ذہن کی سطح پر انسان کو ان کی ضرورت نہیں۔ اگر کسی طرح سننے، دیکھنے اور خیالات کو سمجھنے والی لہریں سیدھی دماغ کے مخصوص حصوں تک پہنچائی جا سکیں تو پھر انسان آنکھوں کے بغیر دیکھ سکے گا اور کانوں کے بغیر سن سکے گا۔ (اپنی روحانی حالت میں نفوس کی باہمی بات چیت اور دیکھنا یونہی براہ راست ہوتا ہے۔ جنات اور ملائکہ بھی اسی طرح بغیر کسی مادی ذریعہ کے بات چیت کرتے ہیں)۔

کتاب کو پڑھنے والی مثال میں ہم نے پڑھنے کا عمل کاغذ اور روشنی سے شروع کیا تھا۔ فرض کریں کہ ہم الفاظ کو آنکھ کی مدد کے بغیر ہی بجلی کی لہروں سے بدل دیں۔ جس طرح T.V کیمروں میں ہوتا ہے اور ان لہروں کو سیدھا دماغ میں مخصوص خلیات تک پہنچا دیں تو پھر آنکھ کی ضرورت نہیں رہے گی۔ اگر ہم الفاظ کو بلاواسطہ خیالات میں بدل سکیں تو پھر دماغ کے خلیات کی بھی ضرورت نہیں رہے گی، بہرحال ان سے مطلب اخذ کرنے کیلئے غیر مادی عقل وشعور کی ضرورت ہے۔ جدید سائنس نے یہ ثابت کیا ہے کہ برقی لہروں کے ذریعے براہ راست دماغ کے خلیات تک پیغام پہنچانا عین ممکن ہے۔ (ہم جانتے ہیں کہ ٹیلیویژن کیمرہ اشکال اور الفاظ کو بجلی کی لہروں میں بدل سکتا ہے)۔ مستقبل میں جب ہم ان لہروں کو دماغ کے حساس خلیات پر مرتکز کرسکیں گے تو پھر ہمیں دیکھنے کیلئے آنکھ کے عضو کی ضرورت نہیں رہے گی۔ اس نظریہ کو مزید آگے بڑھائیں تو آپ اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ باطن تو باطن محسوسات کی دنیا میں بھی آگاہی کے لئے جسم لازمی نہیں ہے۔

اگر ہم انسانی شخصیت کے اس باطنی نظام کو کوئی نام دینا چاہیں تو یہ نام روح یا نفس ہے۔ سائنس کی زبان میں ان کا نام جینیٹک کوڈ (Genetic code) ہے جو محض کچھ ہدایات ہیں جو خلیات پر درج ہیں اس سے پتا چلتا ہے کہ اگر روح امر ربی ہے جو خلیات روح کے امین ہیں۔ امریکہ کی مینا سوٹا یونیورسٹی میں ہو بہو جڑواں بچوں کی تحقیق سے یہ دیکھا گیا ہے کہ جینز کے نظام میں انسانی تقدیر لکھی ہوئی ہے۔ ماحول، تعلیم، تربیت اور ذاتی کوشش سے تقریباً پچاس فیصد تک ہم اس تقدیر پر اثر انداز ہو سکتے ہیں لیکن بدل نہیں سکتے۔ یوں روح انسان کی اصل ہے Soft ware اور جسم اس روح کے لئے ایک سواری کی حیثیت Hard ware رکھتا ہے۔ عقل وشعور، حق وباطل کی پہچان، ہمارا سننا، دیکھنا، سمجھنا بلکہ سب کچھ ہی اس روحانی نظام کی بدولت ہے۔ اختیار، ماحول، تعلیم اور بیرونی دنیا کے اثرات سے روح کی جو شکل سامنے آتی ہے وہ نفس ہے جو ہماری اصل شخصیت کا مظہر ہے۔ اس کی مثال بیج اور درخت کی سی ہے (جس پر ہم پہلے بھی کافی بحث کر چکے ہیں)۔ جس طرح نباتاتی نظام میں بیج کے اندر درخت ہوتا ہے اور درخت کے اندر بیج اسی طرح روح نفس ہے اور نفس روح ہے جیسے سبب (Cause) اور اثر (Effect) کا معاملہ ہے۔

اگر ہم اس حقیقت کو سمجھ لیں کہ انسان کی بنیاد اس کی روح ہے اور حاصل جمع (Resultant) اس کا نفس ہے ان دونوں کے درمیان جسم محض بیرونی دنیا سے رابطہ کا ذریعہ ہے تو پھر جسم کو ہم جو اس قدر اہمیت دیتے ہیں کم ہو جانی چاہیے اور اصل مقام نفس کو ملنا چاہیے۔ جو ہماری مستقل باقیات ہے۔ ہم خود ہیں۔ پھر کالے ہوں یا گورے، چپٹی ناک والے ہوں یا لمبی ناک والے، چھوٹے قد والے ہوں یا لمبے قد والے، خوبصورت ہوں یا بھدے یہ باتیں بالکل غیر اہم ہو جاتی ہیں۔ بنیادی طور پر ہم اللہ تعالیٰ کی پھونکی ہوئی روح ہیں اور ہمارا انجام ہمارا جسم نہیں بلکہ ہمارا نفس ہے۔ اس لئے بڑائی کا معیار صرف نفس کی بڑائی پر ہے۔ آدمی نے جتنا اسے سربلند کر لیا اتنا ہی وہ اونچا ہو گیا۔ جتنا اسے نیچے گرا دیا اسی نسبت سے وہ

خودگر گیا۔ آدمی کا جسم، دنیا کے ذرائع اور زندگی کا مقصد صرف یہی ہے کہ روح ایک کامیاب نفس بن کر اپنے خالق کے سامنے پیش ہو۔

جہاں تک موت کا تعلق ہے یہ جسم سے نجات کا نام ہے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ جب جسم کا کوئی حصہ اس کے لئے تکلیف کا باعث بن جاتا ہے تو ہم اسی میں بہتری سمجھتے ہیں کہ اس کو کاٹ کر علیحدہ کر دیا جائے جیسے دکھتے دانت کو نکال پھینکتے ہیں۔ جب پورا کا پورا جسم سوہان روح بن جاتا ہے تو اس وقت نفس اس سے باہر نکل آتا ہے۔ ایسے ہی جیسے مکان کے چھینے جانے پر یا ناقابل رہائش ہونے پر مکین اسے خالی کر دیتا ہے یہی موت ہے یعنی موت نفس کی جسم سے علیحدگی کا نام ہے۔ جس کے بعد اگر اس پر گناہوں کا بوجھ نہیں تو اللہ کی کائنات میں وہ جدھر چاہے سیر کرنے کے لئے آزاد ہوتا ہے۔ ورنہ اپنے گناہوں کے بوجھ کے نیچے رینگتا اپنی قبر میں سڑتا رہتا ہے۔

13.12 زندگی اور شعور (Mind) کائنات کی بنیادی اکائی

قرآن کریم ہماری اس بات کی طرف بھی رہنمائی کرتا ہے کہ زندگی اور شعور (Mind) صرف انسان کی خصوصیت ہی نہیں بلکہ ہر ایک چیز، بلکہ ایٹم ایٹم شعور کا مالک ہے۔ جس سے اسے اپنے خالق اور اس کے قوانین کی پہچان حاصل ہے۔ اس سلسلہ میں قرآن کریم میں کبھی ہم خالق کائنات کو زمین و آسمان سے کلام کرتے دیکھتے ہیں، کبھی وہ پہاڑوں سے باتیں کرتا ہوا نظر آتا ہے، کبھی ہمیں اطلاع دی جا رہی ہے کہ کائنات میں ہر چیز زمین، ستارے، پہاڑ، درخت، سمندر اور دریا، نباتات، جمادات سب ہی خالق کی تسبیح پڑھتے ہیں جو اس بات کی دلیل ہے کہ اپنی اپنی سطح پر کوئی چیز بھی اللہ تعالیٰ کے ادراک اور اس کے قوانین سے بے خبر نہیں، ذرہ ہو یا سورج، پانی ہو یا ہوا، زمین ہو یا آسمان غرض ایٹم ایٹم کو اپنے خالق کی آگاہی حاصل ہے یہی آگاہی اس کی روح ہے جو انہیں خالق سے جوڑ رکھتی ہے اور اس کے بنائے ہوئے قوانین کے مطابق انہیں کام پر لگا کر رکھتی ہے۔ اسی حقیقت کے پیش نظر رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ زمین سے ڈرو، قیامت کے دن یہی تمہارے خلاف گواہی دے گی۔

جمادات کے علم پر بخاری شریف کی وہ حدیث بھی شاہد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں مکہ میں اس پتھر کو جانتا ہوں جو بعثت سے پہلے مجھے سلام کیا کرتا تھا اور یہ بھی کہ مسجد نبوی میں کھجور کے جس تنے سے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ٹیک لگا کر خطبہ فرماتے تھے جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منبر کا استعمال شروع فرمایا تو لوگوں نے اس کے چیخنے چلانے کی آوازیں سنیں۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے وہیں منبر کے نیچے دفنا دیا۔

مندرجہ ذیل آیات میں آپ دیکھیں گے کہ کائنات کی ہر چیز کو اللہ تعالیٰ کا شعور حاصل ہے، انہیں اس کے قوانین سے آگاہی ہے اور وہ امر ربی کے مطابق اپنی اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کیلئے مسلسل معروف عمل ہیں اور یوں اس کے سامنے سجدہ ریز ہیں فرمایا:۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ
وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ■ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ

الْعَذَابُ ■ وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ■ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ۝

"کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہیں، جو کچھ زمین میں ہے اور جو کچھ آسمان میں ہے، سورج، اور چاند اور تارے اور پہاڑ اور درخت اور جانور، اور بہت سے انسان بھی (لیکن انسانوں میں) اکثر وہ ہیں، جن پر عذاب مقرر ہو چکا ہے، اور جسے اللہ تعالیٰ ذلیل کرے اسے کوئی عزت دینے والا نہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے "۔(سورۃ الحج، آیت۔18)

سورۃ الانبیاء میں آگ سے خطاب ہے کہ وہ کیسا اللہ تعالیٰ کے حکم کو سمجھتی ہے اور عمل کرتی ہے فرمایا:۔

قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ۝ قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ۝

"بولے اس کو آگ میں جلا دو اپنے معبودوں کی حمایت میں، اگر تمہارے لیے یہ ممکن ہو، ہم نے کہا! اے آگ ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی ہو ابراہیمؑ پر "۔(سورۃ الانبیاء آیات۔ 69-68)

آیت (74) 2 میں بادلوں اور ان میں پیدا ہونے والی گرج کا بیان ہے کہ وہ بھی اپنے رب کو پہچانتی ہے اور اس کی تسبیح کرتی ہے فرمایا:۔

وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ ۝

"بجلی کی گرج اس کی (اللہ تعالیٰ) تسبیح بیان کرتی ہے"۔ (سورۃ الرعد، آیت۔13)

غرض قرآن کریم میں جگہ جگہ یہ بتایا گیا ہے کہ کائنات کا ذرہ ذرہ اللہ تعالیٰ کو پہچانتا ہے اس سے ڈرتا ہے اور اس کے حکم پر عمل کر رہا ہے۔ مندرجہ ذیل آیات بھی یہی بات ثابت کرتی ہیں:۔

وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ■ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ■

وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ■ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝

"اور پتھروں میں سے وہ بھی ہیں جن سے نہریں بہتی ہیں، اور کچھ وہ ہیں جو پھٹ جاتے ہیں اور ان سے پانی نکلتا ہے، اور کچھ وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ڈر سے گر پڑتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے بے خبر نہیں ہے"۔

(سورۃ البقرۃ، آیت۔74)

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَاالْقُرْاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًامِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَO

''اگر ہم اتارتے یہ قرآن کسی پہاڑ پر تو آپ اسے دیکھتے ڈرا ہوا، اور وہ اللہ تعالٰی کے خوف سے پاش پاش ہو جاتا، اور یہ مثالیں ہم ان لوگوں کیلئے بیان فرماتے ہیں، کہ وہ اس پر غور و فکر کریں''۔ (سورۃ الحشر، آیت۔21)

وَّسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ وَكُنَّا فٰعِلِيْنَO

''اور داؤد علیہ السلام کے لئے ہم نے پہاڑ مسخر کردیئے کہ تسبیح کرتے تھے، اور پرندے بھی اور یہ ہمارا ہی کام تھا''۔

(سورۃ الانبیاء، آیت۔79)

يَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَO

''جس دن گواہی دیں گے ان پر، ان کی زبانیں، ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں، ان کاموں کی جو وہ کرتے تھے''۔

(سورۃ النور، آیت۔24)

قرآن کریم کی ایسی تمام آیات ہماری رہنمائی کرتی ہیں کہ زندگی کا ایک بنیادی خاصا شعور (Mind) ہے جس میں اولین اللہ تعالٰی اور اس کے امر یعنی قوانین فطرت سے آگاہی ہے، اس لحاظ سے کوئی چیز بھی زندگی اور شعور (Mind) سے خالی نہیں یعنی یہ کائنات کی بنیادی کائی ہے۔ کسی نہ کسی درجہ پر نہ صرف حیوانات، نباتات بلکہ جمادات سب میں ہے۔ فرق صرف درجات میں ہے مثلاً جمادات کی زندگی اور شعور (Mind) انتہائی کم درجہ پر ہے۔ اس سے اگلی ترقی یافتہ زندگی نباتات میں ہے، حیوانات کی زندگی اور شعور (Mind) اس سے بھی زیادہ ترقی یافتہ ہے لیکن جس ہستی کو زندگی اور شعور (Mind) کے علاوہ علم اور اختیار کی دولت بھی دی گئی ہے وہ صرف انسان ہے اور یہ اس کی روح کی وجہ سے ہے جو اس پر اللہ تعالٰی کی خاص عطا ہے۔ یہی ایمان اور عمل کے نتیجہ میں نفس میں تبدیل ہو کر اپنی موت کے بعد مالک حقیقی کے سامنے حاضر ہوتی ہے۔

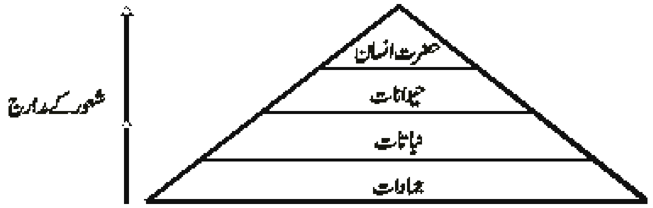

13.13 جان دار اور بے جان

اوپر دی گئی آیات میں ایک نہایت دلچسپ اور انوکھی بات یہ نظر آتی ہے کہ اپنی اصطلاح میں ہم جن چیزوں کو بے جان سمجھتے ہیں خدا تعالی ان سے ہم کلام نظر آتا ہے۔اس کے علاوہ وہی بے جان چیزیں خدا کی تسبیح میں معروف کارستائی گئی ہیں۔اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بظاہر بے جان چیزوں کو بھی رب تعالی کا شعور حاصل ہے۔

اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جاندار اور بے جان بالکل ایک نسبتی امر ہے۔ہم ان چیزوں کو جاندار سمجھتے ہیں جو کھاتی، پیتی اور بڑھتی ہیں لیکن یہ اس لیے کہ پہلے ہم نے جاندار اور بے جان کی تخصیص کی، پھر اس تخصیص سے تعریف واضح کرلی۔اس کے برعکس اگر ہم اوپر دی گئی قرآنی آیات کے پیش نظر جاندار اور بے جان چیزوں کی تعریف کریں تو ہم مندرجہ ذیل نتائج پر پہنچیں گے:۔

"وہ تمام اشیاء جاندار ہیں جنہیں اپنے رب سے رابطہ (Communication) کا شعور حاصل ہے۔اس تعریف کے مطابق کسی نہ کسی سطح پر کائنات کی ہر چیز میں اپنے خالق کا شعور ہے۔وہ اپنے خالق کو بھی جانتی ہیں اور اس کے بنائے ہوئے قوانین سے بھی آگاہ ہیں۔یوں کائنات میں کوئی بھی چیز بے جان نہیں ہے اور روح کائنات کی ایک بنیادی اکائی ہے یعنی کائنات کا ذرہ ذرہ روح رکھتا ہے اور اسی روح ہی کی وجہ سے ہر چیز کا اپنا اپنا مجاز(Character) ہے۔

یہ کہ ہر چیز کو شعور (Mind) حاصل ہے۔اس بات کی سائنسی حقیقت یہ ہے کہ ہر ایک کے اپنے اپنے خواص ہیں۔اس نظریہ کے مطابق ایٹم قوانینِ قدرت کا پابند ہے۔جس پر تمام سائنس کی بنیاد ہے۔چنانچہ عناصر کے ایٹم جو مقررہ قوانین کی پابندی کرتے ہیں وہ اس لئے ہے کہ وہ ان قوانین کا شعور (Mind) رکھتے ہیں۔قدرت کے قوانین سے آگاہی ان کے شعور (Mind) ہی کا خاصا ہے۔1980ء کی دہائی میں فرانسیسی سائنسدانوں نے پانی کے متعلق تجرباتی طور پر معلوم کیا کہ پانی کے مالیکولز (Molecules) کی یاداشت ہوتی ہے۔

13.14 کائنات کی تین بنیادی اکائیاں

عام طور پر سائنس کائنات کی صرف دو اکائیوں سے متعارف ہے کہ ان میں سے ایک "مادہ" ہے اور دوسری "توانائی" ہے لیکن اوپر

قرآنی فہم سے اخذ کی گئی تھیوری کے مطابق کائنات کی دو نہیں بلکہ تین بنیادی اکائیاں ہیں۔

شعور

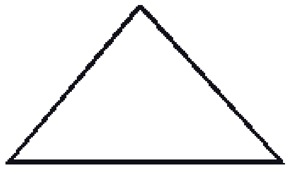

مادہ توانائی

1۔ مادہ (Matter) اس سے اجسام وجود میں آتے ہیں۔ جو بیرونی دنیا سے رابطے کا ذریعہ ہیں۔

2۔ توانائی (Energy) یہ وہ ہے جو اجسام میں حرکت اور قوت کا باعث ہے۔ زندگی کا دارومدار اسی پر ہے۔

3۔ شعور (MInd) یہ وہ ہے جس کی وجہ سے ہر چیز قوانین قدرت سے آگاہ ہے۔

کائنات میں چھوٹے سے چھوٹا قرار دیے والا جسم ایٹم ہے۔ اس نظریہ کے مطابق ایٹم بھی محض توانائی اور مادہ نہیں بلکہ اس کی بھی ایک تیسری اکائی شعور (Mind) ہے۔ جس کا دوسرا نام زندگی ہے۔ یہاں ہوسکتا ہے کہ بہت سارے لوگ جن کا سائنسی علم سطحی ہے وہ اعتراض کریں کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ ہم نے تو یہی پڑھا ہے کہ ایٹم کے باہر الیکٹران ہوتے ہیں اور اس کے مرکز میں پروٹان اور نیوٹران ہوتے ہیں۔ انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ایٹم کسی نے نہیں دیکھا۔ یہ سب نظریات درحقیقت انسانی حساب کی تصویریں ہیں جو سائنس کے کچھ بڑے بڑے دماغوں نے ایٹوں کو سمجھنے کے لئے پیش کیں۔ ان میں جو عظیم ترین ہیں انہوں نے بھی اپنی بات کو حرف آخر نہیں کہا مثلاً نہ تو بوہر (Bohar) نہ پلانک (Plank)، نہ آئن سٹائن نے اور نہ ہی کسی اور نے کبھی بھی کہا کہ ان کی تحقیق کے علاوہ کچھ نہیں۔ کوئی بھی سائنس دان ایسے کبھی نہیں کہیگا۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر آپ ایٹم کا مطالعہ جدید تحقیق کی رو سے کریں تو معلوم ہوگا کہ ایٹم اب الیکٹران، پروٹان اور نیوٹران نہیں بلکہ یہ بہت پیچیدہ نظام ہے۔ جس کو سمجھنے کے لئے ہزاروں بہترین دماغ لگے ہوئے ہیں اور اس پر نئی نئی تحقیقات کر کے سائنس دان نوبل انعام جیت رہے ہیں۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ایٹم اپنے سینے میں بے شمار راز چھپائے ہوئے ہے اس لئے جب ایک سائنسدان پیچھے نگاہ کرتا ہے تو اس کی کیفیت یوں ہوتی ہے۔

ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا
آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا

جدید فزکس کے مطابق ایٹم کے مرکز کے باہر الیکٹران ہوتے ہیں جو تقریباً تین لاکھ کلومیٹر میل فی سیکنڈ کی رفتار سے اپنے اپنے مداروں میں گھوم رہے۔ ہیں یہ بیک وقت ذرات بھی ہیں اور توانائی کے مرغولے بھی۔ ایٹم کے مرکز (Nucleus) میں اس کا سارا وزن (Mass) ہے لیکن یہاں بھی بالکل ایک طوفانی حالت ہے، کہنے کو تو وہاں پروٹان اور نیوٹران ہیں لیکن درحقیقت یہ دونوں بھی بے شمار بنیادی نیچر کے ذرات (Fundamental Particles) کے مرکب ہیں جن میں ہر آن انتہائی ہلچل ہے۔ نیوٹران اور پروٹان قوارک (Quark) اور لپٹان

(Leptans) سے بنے ہوئے ہیں۔وہ آگے مزید دوسرے اقسام کے ذرات کے مرکبات ہیں۔اس سلسلہ میں آخر کار صرف چند بنیادی قوتیں (Fundamental Forces) ہی رہ جاتی ہیں جن میں سے بجلی اور مقناطیسی قوت (Electromagnetic Force) نیوکلیئر کمزور طاقت (Nuclear Weak Force) اور نیوکلیئر مضبوط طاقت (Nuclear Strong Force) اور کشش ثقل (Gravity Force) شامل ہیں۔ان پر مزید غور کیے جانے کے بعد یہ ثابت ہو رہا ہے کہ یہ چاروں طاقتیں بھی دراصل ایک ہی طاقت کی مختلف کیفیات ہو سکتی ہیں اور اس بنیادی طاقت کو جو ہر وجود کی ماں ہے کو قوت واحدہ (Singularity) کا نام دیا گیا ہے مطلب یہ کہ جیسے جیسے آپ باطن کی گہرائیوں میں جاتے ہیں آخر کار ایک امر واحدہ ہی ثابت ہوتا ہے یہی امر ربی ہے۔یہی "کن" ہے باقی سب کچھ اس کے اظہار کی مختلف صورتیں ہیں۔

اپنی بیرونی حیثیت میں کسی حد تک ایٹم کا اپنا نظام ہمارے سورج اور اس کے اردگرد گھومنے والے سیارچوں کے نظام سے بھی ملتا جلتا ہے۔الیکٹران اور مرکز کے درمیان فاصلہ بھی نسبتاً ایسے ہی ہے جیسے سورج اور ہماری زمین کے درمیان ہے اور اگر کوئی دیکھنے والا الیکٹران سے بہت چھوٹا ہو تو اسے ایٹم بالکل نظام شمسی کی طرح نظر آئے گا۔جس میں ہر طرف خلا ہی خلا ہوگا۔چنانچہ آپ کے سامنے جو میز کرسی،دیوار یا آپ خود ہیں اور بظاہر بڑے ٹھوس اجسام نظر آتے ہیں لیکن الیکٹرانی سائز کے وجود کے لئے یہ سب کھوکھلے وجود ہیں۔اتنے کھوکھلے کہ اگر کسی طریقہ سے ان کو پچکایا جا سکے کہ ایٹموں کے مرکز آپس میں مل جائیں تو ایک پہاڑ پچک کر اتنا چھوٹا ہو جائے گا کہ ایک بہت ہی طاقتور خوردبین سے بھی شاید مشکل سے نظر آئے گا۔اگر اسی طرح سے زمین کو پچک دیا جائے تو اس کا حجم ہماری مٹھی سے بھی کم ہو جائے گا۔

حیران کن بات یہ ہے کہ ہر عنصر کا ہر ایٹم اپنی خصوصیات کو کیسے برقرار رکھتا ہے؟وہ کیا چیز ہے جو اس سارے نظام کو قابو میں رکھ رہی ہے؟ اس کا جواب صرف یہ ہو سکتا ہے کہ ایٹم میں مختلف نوع کے ذرات اور حرکات کو نظم و ضبط بخشنے والا ایک مربوط اور مضبوط نظام ہے جسے ہم ایٹم کے شعور (Mind) سے موسوم کر رہے ہیں۔ایٹم کا شعور (Mind) کائنات کا بنیادی شعور (Fundamental Mind) ہے۔جس طرح ہر چیز مختلف عناصر کے ایٹموں سے مل کر بنتی ہے اس طرح انہی بنیادی شعور (MInd) کے مرکب سے بڑی سطح کے شعور (Mind) وجود میں آتے ہیں۔ ہر چیز خواہ وہ جمادات کی نوع سے ہو یا نباتات یا حیوانات کی جنس سے،شعور (Mind) اس کی بنیادی صفت ہے۔یہی شعور (Mind) ان کی زندگی ہے جس کی وجہ سے ہر چیز کا اپنا مخصوص کریکٹر ہے۔کائنات کی ہر چیز میں حسن،رابطہ اور نظام دراصل اس کے شعور (Mind) کے اظہار کی ہی مختلف اشکال ہیں۔یہ پہاڑوں میں بھی ہے،سمندروں میں بھی ہے،بارش کے ہر قطرے میں بھی ہے،نہ بادل اس سے خالی ہیں نہ ہوائیں اس کے بغیر ہیں۔پتھر،مٹی،پھول،پودے،درخت اور جو کچھ آپ دیکھ رہے ہیں ان سب میں زندگی ہے آپ ان کو دیکھ رہے ہیں اور وہ آپ کو دیکھ رہے ہیں لیکن سب کے درجات مختلف ہیں اور انداز جدا جدا ہیں۔جس طرح پتھر اور پانی مختلف ہیں اسی طرح ان کی زندگی کے درجات بھی مختلف ہیں۔ جتنی کوئی چیز ترقی یافتہ ہے اسی قدر اس کا شعور (Mind) بھی ترقی یافتہ ہے۔چیزیں شعور (Mind) کا اظہار زندگی سے کرتی ہیں۔اس لئے سب کی زندگی ان کے شعور (Mind) کے مطابق ہے۔اس لحاظ سے ہم اشیاء کے شعور (Mind) اور زندگیوں کو مندرجہ ذیل طریقے سے تقسیم کر سکتے ہیں۔

(1) جمادات کا شعور (Mind) (2) نباتات اور حیوانات کا شعور (Mind) (3) انسان کا شعور (Mind)

13.15 جمادات کا شعور (Mind) اور زندگی

جمادات کی زندگی اپنی اصل میں جامد ہے اور ماحول سے بہت کم اثر پذیر ہوتی ہے لیکن وہ بھی اپنے اوپر سے گذرنے والے واقعات کے اثرات محفوظ کر لیتی ہیں۔ ان کے حافظہ کا ایک نظام (Memory System) ہے اور ان سے رابطہ قائم کیا جانا ممکن ہے۔ لیکن اس کے لئے خاص ذرائع ضروری ہیں۔ مادی طور پر عمل ارتعاش (Resonance) ان سے رابطہ کا ایک ذریعہ ہو سکتا ہے لیکن یہ زیادہ ممکن معلوم ہوتا ہے کہ جامد اشیاء سے رابطہ کا بہتر ذریعہ انسان کی روح ہے جو امرِ ربی ہونے کی وجہ سے شعور (Mind) کے اعلیٰ ترین درجات پر فائز ہے۔ جب ہماری روح کسی ایسے منظر کو دیکھ کر جھوم پڑتی ہے تو کیا پتہ کہ یہ خوشی اور تازگی انسانی روح کے ان نباتات اور جمادات کی ارواح سے رابطہ کے نتیجہ میں ہو۔ جب ہم جمادات کو اپنی مرضی سے کام میں لے آتے ہیں تو یہ بھی ان سے رابطہ کا ذریعہ ہے۔ (حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مشہور اور مصدقہ معجزہ ہے کہ پتھر کی کنکریاں ان کا کلمہ پڑھتی تھیں جسے دوسرے لوگ سن سکتے تھے۔ اس کے علاوہ درختوں کا ان کے سامنے جھک جانا بھی معجزہ تھا)۔ پیرا سائیکالوجی (Para Psychology) کے تجربات میں بھی بے شمار مشاہدات کا ذکر ملتا ہے جہاں کچھ خصوصی انسان اپنے ارادوں کی طاقت سے چیزوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتے ہیں خود قرآن کریم میں ایک ایسے عالم بندے کا ذکر ہے جو پلک جھپکنے میں ملکہ سبا کا تخت سینکڑوں میلوں کی مسافت سے اٹھا لایا۔

13.16 نباتات اور حیوانات کا شعور (Mind) اور زندگی

نباتات اور حیوانات کی زندگیوں میں بے شمار درجات ہیں۔ ارتقاء کی منازل میں جس قدر کوئی چیز ان میں سے آگے ہے اتنی ہی اس کا شعور (Mind) بھی ترقی یافتہ ہے۔ چنانچہ دیکھا گیا ہے کہ کئی اقسام کے پودے موسیقی کی خاص دھنوں پر وجد میں آجاتے ہیں، اس طرح موسیقی کا اثر حیوانات پر بھی بہت گہرا ہوتا ہے۔ انسان اور حیوانات پیار اور محبت کے ذریعے رابطہ کر سکتے ہیں لیکن اس بارے میں ابھی انسان کا علم بالکل سطحی ہے البتہ صوفیاءِ کرام کے مشاہدات بہت ہیں۔

قرآن کریم سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام دو ایسے انسان تھے جن کو قدرت خداوندی سے ایسی خصوصی استعداد حاصل تھی کہ وہ جمادات اور حیوانات سے رابطہ کر سکتے تھے۔ آیات (14-44) 27 میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے واقعات درج ہیں کہ وہ چیونٹیوں کی آوازیں بھی سمجھ لیتے تھے اور اس کے علاوہ مختلف جانوروں سے ہم کلام بھی ہوتے تھے۔ اسی طرح حضرت داؤد علیہ السلام میں استعداد تھی کہ وہ پہاڑوں اور جانوروں سے رابطہ قائم کر لیتے تھے۔ فرمایا گیا ہے کہ:۔

فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا ۙ وَّسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ۚ وَكُنَّا فٰعِلِيْنَ O

"اور داؤد علیہ السلام کے لئے ہم نے پہاڑ مسخر کر دیئے کہ تسبیح کرتے تھے۔ان کے ساتھ اور پرندے بھی اور یہ ہمارا ہی کام تھا"۔(سورۃ الانبیاء، آیت 79)

پھر ارشاد ہے کہ:۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ۚ يٰجِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَهٗ وَالطَّيْرَ ۚ وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ O اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِي السَّرْدِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۚ اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ O

"اور داؤد علیہ السلام پر ہم نے اپنا بڑا فضل کیا، اور حکم دیا اے پہاڑو! اس کے ساتھ تسبیح پڑھو، اور اے پرندو! تم بھی اور ہم نے اس کے لئے لوہے کو نرم کیا کہ وسیع زرہیں بناؤ اور بنانے میں پیمائش کا لحاظ رکھو، اور تم سب نیک عمل کرو بے شک جو کام تم کرتے ہو، میں (اللہ تعالیٰ) انہیں دیکھ رہا ہوں"۔(سورۃ سبا، آیات۔ 11-10)

مستقبل میں جمادات، نباتات اور حیوانات کی زندگیوں پر تحقیق اور مجاہدات کے نتیجہ میں امید کی جاسکتی ہے کہ انسان کو ایسی استعداد حاصل ہو جائے کہ وہ اپنے سامنے بکھری ہوئی کائنات سے ایک روحانی رشتہ قائم کر سکے۔اس روحانی ترقی کے دور میں انسان اپنے ماحول سے باہمی بات چیت کر سکے گا۔ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کیلئے اسے جسمانی طور پر حرکت کی ضرورت نہیں ہوگی اور پیغامات وصول کرنے یا بھیجنے کے لئے کوئی ٹیلیفون نہیں چاہیے ہوگا۔اس دور میں موجودہ صنعتی عہد ایسے ہی معلوم ہوگا جیسے آج ہمیں دو چار ہزار سالہ پرانی تہذیبیں نظر آتی ہیں۔

13.17 انسانی، حیوانی، نباتاتی اور جماداتی شعور (Mind) (زندگی) کے درجات

یونیورسل شعور (Mind) کے نظریہ کے مطابق زندگی کائنات کی بنیادی اکائی ہے۔کوئی چیز خواہ وہ مٹی ہو یا پتھر، پودے ہوں یا درخت، چرند ہوں یا پرند، حیوان ہوں یا انسان، سب میں بنیادی چیز ان کی اپنی اپنی زندگی ہے۔جس کا اظہار وہ اپنے شعور (Mind) کے ذریعہ پر کرتی ہے۔اس لحاظ سے ایٹم کا شعور (Mind) کائنات کا بنیادی شعور (Mind) ہے اور یہی ان کی زندگی ہے۔باقی چیزوں کی زندگی اپنے ایٹموں کی زندگی کے امتزاج کا نتیجہ ہیں۔کوئی چیز ارتقاء کی جس منزل پر ہے اسی منزل پر اس کی زندگی ہے۔جمادات، حیوانات کی زندگی کے حوالہ سے اب ہم انسانی شعور (Mind) کے مقام کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اس بات کو ہم ایک مثال سے واضح کریں گے۔جو لوگ نیوکلیئر ری ایکٹر کی تھیوری کو جانتے ہیں وہ اس مثال کو بہتر طور پر سمجھ سکیں گے۔

نیوکلیئر ری ایکٹر کا ایندھن یورینیم کی دھات ہے۔ یورینیم کی روح کا یہ خواصا ہے کہ جب کسی ایٹم کے باہر سے آ کر کوئی نیوٹران ٹکراتا ہے اور اس میں جذب ہو جاتا ہے تو فوراً یورینیم کا یہ ایٹم دو بڑے حصوں میں پھٹ جاتا ہے اور پھٹنے پر دو سے تین نیوٹران پیدا ہوتے ہیں اور اس کے علاوہ توانائی کی بھی تھوڑی سی مقدار نکلتی ہے۔ پھٹنے کے اس عمل کو فشن (Fission) بولتے ہیں۔ نئے پیدا ہونے والے نیوٹران میں سے کچھ تو ادھر ادھر ضائع ہو جاتے ہیں اور جو باقی بچ جاتے ہیں وہ پھر یورینیم کے کسی اور ایٹم سے ٹکرا کر مزید نیوٹران اور توانائی کے بننے کا باعث بنتے ہیں۔ آلات کا وہ نظام جس سے یورینیم کے اس عمل سے فائدہ اٹھا کر وافر مقدار میں توانائی پیدا کی جاتی ہے اسے نیوکلیئر ری ایکٹر کہتے ہیں۔ جیسے ہی فشن ہوتا ہے بہت سے نیوٹران اپنی رفتار کی وجہ سے یورینیم سے باہر نکلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کو روکنے کے لئے ری ایکٹر کے ارد گرد ایک ایسی چیز لگا دی جاتی ہے جو نیوٹران کو واپس کر دے۔ اسے ریفلیکٹر (Reflector) کہا جاتا ہے۔ بنیادی طور پر یورینیم اور ری فلیکٹر (Reflector) کا یہ امتزاج ہی نیوکلیئر ری ایکٹر ہے۔ نیوکلیئر انجینئر یہ جانتے ہیں کہ اگر ری ایکٹر کا حجم ایک خاص حد سے کم ہو تو فشن کا عمل جاری نہیں رہ سکتا۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ جتنے نیوٹران پیدا ہوتے ہیں اس سے زیادہ ضائع ہو جاتے ہیں لیکن جیسے جیسے ری ایکٹر کا سائز بڑھاتے جاتے ہیں ضائع ہونے والے نیوٹران کی تعداد کم ہوتی جاتی ہے اور فشن کا عمل نسبتاً زیادہ دیر جاری رہتا ہے۔ اگر ری ایکٹر کا حجم مزید بڑھائیں تو ایک وقت ایسا بھی آتا ہے جب باہر جانے والے اور اندر پیدا ہونے والے نیوٹران برابر ہو جاتے ہیں۔ ری ایکٹر کے اس سائز کو مناسب (Critical) سائز کہا جاتا ہے۔ اب فشن کو جاری رکھنے کے لئے باہر سے نئے نیوٹران ڈالنے کی ضرورت نہیں رہتی بلکہ یہ عمل خودکار ہو جاتا ہے۔ اس خودکار ری ایکٹر کے لئے یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ اسے کنٹرول میں رکھا جائے تاکہ متواتر پیدا ہونے والی توانائی کی گرمی اس کو تباہ ہی نہ کر دے۔

نیوکلیئر ری ایکٹر کی اس مثال میں مندرجہ ذیل نکات غور طلب ہیں۔

1۔ جب تک ری ایکٹر کا سائز (Critical) نہیں یعنی جب تک اس کا حجم نامناسب (Sub-critical) ہے اس وقت تک اگرچہ اس میں ضروری مواد مثلاً ایندھن اور ریفلیکٹر (Reflectors) موجود بھی ہو لیکن اس میں نیوٹران فشن کا عمل جاری نہیں رہ سکتا۔

2۔ سب کریٹیکل (Sub-Critical) ری ایکٹرز میں اگرچہ نیوٹران باہر سے داخل بھی کر دیے جائیں تھوڑی دیر کے بعد ہی نیوٹران کی آبادی (Flux) پھر سے صفر ہو جاتی ہے۔

3۔ جب ری ایکٹر کا سائز بڑھا کر (Critical) کر دیا جائے تو پھر یہ خودکار مشین بن جاتا ہے جس میں فشن کا عمل خود بخود جاری رہتا ہے اور باہر سے نیوٹران ڈالنے کی ضرورت نہیں رہتی۔

4۔ جب ری ایکٹرز کریٹیکل ہو جائے تو لازمی ہے کہ اسے کنٹرول کیا جائے ورنہ وہ اپنی ہی گرمی سے خود کو پگھلا کر تباہ کر دیتا ہے۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ ہماری یہ مثال روح کے مسئلہ کو سمجھنے کے لئے کس طرح معاون ثابت ہو سکتی ہے۔ جس طرح یورینیم میں ہر وقت فشن (Fission) ہونے کی خاصیت موجود ہے اسی طرح عناصر کے ہر ایٹم میں روح کا وجود موجود ہے لیکن وہ اپنی جامد حالت میں ہے۔ جب عناصر سے نباتات کی تخلیق ہوتی ہے تو بہت سے پیچیدہ مرکبات وجود میں آتے ہیں، حتیٰ کہ سادہ نباتات کا (Cell) بھی پیچیدہ سے پیچیدہ کیمیکل کی

نسبت سینکڑوں گنا زیادہ بڑا ہوتا ہے۔ ری ایکٹر والی مثال کے پیش نظر ہم یوں کہیں گے کہ نباتات میں (Cell) کا سائز اگر چہ جمادات کی نسبت بہت بڑھ گیا ہے لیکن ابھی تک وہ (Critical) نہیں ہوا۔ حیوانات کا (Cell) نباتات کی نسبت اور بھی زیادہ بڑا اور پیچیدہ ہوتا ہے لیکن ابھی بھی وہ (Critical) نہیں ہوتا۔ یعنی حیوانات اور نباتات کی مثال ایک (Sub-Critical) ری ایکٹر کے مصداق ہے جس طرح ری ایکٹر میں فشن کے لئے تمام ضروری مصالحہ جات کے ہونے کے باوجود محض چھوٹے سائز ہونے کی وجہ سے وہ خودکار نہیں ہو سکتا اس طرح جمادات، نباتات اور حیوانات روح رکھنے کے باوجود شعور کی اختیار والی حالت میں نہیں پہنچ سکتے اور ان کا بیرونی شعور سے اثر پذیر ہونا بھی خالصتاً وقتی ہوتا ہے۔ جیسے ہی بیرونی شعور کا رابطہ منقطع ہوا یہ روحیں دوبارہ اپنی سطح پر گر جاتی ہیں۔

اب انسانی شعور (Mind) کی طرف آیئے۔ انسانی (Cell) تمام دوسرے حیوانات کے (Cell) کی نسبت زیادہ ترقی یافتہ ہوتے ہیں مثلاً آدمی کا DNA بیکٹیریا کی نسبت کم از کم 1000 گنا زیادہ بڑا ہوتا ہے۔ اس طرح ترقی یافتہ حیوانات مثلاً بن مانس وغیرہ سے بھی یہ کئی گنا زیادہ بڑا ہوتا ہے۔ یہی حال انسانی جین کا ہے۔ جو حیوانات کی نسبت بہت زیادہ پیچیدہ اور بڑا ہے اور حیوانات کے سیل کی مانند سب کریٹیکل (Sub-Critical) نہیں بلکہ (Critical) ہو چکا ہے۔

جیسے (Critical) ہونے پر ایک نیوکلیئر ری ایکٹر میں فشن کا عمل خود بخود جاری رہتا ہے یعنی اسے بیرونی ذریعہ سے نیوٹران کی ضرورت باقی نہیں رہتی، ایسے ہی انسانی سیل کا شعور (Mind) اپنی کریٹیکل حجم کی مناسبت سے لاشعور کی حدود سے نکل کر علم اور اختیار کی حدود میں داخل ہو گیا ہے۔ اب جس طرح کریٹیکل ری ایکٹرز کو کنٹرول کرنا ضروری ہے اس طرح انسان کو بھی کنٹرول کرنا ضروری ہے ورنہ وہ اپنے آپ کو تباہ بھی کر سکتا ہے۔ ہماری اس بحث سے مندرجہ ذیل نتائج نکلتے ہیں۔

1۔ حیوانات اور نباتات کے شعور (Mind) کا مقام انسانی شعور (Mind) کی نسبت کہیں نیچے ہے۔

2۔ انسانی شعور (Mind) اور انسانی (Cell) کے ارتقاء میں چولی دامن کا ساتھ ہے جیسے ہی انسانی سیل کریٹیکل حدود میں داخل ہوا زندگی بھی اپنے جمود سے نکل کر متحرک (Dynamic) ہو گئی اور جس کے بعد اس پر کنٹرول ضروری ہو گیا۔

3۔ جسم کا ایک ایک Cell ہماری زندگی کا مسکن ہے۔ جب تک انسانی زندگی برقرار رہتی ہے اس کا شعور (Mind) ہر آن اور ہر لحہ اس سے کچھ نہ کچھ کرواتا رہتا ہے۔

4۔ انسان کی روح اس کے لئے خصوصی امر ربی ہے۔ اس کا مقصد شعور (Mind) کی رہنمائی اور زندگی پر کنٹرول ہے کہ وہ اپنی بے حساب صلاحیتوں کو بہتر طریقے سے استعمال کرے۔ ورنہ وہ اپنے آپ کو تباہ و برباد بھی کر سکتا ہے۔ حیوانات کا شعور (Mind) چونکہ پست درجہ پر ہوتا ہے اس لئے انہیں روح کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ روح کا خاصہ ہدایت اور نظم (Discipline) ہے۔

13.18 روح کی شکل

جن سائنسی تجربات میں انسانی روح کو دیکھنے کی کوشش کی گئی ہے ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ انسان کے اردگرد تو انائی کا ایک ہالہ ہے، جسم اس ہالہ کا مرکز ہے اور اس کے اردگرد یہ ہالہ اپنی شعاعیں بکھیر رہا ہے۔ کمزور روحوں کا یہ ہالہ جسم کے اردگرد سکڑا ہوگا لیکن وہ روحیں جو زندگی کی خواہشات سے بلند ہوتی جاتی ہیں ان کی روحوں کے ہالہ کا دائرہ کار وسیع ہوتا ہے۔ وہ مقدس ہستیاں جنہوں نے روح کی ترقی کے لئے محنت کی ان کی روح کا دائرہ اثر اتنا وسیع ہوتا جاتا ہے کہ دوسرے انسان ان کے روحانی نور کے اندر آکر ان کی طرف کھنچے چلے جاتے ہیں اور فیض یاب ہوتے ہیں۔ نہ صرف زندگی بلکہ ان کے روحانی اثرات موت کے بعد بھی قائم رہتے ہیں اور ان کی قبور سدا فیض کا سرچشمہ ہوتی ہیں۔

جہاں تک روح کی شکل کا تعلق ہے ابھی تک کے سائنسی مشاہدات سے جن میں امریکی سائنسدانوں کا کام بڑا اہم ہے معلوم ہوتا ہے کہ روح کی شکل انسانی جسم کا روشن عکس ہے۔ قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیات سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ ایک نوری وجود ہے:۔

يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ O

”جس دن تو دیکھے ایمان والے مردوں اور عورتوں کو، چلتا ہے ان کا نور ان کے آگے اور ان کے داہنے۔ (انہیں کہا جاتا ہے) آج تمہارے لیے خوشخبری ہے، اس جنت کی جس کے نیچے نہریں بہتی ہیں، یہی بڑی کامیابی ہے"۔

(سورۃ الحدید، آیت۔12)

13.19 سیل (Cell) انسانی روح کا امین اور کلوننگ سے پیدائش

ابھی تک ہم نے یہ دیکھا ہے کہ انسانی زندگی اور اس کے شعور (Mind) کی بنیاد بھی اس کے جسم کے ایٹوں کی زندگی اور شعور (Mind) ہی ہیں جب کہ جمادات، نباتات اور حیوانات کے شعور (Mind) جمود کی حالت میں ہیں۔ انسانی سیل کے کریٹیکل حدود سے تجاوز کرنے پر اچانک اس کے شعور (Mind) کو وہ مقام عطا ہو جاتا ہے جہاں اسے آزادی، اختیار اور عقل کی استعداد حاصل ہو جاتی ہے۔

جیسا کہ ہم پہلے بحث کر چکے ہیں کہ انسان کا ایک ایک سیل ہماری زندگی کا مخزن ہے۔ ایک عام جسامت کے انسان میں تقریباً ایک لاکھ ارب سیل ہیں۔ اگرچہ ایک سیل کا وجود محض پندرہ مائیکرون ہے، یہ وہ سائز ہے جو انتہائی طاقتور خوردبین کے نیچے ہی نظر آ سکتا ہے لیکن اس کے باوجود ان میں سے ہر ایک سیل انسان کی شخصیت کا مظہر اور امین ہے۔ یعنی خوردبینی سطح پر ہر ایک سیل کی مکمل انسانی شخصیت ہے اس لیے یہ عین ممکن ہے کہ کسی انسان کے ایک سیل سے اس آدمی کی صحیح نقل بنائی جا سکے۔ لیبارٹری میں اس طرح کا پیدا کیا ہوا انسان اپنے پیش رو کی طرح زندگی اور شعور (Mind) دونوں کا مالک ہوگا۔ ٹیسٹ ٹیوب میں پیدا ہونے والے بچے بھی چونکہ کسی مرد اور عورت کے انڈوں کے باہمی امتزاج کے بعد ہی

نشوونما پاتے ہیں اس لیے وہ بھی شعور (Mind) اور زندگی سے خالی نہیں ہو سکتے۔ جو بجڑواں بچوں (Indentical Twins) کی پیدائش بھی ایک ہی سیل کے دو ٹکڑوں میں بٹ جانے کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اس لئے یہ بھی ماں کے پیٹ میں ایک طرح کا قدرتی کلوننگ ہی کا عمل ہے۔ چنانچہ کوئی آدمی یا عورت قدرتی ذریعہ سے پیدا ہو یا لیبارٹری میں پیدا ہو، چونکہ جس خلیہ سے وہ نشوونما پاتا ہے وہ اس کے شعور (Mind) کا امین ہوتا ہے اس لیے اس سے پیدا ہونے والا انسان بھی اس شعور (Mind) اور جسم والا ہی انسان ہوگا۔ جب یہ خلیات ایمبریو (Embryo) کے درجہ پر پہنچتے ہیں تو اُن پر عالمِ ارواح سے اللہ تعالیٰ کا امر یعنی روح کا نزول ہوتا ہے اور پھر زندگی میں اس کا امتحان شروع ہو جاتا ہے۔ اس کے نتیجہ میں نفس تشکیل پاتا ہے جس کی کیفیت اور ترقی اپنی اپنی ہوگی۔

اوپر ہم نے سیل کی شعور (Mind) اور ایمبریو (Embryo) پر روح کے نزول کا نظریہ پیش کیا ہے۔ یہ ہمارا اچھوتا خیال نہیں بلکہ اس نظریہ کا منبع بھی قرآن کریم ہی ہے جو ہمیں یہ بتاتا ہے کہ ہر ایک بچہ بنیادی طور پر فطرت پر پیدا ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ انسان خواہ کہیں بھی ہو ہمیشہ کسی نہ کسی صورت میں خدا تعالیٰ کے وجود کی پرستش کرتا آیا ہے اور کرتا جائے گا بنیادی انسانی، سچائیاں (Fundamental Human Values) ہر جگہ ایک ہی ہیں۔ انسان کے باطن میں خالق کا احساس اتنی گہرائی میں ہوتا ہے کہ جب کسی کافر سے کافر یا دہریے سے دہریے پر بھی انتہائی مشکل وقت آتا ہے اور کوئی سہارا نہیں ملتا تو وہ بھی بے اختیار پکار اٹھتا ہے کہ "اے زمین و آسمان کے بنانے والے میری مدد کر"۔

قرآن کریم ہمیں یہ بھی بتاتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا یہ تصور انسان کی روح میں اس وقت ڈالا گیا تھا جب ہم سب آدم علیہ السلام کی پشت میں تھے اس کے بعد نسل در نسل حضرت آدم علیہ السلام سے چلے ہوئے جینز کی وجہ سے ہر نئے پیدا ہونے والے انسان کی روح میں خدا کا تصور موجود ہوتا ہے فرمایا:۔

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰي ۚ شَهِدْنَا ۚ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ؀ اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَاۗؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ ۚ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ؀ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ؀

"اور (یاد کرو وہ وقت) جب تمہارے رب نے آدم کی پشت سے، ان کی نسل نکالی اور انہیں خود ان پر گواہ کیا، اور پوچھا: کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ بولے! کہ بیشک تو ہمارا رب ہے، اور ہم اس کا اقرار کرتے ہیں (اس وعدہ لینے کی وجہ یہ تھی کہ) کہ کبھی تم قیامت کے دن یہ نہ کہو کہ ہمیں تو اس کی خبر نہیں تھی یا یہ کہو کہ شرک تو پہلے ہمارے باپ دادا نے کیا تھا، اور ہم ہوئے اولاد ان کے پیچھے، تو کیا تو ہمیں اس فعل پر ہلاک فرمائے گا، اور یوں ہم بیان کرتے ہیں تفصیل سے اپنی آیتیں، اور یہ اس لیے کہ وہ حق کی طرف پلٹ آئیں"۔ (سورۃ الاعراف۔آیات۔172-174)

اس طرح آیت (7)5 میں فرمایا گیا ہے کہ:۔

وَ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ○

''اور اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی مہربانی یاد کرو، اور اس وعدہ کی جس سے اس نے تمہیں پابند کیا، تم نے اس وقت کہا ہم نے سن لیا اور مان لیا، اب تم اللہ تعالیٰ کی طرف اپنے فرض کو پورا کرو، اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو تمہارے دلوں میں ہے''۔(سورۃ المائدہ، آیت۔7)

قرآن کریم کی یہ آیات درحقیقت سائنسی معجزہ ہیں جسے انسان بیسویں صدی کے آخر میں کسی حد تک سمجھنے کے قابل ہوا ہے۔ بیالوجسٹ اب اس نتیجہ پر پہنچ چکے ہیں کہ انسانی سیل درحقیقت ایک مکمل شخصیت ہے۔ ہر ایک سیل میں ایک پروگرام درج ہے جنہیں ہم جینوم (Genome) کہتے ہیں۔ اپنے خواص میں جین بالکل ایک کمپیوٹر پروگرام کی مانند ہے جس پر انسانی زندگی کے بارے میں مکمل ہدایات درج ہیں۔ اس پر یہ لکھا جا چکا ہے کہ ہمارا کیا ناک نقشہ ہوگا، کس طرح کا رنگ ہوگا، ہم کتنے لمبے ہوں گے، ہمیں کس طرح کی بیماریاں لگیں گی، ہماری عمر کتنی ہوگی، ہمارا رجحان کدھر ہوگا، ہمارے خیالات کیسے ہوں گے، ہم کس قدر ذہین ہوں گے اور زندگی کیسے گذاریں گے۔ غرض یہ کہ بنیادی سیل جس سے ہماری زندگی کا آغاز ہوتا ہے خوردبینی سطح پر یہ ہماری پوری تصویر ہے۔ اس کے اوپر روح کا نزول ہوتا ہے اور پھر زندگی کے ساتھ ساتھ شعور (Mind) کا کمپیوٹر پروگرام چلتا رہتا ہے اور اس تقدیر کے تابع ہم زندگی گزارتے رہتے ہیں پھر ایک وقت آتا ہے جب اس سے آخری پیغام نشر ہوتا ہے اور انسانی زندگی کی ٹک ٹک بند ہو جاتی ہے۔ روح نفس کی شکل میں اپنی کمائی لیکر اپنے مالکِ حقیقی کے سامنے حاضر ہو جاتی ہے۔

باب نمبر 14

روحوں پر مغربی سائنسی تحقیقات

14.0 تعارف

ابھی تک انسان کی حقیقت کے بارے میں ہماری تحقیق کا محور نظریاتی تھا جس میں اختلاف کی گنجائش ہو سکتی ہے لیکن مندرجہ ذیل کچھ ایسے حقائق اور مشاہدات پر مشتمل ہے جو اتفاقی ہیں جنہیں رد کرنا مشکل ہے۔موت ہم سب کا یکساں مسئلہ ہے اور ایک اٹل حقیقت ہے جو آگے نکل گئے وہ اس تجربہ سے گزر چکے ہیں اور جو پیچھے رہ گئے وہ بھی جلد ہی اس مرحلہ سے گزرنے والے ہیں۔لیکن کیا موت محض خاتمہ ہے یا اس کے بعد زندگی پر ایک نیا دروازہ کھلتا ہے؟

زیر بحث مضمون میں کچھ ایسے ٹھوس مشاہدات ،واقعات اور تجربات کا ذکر کیا گیا ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نہ پیدائش کوئی حادثہ ہے اور نہ موت کوئی خاتمہ،بلکہ یہ ہستی کے دو دور ہیں۔اس سلسلہ میں موت ایک دروازہ سے داخل ہو کر دوسرے دروازہ سے نکلنے کا نام ہے۔ان مشاہدات سے اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ زمین پر ہماری پیدائش،موت اور حیات کے سلسلہ کی درمیانی کڑی ہے۔اس سفر میں انسانی نفس یعنی آپ کی شخصیت ایک غیر فانی چیز ہے۔فی الحال اس سے متعلق تحقیقات کی حیثیت تقریباً وہی ہے جو آج سے کچھ عرصہ پہلے ایٹم کے متعلق دریافتوں کی تھی لیکن باوجود اس کے کہ کسی انسان نے ایٹم کو ابھی تک نہیں دیکھا (شاید انسان براہ راست کبھی بھی ایٹم کو دیکھ نہیں پائے گا) لیکن ہم سائنسدانوں کی گواہی پر اعتقاد کرتے ہوئے نہ صرف ایٹم بلکہ اس کے اندر کے الیکٹران ،نیوٹران اور پروٹان پر بھی یقینی حد تک ایمان رکھتے ہیں۔افسوس کہ جب روح کی بات ہوتی ہے تو شک وشبہ کا شکار ہو جاتے ہیں حالانکہ اس کی اطلاع دینے والی شخصیات سائنسدانوں سے کہیں زیادہ معتبر اور سچے انسان تھے۔

دراصل ایٹم اور اس کے اندر کے ذرات کو ہم نے ان کے اثرات کی وجہ سے سمجھا ہے مثلاً بجلی کی وجہ سے ہم الیکٹرانز کو تسلیم کر لیتے ہیں۔ روح کا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی ہے۔ہو سکتا ہے کہ انسان اس کی اصل صورت میں اسے کبھی نہ دیکھ پائے لیکن جیسے جیسے مزید تحقیقات ہو رہی ہیں وہ دن دور نہیں جب ہم اس کے وجود سے انکار نہیں کر سکیں گے۔

14.1 مغربی دنیا میں ارواح پر تحقیقات

پچھلے ایک سو سال سے مغربی دنیا خصوصاً برطانیہ، امریکہ اور روس میں پیرا سائیکالوجی (Para Psychology) کے حوالے سے روحوں (Spirits)، غیر مرئی مخلوقات اور مابعد الطبیعیاتی طاقتوں (Meta Physical Forces) پر کئی جگہ ریسرچ ہو رہی ہے اور بڑے دلچسپ نتائج اخذ کئے جا چکے ہیں۔ ان تحقیقات کے پیچھے جو محرکات ہیں ان میں ایک تو علمی پیاس ہے لیکن اس کے علاوہ سراغرسانی محکمہ جات (Intelligence Agencies) کے اپنے مخصوص اہداف بھی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ہی بیماریوں کے روحانی علاج (Spiritual Healing) پر بھی بہت کام ہو رہا ہے۔ جادو اور جنات جن کے متعلق پچاس سال پہلے وہاں بات کرنا اپنا مذاق بنانا تھا اب ان پر بھی سنجیدگی سے کام ہو رہا ہے اور انہیں سمجھنے اور سیکھنے کیلئے سائنسدان افریقہ اور ہندوستان کے جوگیوں کے پاس شاگردی اختیار کر رہے ہیں۔ مغربی دنیا کی اس بے پناہ دلچسپی سے فائدہ اٹھانے کے لئے کئی ایک ٹھگ اور فراڈ بھی اس میدان میں ابھر آئے ہیں، خصوصاً ہندو جوگی کئی روپ میں یورپ اور امریکہ میں آشرم قائم کر کے کروڑوں ڈالر کا ارواح کے نام پر بزنس کر رہے ہیں اور ساتھ ساتھ آواگون (Reincarnation) اور آبا ؤ اجداد کی ارواح (Ancestral Spirits) وغیرہ جیسے اپنے گمراہ نظریات کو بھی پھیلا رہے ہیں۔

ہمارے لیے لمحہ فکریہ ہے کہ مغربی دنیا، جہاں ایک روحانی لہر (Spiritual Revival) چل نکلی ہے، نہ صرف گمراہ کن نظریات سے بچایا جائے بلکہ اسلام کی روشنی میں عالم الغیب کی مخلوقات کے متعلق صحیح حقائق سے آگاہ بھی کیا جائے تاکہ وہ گمراہی سے نکل کر ہدایت کی طرف آ جائیں۔ اگر ہم ایسا نہیں کرتے تو مغرب کے مخصوص مادی ذہن کے پیش نظر خطرہ ہے کہ کہیں روح کے بارے میں بھی ان کی تحقیقات مادیات میں نہ الجھ جائیں اور انسان اللہ تعالیٰ کے قریب ہونے کی بجائے مزید دور ہوتا جائے۔ اس لیے اگر ہم سائنسی تحقیقات میں صحیح سمت کی طرف رہنمائی میں مدد کریں تو یہ انسانیت کی بہت بڑی خدمت ہوگی۔ لیکن یاد رہے کہ مغربی دنیا خالی خولی وعظ و نصیحت کو نہیں مانتی بلکہ وہ ٹھوس دلائل سے قائل ہوتی ہے۔ وہ قرآن کے الفاظ میں ہم سے **"فاتو برهانكم ان كنتم صادقين"** کی توقع رکھتے ہیں۔

ذیل میں مغربی دنیا میں روحوں کے متعلق جو تحقیقات ہو رہی ہیں ان کو مختصراً بیان کیا جا رہا ہے تا کہ ان سے سبق حاصل کرتے ہوئے ہم جو بھی کر سکتے ہیں اسے کرنے کے لئے آگے بڑھیں۔

14.2 ریسرچ سوسائٹیاں اور ادارے

مغربی دنیا میں روح (نفس) کے متعلق سائنسی ریسرچ کوئی دو سو سال پہلے شروع ہوئی۔ شروع شروع میں ان کا مذاق اڑایا جاتا تھا لیکن ان دنوں یورپ اور امریکہ میں درجنوں ایسے ادارے ہیں جن کی جستجو کا محور روح ہے وہ سائنسی تجربات سے اس کا ہونا یا نہ ہونا ثابت کرنے کے لئے

کام کر رہے ہیں۔ لوگوں کی دلچسپی کا یہ حال ہے کہ ہر سال لاکھوں افراد ان اداروں کی تحقیقات سننے اور سمجھنے کے لئے آتے ہیں، ان کے رسائل کو پڑھتے ہیں اور اپنے تجربات سے بھی انہیں آگاہ کرتے رہتے ہیں۔ مجموعی حیثیت سے یورپ اور امریکہ میں ان کی ممبرشپ ایک کروڑ افراد سے زیادہ کو پہنچ چکی ہے۔ ممبرز نہ صرف باقاعدہ چندہ دیتے ہیں بلکہ بعض لوگ تو اپنی ساری کی ساری جائیداد ان کے نام وصیت کر جاتے ہیں تا کہ اس اہم کام میں پیش رفت جاری رہے مثلاً زیروگرافی کے موجد نے 1960ء میں ایک ایک ملین ڈالر تحفہ (Donation) امریکی سوسائٹی فار سائیکیکل ریسرچ (American Society for Psychical Research) کو دیا۔ 1972ء میں ایک صاحب جیمز کڈ (Games Kidd) نے دو لاکھ ستر ہزار ڈالر کا تحفہ دیا۔ اس طرح ورجینا سکول آف میڈیسن میں پیراسائیکالوجی کا شعبہ قائم کرنے کے لئے موجد کارلسن (Carlson) نے ایک ملین ڈالر کا تحفہ دیا۔ غرض لوگ دل کھول کر اس لیے چندہ دے رہے ہیں کہ انسانی حقیقت جو ابھی تک قدرت کا سب سے بڑا راز ہے اس پر سے پردہ اٹھایا جائے اور سائنسی طور پر بھی معلوم ہو جائے کہ ہم کون ہیں؟ کدھر سے آئے ہیں اور کدھر جا رہے ہیں؟

اسی ضمن میں اسلام اگرچہ روحانیات کا سب سے بڑا علم بردار ہے۔ افسوس کا مقام ہے موجودہ مسلمان اس کام میں بھی بہت ہی پیچھے ہیں اور ماسوائے خالی خولی باتوں کے سائنسی تحقیقات کی طرف کچھ توجہ نہیں دے رہے۔ اس لئے عین ممکن ہے کہ مستقبل میں جب مغرب والے اپنی مخصوص تجارتی ذہنیت اور مادی نظریات کے مطابق روح کے ہونے یا نہ ہونے پر سائنس کا ٹھپہ لگا کر اعلان کریں گے تو مشرق کے مختلف مذاہب کو ایسا دھچکا لگے گا کہ وہ سنبھالنے سے بھی نہ سنبھل سکیں گے۔ آج اگر ان کے سائنسدان روح اور غیر مرئی چیزوں کو سمجھنے کے لئے مشرق کی طرف رخ کرتے ہیں تو بہت جلد مشرق سے لوگ مادی روحانیت سیکھنے کے لئے امریکہ اور یورپ جایا کریں گے۔ لیکن اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان کو کمزور کر کے واپس آئیں گے۔

دراصل مغربی تہذیب کی سوچ ابو جہل والی سوچ ہے۔ اس وقت مکہ کے کافر اللہ تعالیٰ کو تو مانتے تھے، روحوں کے بھی قائل تھے لیکن یوم الدین اور جزا و سزا کے قائل نہیں تھے۔ انہی کی طرح مغربی ذہن روح کو تو ماننے لگے گا لیکن اللہ تعالیٰ اور یوم الدین کا انکار کرے گا۔ وہ دراصل روح کو ایک بھوت کے طور پر لے رہے ہیں جو ان کے نزدیک انسانی جسم کی برقی و مقناطیسی (Electromagnetic) شکل ہے یعنی ان کے روح کے متعلق نظریات بھی مادیات کی توسیع ہیں۔ اس لیے اگر اپنے لیے نہیں بھی تو انسانیت کے لئے ہی یہ ضروری ہے کہ مسلمان روح، نفس، فرشتوں اور جنات جیسی غیر مرئی مخلوقات کو سمجھنے کے لئے مختلف علمی اور سائنسی ادارے وجود میں لائیں اور ہمارے صاحب ثروت لوگ اس عظیم سائنسی اور انسانی اہمیت کے کام کو آگے بڑھانے کے لئے دل کھول کر چندہ دیں۔ سوچیے اس سے بڑھ کر دین اور دنیا کی اور کیا خدمت ہو سکتی ہے کہ انسان پر اس کی اپنی حقیقت آشکار ہو جائے اور قرآن کریم میں حیات بعد الموت کے متعلق جو کچھ فرمایا گیا ہے سائنسی طور پر بھی اسے ثابت کیا جائے تا کہ لوگ سنجیدگی سے آنے والے ادوار کے لئے تیاری کریں۔

14.3 مغربی تحقیقات کا دائرہ کار اور مقاصد

یورپ اور امریکہ میں جو ریسرچ ہو رہی ہے اس کے سامنے مندرجہ ذیل مقاصد ہیں:۔

1۔انسان کی اپنی حقیقت کو سمجھنے 2۔مرنے کے بعد کیا ہوتا ہے اس کا شعور 3۔دنیاوی حیات اور برزخی حیات کے درمیان رابطہ قائم کرنا

4۔مختلف بیماریوں کا روحانی علاج کرنا 5۔موت پر فتح حاصل کر کے دنیاوی حیات کو طول دینا

6۔روحانی طور پر زمین اور باہر کی دنیاؤں کے درمیان پیغام رسانی کا سلسلہ قائم کرنا

7۔روحانی ذرائع کو جاسوسی کے لئے استعمال کرنا 8۔روحانی قوتوں کے استعمال سے دشمنوں کے اذہان کو متاثر کرنا

ہوسکتا ہے کہ ہم میں سے کچھ لوگوں کو روحانی طاقتوں کو جاسوسی کے لئے استعمال کرنا عجیب اور معیوب معلوم ہو لیکن حقیقت یہ ہے کہ امریکہ کا مشہور سراغ رسانی محکمہ سی آئی اے (C.I.A.) سنجیدگی سے اس موضوع پر ایک عرصے سے کام کر رہا ہے۔اس کا انکشاف C.I.A. کے ایک سابق روحانی جاسوس میجر مورہاؤس جن کا تفصیلی ذکر پہلے ہو چکا ہے نے اپنی کتاب "روحانی سپاہی" (Psychic Warrior by More House, Published USA & UK) نے کیا ہے۔وہ اپنی کتاب کے صفحہ نمبر 2 پر لکھتے ہیں کہ:۔"امریکن محکمہ سراغ رسانی کا یہ خواب ہے کہ وہ جلد از جلد روحوں پر قابو حاصل کر کے بغیر کسی مادی ذریعہ کے جان سکیں کہ دوسری جگہوں پر کیا ہو رہا ہے، مختلف ممالک کی انتہائی سیکرٹ (Secret) لیبارٹریوں میں کن منصوبوں پر کام کیا جا رہا ہے، دوسری قوموں کے جنگی منصوبے کیا کیا ہیں؟ دنیا کے اہم رہنماؤں کے دماغوں میں کیا سوچ ہے؟ اور یہ بھی کہ روحوں کے ذریعے دشمن ممالک کے ایٹمی رازوں تک رسائی کی جاسکے اور اگر انہیں ان کے سٹور میں پڑے پڑے ناکارہ بنایا جاسکے تو کیا بات ہوگی"۔

بہر حال مختلف مقاصد کے پیش نظر 1850ء سے مغربی دنیا میں مندرجہ ذیل شعبوں میں سنجیدگی سے تحقیق جاری ہے۔حوالہ (کتاب "روح کی تلاش" Search for the Soul مصنف Milbourn Christopher)۔

1۔روحوں کو بلانا The Soul in Human Form 2۔روحوں کی تصویر کشی The Souls Through Lens

3۔روحوں کا وزن Weights of the Soul 4۔پیغام رسانی کے لئے روحوں کا استعمال E.S.P. Telepathy

5۔قریب الموت لوگوں کے مشاہدات Visitor to the Afterlife

6۔روحانی طریقہ سے بیماریوں کا علاج Spiritual Healing

7۔انسان کی روحانی طاقتوں کا سراغرسانی وغیرہ کے لئے استعمال

اب ہم ان میں سے چیدہ چیدہ موضوعات کو اختصار کے ساتھ بیان کریں گے۔

14.4 روحوں کو بلانا (The Soul in Human Form)

یورپ اور امریکہ میں روحوں کے بلانے اور ان سے کئی طرح کی معلومات حاصل کرنے کا عمل بڑا عام ہوتا جارہا ہے۔اس عمل میں عامل اور معمول (Medium and Sitter) دونوں مل کر کام کرتے ہیں۔عامل کسی مردہ شخص کی روح کو معمول (Medium) کے وجود میں بلاتا ہے۔جب روح اس کے جسم میں داخل ہوجاتی ہے تو معمول (Medium) اپنے ہوش وحواس میں نہیں رہتا بلکہ حلول شدہ روح اس کے جسمانی اعضاء مثلاً کان، آنکھ، زبان، ہاتھ اور پاؤں وغیرہ کو استعمال کرتے ہوئے عامل (Sitter) کے مختلف سوالوں کے جواب دیتی ہے جسے مندرجہ ذیل قسم کی معلومات حاصل کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

غیر مرئی طاقت کو قابو میں لانا اور ان سے غیب کی باتوں کے متعلق دریافت کرنا، مثلاً گمشدہ چیزوں کی تلاش، چوروں کی پہچان، گمشدہ دستاویز کو ڈھونڈ نکالنا، چھپے خزانوں کو ڈھونڈنا، مردوں کی روحوں سے بات چیت، مرے ہوئے لوگوں سے رابطہ استوار کرنا، لوگوں کا اپنے مردہ رشتہ داروں کے متعلق معلوم کرنا اور دیگر دلچسپ معلومات کا حصول اور ڈرامائی قسم کے کام کروانا وغیرہ وغیرہ۔

ملبورن کرسٹوفر نے اپنی کتاب ''روح کی تلاش'' (Search For The Soul) میں کئی ایک سائنسدانوں کے حوالوں سے 1850ء سے 1980ء تک کے بڑے بڑے عاملوں اور معمولوں کے کارناموں کی تفصیل دی ہے۔امریکہ اور یورپ میں روحوں کے بلانے اور ان سے مفید معلومات حاصل کرنے کا عمل اتنی تیزی سے قبولیت کا معیار حاصل کررہا ہے کہ عاملوں میں بعض اوقات نوبل پرائز یافتہ سائنسدان بھی شامل ہیں۔انہی میں سے ایک دلچسپ واقعہ ڈاکٹر رابرٹ ہیر (Dr. Robert Hare) کا ہے۔آپ ژیل یونیورسٹی (Yale University, USA) میں کیمسٹری کے پروفیسر تھے اور امریکن سوسائٹی برائے ترقی سائنس کے ممبر تھے۔پہلے پہل وہ روحوں کو نہیں مانتے تھے لیکن بعد میں جب انہوں نے خود اس پر ریسرچ شروع کی تو پھر وہ نہ صرف روحوں پر یقین کرنے لگے بلکہ خود عامل بھی بن گئے۔انہوں نے ستمبر 1854ء کو نیویارک میں تین ہزار لوگوں کے سامنے حلفیہ طور پر بتایا کہ ان کے پاس روحوں کو ماننے کے بغیر کوئی چارہ نہیں اور وہ خود روحوں کے حیرت انگیز کارنامے دیکھ چکے ہیں مثلاً انہوں نے ایک دفعہ ایک روح کو بلایا اور اس سے ایک بھاری میز اٹھوایا اور ایک دفعہ جب ان کی ٹوپی گم ہوگئی تو انہوں نے روح کو لانے کے لئے کہا تو چند لمحوں میں وہ ٹوپی آسمان کی طرف سے گر کر ان کے سامنے تھی۔اسی طرح کئی اور گمشدہ چیزوں کو بھی انہوں نے روحوں کی مدد سے ڈھونڈا۔انہوں نے ایک تجربہ میں بہت سے لوہے کے گولے ایک الماری میں بند کردیئے اور پھر روح کو نکالنے کے لئے کہا تو ہزاروں لوگوں کے سامنے وہ الماری خود بخود کھلنے لگی اور گولے باہر میز پر رکھ دیئے گئے۔ان کا ایک تجربہ روحوں کی طاقت کے متعلق تھا جس کے لئے وہ ایک وزن کرنے والی مشین کا استعمال کرتے تھے۔وہ اپنے معمول میں مختلف لوگوں کی روحوں کو بلاتے اور سپرنگ کھینچنے کے لئے کہتے اور اس طرح روح کے بازوؤں کی قوت کا اندازہ کرتے۔

پروفیسر ہیر (Hare) سائنسی دنیا میں پہلے امریکی تھے جنہوں نے اس طرح کے تجربات کئے لیکن اس وقت کے بیشتر سائنسدان ان کے اس کام کو زیادہ وقعت نہیں دیتے تھے۔بہرحال 1855ء میں انہوں نے اپنے مختلف تجربات کی روئداد اپنی کتاب ''روحوں کے متعلق تجربات''

(Experimental Investigation of the Spirit Manifestation) میں بیان کر دی۔

ایک اور بڑا سائنسدان جس نے اس موضوع کو اپنی تحقیقات کا مرکز بنایا وہ رائل سوسائٹی لندن کا فیلو تھا جس کا نام ولیم کروک (William Crookes) تھا۔ آپ چیسٹر کالج میں کیمسٹری کے پروفیسر تھے۔ 1869ء میں انہوں نے روحانی تحقیقات پر کام کرنا شروع کیا۔ اس کام کے لئے وہ خود عامل بن گئے اور برطانیہ کے مشہور عاملوں (mediums) کی مدد سے انہوں نے روحوں پر ریسرچ کرنا شروع کی۔ ان کے تجربات بھی امریکی ڈاکٹر ہیر Hare کے طریقوں ہی سے ملتے جلتے ہیں۔ انہوں نے جنوری 1874ء کو سہ ماہی مجلہ سائنس (Quarterly Journal of Science) میں اپنی چار سالہ ریسرچ کے نتائج اپنے سائنسی مقالہ "Notes of an Enquiry into the Phenomena Called Spiritual" میں شائع کر دیئے۔ اس کے مطابق انہوں نے روحوں کے ذریعہ ایسے عمل کروائے جو بڑی دلچسپی کا باعث تھے۔ ان سے میوزک سننا، اندھیرے میں چیزوں کو ڈھونڈنا وغیرہ قسم کے کامیاب تجربات کئے۔ اس کام کے ساتھ ڈاکٹر کروک نے کیمسٹری کی ریسرچ کا کام بھی جاری رکھا۔ 1887ء کو ملکہ وکٹوریہ نے انہیں سر کا خطاب دیا، 1896ء کو وہ رائل سوسائٹی برائے ترقی سائنس کے پریذیڈنٹ بنا دیئے گئے۔ اس موقع پر انہوں نے سوسائٹی کے دیگر ممتاز سائنسدانوں کے سامنے کہا کہ "روحوں کے متعلق میری دریافتیں میری کیمسٹری کی دریافتوں سے بھی زیادہ اہم ہیں۔ اب میں ٹیلی پیتھی (Telepathy) پر کام شروع کرنے والا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ آہستہ آہستہ قدرت کے اس انتہائی باطنی راز سے بھی پردہ اٹھ جائے گا، ایک پردے کے بعد دوسرا پردہ اٹھتا رہے گا اور وقت کے ساتھ حقیقت زیادہ سے زیادہ خوبصورت بن کر ہمارے سامنے آتی رہے گی، یہ وہ حیران کن وقت ہوگا جب روحوں کا راز انسان پر آشکار ہو جائے گا"۔ یہ تو ڈاکٹر ولیم کروک کا نظریہ تھا لیکن اس وقت کے بہت سے سائنسدان پروفیسر موصوف کی تحقیقات کو قدر کی نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے ان کے خیال میں یہ ان کا وہم تھا یا معمول ان کو بیوقوف بناتا رہا ہے۔ بہر حال آہستہ آہستہ روحوں پر تحقیقات کا کام جاری رہا۔

14.5 روح کی تصویر کشی کی کوشش (Soul Through Lens)

مغرب میں روحوں کی تصویر لینے کی ریسرچ کا آغاز 1900ء کے بعد اس وقت ہوا جب کیمرہ کی ایجاد کافی ترقی کر گئی تھی۔ اس وقت سے لے کر اب تک بہت سے لوگوں نے روح کی تصویر کشی کی کوشش کی ہے۔ ان کا دعوٰی ہے کہ کبھی کبھی بہت صاف تصویر بھی حاصل ہو جاتی ہے لیکن اکثر ایسا نہیں ہوتا۔ اس طرح کی سب سے پہلے کوشش USA میں ایک صاحب ہالینڈ Hollend جو محدب عدسوں کا ماہر کاریگر تھا، نے کی تھی۔ انہوں نے اپنی اس مہارت کو استعمال کرتے ہوئے 16 انچ عدسہ والا کیمرہ بنایا جس کے ذریعہ ایک مرتے ہوئے آدمی کی روح کی فوٹوگرافی کی۔ اپنے لئے گواہ کے طور پر شکاگو ٹریبیون (Tribune) کے ایک رپورٹر کو بھی اپنے ساتھ رکھا۔ وہ رپورٹر بیان کرتا ہے کہ "ہم نے عدسہ کے سامنے والے شیشہ (Mirror) پر دیکھا کہ مردہ کے جسم کے عین اوپر اس کی روح تھی جس کی شکل اسی جیسی تھی، روح کا جسم کے ساتھ رابطہ صرف

ایک نُمب (Chord) کے ذریعہ تھا۔روح تھکی تھکی آنکھوں سے ہمیں دیکھ رہی تھی۔اس منظر کو دیکھ کر میں بے ہوش ہو کر زمین پر گر گیا"۔

جدید سائنسدانوں میں ایک صاحب امیڈ ریوڈیوں نے اپنی کتاب "موت اور بعد کی زندگی" (Death and After-Life) 1965ء میں لکھا تھا کہ "اس نے خود اپنی آنکھوں سے ایک مردہ عورت کے جسم سے کچھ اوپر اس کی روح کو معلق دیکھا تھا۔ جسم اور روح کے درمیان رابطہ کا ذریعہ ایک رسی نما چیز تھی اور روح جسم کی نسبت کئی درجہ زیادہ خوبصورت تھی۔آخرکار وہ رسی (Umbilical Chord) ٹوٹ گئی اور روح جسم سے دور جا کر کھڑی ہو گئی اور بعد میں ایک کھلے دروازے سے نکل کر اپنی آخرت کی طرف روانہ ہو گئی"۔

1902ء میں ایک سائنسدان جس کا نام صرف مسٹر جی (Mr. G) لکھا گیا ہے نے جرنل برائے سوسائٹی آف سائیکیکل ریسرچ (Journal of Society for Psychical Research) میں رپورٹ کیا کہ اس نے بھی ایک مردہ جسم کے اوپر اس کی روح کو ایک سفید دھواں نما شکل میں دیکھا۔وہ تقریباً 5 گھنٹے اس روح کو جسم کے ساتھ (Umbilical Chord) سے جڑا دیکھتا رہا جس کے بعد روح اس کو توڑ کر آزاد ہو گئی۔

1907ء میں ایک سائنسدان ہپالی باراڈوک (Dr. Hippoly Baraduc) نے کیمروں کی مدد سے روحوں کی فوٹوگرافی پیرس فرانس میں کی اور 1908ء میں اس نے "Lamorts at Leurs Manifestation" کے نام سے مضمون لکھا جس میں اپنے تجربات کے نتائج رپورٹ کئے تھے۔

1939ء کو USA میں ایک اور سائنسدان ہرورڈ کارنگس نے کیمروں کی مدد سے روحوں کی فوٹوگرافی کی اور اپنے نتائج Laboratory Investigation into Psychic Phenomena (1939) میں رپورٹ کیے۔انہوں نے بتایا کہ "روشنی کا ایک عجیب گیند نما جسم مرتے ہوئے آدمی سے نکلتا دیکھا گیا۔اسی بات پر مزید ریسرچ کارنگ لیبارٹری (Carrange Lab) واشنگٹن D.C. میں ہوئی۔انہوں نے بھی ایک روشنی کے گیند نکلنے کی رپورٹ کی۔جس کی تفصیل فزیکل ریویو (Physical Review) میں چھپی۔ان کے بعد بھی کئی لوگوں نے اس طرح کی فوٹوگرافی کی ہے اور ان کا دعویٰ ہے کہ روشنی کا گیند یا سفید دھواں نما جسم یا روح کا چمکدار ایتھرل جسم اس بات کا ثبوت ہے کہ مرنے والے کے جسم سے کوئی چیز ضرور نکلتی ہے بعض نے اس کو سائیکک فورس (Psychic Force) کا نام دیا ہے لیکن بہت سے سائنسدان اس نظریہ سے متفق نہیں بھی ہیں۔امریکہ میں بھوتوں کی بھی فوٹوگرافی کی گئی ہے جن کی تفصیلات امریکی ڈاکٹر ہانز ہولزر کی کتاب "Where The Ghosts Are?" Pub-1994 میں دی گئی ہیں۔

14.6 مردہ لوگوں کی روحوں کے فوٹو

مشہور مسلم مصنف اور تاریخ دان علامہ سید سلیمان ندویؒ اپنی کتاب سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مطبوعہ 1947ء میں لکھتے ہیں کہ

"ہمارے ہندوستان انگریزی اخبار لیڈر (Leader) نے پچھلے سال اپریل 1946ء میں ایک عجیب وغریب واقعہ لکھا تھا۔ نامہ نگار لکھتا ہے کہ ہمارے شہر میں ایک عجیب پراسرار واقعہ پیش آیا ہے جس نے لوگوں میں کافی سنسنی پیدا کردی ہے۔ لال کندل لال ایک کھتری زمیندار تھا۔ جو چھ بجے شام کے وقت مرا۔ موصوف چونکہ سوریہ کھتری تھا۔ اس لیے جب تک دوسرے دن صبح سورج نہ نکل گیا، اس کی لاش جلائی نہیں گئی۔ جلانے سے پہلے اس کے بڑے بیٹے اندلال نے ایک خالی کمرہ میں جہاں کوئی اور نہیں تھا، لاش کا فوٹو لیا۔ لیکن اس کی حیرت کی کوئی انتہاء نہ رہی جب اس نے دیکھا کہ اس کے فوٹو پر پانچ اور دھندلی تصویریں آگئی ہیں۔ ان تصویروں میں دو کو تو خاندان کے لوگوں نے پہچان لیا کہ متوفی کی پہلی بیوی اور لڑکا ہے جن کو مرے ہوئے کئی سال ہو چکے ہیں۔ باقی تصاویر جو زیادہ روشن نہ تھی پہچانی نہ جاسکیں "۔

14.7 روحوں کا وزن کرنے کے تجربات (Weighing of the Soul)

یورپ اور امریکہ میں روحوں کے متعلق تیزی سے تحقیق اس بات پر بھی ہو رہی ہے کہ جسم سے جو چیز نکلتی ہے، کیا وہ وزن رکھتی ہے؟ سب سے پہلے ایک امریکی ڈاکٹر ڈنکن میکڈوگل (Duncan Macdougull) نے 1907ء میں امریکی جرنل سائیکیکل ریسرچ (American Journal Society for Psychical Research) میں اپنی تحقیقات کی تفصیلات کو پیش کیا۔ انہوں نے ایک ایسا بستر (Bed) بھی ایجاد کیا جو مریض کا وزن کرنے کی مشین کا کام بھی کرتا تھا۔ بیڈ کے اوپر شیشے کا بنا ہوا تابوت رکھا تھا جس میں وہ قریب الموت مریضوں کو لٹا دیتا اور وقت نزع سے وہ وزن نوٹ کرنا شروع کر دیتا۔ اس نے دیکھا کہ مرنے پر تقریباً آدھا اونس وزن کم ہو جاتا ہے۔ اپنے تجربات کی بنا پر اسے پکا یقین ہو گیا کہ مرنے پر جسم سے ضرور کوئی ایسی چیز نکلتی ہے جو وزن میں کمی کے باعث ہے اور اپنی تحقیقات کے بعد یہ نتیجہ نکالا کہ ایک جوان آدمی کی روح کا وزن تقریباً آدھا اونس ہے۔ ڈاکٹر ڈنکن نے یہ دیکھنے کے لئے کہ آیا جانوروں میں بھی روح ہوتی ہے چوہوں، بلیوں، بندروں اور کتوں پر بھی ایسے ہی تجربات کئے لیکن ان کے وزن میں کوئی خاص فرق نہیں پڑتا تھا، جس سے یہ نتیجہ نکالا گیا کہ روح صرف انسانوں میں ہی ہوتی ہے۔

1915ء میں ایک اور امریکی ڈاکٹر ایچ۔ ایل ٹونگ (H.L. Twing) نے بھی ایسے ہی تجربات کیے اور اس نے بھی یہی نتیجہ نکالا کہ جانوروں کی حد تک مرنے پر وزن میں کوئی کمی نہیں آتی البتہ آدمیوں کے بارے میں اس کی خاموشی کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ وہ کسی آدمی پر کوئی تجربہ نہ کر سکا۔

14.8 قریب الموت لوگوں کے مشاہدات (Visitors to the After-Life)

یورپ اور امریکہ میں 1970ء سے پہلے کے قریب الموت ایسے لوگوں کے مشاہدات جو میڈیکل طور پر مر کر (Clinically Dead) پھر سے زندہ ہو گئے تھے، کے متعلق تحقیقات کا اختصار کتاب "روح کی تلاش" (Search for the Soul) میں ملبورن کرسٹوفر (Milbourn Christopher) نے ٹھوس حوالہ جات کے ساتھ دیا ہے۔ اپنی اس کتاب میں پروفیسر موصوف مندرجہ ذیل واقعات

حیات بعد الموت کے ثبوت کے طور پر پیش کرتے ہیں۔

1) 1871ء میں چھپنے والی کتاب (Looking Beyond) میں جوزف بیرٹ (Joseph Barrett) نے ایک واقعہ یوں لکھا ہے:

"ڈاکٹروں نے اسے مردہ قرار دیا، غم سے نڈھال اس کے بڑے بھائی نے اس کو بازوؤں سے پکڑ کر زور زور سے چیخنا شروع کردیا "تم ہمیں چھوڑ کر کہاں چلے جا رہے ہو کہاں چلے جا رہے ہو؟" اچانک اس نے آنکھیں کھولیں اور بولا، "تم نے مجھے کیوں بلایا ہے، کیا خوبصورت میوزک تھا، کیا خوبصورت مناظر میں دیکھ رہا تھا، میں نے ایسی چیزیں دیکھی ہیں جو زندگی بھر نہ دیکھ پایا، مجھے میرے بہت سے پہلے گزرے ہوئے لوگ ملنے آرہے تھے، تم نے مجھے واپس کیوں بلا لیا ہے کیوں بلا لیا ہے؟"۔

2) "ایک واقعہ ایک ایسی لڑکی کا ہے جو ڈوب گئی تھی، اسے تالاب کے نیچے سے نکالا گیا اور ڈاکٹروں نے اس کے پھیپھڑوں سے پانی نکال کر مصنوعی سانس دی۔ وہ دوبارہ زندہ ہوگئی لیکن بہت ناراض تھی۔ اس نے کہا کہ "میں پانی کے نیچے بہت خوش تھی تم لوگوں نے مجھے بڑی تکلیف دی ہے میں فرشتوں کے ساتھ آسمانوں کو اڑ رہی تھی تمہیں مجھے واپس نہیں لانا چاہیے تھا"۔

3) یکم اگست 1876ء کی بات ہے ایک بیوہ خاتون مسز ڈیانا پاولسن (Mrs. Diana Powolson) جس کا خاوند نو بچے چھوڑ کر چند ماہ پہلے ہی فوت ہوا تھا، اپنے ہونے والے دسویں بچے کی پیدائش کے موقع پر مرگئی، ڈاکٹروں نے اسے مردہ قرار دے کر آنکھیں بند کردیں لیکن پھر بھی ایک ڈاکٹر نے بجلی کا کرنٹ لگا کر اسے بچانے کی کوشش کی۔ آخر کار وہ ہوش میں آگئی اس نے اپنی موت کے بعد کے مندرجہ ذیل واقعات سنائے۔

"جس رات میں مری، موت میرے لیے راحت کا پیغام تھی، مجھے کوئی تکلیف نہیں ہوئی میرے سر کا درد ختم ہوگیا، پہلے پہل ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا، میں نے سوچا کہ شاید میں اندھی ہوگئی ہوں۔ جس پر مجھے بہت خوف ہوا لیکن میں نے دیکھا کہ میرے خاوند نے جو چند ماہ پہلے ہی فوت ہوا تھا اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ میرے دوسرے متوفی رشتہ داروں نے بھی میری مدد کرنا شروع کردی۔ پھر اچانک اندھیرا دور ہوگیا، میں نے اپنے سارے دوستوں کو دیکھا وہاں بے شمار اور لوگ بھی موجود تھے۔ میں نے پہاڑ اور وادیاں دیکھیں، پھول، دریا، سمندر، جھیلیں اور مختلف قسم کے جانور میرے سامنے تھے، اتنا خوبصورت میوزک چل رہا تھا کہ میں بیان نہیں کرسکتی، وہاں جو لوگ تھے انہیں ملنے کی مجھے کبھی بھی توقع نہیں تھی، وہ عام قسم کے لوگ تھے، کچھ صحت مند خوش گفتار تھے، لیکن کچھ بیمار اور بری حالت میں بھی تھے میں نے ان کے گھر بھی دیکھے جہاں وہ چل پھر رہے تھے"۔

"میں نے کئی چمکتی ہوئی روحیں دیکھیں لیکن ان کے پر نہیں تھے۔ پھر میرے رشتہ دار مجھے ایک نہایت روشن جگہ لے گئے وہاں میں نے کئی جلسہ نما میٹنگیں ہوتی دیکھیں لیکن معلوم نہیں کہ وہ کیا کہہ رہے تھے۔ اس موقع پر مجھے بتایا گیا کہ تمہیں ضرور واپس جانا چاہیے۔ یہ بات میرے خاوند نے مجھے بتائی۔ میں رونے لگی اور بہت خفا ہوئی۔ میں اب بھی اس خوبصورت گھر میں واپس جانا چاہتی ہوں۔ جس کے بارے میں انہوں نے مجھے کہا تھا کہ یہ تمہارا گھر ہے۔ جب مجھے واپس آنا پڑا تو میرے خاوند نے اپنے بیٹوں کے لئے کچھ پیغامات دیے، اسی طرح کچھ اور لوگوں نے بھی مجھے اپنے زندہ رشتہ داروں کے نام پیغامات دیے"۔

"وہاں مجھے کچھ مردہ روحوں سے ڈر لگتا تھا جو کالی اور خوفناک تھیں لیکن کچھ دلکش اور خوبصورت بھی تھیں۔ میرا خاوند جب فوت ہوا تو اس کی عمر 67 سال تھی لیکن وہاں وہ بالکل جوان نظر آ رہا تھا۔ میرے دو بچے جو پہلے سے فوت ہو چکے تھے وہ بھی میرے خاوند کے ساتھ ہی تھے، اس پر میں بہت حیران ہوئی، میں نے ان میں سے ایک ہی دیکھا ہوا تھا ایک تو پیدائش سے پہلے ہی مر گیا تھا وہ مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ میرے دل میں اس کیلئے ممتا جاگ اٹھی، میرا ایک بچہ جو پندرہ سال پہلے فوت ہوا تھا، اس وقت اس کی عمر ایک سال تھی لیکن میں نے وہاں اسے پندرہ سال کا نوجوان دیکھا"۔

"روحیں اس طرح نہیں بولتیں جس طرح ہم بولتے ہیں، ان کے کپڑے بھی کھلے کھلے تھے، نہ ہی روحیں بات چیت کے لئے زبان اور منہ کا استعمال کرتی تھیں، بغیر الفاظ کے ہر کوئی دوسرے کو سمجھتا تھا، میں ان کے خیالات کو بھی پڑھ سکتی تھی، یہ زبان جاننے سے بھی زیادہ آسان لگا، انہوں نے مجھے کہا کچھ عرصہ کے لئے واپس زمین پر چلی جاؤ اور اپنے بچوں کی پرورش کرو اس پر بالآخر میں مان گئی"۔

"مجھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام (Christ) سے ملنے کا خیال تھا لیکن یہ بات پوری نہ ہوئی، انہوں نے کہا تم جو اندھیرے میں تھی اس کی یہی وجہ تھی"۔ اپنے اس روحانی تجربے کے بعد وہ لکھتی ہے کہ:۔

"اب مجھے پتا چلا ہے کہ مجھے اپنے آپ پر بھروسا کرنا چاہیے تھا، وہاں ہم ایسے ہی ہوں گے جیسے یہاں دنیا میں ہوتے ہیں، ہم اپنی خوشی کے خود معمار ہیں، وہاں مجھے کوئی جنت یا دوزخ کی جگہ نظر نہیں آئی (اس لئے کہ یہ برزخ کی ابتدائی منازل کے مقامات ہیں) صرف ایک زندگی تھی جو دنیا کی نسبت بہت زیادہ مکمل اور خوبصورت تھی، یہ دنیاوی زندگی کی طرح ہرگز نہیں تھی، میں جو کچھ بتا رہی ہوں وہ میرے ذہن پر نقش ہو چکا ہے، میں جب مر رہی تھی تو مجھے یہ محسوس نہیں ہوا کہ میں بیہوش ہو رہی ہوں یا مر رہی ہوں بلکہ ایسے لگا جیسے ایک زندگی سے دوسری زندگی میں داخل ہو رہی ہوں"۔

"وہاں کی روحوں (Spirits) نے مجھے بتایا کہ مزید ترقیوں کے لئے انہیں اپنے اعمال پر پشیمانی ہوئی اور توبہ کرنا پڑی، جب تک انہوں نے یہ نہیں کیا وہ ناخوش رہے۔ وہاں ایک ایسی روح سے بھی میری ملاقات ہوئی جس کو میں پہلے تو سمجھی کہ شاید یہی خدا ہے، بعد میں خیال آیا کہ شاید یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہوں لیکن پھر اصلیت معلوم ہوئی کہ یہ روشن روح دوسروں کو تعلیم دیا کرتی ہے، اس کے بعد بھی میں نے ایسی کئی معلم روحیں دیکھیں جو دوسروں سے بہت مختلف تھیں۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ یہاں ہر روز سیکھنے میں گزرتا ہے جس سے روحانی ارتقاء ہوتا رہتا ہے"۔ (حوالہ کتاب روح کی تلاش "In Search of Soul" صفحہ 69-71)

4) نومبر 1889 کو امریکی رسالہ Louis Medical & Surgical Journal میں ایک میڈیکل ڈاکٹر اے۔ ایس۔ ولٹز (Dr. A.S. Wiltse) کا اپنا واقعہ چھپا جو مرنے کے بعد زندہ ہو گئے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ "میں کچھ دیر کے لئے بے ہوش ہو گیا اور مجھے احساس ہوا کہ میرا نفس جسم کو چھوڑ رہا ہے، ایسے معلوم ہوا جیسے میں جھولا جھول رہا ہوں، پاؤں میں کچھ ہلکی ہلکی خارش ہو رہی ہے، اس وقت میرا نفس جسم سے سر کے راستہ علیحدہ ہو گیا، ایک بلبلہ کی مانند کرہ کی فضا میں کبھی اوپر کبھی نیچے جاتا اور پھر زمین سے ٹکرا کر میرے اپنے جسم کی سی شکل

اختیار کرلی"۔انہوں نے خاص طور سے دیکھا کہ ان کے نفس اور جسم کے درمیان ایک ریشمِ باریک ڈوری تھی جو کھلتی جاتی لیکن ٹوٹنے نہیں پاتی۔ اس موقع پر انہوں نے بارش کا سماں دیکھا لیکن اسے سخت افسوس تھا کہ اسے کسی فرشتہ نے خوش آمدید نہیں کہا، پھر اسے کسی نے اوپر گھیرے کالے بادلوں میں اٹھا لیا، اس میں آگ ہی آگ کے شعلے تھے جو اسے ڈرا رہے تھے جس سے وہ بہت زیادہ خوفناک ہوگیا۔دور نیچے چٹانوں کے سلسلے نظر آئے۔اس نے سوچا کہ شاید ان چٹانوں کے نیچے اس کا ہمیشہ رہنے کا مقام ہے اسی موقع پر اسے اختیار (Choice) دیا گیا کہ اگر چاہو تو واپس چلے جاؤ۔اس وقت ایک سیاہ بادل نے اس کے منہ کو ڈھانپ لیا۔جب ہوش آیا تو اس نے اپنے آپ کو اپنے بستر پر لیٹا پایا۔کمرے میں جو لوگ تھے ان کا خیال تھا کہ ڈاکٹر مر چکا ہے اس کا اپنا خیال ہے کہ وہ تقریباً 30 منٹ تک مردہ حالت میں رہا۔(صفحہ 72-71)۔(The Search of Soul)

5) ایک واقعہ مسٹر جان پکرنگ (John Puckring) کا ہے جو رسالہ روحانی دنیا Spiritual Herald میں 5 جون 1935ء کو چھپا۔ 58 سالہ پکرنگ ہسپتال میں مرگیا۔برمنگھم ہسپتال کے ڈاکٹر پرسیال ملر (Dr. Persyal Miller) نے بتایا کہ ہم نے اپنی ہر طرح کی کوشش کرلی لیکن اس کی زندگی نہ بچا سکے لیکن تقریباً 5 منٹ کے بعد اس نے آنکھیں کھول دیں۔اس کے بعد پکرنگ نے جو کچھ بتایا اس کا مختصر حال یہ ہے:

"میں نے دیکھا کہ کمرہ میں ایک دھندی بھر گئی، اچانک اس دھند میں ایک تیز روشنی چمکی جس سے ہر چیز صاف نظر آنے لگی، اب مجھے سکون اور خوشی کا عجیب احساس تھا۔پھر مجھے ایک نہایت خوبصورت بلڈنگ میں پہنچا دیا گیا، جس میں بڑے بڑے ستون تھے، بہت بڑا ہال تھا جس کی کوئی چھت، دیوار اور فرش نہیں تھا۔وہاں مجھ سے پہلے سے موجود کچھ لوگ نظر آئے جو بہت خوبصورت سفید سرخ رنگ کے تھے۔انہوں نے مجھے مسکرا کر خوش آمدید کہا۔ان کے لباس ایسے ہی تھے جیسے عام لوگ زمین پر پہنتے ہیں۔میں نے ان میں سے ایک شخص کو پہچان لیا یہ ہمارے شہر کا پوسٹ مین تھا جس کا پانچ سال پہلے انتقال ہوا تھا، اس پر مجھے احساس ہوا کہ میں بھی مر چکا ہوں، اس کے بعد میں نے اپنی بیوی کو ڈھونڈنا شروع کیا جس کا انتقال پندرہ سال پہلے ہوا تھا، ابھی اس کی تلاش جاری تھی کہ مجھے واپس بھیج دیا گیا اور میں نے اپنے آپ کو اس بستر پر پایا۔میں ہرگز نہیں آنا چاہتا تھا لیکن اب دوبارہ زندہ ہونے کے بعد مجھ میں موت کا خوف ختم ہوگیا ہے، میں ایک اچھی زندگی گزارنا چاہتا ہوں تاکہ مرنے کے بعد بھی مجھے بہتر مقام مل سکے"۔(صفحہ 74-73)(In Search of Soul)

6) ایک اور واقعہ ایک پادری آرتھر فورڈ کا ہے۔یہ واقعہ امریکی رسالہ Known & Unknown میں 1968ء میں بھی چھپا ہے۔ 1971ء میں روتھ منٹگمری کی کتاب (A World Beyond) میں بھی چھپا ہے۔آرتھر فورڈ کے مطابق یہ واقعہ 1968ء میں کارل گیسل ہسپتال فلوریڈا میں پیش آیا۔

"میرے جسم میں شدید درد تھا، نرس نے مجھے بے ہوشی کا ٹیکہ لگایا تاکہ میں آرام سے سو سکوں لیکن اس دوران مجھے عارضی موت آگئی۔ میں نے دیکھا کہ میں اپنے بستر کے اوپر تیر رہا ہوں پھر وہاں سے باہر لایا گیا اور میں نے اپنے آپ کو وادیوں اور پہاڑوں کے اوپر اڑتے ہوئے پایا۔سامنے ایک بہت ہی چمکدار، مختلف رنگوں والی روشنی تھی جس کی طرف میں جا رہا تھا، پہلے سے وفات پائے ہوئے دوست اور واقف کار میرے اردگرد جمع ہوگئے، جو زندگی میں بوڑھے تھے وہ بھی جوان معلوم ہوتے تھے۔یہ سب مجھے ایک خاص جگہ دکھانے کے لئے لے گئے لیکن وہ کون سی جگہ

تھی اس کے بارے میں مجھے معلوم نہیں، پھر جب مزید اوپر لے کر گئے تو وہاں ایک بہت بڑا لائٹ نما نوری جسم تھا جس نے مجھے واپس زمین کی طرف بھیج دیا۔ جب میں نے آنکھیں کھولیں تو ایک نرس نے بتایا کہ میں پندرہ دن بے ہوش رہا ہوں"۔

"1971 میں روتھ منٹگمری نے جو واشنگٹن کالمسٹ ہے فورڈ سے دوبارہ یہ کہانی سنی اور اپنی کتاب دنیا ماورا World Beyond میں اس عجیب واقعہ کو لکھا۔ فورڈ نے اسے بتایا کہ وہ اپنی موت کے دوران برٹش مصنف سر آرتھر کانن ڈائل سے بھی ملا تھا۔ اس کی ملاقات آلیور لاج سے بھی ہوئی، اسی دوران میں اس نے امریکی پریذیڈنٹ روزویلٹ اور برطانوی پرائم منسٹر ونسٹن چرچل کو بھی ایک جگہ اکٹھے کھڑے دیکھا۔ اس نے مرحوم پریذیڈنٹ آئزن آور کو بھی اپنے سپاہیوں سے ملتے دیکھا۔ جنگ عظیم دوئم کے ان امریکی اور برٹش لیڈروں کے علاوہ اس نے ہٹلر کو بھی دیکھا لیکن وہ پریشان تھا اور اس کی طرف کوئی توجہ نہیں دے رہا تھا"۔

(نوٹ) میرے خیال میں روحوں سے ملاقات کے یہ واقعات دراصل ان روحوں کے متعلق ہیں جو عالم برزخ میں آگے بڑھنے کی بجائے زمینی دنیا ہی سے چمٹے رہتے ہیں۔ انہی کو بھوت کہا گیا ہے)۔

14.9 مسلمانوں کی ذمہ داری

اوپر کے صفحات میں ہم نے روحوں پر یورپ اور امریکہ میں 1970ء سے پہلے کی ہونے والی تحقیقات کا نچوڑ کتاب Search for the Soul مصنف کرسٹوفر کے حوالہ سے دیا ہے۔ آئندہ ابواب میں بھی ہم یورپ اور امریکہ میں ہونے والی تحقیقات پر مزید روشنی ڈالیں گے ان سے ایک بات تو صاف ظاہر ہے کہ مغربی ممالک میں روحوں کے اوپر بڑا سائنسی کام ہو رہا ہے۔ جیسے پہلے بھی کہا جا چکا ہے افسوس کا مقام یہ ہے کہ ہمارے مسلمان بھائی اس طرف کوئی توجہ نہیں دے رہے حالانکہ یہ وہ کام ہے جس کو کرنے کے لئے ہماری پرانی کتابوں میں بھی بہت شاندار مواد موجود ہے۔ اس طرح کی تحقیق کے لئے کوئی بڑی لیبارٹری بھی نہیں چاہیے۔ بلکہ یہاں بڑا کام تو مر کر زندہ ہونے والے لوگوں کے متعلق حتمی مشاہدات حاصل کرنا، ان کا تجزیہ کرنا اور ان پر غور وفکر ہی ہے۔ خوش قسمتی سے ہمارے ملک پاکستان میں بھی انتہائی ذہین دانشوروں، سائنسدانوں، ڈاکٹروں اور ماہرین سائیکالوجی کی کمی نہیں ہے۔ یہاں پیر فقیر، بزرگ اور درویش بھی بہت ہیں۔ ایسے میں روحوں پر باقاعدہ کام نہ ہونا بہت افسوس ناک بات ہے۔ چاہیے کہ ہم قومی سطح پر پیرا سائیکیکل سوسائٹیاں (Para Psychical Socities) قائم کریں۔ طبعیات اور مابعد طبعیات کے اوپر سائنسی تحقیقات کے لئے گروپ ہوں جو انسانیت کے فائدہ کے لئے غیر مرئی طاقتوں مثلاً جنات، ملائکہ اور ارواح پر ریسرچ کریں اور آگے بڑھتے ہوئے ٹیلی پیتھی، ESP یعنی غیر معمولی احساسات کی طاقت اور روحانی طریقوں سے بیماریوں کے علاج کی طرف توجہ دیں۔

علم تمام نوع انسانی کی مشترکہ میراث ہے اس لیے مشرق جو اپنی روحانی اقدار کی وجہ سے ہمیشہ ہی آگے رہا ہے، تمام بڑے بڑے پیغمبر

یہیں پیدا ہوئے یہاں کے روحانی سائنسدانوں اور مغرب کے سائنس دانوں کو باہمی تعاون سے ارواح پر سائنسی تحقیق کرنی چاہیے۔خصوصاً مسلمانوں پر تو یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ دنیا کو وحی الٰہی کی روشنی میں ارواح ،فرشتوں اور جنوں جیسی مخلوقات جو ان کے ایمان کا حصہ ہیں،کو سائنس کے ذریعہ ثابت کر کے دکھائیں۔اس کام کو آگے بڑھانے کیلئے مشرقی اور مغربی انجمنوں کو ملا کر بین الاقوامی روحانی انجمنوں کی بنیاد رکھنا بھی وقت کی اہم ضرورت ہے تا کہ انسانیت کو مادیات کے بحر ظلمات (Black Hole) میں گرنے سے بچایا جا سکے۔

اگر ہم ایسا نہیں کرتے تو ڈر ہے کہ مغربی روحانیات بھی مادیات میں الجھ کر رہ جائے گی۔اب بھی ان میں سے بہت سے روحانی حقائق کو دنیا کے حوالہ ہی سے دیکھتے ہیں۔یوں وہ روح کی حیات کو انسان کی جسمانی حیات کی توسیع قرار دیتے ہیں اور انسان کی پیدائش میں جو مقصد ہے اس سے نابلد ہیں۔اس لیے مسلمان دانشوروں پر یہ بھاری ذمہ داری ہے کہ وہ آگے بڑھ کر خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس ناواقف امت کی اسلام کی روشنی میں صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی کریں۔

باب نمبر 15

ڈاکٹر موڈی کے "بعد از موت مشاہدات" کی تفصیلات اور تجزیہ

Reference Book "Life After Life"

15.0 تعارف

ہم پچھلے ابواب میں جدید روحانی مشاہدات کے حوالہ سے ڈاکٹر ریمنڈ موڈی کی تحقیقات کے نتائج کا خلاصہ پیش کر چکے ہیں۔ ذیل میں ہم کچھ خصوصی واقعات کی تفصیلات کا ذکر کر رہے ہیں۔ یہ واقعات ان کی کتاب (Life After Life) سے لیے گئے ہیں۔ یہ کتاب 1975ء میں شائع ہوئی اور اس میں 150 کے قریب مر کر زندہ ہونے والوں کے واقعات ہیں۔ ان لوگوں کو ڈاکٹروں نے مردہ قرار دیا تھا لیکن تھوڑی دیر بعد وہ دوبارہ ہوش میں آ گئے۔ ان کے بارے میں یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ یہ لوگ عالم برزخ تک نہیں پہنچے تھے لیکن انہوں نے سکرات موت کے حالات ضرور دیکھے تھے۔ ان کی مثال ایسے ہی ہے جیسے نیند کے بعد آدمی جاگتا ہے۔ قرآن کریم میں بھی موت کو نیند سے تشبیہ دی گئی ہے۔ ڈاکٹر موڈی بھی اپنی کتاب کے صفحہ 11 پر موت کی مثال نیند سے دیتا ہے۔ صفحہ 13 پر وہ موت کو شعور سے لاشعور میں اتر جانے سے تشبیہ دیتا ہے۔ (Annihilation of Consciousness) اس تعریف کے مطابق جسم تو ختم ہو جاتا ہے لیکن انسان کی خودی (Self) زندہ رہتی ہے۔ ڈاکٹر موڈی لکھتا ہے کہ قدیم ترین انسانی معاشروں کے لوگ بھی جسم کی موت کے بعد بھی انسان کی خودی کے زندہ رہنے پر ایمان رکھتے تھے۔

اپنے متعلق ڈاکٹر موڈی بتاتے ہیں کہ "زندگی بعد از زندگی" یا موت کے بعد زندگی میں ان کی دلچسپی 1965ء میں ہوئی جب وہ ورجینیا یونیورسٹی میں انڈر گریجویٹ طالب علم تھے۔ وہاں سائیکالوجی کے ایک پروفیسر نے بتایا کہ کس طرح وہ دو مرتبہ مر چکا ہے اور اس نے اپنی موت کے دوران کیا حیران کن مناظر دیکھے ہیں۔ اس سے متاثر ہو کر ریمنڈ موڈی نے بھی اسی طرح کے مزید واقعات اکٹھے کرنا شروع کیے۔ 1972ء تک انہوں نے کافی واقعات کا ریکارڈ تیار کر لیا تھا۔ کہتے ہیں کہ جس بات نے سائنسی طور پر مجھے اس کام پر مجبور کیا وہ یہ تھی کہ اگرچہ ان لوگوں کے خاندانی حالات مختلف تھے، مذہب بھی ایک نہیں تھا اور وہ ایک دوسرے سے کبھی ملے بھی نہیں تھے لیکن جو کچھ وہ بیان کرتے تھے اس میں حیران کن حد تک

مماثلت تھی جس کا صرف یہی مطلب ہوسکتا تھا کہ اس میں کچھ نہ کچھ سچ ضرور ہے۔مزید سائنسی تسلی کے لئے انہوں نے 150 مر کر زندہ ہونے والے افراد کا خود انٹرویو کیا (صفحہ 17)۔

15.1 عمومی مشاہدہ

انہوں نے نوٹ کیا کہ مختلف لوگوں کے بعد از موت مشاہدات میں تقریباً 15 کے قریب مشترکہ باتیں ہیں۔اگر ان مشترکہ نکات کو نمونہ کے طور پر لیا جائے تو مر کر زندہ ہونے والوں کی عمومی کہانی کچھ یوں بنتی ہے:۔

"ایک آدمی موت سے دوچار ہو رہا ہے جیسے ہی وہ انتہائی کرب کے نقطہ کو پہنچتا ہے یعنی مرنے لگتا ہے تو وہ سنتا ہے کہ ڈاکٹر نے اس کو مردہ قرار دے دیا ہے۔اس کے ساتھ ہی وہ انتہائی مہیب اور بیزار کرنے والا شور سننے لگتا ہے۔اونچی آواز والی گھنٹیاں اور جھنجھناہٹیں سنائی دیتی ہیں اور اس تکلیف دہ حالت کے بعد اچانک اس کو پتا چلتا ہے کہ وہ اپنے جسمانی بدن سے باہر نکل چکا ہے۔اب وہ گردوپیش کو نہ صرف دیکھتا ہے بلکہ جو کچھ اردگرد ہو رہا ہے وہ اسے سمجھتا بھی ہے۔اس کو اپنا مادی جسم بھی نظر آ رہا ہوتا ہے جیسے وہ از خود ایک تماشائی ہے۔وہ یہ بھی دیکھتا ہے کہ اس کے بدن کو ڈاکٹر اور نرسیں ہوش میں لانے کی کوشش کر رہے ہوتے ہیں،اپنے جسم کی یہ حالت دیکھ کر وہ خود کو ایک بیقراری اور اضطرابی کیفیت سے دوچار پاتا ہے لیکن کچھ وقفے کے بعد اس کی پریشانی جاتی رہتی ہے۔اسے ایسے محسوس ہوتا ہے کہ اس نئی حالت میں اس کا اپنا بھی کوئی جسم ہے لیکن یہ جسم پرانا جسم نہیں جو سامنے پڑا نظر آتا ہے بلکہ ایک لطیف جسم ہوتا ہے جو با آسانی اوپر نیچے ہر طرف حرکت کر سکتا ہے،دیکھ سکتا ہے،سن سکتا ہے،اب وہ اپنے آپ کو دوبارہ ایک شخصیت محسوس کرتا ہے لیکن اس کی نوعیت الگ ہے۔اس کی طاقتیں بھی اس طبعی بدن سے مختلف ہیں جسے وہ پیچھے چھوڑ آیا ہے"۔

"وہ دیکھتا ہے کہ وہاں کمرے میں کچھ اور لوگ بھی اس کو ملنے یا اس کی مدد کرنے کے لئے آئے ہیں،وہ کچھ رشتہ داروں اور دوستوں سے جو پہلے مر چکے تھے ان کو بھی وہیں اپنے استقبال کے لئے پاتا ہے۔وہیں وہ اپنے ساتھ ایک اجنبی شخص کو دیکھتا ہے جو اسے لے کر وہاں سے کسی اور منزل کی طرف چل پڑتا ہے۔ایسا لگتا ہے کہ وہ شہر کے اوپر اڑ رہا ہے اور ماحول کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔پھر ایک تاریک غار میں سے گزرتا ہے جہاں وہ ڈر اور خوف محسوس کرتا ہے لیکن غار کی دوسری طرف روشنی نظر آتی ہے۔وہاں وہ ایک نوری ہستی کو دیکھتا ہے جس میں بڑا سکون اور پیار ہوتا ہے۔اس نوری ہستی کی کیفیت الفاظ میں بیان نہیں کی جا سکتی۔وہ اس سے زبانی ہم کلام نہیں ہوتا لیکن ایسا لگتا ہے جیسے دماغی طور پر بات چیت ہو رہی ہے۔وہ اس سے اس کی زندگی کے متعلق سوال کرتا ہے۔اس کے ساتھ ہی اس آدمی کو اس کا تمام کیا کرایا یعنی پوری دنیاوی زندگی کا خاکہ نظر آنے لگتا ہے۔یوں محسوس ہوتا ہے جیسے اس کی دنیاوی زندگی کے مناظر اور واقعات کی فلم چل پڑی ہے پھر ایک لحہ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے وہ نوری ہستی اسے کہہ رہی ہو کہ ابھی اسے دنیا میں واپس چلے جانا چاہیے کہ ابھی اس کی موت کا وقت نہیں آیا۔اب مرنے والا اس نئی دنیا سے اس قدر مانوس ہو جاتا ہے کہ واپس نہیں جانا چاہتا،لیکن اس کا ساتھی فرشتہ اس کو زبردستی واپس لے آتا ہے پھر دوبارہ اسی تاریک غار سے گزر کر واپس اپنے کمرہ میں

آجاتا ہے اور اپنے مردہ جسم کو دیکھتا ہے۔ وہ اس میں دوبارہ داخل نہیں ہونا چاہتا لیکن زبردستی اس کو دھکیل دیا جاتا ہے۔ اس لیے کہ ابھی اسے کچھ عرصہ دنیا میں مزید زندہ رہنا ہے"۔

15.2 خصوصی مشاہدات

یہ تو مرنے کے بعد وہ عمومی تصویر تھی جس کا مشاہدہ اکثر لوگ کرتے ہیں۔ اب ہم کچھ انفرادی مشاہدات کی طرف آتے ہیں جن کا ذکر ڈاکٹر ریمنڈ موڈی نے اپنی کتاب میں درج کیا ہے۔

15.3 کثیر جہتی دنیا

ایک صاحب جو اپنے بیان سے سائنسدان معلوم ہوتے ہیں اپنے احیاء بعد الموت کے واقعہ میں سناتے ہیں کہ "میرے لیے اصل مسئلہ یہ ہے کہ میں صرف تین جہتی دنیا (Three Dimensional World) کو جانتا ہوں اس لیے نہ میرے پاس الفاظ ہیں، نہ ایسے استعارے کہ میں وہاں کے حالات آپ کو بتا سکوں۔ دوسری دنیا یقیناً تین جہتی دنیا نہیں اس لیے میں وہاں کی صحیح اور پوری تصویر دینے سے قاصر ہوں"۔ (صفحہ۔26)

15.4 جان کنی اور وقت نزع کی تکلیف

ایک صاحب نے بتایا کہ "اچانک مجھے محسوس ہوا جیسے لوہے کا ایک ہاتھ میرے سینہ پر رکھ دیا گیا ہے اور میں اس کے ساتھ کس دیا گیا ہوں۔ میں نے اپنے آپ کو سخت اندھیروں میں پایا۔ (صفحہ۔27)، کسی نے کہا کہ ایسا لگا جیسے خلا میں دھکیل دیا گیا ہو"۔

15.5 سیاہ تاریک راستہ

اکثر لوگوں نے بتایا کہ کس طرح موت کے فوری بعد انہیں ایک سیاہ تاریک راستہ (جیسے کوئی غار یا سرنگ) میں ڈال دیا گیا۔ مثلاً ایک لڑکے نے بتایا کہ "جیسے ہی وہ مرنے لگا پہلے شدید شور سنا پھر میں نے اپنے آپ کو انتہائی تاریک راستہ سے گذرتا ہوا پایا جیسے یہ کوئی گندے پانی کا گٹر ہو، میں آگے جا رہا تھا اور شور مجھے کھائے جا رہا تھا"۔ بعض نے کہا کہ "تاریک راستہ میں سے گزرنا ایسے لگتا ہے جیسے آپ خلا میں سے گزر رہے ہوں، جس سے دم گھٹتا ہے اور نہایت تکلیف دہ احساس ہوتا ہے"۔ بہت سے لوگوں نے بتایا کہ "موت کے بعد شدید خوفناک شور سنا"۔ مثلاً ایک آدمی جو پیٹ کے آپریشن کے بعد 20 منٹ کیلئے مر گیا تھا اس نے بتایا کہ "میں نے عجیب گھنٹی نما شور سنا جو بڑا تکلیف دہ تھا، اس قدر تکلیف دہ شور

تھا جسے میں بھول نہیں سکتا"۔

ایک عورت نے بتایا کہ "موت کے بعد اس نے شدید بھیں بھیں کا شور سنا پھر ایک دھماکہ کی طرح شور ہوا پھر ایسے سیٹی کی آواز تھی جیسے طوفان آگیا ہو"۔(صفحہ۔30) قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے کہ "فرشتے جب گنہگاروں کی روح قبض کرتے ہیں تو منہ اور جسم پر مارتے ہیں"۔ جہاں تک اس بیان کا تعلق ہے کہ موت کے بعد والی زندگی کثیر جہتی زندگی ہے،اس کے بارے میں قرآن کریم یہ بتاتا ہے کہ قبر یا عالم برزخ کی دنیا موجودہ دنیا سے بہت مختلف ہے۔نزع کی کیفیت کے متعلق بتایا گیا ہے کہ تکلیف سب کو ہوتی ہے کسی کو کم کسی کو زیادہ لیکن کوئی بھی اس سے بچا نہیں۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس تکلیف سے پناہ مانگنے کے لئے کہا ہے۔(بخاری) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی آخری بیماری میں فرماتے ہیں کہ "اے اللہ تعالیٰ موت کی سختی میں میری مدد فرما"۔

15.6 موت کے بعد سکون

اکثر لوگ سناتے ہیں کہ موت کی تکلیف کے فوری بعد انہیں بڑا سکون ملا۔ایک صاحب جن کا بیان ہے کہ زخم پر شدید درد کی لہر اٹھی لیکن مرکر سکون آگیا۔مجھے ایسے لگا جیسے میں اندھیروں میں تیر رہا ہوں مجھے جتنا سکون ملا اتنا زندگی میں کبھی تصور نہیں کر سکتا تھا۔(صفحہ 29)۔ایک فوجی جو زخمی ہو گیا تھا اس نے بتایا کہ "جیسے ہی مجھے (بم) چھرے لگے مجھے ہرگز کوئی درد نہیں ہوا بلکہ میرے اوپر سکون چھا گیا اتنا سکون میں نے زندگی میں کبھی محسوس نہیں کیا،کیا ہی اچھا احساس تھا"۔

15.7 جسم اور ماحول کو دیکھنا

مرنے کے بعد بہت سے لوگوں نے یہ دیکھا کہ ان کی روح،نفس یا سپرٹ جسم سے علیحدہ ہو گئی،اس نفس کی شکل ہمارے جسم کی شکل سے ملتی جلتی ہے لیکن سائز میں بڑی اور وزن میں انتہائی لطیف ہے۔یہ نفس اپنے مردہ جسم اور اس کے اردگرد کے ماحول کو باہر سے دیکھ رہا ہوتا ہے۔ اپنے جسم کے اردگرد ہونے والے واقعات کو جس طرح کچھ لوگوں نے سنایا انہوں نے ڈاکٹروں کو حیرت میں ڈال دیا۔ان میں سے چند واقعات دیئے جاتے ہیں۔

مثلاً ایک عورت نے بتایا کہ "ہسپتال میں دل کے حملے کے بعد مجھے داخل کرایا گیا وہیں مجھے دوسرا حملہ ہوا پھر میری سانس بند ہو گئی اور دل کی حرکت بھی بند ہو گئی،میں نے نرسوں کو کہتے سنا کہ کوڈ پنک (Code Pink) یعنی اس کی چھاتی کا سخت مساج کرو اور بجلی کا جھٹکا دو،اس وقت میں نے اپنے آپ کو بیڈ سے اٹھتے دیکھا اور کمرے میں چھت کے قریب پہنچ گئی میں نے دیکھا کہ کئی نرسیں میرے جسم کے اردگرد اکٹھی ہو گئیں تقریباً ایک درجن تو ہوں گی۔اس وقت میرا ڈاکٹر جو راؤنڈ پر تھا میں نے اسے بھی آتے دیکھا۔میں نے دیکھا کہ وہ مجھے بچانے کی بہت کوشش کر رہے تھے،ایک نرس مجھے منہ کے ذریعہ مصنوعی سانس دے رہی تھی،ایک نرس بجلی کی مشین کو جلدی جلدی لگا رہی تھی پھر انہوں نے مجھے بجلی کے

جھٹکے دیئے، میں نے دیکھا کہ میرا سارا جسم جھٹکوں پر اٹھ جاتا تھا اور میرے جسم کے اندر کی ایک ہڈی ٹوٹ گئی۔ جب وہ میری چھاتی کے اوپر دباؤ ڈال رہے تھے میرے بازوؤں کو اوپر نیچے کر رہے تھے میں سوچتی تھی کہ وہ ایسا کیوں کر رہے ہیں میں تو ٹھیک ہوں "۔(صفحہ 36)

15.8 کار کا ایکسیڈنٹ

ایک آدمی نے بتایا کہ "میری کار کا ایکسیڈنٹ ہو گیا، رات کا وقت تھا کہ دوسری طرف سے آتی ہوئی کار کے ساتھ ہیڈ آن ٹکر ہو گئی۔ میں نے محسوس کیا کہ میں ایک گہرے اندھیرے سلنڈر میں سے گزر رہا ہوں یہ راستہ بہت جلدی طے ہو گیا۔ پھر دیکھا کہ میں کار سے تقریباً پانچ گز دور کھڑا ہوں، پھر میں پانچ فٹ اونچا ہوا میں معلق ہوا، میں نے ایکسیڈنٹ کی آواز کو کم ہوتے سنا، میں نے لوگوں کو ادھر ادھر سے ایکسیڈنٹ کی طرف بھاگتے ہوئے آتے دیکھا، مجھے میرا دوست کار سے نکلتا بھی نظر آیا جو بالکل شاک کی حالت میں تھا۔ میں اپنا جسم کار میں پھنسا ہوا دیکھ رہا تھا لوگ اسے نکالنے کی کوشش کر رہے تھے، میری ٹانگیں مڑ چکی تھیں اور ہر طرف خون ہی خون بہہ رہا تھا لیکن مجھے کوئی تکلیف کا احساس نہیں تھا"۔(صفحہ 37)

15.9 مردوں کی زندوں سے بات چیت کی کوشش

ایک عورت نے جس کا سانس بند ہو گیا اور ڈاکٹر مصنوعی سانس دے کر اس کی جان بچانے کی کوشش کر رہے تھے بتایا کہ "میں نے باہر سے دیکھا کہ وہ مصنوعی سانس سے میری زندگی بچانے کی کوشش کر رہے تھے میں ان سے بات چیت کرنا چاہتی تھی حالانکہ میں ان کے بہت قریب تھی لیکن کوئی میری طرف توجہ نہیں کر رہا تھا، کوئی آدمی میری بات نہیں سن رہا تھا"۔

15.10 نفس (Self) کا چیزوں کے اندر سے گزرنا

کئی لوگوں نے بتایا کہ ان کا Self اس قدر لطیف، بے وزن اور سرعت والا ہے کہ وہ چیزوں کے اندر سے گذر جاتا ہے اور آر پار دیکھ لیتا ہے مثلاً ایک عورت نے کار کے حادثہ کے بعد بتایا کہ "جب میں مر چکی تھی تو ڈاکٹر اور نرسیں میرے جسم کو زندہ کرنے کے لئے میری چھاتی پر مکے مار رہے تھے، میں انہیں بار بار کہہ رہی تھی کہ مجھے چھوڑ دو لیکن کسی کو اپنی بات سنا نہیں سکتی تھی۔ میں نے پھر انہیں اپنے ہاتھ سے روکنے کی کوشش کی لیکن انہیں اس کا احساس نہیں تھا۔ میں انہیں چھو رہی تھی لیکن وہ میرا لمس محسوس نہیں کر رہے تھے۔ میں لوگوں کو اپنی ایکسیڈنٹ کار کے ملبہ کے ارد گرد جمع ہوتے دیکھ رہی تھی۔ میں ایک تنگ پگڈنڈی پر کھڑی تھی میں انہیں دیکھ رہی تھی۔ لیکن وہ مجھ سے بے خبر تھے۔ وہ میرے اندر سے گزر رہے تھے اور انہیں کوئی پتا نہیں چل رہا تھا"۔(صفحہ 45)

15.11 نفس کی کیفیت اور خصوصیات

ڈاکٹر ریمنڈموڈی لکھتے ہیں کہ تقریباً ہر شخص نے بتایا ہے کہ نفس (Spirit Body) بہت لطیف تھا جیسے اس کا کوئی وزن نہ ہو، اس کے سامنے کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ وہ دروازوں دیواروں کے آر پار با آسانی گزر سکتا تھا، دیکھ سکتا تھا، لوگوں کو سن سکتا تھا لیکن زندہ لوگ اس کو نہ محسوس کر سکتے تھے، نہ دیکھ سکتے تھے، نہ سن سکتے تھے، نہ ہی چھو سکتے تھے اور یہ بھی کہ جسم وقت کی پابندیوں سے آزاد تھا، وہ آگے، پیچھے، مستقبل، حال اور ماضی میں جھانک سکتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی ارشاد ہے کہ:۔

"مردہ پہچانتا ہے جو اس کو نہلاتے ہیں، کفن پہناتے ہیں، اس کا جنازہ اٹھاتے ہیں، اس کو قبر میں دفن کرتے ہیں وہ ان کی باتیں سنتا ہے جواب دیتا ہے لیکن لوگ اس کی باتیں نہیں سنتے"۔ (مشکوٰۃ)

15.12 سپرٹ باڈی (Spirit Body) کی کیفیت

اب ہم ان حقائق کے متعلق کچھ لوگوں کے مزید مشاہدات کا ذکر کرتے ہیں۔ ایک آدمی نے بتایا کہ "وہ تیز گاڑی چلا رہا تھا کہ وہ ایک موڑ پر کنٹرول نہ کر سکا، کار ہوا میں اڑی اور پھر میں نے دیکھا کہ سڑک کے نیچے ایک کھائی میں گر گئی، اس وقت میرے لیے وقت کی حس ختم ہو گئی، میرا اپنے جسم سے رشتہ ٹوٹ گیا، میں اپنے جسم سے سر کی جانب سے باہر نکل آیا۔ میں اپنی Spirit Body کو بیان نہیں کر سکتا ہوں، گول تھی یا لمبوتری تھی، کیسی تھی مجھے احساس نہیں، آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ ایک بادل کی طرح تھی جو اپنی شکل بدل سکتا ہے، میں نے محسوس کیا کہ ایک بوجھ اتر گیا ہے، میں خود کو بہت ہلکا محسوس کر رہا تھا، ایسے لگتا تھا کہ وقت ٹھہر گیا ہے، اگرچہ حادثہ میں ہر چیز اچانک ہوتی ہے لیکن میں ایک ایک حرکت کو ایسے دیکھ رہا تھا جیسے ہر چیز آہستہ آہستہ میرے سامنے ایک فلم کی مانند ہو، میں نے دیکھا کہ میرے جسم کو زیادہ زخم نہیں آئے تھے صرف گردن مڑ گئی تھی اور ایک پاؤں زخمی ہوا تھا، مجھے کوئی افسوس نہیں تھا بلکہ ہر چیز کافی دلچسپ معلوم ہوتی تھی۔ حادثہ کے وقت تو ایسے لگتا تھا جیسے ہر چیز آہستہ آہستہ ہو رہی ہے اور میں ایک ایک حرکت کو دیکھ رہا ہوں لیکن جب میں اپنے جسم سے پوری طرح باہر آ گیا تو وقت کا احساس بھی تیز ہو گیا۔ مجھے یاد ہے کہ مجھے ہسپتال میں آپریشن تھیٹر میں کیسے لے کر گئے، مجھے اپنے متعلق یاد ہے کہ میں بالکل شفاف تھا مجھ سے چیزیں گذر سکتی تھیں اور میں چیزوں سے۔ جب میرا دل بند ہو گیا تو مجھے ایسے لگا جیسے میں ایک گولا ہوں۔ مجھے کسی جسمانی تکلیف کا احساس نہیں، میں اپنے جسم کو اور اس پر جو بیت رہا تھا تقریباً دس گز سے دیکھ رہا تھا اور میں سوچ رہا تھا جیسے کوئی زندہ سوچتا ہے"۔ (صفحہ 50)

15.13 بصارت کی تیزی

ایک آدمی نے بتایا کہ جب وہ مر چکا تھا تو اس کے دیکھنے کی قوت (Vision) بہت زیادہ طاقتور ہو گئی اس نے کہا کہ "مجھے سمجھ نہیں آ رہا ہے کہ میں کس طرح اتنی دور دیکھ سکتا ہوں"۔ ایک عورت نے بتایا کہ "میں جب مر گئی تو میں نے دیکھا کہ میرا نفس (Spirit Body) جدھر چاہے

ادھر دیکھ سکتا تھا، ایسے جیسا س پر دیکھنے کی کوئی حد نہیں تھی"۔ ایک اور عورت نے اپنے مرنے کا واقعہ بتایا کہ "میں نے دیکھا کہ وہاں بہت گہما گہمی تھی لوگ میری ایمبولینس کے ارد گرد دوڑ رہے تھے، میں لوگوں کے خیالات کو پڑھ سکتی تھی اور جس شخص کو بھی دیکھتی وہ زوم (Zoom) کر کے میرے قریب آجاتا، میں خود اپنے جسم سے کئی گز کے فاصلہ پر کھڑی تھی، جب میں کسی کو دور دیکھنا چاہتی تو ایسے معلوم ہوتا کہ میرا کچھ حصہ وہاں پہنچ جاتا، مجھے ایسا لگا جیسے میں دنیا کے ہر کونے میں دیکھ سکتی ہوں"۔(صفحہ 52)

15.14 سننے اور سمجھنے کی حس

مرنے والے لوگوں نے بتایا کہ وہ زندہ لوگوں کی باتوں کو سنتے تھے، ہجوم میں ایک ایک کی بات سمجھتے تھے لیکن اپنا مدعا کسی کو نہ سنا سکتے تھے، ایک خاتون نے اپنا مشاہدہ بتایا کہ "میں لوگوں کو اپنے جسم کے ارد گرد کھڑا دیکھ رہی تھی میں ان کی باتیں سن اور سمجھ رہی تھی بلکہ مجھے ان کے اذہان کے خیالات کا بھی علم ہو رہا تھا میں ان کے بولنے سے پہلے سمجھ لیتی تھی کہ وہ کیا کہنے والے ہیں "۔(صفحہ 52)

اٹھارھویں صدی کے مشہور مسلمان عالم دین اور محدث حضرت شاہ ولی اللہ دھلوی اپنی کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" میں لکھتے ھیں کہ نفس (Self) جب جسم کو چھوڑتا ھے تو بدن پر جو کچھ گزرتا ھو وہ دیکھتا ھے، سنتا ھے اور اس کا پورا پورا احساس ھوتا ھے، وہ باتیں کرتے ھیں لیکن عام آدمی ان کو سن نہیں سکتے بلکہ انہیں سمجھنے کیلئے بھی روحانی کان چاھئیں۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا ارشاد ھے کہ مردہ قبر میں دفن ھونے سے پہلے جو باتیں کرتا ھے اس کے ماسوائے انسان کے باقی سبھی چیزیں سنتی ھیں، شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ھیں کہ انسان کے علوم اور خیالات نفس کے ساتھ رھتے ھیں۔

قرآن کریم کی سورہ التکاثر سے بھی پتا چلتا ہے کہ مرنے کے بعد انسان کی دیکھنے اور سمجھنے کی قوتیں بہت زیادہ تیز ہو جاتی ہیں اور اس پر اگلے پچھلے علوم کھل جاتے ہیں فرمایا:۔

"دنیا میں تمہیں چیزوں کی کثرت کی ہوس نے غافل کر رکھا ہے۔حتیٰ کہ تم قبروں تک پہنچ جاتے ہو۔وہاں تم جان جاؤ گے۔تحقیق تم جان جاؤ گے۔کاش کہ تمہیں دنیاوی زندگی میں حقیقت حال کا پتا ہوتا۔"

(موڈی کے تمام واقعات قبر میں جانے سے پہلے کے ہیں، اس لئے ان میں سے کسی ایک میں بھی قبر کے حال کا ذکر نہیں)

15.15 احساس تنہائی اور خوف

اگر چہ مردہ لوگوں کو سن سکتا ہے، ان کے خیالات تک کو محسوس کرتا ہے، جدھر چاہے دیکھ سکتا ہے، لیکن ڈاکٹر موڈی بتاتے ہیں کہ بہت سے لوگوں نے بتایا کہ اس حالت میں ایک عجیب طرح کی تنہائی والی وحشت ہوتی ہے کہ نہ کوئی ان کو دیکھ رہا ہے، نہ وہ کسی کو کچھ سنا سکتے ہیں بالکل دنیا سے ان کا رشتہ پوری طرح کٹ چکا ہے اور یہ احساس انتہائی مایوس کن ہوتا ہے۔ ایک آدمی نے بتایا کہ وہ وہاں انتہائی زیادہ تنہائی کا شکار تھا۔

ایک آدمی نے بتایا کہ "میں عجیب عجیب تجربات سے گذر رہا تھا، یہ سب اتنے خوبصورت تھے کہ میں بیان نہیں کر سکتا، میں چاہتا تھا کہ میں کسی کو بتا سکوں لیکن مجبور محض تھا۔ مجھے یہ احساس کھائے جا رہا تھا کہ بس کبھی بھی کسی کو بتا سکوں گا کہ میں نے کیا کچھ وہاں دیکھا اس احساس سے میرا دل ڈوب رہا تھا اور میں ڈپریشن (Depression) میں جا رہا تھا"۔ ایک اور شخص نے بتایا کہ "مجھے احساس تھا کہ میں بالکل تنہا ہوں اور یہ ایک خوفناک احساس تھا"۔

15.16 دوسرے لوگوں سے ملاقات

ڈاکٹر موڈی بتاتے ہیں کہ تنہائی کا یہ احساس اس وقت ختم ہو جاتا ہے جب مرنے والا اپنے بہت سے وفات پائے ہوئے دوستوں اور رشتہ داروں کو ملاقات کے لئے آتے ہوئے پاتا ہے۔

ایک عورت جو بچہ کی پیدائش کے موقع پر مر گئی اور بعد میں پھر سے زندہ ہو گئی، اس نے اپنا واقعہ یوں سنایا کہ "ڈاکٹر میری زندگی سے مایوس ہو گئے اور میرے رشتہ داروں کو بتایا کہ میں مرنے والی ہوں لیکن میں خود ہر بات سن رہی تھی۔ اس وقت میں نے اپنی ملاقات کے لئے بے شمار لوگوں کو آتا دیکھا، وہ چھت کے ساتھ تیرتے نظر آ رہے تھے، یہ وہ لوگ تھے جو مر چکے تھے، میں نے ان میں اپنی دادی کو پہچان لیا، وہیں میری سکول کی ایک سہیلی بھی تھی، وہ سب خوش خوش معلوم ہو رہے تھے، میں نے محسوس کیا کہ وہ میری خاطر آئے ہوئے ہیں یہ بالکل ایسے ہی منظر تھا جیسے کوئی دیر کے بعد گھر آئے اور اس کے دوست اور رشتہ دار اسے جوق در جوق ملنے آتے ہیں۔ کیا خوبصورت لمحات تھے"۔

ایک آدمی نے بتایا کہ اس کا ایک دوست جس کا نام باب (Bob) تھا کار کے حادثہ میں فوت ہو گیا تھا "جب میں بیمار ہوا اور موت کے دروازے تک پہنچ گیا تو میری روح (Spirit) بھی جسم سے علیحدہ ہو گئی۔ اس لمحہ میں نے دیکھا کہ باب (Bob) میرے سامنے کھڑا تھا۔ اگلے ایک ہفتہ تک مجھ پر مرنے کے کئی دورے پڑے جب بھی میں موت کے منہ میں چلا جاتا میں باب (Bob) کو اپنے کمرے میں پاتا۔ میں باب (Bob) سے پوچھتا کہ باب (Bob) تم کہاں سے آتے ہو اور میں کہاں جانے والا ہوں لیکن وہ کوئی جواب نہ دیتا پھر ایک دن اس نے کہا تم ابھی زمین پر رہو گے اور وہ چلا گیا"۔ (صفحہ 56)

15.17 فرشتہ سے ملاقات

کچھ ایسے بھی واقعات سامنے آئے ہیں جہاں مر کر واپس آنے والوں کا خیال ہے کہ ان سے ملاقات کرنے والوں میں فرشتے بھی تھے۔ بعض نے ان کا نام اپنی ساتھی روح (Guardian Spirit) دیا ہے۔ ایک آدمی نے بتایا کہ ایک روح نے کہا میں تمہاری ساتھی روح (Guardian Spirit) ہوں، میں زندگی بھر تمہارے ساتھ رہی، اب تمہیں میں دوسروں کے حوالے کرنے والی ہوں۔

ایک عورت نے بتایا کہ وہ جب اپنا جسم چھوڑ رہی تھی اس وقت اس نے وہاں کمرے میں دو روحانی شخصیات کو دیکھا۔ انہوں نے کہا "ہم زندگی میں تمہارے رہنما فرشتے تھے"۔ "(قرآن کریم میں ساتھی فرشتوں کو کراماً کاتبین اور محافظ کے نام دئیے گئے ہیں)"

15.18 نوری ہستی (Light Being) سے ملاقات

ڈاکٹر موڈی کہتے ہیں کہ سب سے حیران کن بیان وہ ہے جس نے لوگوں پر بہت گہرا اثر چھوڑا، وہ ایک نوری ہستی Light Being سے ملاقات تھی۔ زیادہ تر لوگوں نے بتایا کہ شروع میں یہ روشنی مدھم سی معلوم ہوتی ہے اور پھر بڑھتے بڑھتے تیز نور نظر آتی ہے لیکن یہ روشنی کوئی دنیاوی روشنیوں کی طرح نہیں بلکہ اس کو بیان کرنا لوگوں کے بس سے باہر تھا۔ یہ ایک زندہ روشن ہستی ہیں، اس سے محبت کی شعاعیں نکلتی ہیں، اس میں وہ سکون ہے کہ مرنے والا اس کے سامنے بے حس ہو جاتا ہے، اس میں وہ کشش ہے جو بیان سے باہر ہے لیکن یہ کیا ہے کہ اس کے متعلق سب کا اپنے اپنے مذہب اور رجحانات کے مطابق بیان ہے مثلاً عیسائی مذہب کے ایک پیروکار نے اسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام (Christ) سمجھا۔ ایک یہودی آدمی اور عورت نے بتایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا فرشتہ تھا۔ ایک آدمی جس کا کوئی خاص مذہب اور رجحان نہیں تھا اس نے اسے صرف روشن ہستی ہی کہا۔ ملاقات کے چند ہی لمحوں بعد نوری ہستی آنے والے سے اظہار خیال شروع کر دیتی ہے لیکن یہ بات چیت زبان یا الفاظ میں نہیں بلکہ اذہان کے درمیان ہے۔ عام طور پر جو اس نوری ہستی نے سوال پوچھے تھے وہ یوں ہیں۔

(1) کیا تم مرنے کے لئے تیار ہو؟

(2) تم اپنی زندگی سے مجھے دکھانے کے لئے کیا لائے ہو؟

(3) تم نے اپنے لیے اپنی زندگی میں کیا کیا ہے؟

مثال کے طور پر ایک آدمی نے بتایا کہ مجھ سے اس نوری ہستی نے پوچھا کہ "جس طرح میں نے زندگی گزاری وہ کس کام کی ہے"؟ لیکن سب نے بتایا کہ "سوال پوچھتے وقت وہ نوری ہستی کسی طرح غصہ میں نہیں تھی بلکہ نہایت محبت اور ہمدردی سے پوچھ رہی تھی، نہ ہی اس کا لہجہ دھمکی آمیز ہے بلکہ وہ تو رحم ہی رحم نظر آتا ہے۔" (صفحہ 60)

ایک آدمی اپنی ملاقات کو اس طرح بیان کرتا ہے کہ "میں نے سنا کہ ڈاکٹروں نے مجھے مردہ قرار دے دیا، میں اس وقت کمرے کی فضا میں تیر رہا تھا وہاں سے مجھے ایک گہرے اندھیرے کی طرف لے گئے، میں اس میں سے گزر رہا تھا لیکن اس کے اندھیرے اور گھٹن کو میں بیان نہیں کر سکتا ہوں، دوسری طرف ایک لائٹ تھی میں اس کو دیکھ رہا تھا، بہت ہی روشن لائٹ، جیسے جیسے میں قریب آتا گیا وہ لائٹ بڑی ہوتی جاتی تھی۔

میں نے سوچا کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام (Christ) ہیں، شاید اس وجہ سے کہ میں ایک عیسائی ہوں، بہر حال جیسے جیسے میں قریب جا رہا تھا میرا خوف دور ہوتا جا رہا تھا"۔(صفحہ 64)

ایک اور واقعہ میں آدمی جب اس نوری ہستی کے حضور حاضر ہوا تو اس آدمی نے کہا "میں آپ سے محبت کرتا ہوں" تو اس نے جواب دیا "اگر تم واقعی بہت محبت کرتے ہو تو واپس جاؤ اور اپنی زندگی کے بقیہ کام مکمل کرو"۔

ایک شخص نے کہا کہ "مجھے معلوم تھا کہ میں مر رہا ہوں، میں اپنے جسم کو آپریشن کے میز پر پڑا دیکھ رہا تھا، کوئی میری بات نہیں سن رہا تھا مجھے سخت وحشت تھی، اس وقت ایک نوری ہستی وہاں پر آ گئی، پہلے یہ کچھ مدھم تھی پھر بہت تیز ہو گئی، دنیا کی ہر قسم کی لائٹ سے جداگانہ، مجھے اس میں سکون اور گرمی کا جو احساس ہوا اس کو بیان کرنا میرے بس سے باہر ہے۔ جب یہ نوری ہستی آئی تو مجھے پہلے بالکل سمجھ نہ آئی کہ کیا ہونے والا ہے لیکن پھر اس نے مجھ سے پوچھا کہ "تم مرنے کے لئے تیار ہو" یہ ایسے تھا جیسے آدمی، آدمی سے بات کرتا ہو لیکن وہاں کوئی آدمی نہیں تھا بس ایک مجسم نور تھا، جب اس نے بات کی تو اس سے مجھے بہت حوصلہ ہوا، میں اس کی محبت اور شفقت کو بیان نہیں کر سکتا۔ اس میں ایک خاص طرح کی سرور کن مزاح کی حس تھی"۔(صفحہ 64)

قرآن کریم میں بار بار موت کے بعد اپنے رب سے ملاقات کی بھی خوشخبری دی گئی ہے۔ ممکن ہے کہ جس نوری ہستی سے ملاقات کا بتایا جاتا ہے وہ خالق کائنات کا اپنا نور ہو۔(سبحان اللہ واللہ اعلم)۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے بھائی کے لئے دعا کریں تا کہ اللہ تعالیٰ اس کی قبر کو کھول دے اور روشنی سے منور کر دے۔ قرآن کریم میں بھی فرمایا گیا کہ آدمی کا نور اس کے آگے آگے چل رہا ہو گا جو اسے راستہ دکھائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے کہ جب آدمی مرنے لگتا ہے تو اس کے دونوں محافظ فرشتے علیحدہ ہو جاتے ہیں اور موت کا فرشتہ حضرت عزرائیل کی طرف سے روح کو لینے کے لئے آ جاتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ مر کر زندہ ہونے والے لوگوں نے جس نوری ہستی کو دیکھا وہ حضرت عزرائیل علیہ السلام ہی ہوں۔)

15.19 زندگی کی فلم اور نیکی کے اعمال

ڈاکٹر موڈی نے بہت سے لوگوں کے مشاہدات کا یہ خلاصہ بھی لکھا ہے کہ ابتدائی کلمات کے بعد اس نوری ہستی نے نہایت پیار سے پوچھا کہ تم نے اپنی زندگی میں کیا کیا ہے؟ اس کے ساتھ ہی زندگی کی پوری کہانی ایک فلم کی طرح سامنے آنا شروع ہو گئی۔ مر کر زندہ ہونے والوں نے بتایا کہ چند لمحوں میں ساری زندگی کا ریکارڈ نظروں کے سامنے سے گذر جاتا ہے، یہ سب کچھ انتہائی صاف اور واضح ہوتا ہے، آدمی کے جذبات تک دکھائی دیتے ہیں۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ یقیناً یہ ہماری زندگی کا مکمل ریویو تھا اور اس قدر تفصیلی تھا کہ کوئی چھوٹی بڑی بات چھوڑی نہیں گئی تھی"۔ کچھ لوگوں نے بتایا کہ جب وہ نوری ہستی ہماری زندگی کے ریویو کو دیکھ رہی تھی تو ایسے معلوم ہوتا تھا کہ وہ خاص طور پر دو چیزوں کی اہمیت ہمارے اوپر

واضح کرنا چاہتی تھی 1۔ دوسرے لوگوں سے محبت اور ہمدردی، 2۔علم حاصل کرنا۔ (صفحہ 64-65)

مرکر زندہ ہونے والے ایک شخص نے بتایا کہ جب میں نے اس نوری ہستی کو دیکھا تو اس نے پوچھا "تمہارے پاس مجھے دکھانے کے لئے کیا ہے؟ تم نے اپنی زندگی کے ساتھ کیا کیا؟" یا اسی طرح کا کوئی اور سوال۔ اسی وقت میری زندگی کی فلم چلنا شروع ہوگئی۔ میں بچپن ویں سال میں تھا اور پھر وہاں ایسے لگا کہ میں وقت میں چلنے لگا ہوں اور اب تک جو کچھ مجھ پر گزرا جو کچھ میں نے کیا میرے سامنے آرہا تھا، یہ سب کچھ ایک پروگرام اور حساب کے مطابق تھا، جو بالکل واضح تھا اور کلر (Colour) میں حقیقت کے مطابق تھا۔ مثلاً میں نے دیکھا کہ میں ایک کھلونے کو بچپن میں توڑ رہا تھا تو میں نے توڑنے کے اس عمل کی ایک ایک حرکت کو بھی دیکھا، جب میں اپنی فلم دیکھ رہا تھا تو نوری ہستی غائب ہوگئی لیکن پھر بھی مجھے اس کی حاضری کا احساس تھا اور وہ کبھی کبھی اپنی رائے کا بھی اظہار کرتا تھا جس کا میرے ذہن کو خود بخود پتا چل جاتا۔ مثال کے طور پر اس نے مجھے بتایا کہ میرا اپنی بہن کے ساتھ لالچی رویہ تھا۔ اس نے مجھے بتایا کہ میں لوگوں کی بہتری کے لئے مخلصانہ کام کروں، مجھے یہ بھی محسوس ہوا کہ وہ ان لمحات کو زیادہ پسند کرتا ہے جو علم کے حصول میں گزارے ہیں بلکہ اس نے مجھے کہا کہ واپس جا کر علم حاصل کرتے جاؤ۔ اس نے مجھے یہ بھی بتایا کہ علم کا حصول زندگی کے ساتھ بند نہیں ہوتا بلکہ دوسری دنیا میں بھی جاری رہتا ہے۔ مجھے اب یوں لگتا ہے کہ وہ نوری ہستی مجھے میری زندگی کی فلم دکھا کر سبق سکھانا چاہتی تھی کہ میرے لیے کیا اچھا ہے اور کیا برا؟ زندگی کا یہ ریویو بہت جلدی ختم ہوگیا، شاید زیادہ سے زیادہ پانچ منٹ یا شاید تین منٹ سے بھی کچھ کم عرصہ میں، لیکن عجیب بات یہ کہ سب کچھ بالکل واضح اور تفصیلاً تھا"۔ (صفحہ 68)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا بھی ارشاد ہے کہ جب ایک آدمی مر جاتا ہے تو اس کے اعمال کا سلسلہ بھی ختم ہوجاتا ہے ماسوائے تین چیزوں کے جو مندرجہ ذیل ہیں:۔

1۔ دوسروں کی بھلائی کے لئے صدقہ جاریہ کے کام

2۔ علم جس سے فائدہ حاصل کیا جاتا ہے۔

3۔ نیک اور صالح اولاد جو اس کے لئے دعا کرتی ہے اور نیکی کے کام کرتی ہے

"سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ تم میں سے بہترین وہ ہے جو انسانیت کے لئے زیادہ مفید ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ بھی فرمان ہے کہ علم کی تلاش میں گزرے ہوئے لمحات عبادت میں گزرے ہوئے وقت سے کہیں زیادہ بہتر ہے"۔

15.20 واپسی

ڈاکٹر موڈی لکھتے ہیں کہ یہ تو واضح ہے کہ میں نے جن لوگوں کے یہ واقعات لکھے ہیں وہ مرنے کی کسی نہ کسی سٹیج سے واپس زندگی میں آگئے تھے۔ موت کے پہلے چند لمحے انتہائی خوف زدہ اور تکلیف دہ تھے، وہ مرنا نہیں چاہتے تھے لیکن بعد میں اکثر کو یہ اتنا اچھا لگا کہ وہ واپس نہیں آنا چاہتے تھے۔ خاص طور پر وہ لوگ جو نوری ہستی تک پہنچ گئے تھے انہیں تو مرنا بہت ہی اچھا لگا اور اس کے حضور سے وہ واپس نہیں آنا چاہتے تھے لیکن

واپسی کے اکثر بیانات میں کافی اختلاف ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ انہیں پتا نہیں کہ وہ کیسے اور کیوں واپس آئے، کچھ نے کہا ہے کہ واپس آنا ان کی اپنی خواہش تھی مثلاً کوئی بچوں کے لئے واپس آنا چاہتا تھا تو کوئی اپنا ادھورا کام مکمل کرنے کے لئے اور کچھ وہ تھے جو بالکل واپس نہیں آنا چاہتے تھے لیکن بھیج دیے گئے۔ مثلاً ایک آدمی کا بیان ہے کہ:۔

"یقیناً اللہ تعالیٰ مجھ پر مہربان تھا، میں مر چکا تھا اور اس نے ڈاکٹروں کو اس قابل کیا کہ وہ مجھے واپس زندگی میں لے آئے۔ یہ سب ایک مقصد کے لئے تھا، یہ میری بیوی کی مدد کے لئے تھا، وہ اکیلی ہو چکی تھی۔ اگر میں مر جاتا تو اس کی کون مدد کرتا۔ اب اس کی حالت بہتر ہے اور میں دوبارہ اپنی زندگی کو اس کی وجہ تصور کرتا ہوں"۔ ایک عورت نے کہا کہ "اللہ تعالیٰ نے مجھے بچوں کی تربیت کے لئے دوبارہ زندگی دی"۔

15.21 دعاؤں کا اثر

بعض مر کر زندہ ہونے کے واقعات ایسے بھی ہیں کہ مرنے والے نے بتایا کہ "میری زندگی کچھ لوگوں کی دعاؤں کی وجہ سے ہے"، مثلاً ایک عورت نے بتایا کہ "میری ایک بوڑھی پھوپھی تھی وہ بہت بیمار تھی، ہم سب اس کی زندگی اور صحت کے لئے دعا کرتے رہتے تھے۔ وہ کئی دفعہ مری اور پھر زندہ ہو جاتی۔ ایک دن اس نے مجھے کہا کہ میں کئی دفعہ دوسری دنیا میں چلی گئی تھی اور میں اب وہیں رہنا چاہتی ہوں، وہاں بہت خوبصورتی ہے لیکن جب تک تم میرے لیے دعا بند نہیں کرتے میں وہاں نہیں ٹھہر سکتی ہوں، تمہاری دعاؤں نے مجھے اس دنیا میں روکا ہوا ہے، مہربانی کر کے اب دعائیں بند کریں"۔ ہم نے ایسا ہی کیا اور اس کے جلد بعد ہی وہ ہمیشہ کے لئے فوت ہو گئی۔ (صفحہ 81)

15.22 زندگیوں پر اثرات

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس طرح کے حیرت انگیز تجربے سے گذرنے کے بعد ان لوگوں کی زندگی میں کیا اثرات مرتب ہوئے؟ ڈاکٹر موڈی کے اس سوال کے جواب میں اکثر نے کہا کہ "اب ہم زندگی کی قدر پہلے سے زیادہ کرتے ہیں اور موت کا خوف دور ہو گیا ہے۔" بعض نے کہا کہ "اس تجربے کے بعد وہ زندگی اور موت کے مسائل میں زیادہ دلچسپی لیتے ہیں۔ چونکہ امریکی معاشرہ میں موت کے متعلق بات چیت اور اس طرح کے تجربے کی حوصلہ افزائی نہیں ہوتی، اس لیے اکثر نے کہا کہ ہم اپنے مر کر زندہ ہونے والی بات کا ذکر اس لیے نہیں کرتے کہ کہیں لوگ ہمیں عجیب نہ سمجھنے لگیں۔" ذیل میں چند لوگوں کے تاثرات کا ذکر کیا جا رہا ہے:۔

"مجھے اس تجربے سے گزرنے سے پہلے بیرا سائیکالوجی اور روح وغیرہ میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ نہ ہی میں نے زندگی کو سنجیدگی سے لیا تھا لیکن اب میں سوچتا ہوں کہ زندگی صرف دنیا ہی نہیں ہے، یہ جمعہ کو فلم بینی اور ہفتہ کو فٹ بال میچ دیکھنے سے زیادہ اہم ہے۔ اب مجھے زندگی میں کچھ معنی نظر آتے ہیں گو ابھی تک یہ معلوم نہیں کہ وہ کیا مقصد ہے جس کے لئے مجھے پیدا کیا گیا تھا لیکن سوچنے کے لئے میرے سامنے اب ایک وسیع میدان ہے"۔ (صفحہ 89)

ایک اور صاحب بیان کرتے ہیں کہ "مر کر زندہ ہونے کے وقت سے میرے ذہن میں ہے کہ میں نے اپنی پچھلی زندگی کے ساتھ کیا کیا اور آئندہ کی زندگی میں اسے کیسے گزاروں؟ پہلے میں زندگی بلا مقصد گزارتا تھا اب میں اس میں مقصد تلاش کرتا ہوں تا کہ میرا نفس بہتر ہو۔ اب لوگوں کی بہتری کے بارے میں زیادہ سوچتا ہوں اور ان کے لئے کچھ اچھے کام کر کے جانا چاہتا ہوں"۔ (صفحہ 90)

ایک آدمی کہتا ہے کہ "اس سے پہلے میں اپنے بچوں کے متعلق بڑا پریشان رہتا تھا، مجھے کل کی بڑی فکر تھی اور ماضی پر گھلتا رہتا تھا لیکن اب یہ چیزیں میرے لیے اہم نہیں رہیں"۔

ایک اور صاحب بتاتے ہیں کہ "حیات بعد الموت کے اس تجربہ کے بعد میں دوسروں کی ضروریات کو زیادہ اہمیت دیتا ہوں۔ بہت سی چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں جو میں اب کرتا ہوں پہلے نہیں کرتا تھا مثلاً کسی کو لفٹ دینا، کسی مصیبت زدہ سے اچھی بات کر لینا، کسی بھولے ہوئے کو راستہ بتانا، یہ سب باتیں اب میرے لیے اہم ہیں"۔

ایک صاحب نے بتایا کہ "اب میری زندگی کا مشن لوگوں سے محبت اور ہمدردی ہے"۔ (صفحہ 94)

ایک صاحب نے بتایا کہ "میں اب موت سے ڈرتا نہیں، یہ بھی نہیں کہ میں زندہ نہیں رہنا چاہتا لیکن مجھے مرنے کا اب خوف نہیں رہا۔ میں کیوں موت سے ڈروں، یہ خاتمہ نہیں بلکہ یہ تو ایک نئی طرح کی شاندار زندگی کا آغاز ہے"۔ (صفحہ 96)

15.23 خودکشی کرنے والوں کے بعد از موت حالات

ڈاکٹر موڈی لکھتے ہیں کہ میرے مشاہدہ میں مرنے کے بعد زندہ ہونے والوں میں کچھ ایسے بھی لوگ تھے جنہوں نے خودکشی کی کوشش کی تھی لیکن موت کی بے ہوشی کے بعد پھر سے زندہ ہو گئے۔ تقریباً ہر ایک کیس میں ان کی موت بڑی تکلیف دہ تھی۔ ایک عورت نے کہا کہ "اگر یہاں تمہاری روح (Soul) پریشان ہے تو وہاں بھی پریشان ہوگی"۔ انہوں نے بتایا کہ "جس خوف کی وجہ سے انہوں نے خودکشی کی وہ خوف وہاں بھی ہمارا پیچھا نہیں چھوڑ رہا تھا"۔ ایک آدمی اپنی بیوی کی موت سے اس قدر رنجیدہ تھا کہ اس نے اپنے آپ کو ریوالور سے گولی مار لی جس کے نتیجہ میں وہ مر گیا لیکن پھر ڈاکٹروں کی کوشش سے اسے دوبارہ زندگی مل گئی۔ اس نے بتایا کہ میں وہاں تک نہیں پہنچا جہاں میری بیوی ہے میں ایک نہایت خوفناک جگہ پر پہنچ گیا، مجھے فوراً اپنی غلطی کا احساس ہوا، میں نے سوچا کہ کاش میں نے ایسا نہ کیا ہوتا"۔

کچھ اور خودکشی کرنے والوں نے بتایا کہ "وہاں انہیں بہت پشیمانی تھی کہ کاش ہم نے ایسا نہ کیا ہوتا۔ وہاں پہنچ کر پتہ چلا کہ خودکشی کی وجہ سے ہمیں سزا ملے گی"۔ ایک آدمی نے بتایا کہ "میں جب مر چکا تو مجھے بتایا گیا کہ دو چیزیں بالکل منع ہیں خودکشی اور دوسروں کو قتل کرنا۔ اگر تم نے خودکشی کی تو یہ زندگی کے تحفہ کو واپس اللہ تعالیٰ کے منہ پر مارنے کے مترادف ہے اور کسی کو قتل کر دینا اس مقتول کی زندگی کے لئے اللہ تعالیٰ کے مقصد کو توڑنا ہے"۔

(حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث سے بھی یہ پتا چلتا ہے کہ ”خودکشی حرام موت ہے اور ایسا کرنے والا دوزخ میں جاتا ہے اور کسی کو ناحق قتل کرنا ناقابل معافی جرم ہے)“۔

باب نمبر 16

روح کی خوشبو

16.0 تعارف

مغربی ممالک میں روحوں کی حقیقت جاننے کے لئے جو کام ہو رہا ہے اس کی کچھ تفصیلات پچھلے ابواب میں دی گئی ہیں۔ اس سلسلہ میں ڈاکٹر ریمنڈ موڈی جونیئر اور دوسرے مغربی مفکرین کے مشاہدات بیشک روحوں پر تحقیق میں ایک بیش قیمت پیش رفت ہیں لیکن اہم سوال یہ ہے کہ اگر مر کر زندہ ہونے والے لوگوں کی موت کے یہ مختصر لمحات مزید لمبے ہو جاتے تو روح کو اس کے بعد کیا پیش آتا؟ چونکہ موت کے چند گھنٹے بعد دوبارہ جی اٹھنے کا امکان تقریباً معدوم ہے اس لیے یہ ممکن معلوم نہیں ہوتا کہ اس کا جواب کوئی مردہ انسان دوبارہ زندہ ہو کر کبھی دے سکے لیکن انسانی تجربہ میں بعض اوقات ایسے واقعات بھی آتے ہیں جن میں روحیں خود عالم برزخ سے واپس آ کر اپنے متعلق بہت کچھ بتانا چاہتی ہیں لیکن ہم ان کے اشاروں کو سمجھ نہیں پاتے یا ادھر توجہ نہیں دیتے۔ ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ اس نام نہاد ترقی یافتہ دور میں روحوں کے بارے میں بات کرنا روشن خیالی کے خلاف سمجھا جاتا ہے اس لیے اکثر لوگ اپنے مشاہدات کو چھپاتے ہیں یا یہ کہ ان عجیب و غریب واقعات کی تاویلیں کرتے ہوئے نفسیاتی الجھنوں کے گورکھ دھندے میں پھنس جاتی ہیں یا یہ کہ چونکہ لوگ قدرت کے مظاہر کو صرف سرسری نظر سے دیکھنے کے عادی ہیں اس لئے روحوں کے متعلق مشاہدات بھی یوں نظروں سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔

ان معروضات سے میرا مقصد یہ ہے کہ روحوں کا عالم برزخ سے عالم دنیا میں آنا غیر معمولی نوعیت کے واقعات نہیں، لیکن اکثر لوگ ایسے مشاہدات کو سنجیدگی سے نہیں لیتے، اس لیے یہ موضوع ہمیشہ ہی شکوک و شبہات میں دبا رہتا ہے لیکن دنیا میں بڑھتے ہوئے لادینی مادی اثرات کے خطرہ کے پیش نظر اب وقت آ گیا ہے کہ عقلمند لوگ آگے بڑھتے ہوئے ماورائی مخلوقات اور روحوں کے متعلق مشاہدات و تجربات کا مطالعہ گہری نظر سے کریں اور تحقیق کے بعد صحیح واقعات کو منظر عام پر لائیں تا کہ انسان زمان و مکان میں اپنے سفر کے متعلق اچھی طرح آگاہ ہو اور آنے والے سفر کیلئے کچھ تیاری بھی کر لے۔ اس سلسلہ میں ہمارے صوفیا ء کرام اور اہل اللہ جو قبروں کے مکاشفہ اور مرحومین کی ارواح سے رابطہ کا دعویٰ کرتے ہیں انہیں چاہیے کہ وہ بھی کھل کر سامنے آئیں اور اپنی ان صلاحیتوں کو سائنسی بنیادوں پر ثابت کریں تا کہ مادیات کے بڑھتے ہوئے حملوں کے خلاف

انسانیت کی رہنمائی کرسکیں۔

16.1 روح کی خوشبو

اسی ضمن میں مندرجہ ذیل واقعات ہماری معلومات پر ایک قابل قدر اضافہ ہوں گے۔مغربی سائنسدانوں کی تحقیقات کے برعکس یہاں ہمارا تعلق بلاواسطہ خود ایک ایسی روح سے ہے جو بار بار اپنے وجود اور اپنے مقام سے ہمیں آگاہ کرنا چاہتی ہے۔یہ سب واقعات ایسے ہیں جن کا میں بذاتِ خود شاہد ہوں اور تمام ہوش وحواس کے ساتھ ان کی سچائی کی گواہی دے سکتا ہوں۔

میں پیشہ کے اعتبار سے ایک اٹامک انجینئر اور سائنسدان ہوں اور پاکستان اٹامک انرجی کمیشن کی تقریباً 38 سال سروس کے بعد ڈائریکٹر جنرل کے عہدہ سے ریٹائرڈ ہوا ہوں اس دوران میرا زیادہ وقت ریسرچ، ڈیزائن اور پراجیکٹ انجینئرنگ میں لگا۔یوں میری تعلیم اور ٹریننگ کچھ اس انداز میں ہوئی ہے کہ میں آسانی سے نہ کسی غیر مرئی چیز کو قبول کرتا ہوں اور نہ ہی قدرت کے مشاہدات پر سطحی نظر سے گزر سکتا ہوں بلکہ میرے پیشہ کا تقاضا بھی یہی ہے کہ میں جب بھی کسی چیز کو دیکھوں تو اسے غور سے دیکھوں، اس کے تمام پہلوؤں کو اہمیت دوں اور پھر ذمہ داری سے نتائج اخذ کروں۔یہی وجہ ہے کہ جب شروع شروع میں کچھ لوگوں نے زیر بحث روح کے عجیب وغریب واقعات کی طرف میری توجہ مبذول کرائی تو میں نے اس مسئلہ کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لینا شروع کیا اور اس بات کی بھی چھان بین کی کہ کہیں یہ کچھ لوگوں کا نفسیاتی مسئلہ نہ ہو، لیکن جب مجھے خود ان حقائق کا بار بار تجربہ ہوا اور شک کی قطعی کوئی گنجائش نہ رہی تو پورے اطمینان کے بعد اپنا فرض سمجھتے ہوئے 1982ء میں ان واقعات ومشاہدات کی تحقیق کو "روح کی خوشبو " کے نام سے چھپوا دیا۔اکیس سال بعد میں اس کتاب سے ضروری ضروری واقعات آپ کے مطالعہ کے لئے دوبارہ پیش کر رہا ہوں۔اب میں بتاتا چلوں کہ جس روح کی یہاں بات ہو رہی ہے وہ خود میرے والد محترم مرحوم کی روح ہے، جن کا انتقال حج کے بعد طواف الوداع کے دوران خانہ کعبہ میں دل پر حملہ کی وجہ سے صبح تقریباً 7 بجے 9 اکتوبر 1981ء کو جمعۃ المبارک کے روز ہوا۔(**اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن**)

16.2 اس روح کی شخصیت

آگے پیش کیے جانے والی روح کی خوشبو کے واقعات کو سمجھنے کے لئے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ آپ کا تعارف اس شخصیت سے بھی کروا دیا جائے جن کے متعلق آپ پڑھنے والے ہیں۔مرحوم میرے والد تھے۔والد محترم کا اسم گرامی چوہدری محمد شریف خان تھا۔1916ء میں ضلع امرتسر کے گاؤں بلوال میں پیدا ہوئے، طالب علمی کے زمانہ کے بعد آپ تحریک آزادی کے پرجوش سپاہی بن گئے اور ضلع امرتسر میں مسلم رضاکار تحریک کی بنیاد رکھی۔اس تحریک کا مقصد مسلمان نوجوانوں کو عسکری تعلیم دینا اور ان کی معاشی حالت بہتر کرنا تھا۔1940ء تک ان کی تحریک کے دس ہزار سے زیادہ رضاکار تھے۔تحریک نے گاؤں گاؤں بیت المال بھی شروع کئے۔اس کا ایک ترانہ کا یہ شعر اب تک زبان زد عام ہے۔

ے　اُٹھ　مسلم　جاگ　[illegible]
کھلا　بیت　المال　کا　خزانہ

1940 میں اس تحریک پر حکومت نے پابندی لگا دی۔ 1944ء میں کچھ سیاسی اور خاندانی مجبوریوں کی وجہ سے آپ کو سروس کرنا پڑی لیکن 1952ء میں آپ نے ملازمت سے استعفیٰ دے دیا اور پھر عوام کی خدمت میں لگ گئے۔ پاکستان کے قیام کے بعد اپنے نئے گاؤں موضع لاگر ضلع شیخوپورہ اور اردگرد کے دیہات میں بیت المال کا نظام قائم کیا۔ زندگی کا مشن لوگوں کی خدمت اور باہمی صلح و محبت تھا۔ آپ نے "تحریک اصلاح معاشرہ" کی بنیاد ڈالی اور قابلِ قدر خدمات ادا کیں۔ 1960ء میں بچوں کی تعلیم کے پیشِ نظر آپ جز وقتی لاہور غوث پارک میں آباد ہو گئے۔ یہاں بھی اصلاح معاشرہ کا کام جاری رکھا۔ پاکستان کے دیہات کی زبوں حالی سے بہت زیادہ متاثر تھے، چنانچہ آپ نے "پاکستان تحریک دیہات سدھار" بھی شروع کی اور اس کی شاخیں پنجاب کے مختلف اضلاع میں قائم کیں۔ چونکہ دیہات میں نمبردار، اصلاح معاشرہ اور دیہات سدھار کے لئے بنیادی کردار ادا کر سکتے ہیں اس لیے ان کے تعاون کو حاصل کرنے کے لئے "پنجاب نمبرداران یونین" کی بھی بنیاد ڈالی۔ اس طرح زندگی بھر آپ غریب عوام کی حالت بہتر بنانے کے لئے عملی طور پر کوشاں رہے۔ بہت ہی صلح کن بزرگ تھے، جدھر بھی گئے لوگوں کے جھگڑوں کو پولیس کے دھندوں میں پڑے بغیر سلجھانے کی کوشش کرتے رہے۔ ان کا معمول تھا کہ اپنے گھر میں روزانہ عدالت لگاتے جہاں لوگوں کی باہمی رنجشوں کو دور کیا جاتا۔ اس کام کے لئے کسی سے کبھی کچھ معاوضہ نہ لیا بلکہ اپنی جیب سے خرچ کرتے۔

اپنی ذاتی زندگی میں انتہائی دیانتدار تھے۔ ہمیشہ اپنی محنت کی کمائی کھائی حتیٰ کہ آزادی کے وقت جب چوہڑکانہ منڈی میں ان کا بطور فوڈ انسپکٹر تبادلہ ہوا تو ہندوؤں کی چھوڑی ہوئی جائیداد میں سے ایک کوڑی تک قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اگست 1981ء میں حج کی روانگی سے پہلے مجھے نصیحت کرتے ہوئے کہا، "جہاں تک مجھے یاد ہے میں نے زندگی بھر کبھی کسی سے بددیانتی نہیں کی اور نہ ہی جان بوجھ کر جھوٹ بولا ہے، میں توقع رکھتا ہوں کہ تم اس طریقہ کار کو زندہ رکھو گے"۔ آپ کے دل میں دوسروں کے آرام کا کس قدر خیال تھا وہ اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ 1954ء میں اگرچہ آپ کی معاشی حالت بہت خراب تھی اور سردی سے بچنے کے لئے ان کے پاس ایک ہی کمبل تھا لیکن ایک فقیر کو سردی میں جب ٹھٹھرتے دیکھا تو اپنا کمبل اتار کر اس پر ڈال دیا۔ زندگی کے آخری دس سالوں میں نماز کی خشوع و خضوع سے پابندی کرتے اور ایک متقی اور پرہیزگار آدمی کی طرح زندگی گزارنے کی کوشش کی۔ 1981ء میں حج پر جانا ان کے اسی جذبہ کے پیشِ نظر تھا، ورنہ دل کی بیماری کی وجہ سے ان کی صحت اس بات کی اجازت نہیں دیتی تھی کہ وہ اس سخت مشقت کا سفر اختیار کریں۔

شاید یہ اللہ تعالیٰ سے محبت اور اس کی عبادت میں اخلاص کا نتیجہ تھا کہ حج کے دوران میں ان کی صحت بہت اچھی رہی اور آپ نے تمام فرائض جوانوں کی طرح خود ادا کیے۔ 9 اکتوبر بروز جمعۃ المبارک 7 بجے صبح آپ طواف الوداع کے لئے تشریف لے گئے۔ ساتھی بتاتے ہیں کہ اس وقت رش بالکل نہیں تھا۔ چنانچہ آپ نے پہلے چکر میں حجرِ اسود کو بوسہ دیا اور دوسرے چکر میں پھر یہ سعادت حاصل کی، لیکن اس کے بعد ابھی تیں قدم بھی

نہیں چلے ہوں گے کہ حطیم کی دیوار کے پاس بیٹھ گئے اور اسی حالت میں وفات پا گئے۔ چشم دید گواہوں کا بیان ہے کہ غالباً یہ موت دل فیل ہونے سے ہوئی۔ بعد از نماز جمعہ آپ کی نماز جنازہ حرم شریف میں ہوئی اور ساڑھے چار بجے کے قریب جنت المعلٰی میں دفن کر دیئے گئے۔ سبحان اللہ

اِنَّالِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْن۔

حج کے اس سفر میں میری والدہ صاحبہ اور دیگر عزیز و اقارب بھی ان کے ساتھ تھے۔ سب کو ملا کر ان کا گروپ کل دس افراد پر مشتمل تھا لیکن دوران حج مزید کئی لوگوں سے آپ کے گہرے مراسم ہو گئے۔ وفات کے وقت جناب حاجی حسن محمد مکی بر جی والے اور جناب حاجی باللہ جدہ والے، اور لاہور کے ڈاکٹر محمد اقبال ان کے ساتھ تھے۔ جیسے ہی آپ کا انتقال ہوا تو حاجی باللہ دیگر ساتھیوں کے ہمراہ آپ کے جسم کو اٹھا کر حرم شریف سے باہر لے آئے اور ایمبولینس کے ذریعہ منیٰ لے آئے۔ صبح جب آپ طواف کے لئے روانہ ہوئے تھے تو میری والدہ صاحبہ نے آپ کے ساتھ جانا چاہا تھا لیکن آپ نے انہیں یہ کہہ کر روک دیا کہ میں آج اکیلے ہی جاؤں گا۔ والدہ صاحبہ بتاتی ہیں کہ اس رات آپ جاگتے رہے اور دیر تک اپنے بچوں اور دوسرے اہل خانہ کے متعلق باتیں کرتے رہے۔ صبح انہوں نے کپڑے بدلے لیکن ناشتہ کیے بغیر ہی طواف کے لئے روانہ ہو گئے۔ وہ بہت جلدی میں معلوم ہوتے تھے اور روانگی کے موقع پر کہا "آج میرا ایک ایک منٹ قیمتی ہے"۔ یہی ہوا خانہ کعبہ میں پہنچنے کے پندرہ منٹ بعد آپ کی وفات ہو گئی اور ساڑھے آٹھ بجے صبح آپ کی میت منیٰ میں پہنچ چکی تھی۔ خیمہ میں اس وقت کوئی دس ساتھی آدمی اور عورتیں تھیں جن میں قابل ذکر حاجی ڈاکٹر اقبال احمد خان لاہور والے، حاجی عبداللطیف سانگلہ ہل والے، حاجی محمد اسلم شیخوپورہ والے اور ان کی اہلیہ، حاجی تمیز الدین اسلم اور ان کی اہلیہ اور اس کے علاوہ شیخوپورہ ہی کا رہنے والا ایک اور خاندان تھا۔ ساتھیوں کا کہنا تھا کہ جیسے ہی ان کا جسم منیٰ میں رکھا گیا خیمہ میں ایک مسحور کن خوشبو پھیل گئی جس کے اثرات دیگر خیموں والوں نے بھی محسوس کیے جس پر وہاں لوگوں کا ایک ہجوم جمع ہو گیا۔

16.3 روح کی خوشبو کے واقعات

17 اکتوبر میں اپنی والدہ صاحبہ کے استقبال کیلئے لاہور سے کراچی گیا۔ یہ سب لوگ 18 اکتوبر کو PK-411 پر صبح ½4 بجے پہنچے۔ مجھے ان کے ساتھی حاجیوں نے بتایا کہ تقریباً 9 بجے صبح جب ان کی وفات کو تقریباً ½ 1 گھنٹہ گزر چکا تھا عزیزہ سعیدہ زوجہ حاجی تمیز الدین اسلم نے نوٹ کیا کہ خیمہ میں ایک بھینی بھینی خوشبو پھیل رہی ہے۔ انہوں نے جب اس کا ذکر دوسروں سے کیا تو شروع میں اس کی بات پر کسی نے کوئی خاص توجہ نہ دی لیکن تھوڑی دیر بعد یہ خوشبو اس قدر تیز ہو گئی کہ خیمہ میں موجود سب لوگوں نے اسے محسوس کرنا شروع کیا۔ فوری طور پر یہ بات عام ہو گئی اور دیگر حاجی صاحبان بھی اس عجیب و غریب خوشبو کو سونگھنے کے لئے آنا شروع ہو گئے۔ اس وقت یہ خوشبو تقریباً پندرہ بیس منٹ تک رہی اور پھر ختم ہو گئی۔

مرحوم کا جسم منیٰ کے خیمہ میں تقریباً ½3 گھنٹہ رہا۔ اس دوران خوشبو آنے کا واقعہ کم از کم تین دفعہ ہوا۔ ہر بار خوشبو کے ٹھہرنے کا وقفہ دس سے پندرہ منٹ تک تھا۔ منیٰ میں خوشبو کے ان واقعات کی تصدیق کے لئے میں نے نومبر 1981ء کو ان تمام لوگوں کے نام خطوط لکھے جو ان کی وفات کے لمحات میں ان کے ساتھ تھے۔ ان سب نے اپنے تحریری بیانات میں خوشبو کی آمد کی تصدیق کی اور اس واقعہ کی سچائی کی گواہی دی۔

یہ سوال کہ سب سے پہلے اس خوشبو کو عزیزہ سعیدہ کے علاوہ کسی اور نے کیوں محسوس نہیں کیا، میری دریافت پر سعیدہ نے خود بتایا کہ وہ خوشبوؤں کے معاملات میں انتہائی حساس ہے۔ دوسرا یہ کہ خوشبو کو سب سے پہلے میری والدہ صاحبہ نے کیوں نہ محسوس کیا، اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ اس وقت غم کی شدت سے ان کی حالت ٹھیک نہیں تھی۔ بہر حال سعیدہ صاحبہ کے محسوس کرنے کے تھوڑی دیر بعد ہی خوشبو اس قدر تیز ہو گئی تھی کہ وہاں موجود سب لوگوں نے اسے اچھی طرح محسوس کیا۔

یہ سوال کہ اس خوشبو کی کیفیت کیا تھی؟ تمیزالدین اسلم جو ایک انجینئر بھی ہیں، نے بتایا کہ اس خوشبو کو ہم کسی پھول کی خوشبو سے تشبیہ نہیں دے سکتے، یہ ایک خاص قسم کی خوشبو تھی، زیادہ سے زیادہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ پھولوں کی ملی جلی خوشبو کی مانند تھی۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ ان کو اسی طرح کی بھینی بھینی خوشبو کا احساس روضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بھی ہوتا تھا لیکن وہاں یہ خوشبو لطیف ہوتی ہے، اسی طرح بعض اوقات ایسی خوشبو کا جھونکا کبھی کبھار مدینہ منورہ کی گلیوں میں بھی محسوس کیا جاتا ہے۔ مدینہ منورہ کے لوگ اس کی تشریح اس طرح کرتے ہیں کہ جب مقرب روحیں روضہ مبارک پر حاضری اور سلام کی غرض سے آتی ہیں تو اپنی آمد کا احساس خوشبو کی شکل میں چھوڑتی ہیں۔

حاجی صاحبان نے بتایا کہ والد مرحوم کو اسی دن جمعہ کی نماز کے بعد سعودی حکام نے مکہ مکرمہ لا کر جنت المعلیٰ میں دفن کر دیا لیکن حاجیوں کا منیٰ میں قیام مزید ایک دن اور تھا۔ اگلے دن 10 اکتوبر کو بھی خوشبو اچانک کئی دفعہ آتی رہی اور پانچ سے دس منٹ تک ٹھہرنے کے بعد چلی جاتی رہی، لیکن ہر بار یہ اسی طرح مسحور کن اور فرحت بخش تھی۔ یہ بھی نہیں تھا کہ اسے صرف اہل خانہ ہی محسوس کرتے بلکہ خیمہ میں جو بھی موجود ہوتا سب ہی اس عجیب وغریب خوشبو کو محسوس کرتے۔

یہ سوال کہ خوشبو کہاں سے آتی ہے؟ حاجی صاحبان کو یقین تھا کہ یہ مرحوم کی روح کی خوشبو تھی جو میری والدہ صاحبہ اور دوسرے عزیزوں کی تسلی کے لئے آتی تھی اور بالواسطہ بتا رہی تھی کہ میرے لئے غم مت کھاؤ، میں زندہ ہوں اور میرا انجام نہایت اعلیٰ ہے۔

ساتھیوں کا خیال تھا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان دی ہے اس لیے انہیں شہید کا درجہ ملا ہے۔ حاجی اسلم خان نے بتایا کہ مرحوم نے اونٹ کی قربانی دی تھی اور کہتے تھے "اصل قربانی تو یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی جان کی قربانی دے"۔ بہر حال حاجی صاحبان کا نظریہ یہی تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو شہادت کے عظیم مرتبہ پر فائز کیا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں نکلے ہوں اور دوران سفر فوت ہو جائیں تو ان کو اعلیٰ درجات ملتے ہیں۔ حج کا سفر بھی تو اللہ تعالیٰ ہی کی راہ میں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:۔

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ▪ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ○ لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ ▪ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ○

"وہ لوگ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے گھروں کو چھوڑا، اور پھر قتل ہو گئے یا مر گئے تو اللہ تعالیٰ ضرور انہیں رزق عطا کرے گا، اللہ تعالیٰ ہی سب سے بہتر رزق دینے والا ہے، اور وہ انہیں ضرور ایسی جگہ داخل کرے گا جس پر

وہ راضی ہو جائیں گے، اور بے شک اللہ تعالٰی سب کچھ جاننے والا ہے اور بہترین برداشت کرنے والا ہے"۔

(سورۃ الحج، آیات۔ 59-58)

حسب پروگرام 11 اکتوبر میری والدہ صاحبہ اور دوسرے ساتھی منیٰ سے مکہ رہائش گاہ پر واپس آ گئے اور مکہ میں پندرہ اکتوبر تک رہے۔ اس دوران میں بھی انہوں نے محسوس کیا کہ مرحوم کی روح اسی طرح گاہے بگاہے آتی اور خوشبو بکھیرتی رہی، ان کے کمرہ کے دیگر ساتھیوں نے بتایا کہ وہاں خوشبو میں تیزی اتنی نہ تھی جتنی کہ 9 اکتوبر کو منیٰ میں ان کے خیمہ میں تھی لیکن خوشبو کا یہ سلسلہ متواتر جاری رہا تاہم روح کے قیام کی مدت پہلے سے کم ہوتی گئی مثلاً چار پانچ منٹ تک خوشبو رہتی اور اس کے بعد غائب ہو جاتی۔ والدہ صاحبہ کی حالت ابھی تک اچھی نہیں تھی لیکن خوشبو کی آمد پر قدرے پرسکون ہو جاتیں۔

15 اکتوبر کو مکہ مکرمہ سے جدہ کے لئے روانگی تھی۔ اپنے زندگی بھر کے ساتھی کو مکہ چھوڑ کر اس طرح واپس آنا میری والدہ کے لئے انتہائی صدمہ والی بات تھی جس کی وجہ سے ان کی طبیعت بہت خراب ہو گئی۔ ساتھی حاجی صاحبان نے بتایا کہ روانگی کے وقت آپ کے والد کی روح دوبارہ آئی اور اب کہ پھر یہ خوشبو نہایت تیز تھی۔ مکہ سے جدہ تک کے سفر میں بھی چند مرتبہ وہ ہمارے ساتھ ہونے کا احساس اپنی خوشبو سے دیتے رہے، اسی طرح جدہ ایئر پورٹ پر بھی ان کی روح چند مرتبہ آئی اور خوشبو پھیلاتی رہی۔ خوشبو کے آنے جانے کی وجہ سے والدہ صاحبہ کا حوصلہ بلند رہا۔"

16.4 ذاتی مشاہدات

ابھی تک جتنے واقعات بیان کئے گئے ہیں میں ان میں بذات خود شریک نہیں تھا بلکہ دوسرے حاجی صاحبان کی گواہیاں تھیں لیکن یہ واقعات اس قدر عجیب و غریب تھے کہ میرا سائنسی انداز میں سوچنے والا ذہن اگرچہ حاجی صاحبان کے ان بیانات کو جھوٹ تو نہیں کہہ سکتا تھا لیکن ماننے کے لئے بھی تیار نہیں تھا۔

کراچی ایئر پورٹ پر والدہ صاحبہ کی حالت کافی خراب تھی، آپ کو بہت زیادہ نقاہت تھی۔ پچھلے کئی دنوں سے آپ نے کچھ نہیں کھایا تھا، میں نے انہیں کھانے کے لئے ہلکی پھلکی خوراک دی، فوراً ہی قے ہو گئی۔ چار بجے شام کو ہماری ٹرین لاہور کے لئے روانہ ہوتی تھی، لیکن دو بجے ان کی حالت یہ تھی کہ میں ٹرین تک انہیں اٹھا کر لایا۔ گاڑی میں بھی وہ نیم بیہوشی کی حالت میں تھیں۔ ٹرین چونکہ ایئر کنڈیشنڈ تھی اس لیے بھیڑ اور گرمی سے آرام تھا۔ ہمارے ڈبہ میں صرف 20 مسافر تھے جن میں سے 12 تو وہی حاجی صاحبان تھے جو جدہ سے ہی والدہ صاحبہ کے ہمراہ تھے۔ میں اپنی والدہ کے ساتھ اپنے مرحوم والد صاحب کی سیٹ پر بیٹھا تھا۔

ایک طرف تو والد صاحب کا غم اور دوسری طرف والدہ صاحبہ کی یہ حالت، میں بہت زیادہ مضطرب تھا۔ ٹرین ابھی کوٹڑی ریلوے اسٹیشن نہیں پہنچی تھی کہ بیگم تمیز الدین اسلم جو ہم سے اگلی سیٹ پر بیٹھی تھیں انہوں نے بتایا کہ وہ روح کی خوشبو محسوس کر رہی ہیں۔ اس وقت تو مجھے بھی بھینی

بھینی خوشبو کا احساس ہوا۔تھوڑی دیر بعد یک لخت خوشبو کا ایک تیز جھونکا آیا جو میرے ذہن میں اتر گیا۔اس کے بعد یہ خوشبو ختم ہو گئی۔چند ہی منٹ بعد دوبارہ خوشبو کا ایک اور جھونکا آیا۔میں نے اس طرح کی خوشبو پہلے زندگی بھر کبھی محسوس نہیں کی تھی۔اسلم صاحب، تمیز صاحب اور دوسرے کئی ایک حاجی صاحبان نے بتایا کہ یہی تو وہ خوشبو ہے جو منیٰ سے ہمارے ساتھ ہے۔درحقیقت اب میں خود اس خوشبو کا تجربہ کر چکا تھا لیکن پھر بھی میرا ذہن اس کو ماننے کے لئے تیار نہیں تھا۔میں نے اس مسئلہ کے بہت سے پہلوؤں پر سوچنا شروع کر دیا۔مجھے یہ بھی خیال گزرا کہ ہو سکتا ہے کہ یہ کسی کی شرارت ہو جو فضا میں کوئی سینٹ پھیلا دیتا ہو۔چنانچہ میں نے اٹھ کر اپنی تسلی کیلئے چپکے چپکے تحقیق بھی شروع کر دی لیکن مجھے ایسی کوئی چیز نہ ملی جس پر میں شک کرتا۔

ٹرین پوری رفتار سے رواں دواں تھی، رات کے ساڑھے آٹھ بج چکے تھے۔مسافر حضرات ڈائننگ کار سے کھانا منگوا کر کھا چکے تھے ہم نے اپنی سیٹوں پر ہی عشاء کی نماز پڑھی، میری والدہ صاحبہ کو بھی اب قدرے ہوش تھا دل بہلانے کے لئے میں ان سے مختلف موضوعات پر آہستہ آہستہ باتیں کرتا رہا کہ اچانک ہمارے درمیان خوشبو پھیل گئی۔اسلم صاحب نے آواز دی کہ ماموں جان (اسلم صاحب والد محترم کے سگے بھانجے ہیں) کی روح تشریف فرما ہے۔اپنے شک کو دور کرنے کے لئے میں اپنی سیٹ سے اٹھ پڑا اور تجسس کے ساتھ ریل کے ڈبے میں ادھر ادھر اس خوشبو کے منبع کو تلاش کرنے کی بے سود کوشش کرنے لگا۔شاید زوجہ حاجی اسلم نے میری بے تابی کو بھانپ لیا کہ انہوں نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ تم جیسے سائنس پڑھے بعض دفعہ گمراہی کے بہت قریب پہنچ جاتے ہیں، ہم میں سے کسی کے پاس پرفیوم تو کیا کوئی تیل بھی نہیں۔میں ہنس کر اپنی خفت مٹاتا ہوا واپس اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا۔یہ پہلی دفعہ تھا کہ میں نے گھڑی سے روح کی اس خوشبو کے قیام کے وقفے کا اندازہ کرنا شروع کیا۔اب کے یہ ہمارے درمیان پورے سات منٹ تک رہی۔خوشبو کی نوعیت وہی پہلے جیسے تھی۔

حاجی اسلم صاحب والد مرحوم کے متعلق بتانے لگے کہ سات اکتوبر کو ہم سب میدان عرفات میں کھڑے تھے، حج کا خطبہ ہو رہا تھا اور 20 لاکھ سے زیادہ انسان اپنے مقصد کی تکمیل کو اپنے سامنے دیکھ رہے تھے، جب خطیب صاحب نے حج مبارک کا اعلان کیا تو ہماری آنکھوں میں خوشی کے آنسو آ گئے۔اس روح پرور منظر پر ماموں جان فرمانے لگے کہ "اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہمیں حج کی سعادت نصیب ہوئی اور ہمیں اس نے گناہوں سے پاک کر دیا۔آؤ اس وقت ہم سب اپنے رب سے ایک وعدہ کریں کہ "اے اللہ تعالیٰ! تیرا شکر ہے کہ تو نے ہمارے پہلے گناہ معاف کر دیئے اب آئندہ کے لئے ہم وعدہ کرتے ہیں کہ زندگی میں کوئی گناہ نہیں کریں گے۔" یہ سن کر میں نے (اسلم صاحب نے) کہا کہ "ماموں جان ہم یہ وعدہ نہیں کر سکتے بلکہ ہم تو یہ کہیں گے کہ اے اللہ ہم آج کے بعد کوشش کریں گے کہ کوئی گناہ نہ کریں۔" جس پر انہوں نے کہا کہ "اچھا آپ لوگوں کی مرضی، میں تو پہلے ہی اپنے رب سے وعدہ کر چکا ہوں کہ اس وقت کے بعد اب میں کبھی کوئی چھوٹا بڑا گناہ نہیں کروں گا۔" پھر میری والدہ صاحبہ کی طرف متوجہ ہوئے اور کہنے لگے کہ "تم بھی میرے والا وعدہ کر لو۔" لیکن انہوں نے جواب دیا کہ "میں تو ایک کمزور گنہگار عورت ہوں میرا وعدہ بھی اسلم صاحب والا ہی ہے۔" اللہ تعالیٰ نے ان کے وعدہ کو سچ کر دکھایا اور اس کے دوسرے ہی دن اپنے پاس بلا لیا۔

باتیں کرتے ہوئے رات کے نو بج کر پچیس منٹ ہو گئے۔اس وقت تیسری دفعہ روح کی خوشبو ہمارے درمیان تھی لیکن اس دفعہ قافی

ذکر بات یہ تھی کہ خوشبو کی آمد سے چند منٹ پہلے میں نے اس کی آرزو کی تھی۔ اب کی بار خوشبو کا وقفہ تقریباً 9 منٹ تھا اور یہ مشاہدہ پہلے تجربات سے زیادہ مسحور کن تھا جس میں شک کی کسی طرح کی گنجائش نہ تھی۔

18/اکتوبر 1981ء کی صبح ٹرین ساہیوال کے قریب پہنچ چکی تھی۔ ہم نماز سے فارغ ہو چکے تھے۔ والدہ صاحبہ سے میں نے تھوڑی دیر پہلے سیٹ بدل لی اور اب میں کھڑکی کے بالکل پاس تھا۔ میرے سامنے والی سیٹ پر مسز اسلم خان اور مسز تمیز الدین بیٹھے ہوئے تھے۔ دفعتاً مجھے ایسا لگا کہ میرے سامنے خوشبو کا ایک گولا آکر ٹھہر گیا ہے اور میرے دل و دماغ میں خوشبو سرایت کر گئی ہے۔ میں نے محسوس کیا کہ میرا ماتھا مسحور ہوتا جا رہا ہے، خوشبو سیدھی دماغ پر اثر انداز ہو رہی تھی، اتنی تیز تھی کہ دل چاہتا تھا کہ آدمی اس میں ڈوب جائے، اس سے پہلے مجھے کئی اقسام کے پرفیوم کا تجربہ تھا لیکن یہ سب سے زیادہ مختلف تھی، اس میں گرمی نہیں بلکہ ایک ٹھنڈک اور فرحت تھی۔ یہ ایسا تجربہ تھا جو پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ میں اس حالت میں گم تھا کہ دوسرے ساتھیوں نے بھی مجھے روح کی خوشبو کی طرف متوجہ کیا لیکن اب میری ملاقات "روح کی خوشبو" سے دوسروں کے بتانے سے پہلے ہو چکی تھی۔ میری والدہ صاحبہ چپ تھیں۔ جب میں نے ان سے اپنے اس مسحور کن تجربہ کا ذکر کیا تو بولیں کہ میرے پاس تو پہلے بھی کئی دفعہ وہ اسی طرح آ چکے ہیں۔ اس تجربہ کے بعد میں سو فیصد مطمئن ہو چکا تھا کہ یہ خوشبو کسی اور ذریعہ سے نہیں بلکہ واقعی میرے والد صاحب کی روح کی خوشبو تھی جو چلتی ٹرین میں بھی ہمیں ملنے آ رہی تھی۔

مورخہ 18/اکتوبر 1981ء کو صبح ½ 10 بجے ٹرین لاہور پہنچ گئی۔ ہمارے رشتہ دار اور دوست ریلوے اسٹیشن پر استقبال کے لئے آئے ہوئے تھے، یہ ایک رقت آمیز منظر تھا، چہروں پر غم کی تحریر صاف ظاہر تھی۔ وہ جن کا بیتابی سے انتظار ہو رہا تھا آج وہ ان میں نہ تھے۔ شاید اللہ تعالیٰ نے میدان عرفات میں کیے ہوئے ان کے وعدہ کی لاج رکھنا تھی کہ انہیں آزمائش میں ڈالنے کی بجائے اپنے پاس ہی بلا لیا۔

مورخہ 18/اکتوبر 1981ء کو مغرب کی نماز کے بعد تعزیت کے لئے آنے والے عزیزوں کے درمیان بیٹھا تھا کہ ساڑھے سات بجے لاہور میں پہلی بار ان کی روح کی خوشبو کو محسوس کیا گیا۔ اگلی صبح 19/اکتوبر 1981ء کو گھر کی بیٹھک میں مرحوم کے قریبی دوست جن میں چودھری رحمت اللہ بھی تھے، بیٹھے تھے کہ دوبارہ ان کی روح کی خوشبو کی آمد ہوئی۔ اس پر چودھری صاحب زار و قطار رونے لگے۔ اس کے تھوڑی دیر بعد اندرونِ خانہ سے اطلاع آئی کہ جس کمرے میں میری بہن نرگس بانو دوسری عورتوں کے ساتھ بیٹھی تھیں وہاں بھی خوشبو کا ظہور ہوا لیکن ان دو تین واقعات میں ایک خاص قابلِ غور بات یہ تھی کہ اب کے خوشبو اتنی زیادہ تیز نہیں تھی اور اس کا وقفہ بھی چند منٹ سے زیادہ نہیں تھا۔

ہمارا گاؤں ضلع شیخوپورہ میں موضع لاگر ہے، والد صاحب کی زمین بھی یہیں ہے۔ 1961ء تک ہم سب وہیں رہتے تھے لیکن بعد میں بچوں کی تعلیم کی خاطر اور گاؤں کے جھگڑے فساد سے بچنے کیلئے وہ لاہور منتقل ہو گئے تھے لیکن بہر حال گاؤں کے ساتھ ان کا تعلق ہمیشہ ہی بہت مضبوط رہا اور ان کا تقریباً آدھا وقت وہیں گزرتا تھا۔ اس کی ایک خاص وجہ یہ بھی تھی کہ میری بہن نرگس گاؤں ہی میں اپنے پھوپھی زاد چوہدری عبدالحمید نمبردار سے بیاہی ہوئی تھی۔ ان کا قیام ہمیشہ نرگس کے پاس ہی ہوتا تھا۔ اس نے ان کے آرام اور عبادت کے لئے ایک کمرہ مخصوص کیا ہوا تھا۔ والد صاحب گاؤں میں برادری، غیر برادری، امیر غریب، چھوٹے بڑے سب سے نہایت پیار محبت رکھتے تھے اور لوگ بھی ان کے اس خلوص

کی اسی طرح قدر کرتے تھے۔

اس تمہید کو ذہن میں رکھتے ہوئے اب آپ مندرجہ ذیل واقعہ پر غور فرمائیں۔ 20/اکتوبر کو چوہدری عبدالحمید کے ساتھ میں اور میرے بھائی دن کے تقریباً ایک بجے گاؤں پہنچنا کہ وہاں کے لوگ ہمارے ساتھ وہیں تعزیت کرلیں اور انہیں فرداً فرداً لاہور آنے کی زحمت نہ کرنا پڑے۔ ہم سیدھے حمید صاحب کے گھر ہی پہنچے جو ایک حویلی نما گھر ہے جس میں مردانہ حصہ زنانہ حصہ سے علیحدہ ہے۔ گھر پچھلے کئی دنوں سے بند پڑا تھا، جاتے ہی کھڑکیوں کو کھولا گیا اور مردانہ حصہ کے برآمدہ میں دریاں بچھادی گئیں۔ چونکہ مسجد میں اعلان ہو چکا تھا اس لیے لوگ آنا شروع ہو گئے۔ یہ ایک بج کر پینتالیس منٹ کا وقت تھا کہ ہم برآمدہ کے اس حصہ میں بیٹھے تھے جو والد صاحب کے مخصوص کمرہ کے ساتھ ملحق ہے اور کمرے کا دروازہ برآمدہ میں کھلتا ہے۔ برآمدہ میں اس وقت چوہدری عبدالغفور نمبر دار، آصف علی، ظفر علی، فیروز خان، جان محمد، عبدالحمید، میر زماں اور دیگر افراد بیٹھے ہوئے تھے۔ جیسے گاؤں والوں کی عادت ہوتی ہے دو تین حقے بھی چل رہے تھے۔ اس ماحول میں والد صاحب کی روح کی خوشبو ہمارے درمیان پہنچ گئی۔ خوشبو کی نوعیت بالکل وہی تھی جس کا تجربہ مجھے ٹرین اور لاہور میں کئی بار ہو چکا تھا لیکن اس دفعہ یہ بڑی مسحور کن تھی اور شدت میں تیزی تھی۔ ایسے معلوم ہوتا تھا کہ خوشبو کا گولہ لوگوں کے درمیان فرداً فرداً ہر ایک سے مل رہا ہے۔ روح کی اس ملاقات سے چوہدری عبدالغفور پر رقت طاری ہو گئی۔ میں نے خوشبو کی پہلی لپٹ پر وقت نوٹ کرلیا۔ اب کے یہ سلسلہ پورے 13 منٹ تک جاری رہا جو ایک غیر معمولی وقفہ تھا۔

یہاں ایک قابل غور بات یہ بھی ہے کہ انسانی حواس پر عام خوشبو آنے کے تھوڑی دیر بعد اس کا احساس پھیکا پڑ جاتا ہے اور ناک بے حس ہو جاتی ہے لیکن "روح کی خوشبو" کچھ ایسی ہے کہ اسے متواتر محسوس کرنے سے بھی ناک بے حس نہیں ہوتی اور خوشبو کا اثر ذہن کے اندر محسوس ہوتا ہے۔ میرا چھوٹا بھائی آصف علی (مرحوم) ایک شکی مزاج شخص تھا اور اس کے لئے خوشبو کا یہ تجربہ پہلا تھا لہٰذا انہوں نے ادھر ادھر کھوج لگانا شروع کردیا کہ ہو نہ ہو یہ کسی مادی ذریعہ سے آرہی ہو لیکن وہاں کوئی مادی ذریعہ ہوتا تو اس کو ملتا۔ آصف علی کی تجسس کی عادت کو جانتے ہوئے چوہدری غفور خان کہنے لگے کہ "میاں! یہاں گاؤں میں خوشبو کہاں، ہاں بدبو جتنی چاہو مل سکتی ہے۔ یہاں تو لوگ ہفتہ ہفتہ نہاتے نہیں، ارد گرد مال مویشیوں کے تھان ہیں، حقے چل رہے ہیں، اگر کوئی شہری گھر ہوتا تو پھر بھی شک کی کوئی گنجائش تھی کہ لوگ شہروں میں پرفیوم وغیرہ کا استعمال کرتے ہیں لیکن یہاں گاؤں میں کسی مخصوص خوشبو کا امکان ناممکن ہے۔ یہ واقعی ان کی روح کی خوشبو ہے جو ہمیں ملنے آئی ہے بلکہ یہ پیغام دے رہی ہے کہ دیکھو آدمی مرنے کے بعد ختم نہیں ہو جاتا۔"

گاؤں میں دن بھر یہی باتیں ہوتی رہیں۔ لوگ اللہ تعالیٰ کی قدرت پر حیران تھے اور اس بات کا شکر بھی ادا کر رہے تھے کہ انہیں موت کے بعد زندگی کا ثبوت مل گیا ہے اور اس بات پر خوش بھی تھے کہ ان کا بھائی دوسرے جہان سے انہیں ملنے آیا ہے۔

اسی شام ہم دوبارہ لاہور پہنچ گئے۔ کوئی خاص واقعہ پیش نہ آیا۔ تعزیت والے دو روز دیک سے آتے رہے اور یونہی اگلا دن بھی گذرنے کو تھا۔ یہ 21 اکتوبر کی اداس شام تھی۔ میری بہن نثار بانو جن کے میاں ان دنوں ایئر فورس میں آفیسر تھے اور پشاور میں رہتے تھے ان کی روانگی تھی، بڑا ہی رقت آمیز منظر تھا کہ اباجی مرحوم آج اپنی بیٹی کو الوداع کہنے والوں میں موجود نہیں تھے۔ میں نے ان سب کو اسٹیشن چھوڑنے کے لئے کار میں

بٹھالیا، میری والدہ صاحبہ اور میری بیوی نسیم کیفی محمود صاحبہ اور گھر کے دوسرے افراد کے علاوہ کچھ مہمان بھی باہر برآمدہ میں غمگین کھڑے تھے۔ جب میں بہن کو ریلوے اسٹیشن پر چھوڑ کر واپس آیا تو میری بیوی نے، جو سائیکالوجی میں ماسٹرز کی ڈگری رکھتی ہیں، بتایا کہ جیسے ہی کار گیٹ سے باہر نکلی ہمارے درمیان اباجی کی روح کی خوشبو آ گئی۔ اس کا احساس ہمیں ایک نہایت تیز خوشبو سے ہوا، جو بھی لوگ محسوس کر رہے تھے۔ خوشبو کا یہ تجربہ میری بیوی کے لئے پہلی دفعہ تھا۔ اس لیے پہلے جتنے واقعات ہوئے یہ ان کی تاویل موت پر لاشعور کے ردِ عمل سے کرتیں لیکن اس واقعہ کے بعد انہوں نے اپنی رائے بدل لی۔ ان کے خیال میں یہ خوشبو کسی اعلیٰ قسم کی اگربتی کی خوشبو سے ملتی جلتی تھی لیکن اس میں دھویں کی آمیزش نہیں اور نہ یہ آنکھوں کو چبھتی تھی اور نہ ہی دماغ پر بوجھل تھی بلکہ یہ نہایت ہی خوش کن اور اطمینان بخش خوشبو تھی۔

22/اکتوبر اسلام آباد کے لئے ہماری روانگی کا دن تھا۔ میں اور میرے بچے گھر سے باہر سب کو الوداع کہہ رہے تھے، رات والے واقعہ سے متاثر ہو کر میرے دل میں یہ خیال تھا کہ اباجی ہمیں بھی الوداع کہنے آئیں گے بلکہ اباجی کی خصوصی محبت اور توجہ سے میں تو اسے اپنا حق سمجھتا تھا۔ میرے بچے بھی ان کی آمد کا انتظار کر رہے تھے، لیکن وہ تشریف نہ لائے، چنانچہ ہم نے سب کو الوداع کہا اور کار میں روانہ ہو گئے۔ گھر سے ابھی پانچ منٹ ہی دور ہوں گے کہ ہمیں ایک ضروری کام کے لئے واپس آنا پڑا۔ ابھی تک تمام اہل خانہ وہیں باہر گیٹ پر ہی کھڑے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ جیسے ہی آپ گھر سے نکلے اباجی کی روح آ گئی اور ابھی تک یہیں ہے اس لیے ہم بھی اندر نہیں گئے۔ میں نے گاڑی سے اتر کر روح کی خوشبو کے اس احساس کو اسی طرح پایا۔

22/اکتوبر سے 12/دسمبر 1981 تک جب میں روح کی خوشبو کے ان واقعات کو کتابی شکل دے رہا تھا، اسلام آباد میں بھی ان کی روح سے میری ملاقات دو تین دفعہ ہوئی۔ ان میں حیران کن واقعہ وہ ہے جب ایک دن رات کو سوتے ہوئے مجھے خواب میں ایسے لگا کہ والد صاحب میرے اوپر جھکے ہوئے ہیں اور مجھے کہہ رہے ہیں اٹھو ان کے اس حکم پر میری آنکھ کھل گئی اور میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہی مسحور کن خوشبو میرے بستر پر تھی۔ میں نے ان کو السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہا اور اٹھ کر باہر لابی میں آ گیا، وہاں میرا منجھلا بیٹا احمد جو اس وقت نو سال کا تھا، پہلے ہی سے وہاں کھڑا تھا۔ اسے آدھی رات کو وہاں دیکھ کر میں پریشان ہوا اور وجہ پوچھی، جس پر احمد نے بتایا کہ اس کے دانت میں درد ہو رہا ہے۔ اب تک میرے ذہن میں یہ سوال ہے کہ اباجی کیا مجھے صرف یہ بتانے آئے تھے کہ احمد کے دانت میں تکلیف ہے یا کوئی اور وجہ تھی؟

اسی دوران دو تین دفعہ والدہ صاحبہ کو بھی ان کی روح کی خوشبو کا احساس ہوا لیکن اب یہ واقعات دو تین ہفتہ بعد ہی پیش آتے اور روح کے قیام کا وقفہ بھی پہلے کی نسبت بہت مختصر ہوتا گیا، شاید وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہمارا غم ہلکا ہو رہا تھا اور ہمیں اب ان کی ذاتی تسلی و تشفی کی ضرورت نہیں تھی یا عالم برزخ میں ان کی معروفیات بڑھتی جا رہی تھیں، بہرحال وقت کے ساتھ یہ تسلسل کم سے کم ہوتا گیا اور تین چار ماہ کے بعد تو ان کا آنا تقریباً بند ہو گیا۔

16.5 قبر کے حساب کا ایک عجیب واقعہ

والد صاحب کی روح کی خوشبو کے اس طرح کے واقعات کا سلسلہ تقریباً مارچ 1982ء تک چلتا رہا اور پھر اچانک بند ہو گیا۔ جس پر ہماری والدہ سمیت بھائی بہن حیران بھی تھے اور پریشان بھی کہ ایسا کیوں ہوا ہے؟ اپنی وفات کے کوئی تین ماہ بعد لاہور میں ہمارے محلّہ میں عبدالرحمٰن نامی شخص کی بیگم صاحبہ کو والد صاحب خواب میں اس حالت میں نظر آئے کہ ان کے ہاتھوں کو ہتھکڑی لگی ہوئی تھی اور منہ ٹیپ چپکا کر بند کیا ہوا تھا اور ان کے ساتھ دو آدمی تھے جو انہیں پکڑے ہوئے تھے۔ عبدالرحمٰن صاحب کی بیگم نے عالم خواب ہی میں گھبرا کر پوچھا کہ کیا ہوا ہے؟ تو ان کے ساتھیوں نے بتایا کہ اس شخص نے تمہیں ایک بار برا بھلا کہا تھا اور یہ اسی گناہ کی پاداش میں پکڑا گیا ہے۔ عبدالرحمٰن کی بیوی بتاتی ہیں کہ میں نے پوچھا کہ انہوں نے میرا کون سا جرم کیا ہے؟ جس کے جواب میں ان دو میں سے ایک شخص نے کہا کہ تمہیں یاد نہیں کہ اس آدمی نے ایک دفعہ تمہیں برا بھلا کہا تھا۔

واقعہ یوں تھا کہ والد صاحب پنچائیت کے ذریعے لوگوں کے باہمی جھگڑوں کا فیصلہ کرتے تھے۔ 1972ء کی بات ہے کہ مذکورہ عبدالرحمٰن اور ان کی بیگم اپنے کرایہ دار کے خلاف اپنا جھگڑا لے کر ان کے پاس آئے۔ اگرچہ قصور کرائے دار کا تھا لیکن والد صاحب نے وقتی مصلحت کی خاطر بیگم عبدالرحمٰن کو کہا کہ "وہ جھوٹ بول رہی ہے اور پنچائیت میں اسے ڈانٹ دیا"۔ جس پر وہ بیچاری اپنی مجبوری پر بہت پریشان ہوئی اور روتی رہی۔ اس واقعہ کے دس سال بعد جب والد صاحب کی وفات ہوئی تو ممکن ہے قبر میں حساب کتاب ہوا ہو تو حقوق العباد کی اس کوتاہی پر وہ پکڑے گئے ہوں لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں بیگم عبدالرحمٰن صاحبہ سے معافی مانگنے کی اجازت دی ہو۔ (استغفر اللہ)

فرشتوں کی بات سن کر بیگم عبدالرحمٰن کی آنکھ کھل گئی اور دونوں میاں بیوی نے مصلّی پر اللہ تعالیٰ کے سامنے رو رو کر انہیں معاف کر دیا۔
اگلے دن وہ پھر خواب میں نظر آئے لیکن اب کے وہ آزاد اور خوش وخرم تھے۔ انہوں نے بیگم عبدالرحمٰن کا شکریہ ادا کیا اور یہ بھی کہا کہ ان کے گھر والوں کو یہ واقعہ بتائیں اور خوشخبری بھی دیں کہ "میرے رب نے مجھے معاف کر دیا ہے اور عصر کی نماز کے وقت میں گھر آؤں گا۔" چنانچہ والدہ صاحبہ اور باقی رشتہ دار انتظار میں اکٹھے ہو گئے۔ عین عصر کی اذان کے ساتھ گھر ان کی روح کی مخصوص خوشبو سے بھر گیا۔ اس واقعہ کے بعد خوشبو کے ذریعہ ان سے ملاقات کا سلسلہ کم سے کم تر ہوتا گیا اور پھر بالکل ختم ہو گیا۔ ایسے لگتا ہے کہ دوسرے جہاں کی مصروفیتوں میں وہ اس قدر مگن ہیں کہ اب آنے کا وقت نہیں پاتے۔

16.6 چند سوالات اور تجزیہ

میں نے والد مرحوم کی روح کے متعلق واقعات کو نہایت تفصیل کے ساتھ اس لیے بیان کر دیا کہ بعض اوقات چھوٹی چھوٹی تفصیلات بھی محقق کیلئے بہت مفید ہو سکتی ہیں مثلاً یہی بات کہ بہن یا میری روانگی کے وقت ان کی روح اس وقت پہنچی جب ہمیں گھر سے روانہ ہوئے چند منٹ ہو چکے تھا اس سے شاید یہ کہا جا سکتا ہے کہ روح کا علم بھی فوری نہیں اور اسے پہنچنے کیلئے بھی کچھ وقت چاہیے۔ روحیں بھی زمان ومکان کی پابند ہیں۔

اس معاملہ میں یہ کہنا مشکل ہے کہ روح کہاں سے آتی ہے، کیا یہ اپنی قبر والی جگہ سے چلتی ہے یا کسی اور جگہ سے جو عالم بالا میں ہے؟ اور پھر اس کے پہنچنے کی رفتار کیا ہے؟ کیا یہ روشنی کی رفتار یعنی ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل سے مسافت طے کرتی ہے یا اس سے کم یا زیادہ۔ بہر حال چلتی ٹرین اور ہوائی جہاز میں ان کی آمد سے یہ بات ظاہر ہے کہ اس کی رفتار ان میکانگی ذرائع سے کہیں زیادہ ہے۔ پھر یہ بھی سوال پیدا ہوتا ہے کہ والد مرحوم کی روح کو ہماری روانگی کے وقت اور مقام کا پتا کس طرح چلتا تھا؟ کیا ان کے علم کا ذریعہ براہ راست ہے یا بالواسطہ ہے؟ یا وہ وہیں ہوتے تھے صرف اظہار کے لئے ہمارے دماغ کے خوشبو والے خلیات کو متاثر کرتے تھے؟

ان سوالات کے علاوہ سب سے زیادہ عجیب بات خود خوشبو کی ہے۔ اگر ہم خوشبو کی طبیعیاتی ماہیت پر جائیں تو اس کا محرک وہ کیمیکل ہوتا ہے جو خوشبودار جسم سے نکل کر ہماری ناک کے حساس حصوں کو متاثر کرتا ہے۔ خوشبو کسی پھول سے آئے، پرفیوم سے آئے یا جانور سے آئے، ہر حال میں یہ ان مالیکیولوں کی محتاج ہے جن کی خاصیت ناک میں خوشبو کے احساس کو پیدا کرنا ہوتا ہے۔ یہ مالیکیول ناک کے حساس پردوں سے ٹکرا کر بجلی کی لہروں کو جنم دیتے ہیں جو دماغ کے مخصوص حصوں میں پہنچ کر ہمیں خوشبو کے احساس سے آگاہ کرتے ہیں۔ اس لحاظ سے خوشبو کو پیدا کرنے والے ذرائع مادی ہیں اور دماغ میں اس کا احساس اجاگر کرنے کا ذریعہ توانائی ہے۔

اگر روح کوئی مادی جسم نہیں ہے تو پھر خوشبو کا یہ احساس جو سراسر مادی احساس ہے کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ اس سوال کا ایک جواب تو یہ ہے کہ روح بلاواسطہ دماغ پر اثر کر کے خوشبو کے احساس کو پیدا کرتی ہے لیکن اس تاویل میں ایک مشکل یہ ہے کہ جب بھی والد مرحوم کی روح آتی تو ماحول بھی معطر ہو جاتا اور روح کے جانے کے بعد بھی کچھ دیر تک خوشبو کا اثر رہتا تھا۔ اس سے تو یوں لگتا ہے کہ یہ روح ماحول کو بھی متاثر کرتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ روح اپنی توانائی کے اثر سے ہوا کے اجزاء کو ہی اس طرح بدل دیتی ہو کہ وہاں پر خوشبو کے اجزاء پیدا ہو جائیں لیکن بعض مشاہدات ایسے بھی ہوئے جب ان کی خوشبو گولے کی مانند پھرتی ہوئی محسوس ہوئی جب کہ بند کمرہ میں ہوا پر سکون ہوتی تھی۔

یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ حقیقت کچھ بھی نہیں تھی اور یہ سب ہمارا لاشعور کا کھیل ہے لیکن اس مسئلہ کو سائیکولاجیکل اس لیے نہیں کہا جا سکتا ہے کہ خوشبو کی شدت اکثر اوقات بہت تیز ہوتی تھی اور پھر اس کو محسوس کرنے والے گھر کے قریبی افراد کے علاوہ وہ افراد بھی تھے جن کو مرحوم کی موت سے کوئی خاص ذہنی صدمہ نہیں تھا اور سب سے بڑھ کر یہ واقعہ ایک جگہ نہیں بلکہ کم و بیش بیس مختلف مقامات پر پیش آیا جن کا پھیلاؤ سعودی عرب سے لے کر پاکستان کے دیہات، شہروں، ہوائی جہاز اور ریل گاڑی کے اندر تک ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی ہے کہ روح کے ان واقعات کے گواہ عقل و شعور کے مالک پڑھے لکھے لوگ ہیں جو آسانی سے کسی فوق الفطری واقعہ کو ماننے کے لئے تیار نہیں تھے۔ اس لیے وثوق کے ساتھ یہ کہا جا سکتا ہے کہ روح کے یہ واقعات کسی طرح کے سائیکولاجیکل اثرات کی وجہ سے نہیں تھے بلکہ ایک زندہ حقیقت کی وجہ سے ہیں جس نے اپنے ہونے کا ثبوت بار بار دیا۔

16.7 کچھ اور لوگوں کی روحوں کی خوشبو کے واقعات

ابھی تک میرے سامنے جو شواہد پہنچے ہیں ان سے ایک بات یقینی ہے کہ روح کی خوشبو کے جو واقعات میں نے پیش کیے ہیں اگرچہ نہایت عجیب وغریب ہیں لیکن اپنی نوعیت میں بالکل منفرد بھی نہیں۔ ہوسکتا ہے کہ آپ کے علم میں بھی ایسے کچھ واقعات آچکے ہوں۔ والد صاحب کی وفات کے بعد جب روح کی خوشبو کی بات عام ہوئی تو کچھ دوستوں نے مجھے اسی نوع کے اور واقعات بھی بتائے۔ ذیل میں ان میں سے کچھ کا ذکر کیا جا رہا ہے جن کے بارے میرے نزدیک شکوک وشبہات کی گنجائش بہت کم ہے۔

1۔ عبدالستار گل ایڈووکیٹ چک نمبر 100/ب ج اپنے نانا کی وفات کا واقعہ لکھتے ہیں کہ "نانا مرحوم نماز و روزہ کے پابند، انتہائی سادہ اور ایماندار تھے، ساری عمر رزق حلال کے لئے تگ و دو کرتے رہے۔ حال یہ تھا کہ مال مویشی گاؤں سے مربعہ اور مربعہ سے گاؤں کو جب لاتے تو چھوٹے بڑے تمام جانوروں کے منہ پر چھکے چڑھا دیتے کہ غیروں کے کھیتوں سے چارے کا تنکا تک بھی نہ کھا سکیں۔ پورا گاؤں شاہد ہے کہ جب ان کی وفات ہوئی تو ان کی قبر سے خوشبو آ رہی تھی"۔

2۔ دوسرا واقعہ مجھے جناب ڈاکٹر محمد اقبال صاحب، پنجاب کالونی لاہور نے تحریر کر کے بھیجا، جو میرے والد صاحب کے حج کے ساتھی اور خوشبو کے کچھ واقعات کے شاہد بھی ہیں۔ لکھتے ہیں کہ "میں چودھری صاحب مرحوم کی وفات کے بعد ان کے منیٰ کے خیمہ اور پھر مکہ مکرمہ میں ان کی روح کی خوشبو کے واقعات کا گواہ ہوں اور میرے لیے روح کی خوشبو کا یہ دوسرا واقعہ ہے۔ اس سے پہلے میری ایک معصومہ عزیزہ کا انتقال اچانک ہوگیا تھا اور اس موقع پر بھی بالکل ایسی ہی خوشبو آئی تھی۔ میرا خیال ہے کہ جب کسی معصوم اور نیک آدمی کی وفات اچانک ہو جائے تو بعض اوقات ان کی روحیں اپنے لواحقین کی تسلی کے لئے تشریف لاتی ہیں اور اپنی آمد کا اظہار خوشبو کے ذریعہ کرتی ہیں"۔

3۔ بیگم تمیز الدین اسلم جو خود بھی والد صاحب مرحوم کی حج کی ساتھی تھیں، بتاتی ہیں کہ "میری زندگی میں پہلے بھی چند بار اس طرح کے تجربات رونما ہوئے ہیں مثلاً میرے ایک عزیز رشتہ دار، جو نہایت ہی نیک اور پرہیزگار بزرگ تھے، جب فوت ہوئے تو کچھ دنوں تک خوشبو آتی رہی"۔

4۔ اس طرح کے کچھ واقعات مجھے قریشی مسجد سلمان پارک، باغبان پورہ لاہور کے قاری صاحب نے بتائے۔ انہوں نے بتایا کہ "مولانا احمد علی مرحوم ومغفور کا واقعہ بہت مشہور ہے۔ آپ ایک بلند پایہ عالم اور ولی اللہ تھے جنہوں نے اسلام کی تبلیغ اور اشاعت میں بڑی کوشش کی، جب مولانا احمد علی کی وفات ہوئی تو جنازہ کے وقت ماحول کسی خاص خوشبو سے معطر ہوگیا جو دنیا کی خوشبوؤں سے علیحدہ ہی نوعیت کی تھی۔ اس کے بعد ان کی قبر سے بھی خوشبو آتی تھی اور سینکڑوں لوگ جو اس واقعہ کے گواہ ہیں آج بھی لاہور میں موجود ہیں"۔ انہی قاری صاحب نے مجھے ایک بزرگ، اللہ کے بندے، مرحوم کے متعلق بتایا جن کی وفات چند سال پہلے لاہور کے نواحی علاقہ قصور میں ہوئی۔ یہ بھی ایک نہایت نیک اور پرہیزگار ہستی تھی، ان کی قبر سے بھی خوشبو اٹھتی تھی۔ چونکہ لوگ قبر کی مٹی کو تبرک سمجھ کر لے جاتے تھے

جس کی وجہ سے ان کے بیٹوں اور لواحقین کو تکلیف ہوتی تھی، چنانچہ تنگ آ کر انہوں نے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ خوشبو کا یہ سلسلہ بند کر دے، اس کے بعد قبر کی مٹی سے خوشبو آنا بند ہو گئی۔

5۔ فروری 2009 میں میرے ایک دوست مرزا سعید احمد بار ایٹ لاء کا ایبٹ آباد میں انتقال ہوا۔ مرحوم وہاں اکیلے رہتے تھے۔ بیوی جو کہ فرانسیسی تھی اس سے علیحدگی ہو چکی تھی، بچوں سے بھی میل جول کم تھا۔ آپ خود بڑے پیار محبت والے مہمان نواز اور دوسروں کی محبت کا جذبہ رکھتے تھے۔ رسمی طور پر عبادت گذار بھی تھے۔ ان کی وفات پر بھی خوشبو کو ان کی قبر پر محسوس کیا گیا جس کے گواہ ایڈووکیٹ عبدالرؤف ایبٹ آباد نے مجھے تفصیلاً اس خوشبو کے واقعات سنائے۔

6۔ ماورائی کتاب کے قارئین گاہے بگاہے بعد از وفات کیفیات اور روحوں کی خوشبو کے واقعات کے سلسلہ میں میری معلومات میں اپنے تجربات سے آگاہ کرتے رہتے ہیں۔ انہیں میں ایک ڈاکٹر عبدالشکور صاحب(DCH, MBBS) تحصہ کورمانی، کوٹ اڈو میں پریکٹس کرتے ہیں۔ 10 نومبر 2010 والے خط سے انہیں الفاظ میں مندرجہ ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے۔

"ہمارا خاندان تقریباً 1980 میں ڈی جی خان سے ہجرت کر کے کوٹ اڈو آباد ہوا تھا۔ ہمارا خاندانی پیشہ زرگری ہے۔ میں نے اپنے بزرگوں کو ہمیشہ علماء، صوفیاء، مساجد و مدارس، غُرباء و مساکین کی خدمت کرنے والا پایا ہے۔ میں دو سال کا تھا کہ 1978 میں حضرت دادا جی محترم غلام رسول رحمۃ اللہ وصال پا گئے۔ لوگ بتاتے ہیں کہ ماشاءاللہ بہت دیندار اور متقی بزرگ تھے۔ یہ 28 رمضان المبارک کا دن تھا۔ دادا جی روزے سے تھے کہ ظہر کی نماز کے بعد سینے میں درد محسوس ہوا۔ اپنے سب بچوں کو گھر اکٹھا ہونے کو فرمایا۔ افطاری سے پہلے ایک ایم بی بی ایس ڈاکٹر اور حکیم صاحب نے علاج کے لئے دوا کھلانے کی بہت کوشش کی لیکن فرمایا "جب مغرب کی اذان ہو گی تو افطاری کے بعد دوا کھاؤں گا"۔ حضرت والدِ گرامی رحمۃ اللہ نے ریڈیو پر لاہور کی اذان سنی تو فرمایا روزہ کھول لیں لیکن دادا جی فرمانے لگے یہ دوسرے شہر کی اذان ہے۔ وقت میں فرق ہوتا ہے جب یہاں محلے میں اذان ہو گی تو افطاری کروں گا۔ مغرب کے بعد فرمایا "میری چارپائی سے ایک طرف ہو جائیں۔ مجھے سیدھا کر کے کپڑا ڈال دیں اور یہ میرا آخری وقت ہے"۔ والدِ گرامی رحمۃ اللہ نے بتایا کہ اُن کا سرِ اقدس میری گود میں تھا۔ مجھے فرمایا "عظیمو! تمہیں بیت اللہ شریف نظر آ رہا ہے نا!"۔ میں نے عرض کیا جی جی نظر آ رہا ہے۔ کلمہ شریف پڑھتے رہے اور بتاتے ہیں کہ میری روح گھٹنے تک، کمر تک نکل گئی ہے۔ یہاں تک کہ آخری بار **لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ اللّٰهِ** پڑھا اور اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے۔ **اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْن**۔ یہ 29 رمضان کی رات تھی۔ اگلے دن جنازہ ہوا۔ والدہ صاحبہ بتاتی ہے کہ وصال کے وقت اُن کے ماتھے پر بہت پسینہ آیا جس میں خوشبو تھی۔ ایک سفید رومال سے والد صاحب نے وہ پسینہ پونچھ لیا جو رومال والد صاحب نے ابھی تک سنبھال رکھا ہے۔ جس میں ابھی تک خوشبو آتی ہے۔

اس کے بعد محترمہ چچی صاحبہ کا وصال ابھی رمضان المبارک 2005 میں ہوا۔ وہ بھی ماشاءاللہ اللہ والی تھیں۔ حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستی رحمۃ اللہ نے انہیں فقیرنی کا خطاب عطا فرمایا تھا۔ جب بھی ضلع مظفر گڑھ کے دورہ پر تشریف لاتے ہمیشہ چچی

صاحبہ کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا نوش فرماتے۔وصال سے پچھلے رمضان شریف گھر میں اعتکاف کیا۔اس سے پہلے رمضان شریف میں مسجد نبوی میں اعتکاف کیا۔تکلیف کی شدت بچوں کو نہ بتاتی کہیں بچے روزہ نہ رکھنے دیں۔وصال کی رات عشاء کے بعد بیس رکعت تراویح مکمل کیں۔مصلے پر بیٹھی تھیں کہ سینے پر درد اُٹھا۔زبان پر صرف ایک ہی کلمہ تھا "اللہ اللہ" علاج کے لئے ہسپتال لے گئے۔وہاں فرمایا "علاج کی ضرورت نہیں مُجھے گھر لے چلو"۔آخری بار شہادت کی اُنگلی کھڑی کی با آوازِ بلند "اللہ" کہا اور اللہ تعالیٰ کو پیاری ہو گئیں۔

رات گیارہ بجے ہمیں اطلاع ملی۔میں اور میری اہلیہ صاحبہ ڈاکٹر زاہدہ اُن کے گھر والی گلی میں پہنچے تو عجیب و غریب خوشبو نے ہمارا استقبال کیا۔ہم دونوں نے یکبارگی کہا کہ یہ خوشبو کے جھونکے اِس وقت یہاں کہاں؟ پھر خیال ہوا کہ فرشتے جنت کے خوشبودار کپڑے لیکر نیک بندے کی روح اس میں لے جاتے ہیں۔یہ انہیں کپڑوں کی خوشبو ہوگی۔

ہم کافی دیر رات کے 11:30 بجے اس گلی میں کھڑے خوشبو کے با قاعدہ جھونکوں سے لُطف اندوز ہوتے رہے۔معلوم نہیں دوبارہ موقع ملے یا نہ ملے۔یہ مستقل خوشبو نہ تھی بلکہ ہوا کے ساتھ جھونکا آتا اور چلا جاتا۔ہم کھینچ کھینچ کے سانس لے رہے تھے تا کہ اندر تک اس مسحور کُن خوشبو کو لے جائیں۔وہاں سے ہٹنے کو دل نہ کرتا تھا۔آخر کار گھر کے اندر داخل ہوئے۔چچی صاحبہ ایک چارپائی پر لیٹیں تھی۔پنکھے کا جھونکا جو اِن کی طرف سے ہو کر آتا وہ بھی واضح اور دلفریب خوشبو لئے ہوتا۔میں چچا صاحب اور اُن کے بیٹے سے ملا اور افسوس کیا۔مُجھ سے رہا نہ گیا تو اُن سے پوچھا کہ انہوں نے کوئی خوشبو تو نہیں لگائی۔تو انھوں نے کہا "ہمیں خوشبو لگانے کا کہاں ہوش؟"۔تین دن تعزیت کے لئے چچا جی کے گھر رہا اور کوئی وقت بھی ایسا نہ گُزرا کہ خوشبو کا جھونکا نہ آیا ہو۔سچ پوچھیں تو میں اسی خوشبو کی وجہ سے اُن کے گھر رہا۔قبر بھی میں نے اپنے ہاتھوں سے کھودی وہاں بھی خوشبو مہکی ہوئی تھی۔ماشاءاللہ مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ فرشتوں کے ساتھ جنت کے ریشمی کپڑوں کی خوشبو ایک طرف۔اُن کی روح کی خوشبو ہے جو ہر جگہ موجود ہے۔اللہ اکبر۔حق سبحانہ وتعالیٰ اِن بزرگوں کی مغفرت فرمائے اور ان کی قبروں کو جنت کا باغ بنائے (آمین)۔

بندہ کے والدِ گرامی الحاج محمد عظیم زرگر رحمۃ اللہ علیہ 18 سال کی عمر شریف تک مدرسہ مظاہر العلوم اور جامعہ مدنیہ میں حضرت مولانا مفتی مسعود احمد قادریؒ (خلیفہ حضرت مولانا عبید اللہ انورؒ لاہوری) سے پڑھتے رہے۔دورۂ تفسیر قرآن کریم حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستیؒ سے کیا۔حضرت مولانا لال حُسین اخترؒ سے ردِ قادنیت کورس کئے۔پہلا حج بدل 1984 میں اپنی والدہ کے ایصالِ ثواب کے لئے کیا۔اس کے بعد اپنی وفات تک بلا ناغہ ہر سال عمرہ کے لئے تشریف لے جاتے۔2007 میں اپنی خدمت کے لئے بندہ کو ساتھ لے گئے۔جب بیت اللہ شریف پر نظر پڑی تو رو کر دُعا فرما رہے تھے۔میں سُن رہا تھا "یا اللہ! میری یہ حاضری آخری نہ بنانا، جب میری موت کا وقت آئے تو تیرے گھر میں آئے"۔جون، 2010 میں عمرہ سے واپسی ہوئی۔ڈھائی ماہ بعد اگست میں رمضان المبارک میں پھر تیاری ہو گئی۔والدہ صاحبہ ساتھ تھیں۔پہلے عمرہ کے بعد ایک ہفتہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں گُزارا۔27 رمضان کے عمرہ کے لئے روانہ ہوئے اور عمرہ ادا فرمایا۔واپسی کے سفر پر تھے۔جدہ میں تکلیف ہوئی۔ملک عبدالعزیز

ہسپتال میں داخل ہوئے۔ڈاکٹروں اور رشتہ داروں کو فرمایا "علاج کی فکر نہ کرو، یہ میرا آخری وقت ہے، میرے پاس رہو۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا عَلَیْہِ رَاجِعُوْن، لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْن اور پہلا کلمہ طیبہ پڑھتے رہو"۔خود بھی پہلا کلمہ، دوسرا کلمہ شہادت، درود شریف، یاحیی یاقیوم، یا اللہ، اللہ اکبر پڑھتے رہے اور بتاتے رہے کہ اب میری روح پاؤں سے نکل گئی، پنڈلیوں سے نکل گئی، کمر سے نکل گئی، بازوؤں سے نکل گئی۔والدہ صاحبہ سامنے تشریف لائیں تو انہیں دیکھ کر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ اللّٰہ، دوسرا کلمہ پڑھا۔شہادت کی اُنگلی کھڑی کر کے با آواز بلند اللہ اکبر کہا اور جان، جانِ آفریں کے سپرد کردی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ شاندار ایمان افروز وصال پر الحمد للہ علی کل حال، اُن کے وصال پر بھی خوشبو پھیل گئی۔یہاں تک کہ جو چاندی کی انگوٹھی اُنھوں نے دائیں ہاتھ میں پہنی ہوئی تھی اُس کو میں نے ایک ڈبی میں رکھا ہوا ہے اور جنت کی خوشبو سے مہکی ہوئی ہے۔اللہ اکبر، سبحان اللہ۔

خط کے مندرجات آپ نے پڑھ لئے۔ان مثالوں سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد آدمی مر مٹ نہیں جاتا بلکہ ایک دوسری زندگی میں چلا جاتا ہے۔وہاں سے بعض نیک ہستیوں کو خوشبو کے ذریعے اپنے اظہار کی اجازت مل جاتی ہے لیکن اس سے یہ مطلب نہ لیا جائے کہ جنہیں اجازت نہیں ملی ان کی نیکی میں کوئی شک ہے۔یہ اللہ تعالیٰ کے راز ہیں جنہیں راز ہی رہنا چاہیے۔ بہرحال روحوں کے ایسے تمام واقعات یہ ثابت کرتے ہیں کہ موت کے بعد برزخی حیات حق اور سچ ہے۔اس کی تیاری کے لیے جتنا وقت دے سکیں کم ہے (مزید واقعات کے لئے باب 20 ملاحظہ ہو)

16.8 روح کی خوشبو ﴿احادیث میں سے واقعات﴾

روحوں کی خوشبو کے واقعات نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی احادیث اور صحابہ کرامؓ کی روایات میں بھی ملتے ہیں۔مندرجہ ذیل میں چند ایک کا ذکر کیا جارہا ہے۔یہ واقعات میں نے مولانا اشرف علی تھانوی صاحب کی کتاب 'جمال الاولیاء' سے لیے ہیں۔

1۔ ابن سعد نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ "میں بھی ان لوگوں میں سے تھا جنہوں نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی قبر کھودی تھی جب ہم مٹی کھودتے تھے تو ہمیں مشک جیسی خوشبو کی لپٹیں آتی تھیں"۔

2۔ ابن کثیر اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ "حضرت عبیدہ بن الحارث بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو حضور صلی اللہ علیٰ وآلہ وسلم کے چچا زاد بھائی تھے جنگ بدر میں زخمی ہوئے اور اس زخم کی وجہ سے شہید ہوگئے۔بیان کیا گیا ہے کہ اس واقعہ کے کچھ عرصہ کے بعد جب حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مع صحابہؓ کے یہاں فروکش ہوئے تو صحابہ نے عرض کیا کہ ہم مشک کی خوشبو محسوس کرتے ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا تعجب ہے یہاں عبیدہ بن الحارث کی قبر ہے"۔

3۔ شیخ علواں حموی نے اپنی کتاب 'نفحات الاسحار' میں لکھا ہے کہ "جب حجاج بن یوسف نے حضرت عبداللہ بن زبیر کو سولی دے کر شہید کیا تو لوگ مشک کی خوشبو محسوس کرتے تھے اور اہل شام میں اس کی وجہ سے ایک فتنہ کھڑا ہو گیا تھا"۔

غرضیکہ وفات کے بعد روح کی خوشبو کے واقعات ہمیشہ سے مسلمانوں کے مشاہدہ میں آتے رہے ہیں اور اس لحاظ سے والد صاحب مرحوم کی روح کا واقعہ اپنی نوعیت کا کوئی خاص واقعہ نہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ میں نے بحیثیت ایک سائنسدان اور انجینئر کے اپنے طور پر اس کے تمام پہلوؤں پر غور کیا اور مشاہدات کا تحقیقی نظر سے تجزیہ کیا اور گواہوں تک باقاعدہ رسائی حاصل کی، ان سے زبانی اور تحریری بیانات حاصل کیے تا کہ ایسے غیر معمولی واقعہ کے لئے ٹھوس شواہد موجود ہوں۔ اسی طرح والد صاحب مرحوم کی روح کے آنے جانے اور خوشبو کے احساس کو ایک ٹھوس سائنسی تجربہ کی حیثیت سے مطالعہ کیا اور لوگوں کے سامنے ایک مذہبی فریضہ سمجھ کر 1982ء میں کتاب "روح کی خوشبو" لکھ کر پیش کر دیا۔

باب نمبر 17

خوش بخت نفوس اور بد بخت بھوت

17.1 موت کے بعد نفوس کے مقامات

ہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں کہ مرنے کے بعد روحیں ایک پردہ کے پیچھے چلی جاتی ہیں جسے قرآن کریم میں برزخ کا نام دیا گیا ہے۔ لیکن یہ مقام کوئی دور نہیں بلکہ یہیں کہیں ہے یعنی اگر زندگی دن ہے تو موت رات ہے بس شخصیت کی دو حالتیں ہیں۔ پہلی زندگی کی جسمانی حالت ہے اور دوسری اس کی روحانی حالت ہے۔ جیسے پانی کبھی مائع ہوتا ہے اور کبھی بھاپ، کبھی پتھر کی طرح سخت لیکن ہر صورت میں وہ ہوتا پانی ہی ہے۔ اپنی مائع حالت میں وہ ضرور کسی نہ کسی برتن کا مقید ہوتا ہے۔ گیس کی حالت میں وہ آزاد ہے جہاں چاہے نکل جائے جب کہ ٹھوس حالت میں وہ برتن کے بغیر بھی مقید ہے۔ موت کے بعد نفس کا مقام اور اس کی اڑان کا انحصار دنیاوی حیات میں اس کی کیفیت پر ہے کہ اس نے کیا کیا، کیا سوچا، ہر چیز ہی اس کی نشوونما کو متاثر کرتی ہے۔ جیسے ہماری غذا ہمارے جسم کی نشوونما کرتی ہے اسی طرح ہمارے اعمال اور خیالات سے ہمارے نفوس کی نشوونما ہوتی ہے۔ صحیح ایمان اور عمل نفس کو علیین کی بلندیوں تک لے جاتا ہے جب کہ باطل اعمال اور سفلی خواہشات کے بوجھ سے نفس موت کے بعد زمین پر مایوس اور سرگرداں رہتا ہے۔ ایسے ہی سرگرداں نفوس کو بھوت کہا جاتا ہے۔ ان میں اکثریت غیر مسلموں کی ہوتی ہے۔ شاید روحوں کے بلانے کے واقعات کا تعلق بھی بھوتوں ہی سے ہوتا ہو۔ (واللہ اعلم بالصواب)

جیسا کہ اگلے صفحات کی تفصیلات سے ظاہر ہے کہ قرآن کریم سے پتا چلتا ہے کہ موت کے بعد لوگ مندرجہ ذیل کیفیات میں تقسیم ہو جاتے ہیں۔

1۔ وہ جو براہ راست جنت میں داخل ہو جاتے ہیں۔

2۔ وہ جو عالم برزخ میں کائنات کی سیر کے مزے لیتے ہیں۔

3۔ وہ جن پر قیامت تک نیند طاری ہو جاتی ہے اور اپنے اعمال اور اعتقاد کے مطابق اچھے بُرے خواب دیکھتے رہتے ہیں۔

4۔ وہ بد قسمت جو اسی زمین پر حسرت اور مایوسی کے عالم میں بھوت بن کر پریشان اور گرفتار ہیں۔

5۔ سیدھے دوزخی نفوس

قیامت سے پہلے نفوس کی ان کیفیات کے بارے میں عمومی قانون سورۃ البقرۃ کی آیت مبارکہ 286 میں درج ہے فرمایا:۔

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ؕ

"اللہ تعالیٰ کسی نفس کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا، اس کے لئے وہ جو اس نے کمایا اور اس پر وہ (اثرات) ہیں جو اس نے کمایا"۔(سورۃ البقرۃ، آیت۔286)

اس آیہ مبارک کی تشریح میں تفسیر رفاعی کے مفسر حافظ سید احمد رفاعی لکھتے ہیں کہ "انسان جو عمل بھی کرتا ہے اس کا اچھے برے اثرات اس کے باطن پر اس طرح مرتب ہو جاتے ہیں جس طرح غذا کے اثرات جسم پر مرتب ہو جاتے ہیں جب انسان دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے، جسم فنا ہو جاتا ہے اور روح مجرد عن المادہ ہوتی ہے اس وقت برے اثرات اسے اذیت پہنچاتے ہیں"۔

یوں انسان پر قیامت سے پہلے دو دور آتے ہیں ایک دنیاوی زندگی کی مدت اور دوسرے عالم برزخ کی مدت۔ ان کے متعلق سورۃ الانعام کی آیت 2 میں ارشاد ہے کہ:۔

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ قَضٰٓى اَجَلًا ؕ وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ○

"وہی ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر تمہارے لیے زندگی کی ایک مدت مقرر کردی، اور اس کے بعد ایک دوسری مدت بھی ہے، جو اس کے ہاں طے شدہ ہے، مگر تم لوگ شک میں پڑے ہوئے ہو"۔(سورۃ الانعام، آیت۔2)

زندگی کی مدت گذرنے کے بعد جس دوسری مدت کا ذکر فرمایا گیا ہے یہ عالم برزخ کی زندگی ہے۔ واقعی اس کے متعلق انسان شک میں پڑا ہوا ہے۔ اس کے بعد قیامت ہے اور پھر یوم الدین اور پھر جزا یا سزا کا دور ہے۔ اس مضمون میں ہمارے زیر بحث مسئلہ موت کے بعد برزخی زندگی ہے۔ قرآن کریم، احادیث طیبہ اور سائنسی اور غیر سائنسی مشاہدات سے ثابت ہوتا ہے کہ موت کے بعد اپنی برزخی حالت میں نفس مندرجہ ذیل صورتوں میں زندہ رہتا ہے۔

17.2 نفس مطمئنہ۔ سیدھے جنتی نفوس

یہ اعلیٰ ترین حالت ہے یہ وہ نفوس ہیں جو دنیاوی حیات کے دوران اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں۔ "وہ اس سے راضی اور وہ ان سے

راضی"۔یہاں کا معاملہ ہوتا ہے۔مرنے کے فوری بعد ان کے نفوس کے لئے جنت کا فیصلہ ہو جاتا ہے۔ ان میں نبیین، صدیقین، صالحین اور شہداء شامل ہیں ۔ان خوش قسمت لوگوں کو جنت کے لئے یوم الدین کا انتظار نہیں کرنا پڑتا بلکہ موت ان کے لئے جنت کا دروازہ ہے ۔ایسے نفوس کی موت کے وقت فرشتے انہیں خوشخبری سناتے ہیں:۔

وَّلَا يُوْثِقُ وَثَاقَهٗٓ اَحَدٌ O يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ O ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً O فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ O وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ O

"اے نفس مطمئنہ! اپنے رب کی طرف واپس ہو جا، تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی ہے، (اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں) میرے خاص بندوں میں داخل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا۔ (سورۃ الفجر، آیات۔ 26-30)

ایسے ہی ایک نفس مطمئنہ کا واقعہ سورۃ یٰسین میں بیان فرمایا گیا ہے ۔اس عظیم انسان کو کافروں نے حق کی گواہی دینے پر شہید کر دیا لیکن وہ اپنی شہادت کے بعد بھی اپنی کافر قوم کا خیر خواہ ہے ۔ان لمحات کا بیان قرآن کریم مندرجہ ذیل الفاظ میں سنایا ہے:۔

قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ۭ قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ O بِمَا غَفَرَ لِيْ رَبِّيْ وَجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ O

"جنت میں داخل ہو جاؤ۔اس نے کہا! کاش میری قوم جانتی کہ، میرے رب نے میری کیسے مغفرت کی، اور مجھے عزت والوں میں سے کیا"۔(سورۃ یٰسین، آیات۔ 26-27)

دراصل اللہ تعالیٰ اپنے تمام نیک بندوں کو ایسا ہی انعام عطا فرماتا ہے ۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ طَيِّبِيْنَ ۙ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ۙ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ O

"جنہیں موت کے وقت فرشتے وصول کر لیتے ہیں، وہ پاکباز بھی ہوں، وہ ان سے کہتے ہیں کہ سلامتی ہو تم پر، داخل ہو جاؤ جنت میں اس وجہ سے جو تم نیک اعمال کرتے تھے"۔ (سورۃ النحل، آیت۔ 32)

17.3 سیدھے دوزخی نفوس

نفوس مطمئنہ کے مقابلہ میں انتہائی بدنصیب وہ نفوس ہیں جن کو موت کے فوری بعد سزا کا حکم سنا دیا جاتا ہے اور ان پر دوزخ کے

دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔قرآن کریم میں ان کی مثال فرعون اور آلِ فرعون سے دی گئی ہے جو اللہ تعالیٰ کے باغی تھے۔ایسے لوگوں کی قبریں ہی ان کا عقوبت خانہ بن جاتی ہیں جہاں انہیں صبح شام دوزخ دکھائی جاتی ہے۔ان کے بارے میں سورۃ المومن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا غُدُوًّا وَّعَشِیًّا ۚ وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۚ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ O

”ان کے اوپر صبح شام آگ لائی جاتی ہے،اور جب قیامت کا دن قائم ہوگا اس وقت حکم ہوگا،آل فرعون کو شدید تر عذاب کے سپرد کر دیا جائے“۔(سورۃ المومن،آیت۔46)

بدکار لوگوں کے لیے عموی حکم ہے کہ:۔

وَلَوْ تَرٰٓی اِذْ یَتَوَفَّی الَّذِیْنَ کَفَرُوا ۙ الْمَلٰٓئِکَةُ یَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ۚ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ O ذٰلِکَ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْکُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ O

”کاش تم دیکھ سکو کہ کیسے فرشتے موت کے وقت ان کے نفوس کو وصول کرتے ہیں؟ وہ ان کے چہروں پر مارتے ہیں اور ان کی پیٹھوں پر مارتے ہیں،اور کہتے ہیں کہ اب آگ کے عذاب کو چکھنے کے لئے تیار ہو جاؤ،اور یہ عذاب تمہارے بداعمال کی وجہ سے ہے،جو تم نے اپنے ہاتھوں سے کیے تھے،ورنہ اللہ تعالیٰ بندوں پر ہرگز ظلم کرنے والا نہیں“(سورۃ الانفال،آیات۔51-50)

17.4 شہداء کی خصوصی زندگی

برزخ میں جانے والوں میں ایک قابل رشک زندگی شہداء کی ہے۔یہ وہ خوش بخت نفوس ہیں جو مکمل طور پر آزاد ہوتے ہیں۔ان کے بارے میں قرآن کریم بڑے واضح طریقہ سے بتاتا ہے کہ وہ اپنی دنیاوی موت کے بعد زندہ ہیں۔آزادی سے کائنات میں جدھر چاہیں اڑتے پھرتے ہیں جو چاہیں وہ کھاتے پیتے ہیں اور اپنی اس حالت سے وہ بہت خوش ہیں۔وہ اپنے نئے مقامات میں دنیا میں پیچھے رہ جانے والے دوستوں کو بھی یاد رکھتے ہیں اور انہیں بل کر خوشخبری دیتے رہتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۚ بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ O فَرِحِیْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَیَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِیْنَ لَمْ یَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ

اَلَّا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ O يَسۡتَبۡشِرُوۡنَ بِنِعۡمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضۡلٍ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيۡعُ اَجۡرَالۡمُؤۡمِنِيۡنَ O

''اور یہ ہرگز گمان نہ کرنا کہ جو اللہ تعالٰی کی راہ میں قتل ہو گئے ہیں وہ مردہ ہیں، بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے رب سے رزق پاتے ہیں، اور خوش ہیں اس پر جو اللہ تعالٰی نے انہیں عطا کیا، اور خوشخبری دیتے ہیں اپنے پیچھے رہ جانے والوں کو، جو ابھی ان سے نہیں ملے، ان پر نہ کوئی ڈر ہے اور نہ کوئی غم، وہ اللہ تعالٰی کی نعمت اور فضل کے باعث بہت خوش ہیں، اور اللہ تعالٰی مومنوں کا اجر ضائع نہیں کرتا''۔ (سورۃ آلِ عمران، آیات۔ 171-169)

17.5 سوئے ہوئے نفوس

انتہائی خوش نصیب اور انتہائی بدنصیب نفوس کے درمیان اکثریت ان نفوس کی ہے جنہیں ابتدائی حساب کتاب کے بعد سلا دیا جاتا ہے۔ اس حالت میں ان پر وقت گذرنے کا احساس نہیں ہوتا۔ بس ایک حالت خواب ہے جس میں اعمال اور اعتقاد کے مطابق خواب برے بھی ہو سکتے ہیں اور اچھے بھی۔ ایسے نفوس کے بارے میں قرآن کریم کی سورۃ یٰسین میں ارشاد ہے کہ جب قیامت کو وہ اٹھائے جائیں گے تو انہیں اپنی نیند سے اُٹھنا ناگوار ہوگا۔ ان نفوس میں مسلمان اور غیر مسلم بھی شامل ہو سکتے ہیں۔ ارشاد باری تعالٰی ہے کہ:۔

وَنُفِخَ فِي الصُّوۡرِ فَاِذَا هُمۡ مِّنَ الۡاَجۡدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمۡ يَنۡسِلُوۡنَ O قَالُوۡا يٰوَيۡلَنَا مَنۡۢ بَعَثَنَا مِنۡ مَّرۡقَدِنَا هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحۡمٰنُ وَصَدَقَ الۡمُرۡسَلُوۡنَ O

''اور جب پھونکا جائے گا صور تو وہ ناگہاں اپنی قبروں سے، اپنے رب کی طرف دوڑے آئیں گے (کہیں گے) وائے افسوس! کس نے ہمیں اٹھا دیا ہے، ہماری خواب گاہ سے۔ پھر جلد ہی ان پر وارد ہو جائے گا کہ یہ تو وہ وعدہ ہے اللہ تعالٰی کا اور اللہ تعالٰی کے رسولوں نے سچ ہی بتایا تھا''۔ (سورۃ یٰسین، آیات۔ 52-51)

یہ بات کہ مرنے کے بعد روح کا جسم سے تعلق رہتا ہے یا نہیں، اس کے بارے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی جو اٹھارہویں صدی کے ممتاز عالم دین حضرت شاہ ولی اللہ کے بیٹے ہیں، اپنے ملفوظات میں لکھتے ہیں کہ اگرچہ مرنے کے بعد جسم خاکستر ہو چکا ہوتا ہے، روح کا تعلق مع الجسم ہر آدمی کے لئے ہے اور یہ تعلق وہاں زیادہ ہوتا ہے جہاں جسم کا بیشتر حصہ ہوتا ہے۔ لیکن وقت کے ساتھ ساتھ یہ تعلق کم ہوتا جاتا ہے۔ عموماً تیس سال بعد یہ تعلق بہت کم ہو جاتا ہے مگر اولیاء کرام جن کے لئے خدا تعالٰی کا فیضان رحمت ہوتا ہے یہ تعلق زیادہ دیر تک باقی رہتا ہے۔ مطلب یہ کہ وہ جگہیں جہاں اللہ تعالٰی کے برگزیدہ بندے دفن ہوتے ہیں وہاں ان کا فیض بھی جاری رہتا ہے۔ (حوالہ محمد موسیٰ "اللہ تعالٰی کی محبت کا نصب

العین") پبلشر سندھ نیشنل اکیڈمی ٹرسٹ حیدر آباد)

17.6 رجال الغیب

اوپر ہم نے دیکھا ہے کہ مرنے والے نفوس میں کچھ ایسے ہیں جو سلا دیئے جاتے ہیں کچھ ایسے ہیں جو عذاب میں ڈال دیئے جاتے ہیں کچھ ایسے ہیں جو سیدھے جنت میں جاتے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جو عالمین میں اللہ تعالیٰ کی آیات دیکھنے کے لئے آزاد ہوتے ہیں اور کائنات کے زمان ومکاں کی مختلف جہتوں میں حسب مرضی سیر کرتے ہیں۔

قرآن کریم اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی احادیث سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ نفوس میں کچھ ایسے بھی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کچھ فرائض سونپ دیتا ہے اور یوں وہ تکوینی امور کی بجا آوری میں فرشتوں کے ساتھ مل کر کام کرتے ہیں۔ شاید انہی روحوں کے بارے میں سورۃ القدر میں فرمایا گیا ہے کہ:۔

تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ O

"فرشتے اور روح اترتے ہیں اپنے رب کی اجازت سے ہر امر کی طرف"۔(سورۃ القدر، آیت۔4)

انہی عظیم ہستیوں میں رجال الغیب بھی شامل ہیں جن کی قرآن کریم میں ایک مثال حضرت خضر علیہ السلام کے حوالہ سے دی گئی ہے۔ (سورۃ کہف) مشہور مسلم سیاح ابن بطوطہ اپنے سفرنامے میں کئی ایک رجال الغیب سے ملاقات کا ذکر کرتا ہے کہ کیسے اُنہوں نے جب وہ جنگلات میں راستہ بھول جاتا تھا اُسے صحیح راستہ پر ڈالا بلکہ بعض اوقات منزلِ مقصود پر بھی پہنچایا۔ شاید آپ کو ذاتی طور پر بھی ایسا ہی تجربہ کبھی ہوا ہو لیکن زندگی کے ہجوم میں آپ انہیں پہچان نہ سکے۔

17.7 بھوت (Ghosts)

نفوس میں ایک قسم ان بدبختوں کی ہے جو باغی تو نہیں ہوتے لیکن دنیا کی حرص میں اس قدر الجھے ہوتے ہیں کہ مرنے کے بعد بھی ان کو دنیا نہیں چھوڑتی۔ اس لیے انہیں عالمِ برزخ میں نیند بھی نہیں آتی اور دنیا کی حرص کی وجہ سے وہ اپنی محبت کی جگہوں کے باسی بن کر موت کے بعد بھی وہاں بھٹکتے رہتے ہیں۔(سورۃ الاعراف آیت نمبر 176)۔

بھوت بننے والے نفوس کے متعلق قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ مرنے کے بعد بھی اپنی حرص کے تابع زمین کے متلاشی بن جاتے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ O وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ۚ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ O

’’اور اے حبیب! ان کو اس شخص کے احوال سناؤ جسے ہم نے اپنی آیات دیں، لیکن وہ ان سے دور نکل گیا۔ پس اس کے پیچھے شیطان لگ گیا، پھر وہ گمراہوں میں سے ہو گیا، اگر ہم چاہتے تو اسے اپنی طرف اٹھا لیتے، لیکن وہ تو زمین کا باسی بن گیا اور اپنی حرص کا تابع ہوا، اس کی مثال کتے کی سی ہے اگر تو اس پر حملہ کرے پھر بھی ہانپے یا اس کو چھوڑ دے پھر بھی وہ ہانپے، یہی حال اِن لوگوں کا ہے جنھوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا۔ لہٰذا آپ اِن کے حال کو بیان کر دیجئے شاید وہ لوگ کچھ سوچیں‘‘۔ (سورۃ الاعراف، آیات۔ 176-175)

آیت مبارکہ کے اس مصرع پر غور کریں کہ ’’انہیں اللہ تعالٰی نے اپنی طرف نہیں اٹھایا بلکہ وہ اپنی حرص اور خواہشات کے تابع ہو کر زمین کے باسی بن گئے‘‘۔ انہیں ہی بھوت (Ghost) کہا جاتا ہے۔

ایسے نفوس کی حسرتناک حالت اور ان کی روحانی کشمکش کا اشارہ سورۃ البقرۃ کی آیت 167 سے ملتا ہے۔ اپنی اس حالت میں وہ ان لوگوں سے بھی بیزار ہوتے ہیں جن کی خوشی کے لئے وہ زندہ رہتے تھے۔ ارشاد باری تعالٰی ہے کہ۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ۚ كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ۚ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ O

’’وہ لوگ جو فرمانبرداری کرتے تھے (کفر کی) وہ کہیں گے، ’’کاش کہ ہم دوبارہ زندگی میں لوٹ جائیں، تا کہ ہم بھی ان سے اسی طرح بیزار ہوں، جیسے آج یہ ہم سے بیزار ہیں‘‘۔ ایسے ہی اللہ تعالٰی انہیں ان کے اعمال دکھائے گا، اور وہ یاس و حسرت میں رہیں گے وہ اس آگ سے نکلنے والے نہیں‘‘۔ (سورۃ البقرۃ، آیت۔ 167)

بھوتوں میں اکثریت سود خور نفوس ہیں جن کی برزخی حیات پاگل مخبوط الحواس لوگوں کی سی ہوتی ہے۔ ان کے بارے میں ارشاد ہے کہ۔

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ۚ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۚ

''وہ لوگ جو سود کھاتے ہیں وہ اٹھ نہیں سکتے مگر ایسے میں جیسے اٹھتا ہے وہ جسے شیطان نے چھو کر مخبوط الحواس کر دیا ہو، یہ اس لیے کہ وہ سود کو بھی بیع کی طرح کہتے تھے''۔ (سورۃ البقرۃ، آیت۔275)

جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے کہ بھوت عام طور پر وہ نفوس ہیں جو دنیا کی حرص اور لالچ میں گرفتار غلط کام کرتے تھے۔ ان میں زیادہ تر سود خور کنجوس اور حریص لوگ شامل ہیں جو مرنے کے بعد بھی دنیا کی حرص سے نکل نہیں پاتے۔ انہی میں وہ مایوس ذہن بھی ہیں جو خودکشی کر کے اپنی زندگی اپنے ہاتھوں ختم کر لیتے ہیں تب معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے یہ انتہائی غلط کام کیا تھا۔ یوں بھٹکنے والے نفوس کے اعمال کی بدی، خواہشات کی بہتات، دنیا سے بہت زیادہ محبت ان کا مر کر بھی پیچھا نہیں چھوڑتی اور وہ اپنی بے اطمینانی کی آگ میں جلتے رہتے ہیں۔ انہیں دنیا کی حرص نے اتنا پاگل کر دیا ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد بھی انہیں اپنی موت کا یقین نہیں آتا۔ یہ نفوس اپنی خواہشات اور مایوسیوں کے بوجھ کے نیچے دبے ہوتے ہیں کہ ان کے پاس اتنی سکت بھی نہیں ہوتی کہ وہ کائنات کی سیر کو نکل پائیں۔ نتیجتاً وہ بھوت، چڑیل یا گھوسٹ (Ghost) بن کر زمین پر ہی سرگرداں چکر کاٹتے رہتے ہیں۔ یوں اس دنیا میں ہر طرح کے بھوت ہیں۔ سود کھانے والے بھوت، خودکشی کرنے والے بھوت، دنیا کے حریص بھوت، ظالموں کے بھوت، گناہ کرتے ہوئے مرنے والوں کے بھوت، غرض بیشمار قسم کے بھوت، قبرستانوں، گھروں، گلیوں، سڑکوں، ہسپتالوں، مارکیٹوں اور ہوٹلوں کے ارد گرد حسرتوں میں ڈوبے پریشان حال بھٹکتے رہتے ہیں۔ وہ سب کو دیکھتے ہیں لیکن انہیں کوئی نہیں پہچانتا اور یوں شدید تنہائی اور دنیا کھو جانے کے غم کی آگ میں جلتے رہتے ہیں۔

17.8 بھوتوں کے کچھ واقعات اور ان پر جدید تحقیقات

بھوت پریت کو اگر چہ انسان شروع ہی سے مانتا ہے اور بے شمار لوگ ہر سال ان کا مشاہدہ بھی کرتے ہیں، ان کی عجیب عجیب حرکات کو دیکھ کر ڈرتے بھی ہیں لیکن ان پر سنجیدہ سائنسی تحقیقات کا آغاز ابھی حال ہی میں ہوا ہے اور اس میں بھی امریکی سائنسدانوں کا کام صفِ اول کی حیثیت رکھتا ہے، جس کی کچھ جھلکیاں آئندہ صفحات میں دی جا رہی ہیں۔

ہمارے اپنے ملک پاکستان میں مشہور سول سرونٹ اور دانشور قدرت اللہ شہاب (مرحوم) غالباً وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے بھوتوں کے متعلق اپنے ذاتی مشاہدات تفصیل سے اپنی آپ بیتی "شہاب نامہ" میں لکھے ہیں۔ ان کے علاوہ انہوں نے رجال الغیب میں سے اللہ تعالیٰ کے کسی برگزیدہ بندے کا بھی ذکر کیا ہے جن کا نام صرف نوے (Ninety) تھا۔ نائنٹی کے ساتھ ان کی زندگی کا ایک بڑا حصہ گذرا۔ وہ ایک طرح سے ان کے غیبی مرشد بھی تھے۔

بھوتوں کے متعلق قدرت اللہ شہاب صاحب کے بتائے گئے واقعات میں سے ایک سے ایک واقعہ حیران کن ہے مثلاً ایک دفعہ جب وہ ڈپٹی کمشنر تھے تو جو گھر انہیں الاٹ ہوا وہاں چیزیں غائب ہو جاتیں، اوپر سے پتھر بھی گرتے، طرح طرح کی خوفناک آوازیں سنائی دیتیں، بجلی کے

سوئچ بند کر دیے جاتے، غرض کئی طریقوں سے بھوت ان سے مذاق کرنے کی کوشش کرتے۔ ایک دفعہ رات کو گھنٹی بجی پھر ان کے کمرہ کا دروازہ کھٹکنے لگا، جب وہ باہر آئے تو دروازہ پر انسانی ہڈیوں کا ایک ڈھانچا کھڑا تھا، جس کے ہاتھ میں ان کے لئے کچھ ڈاک تھی، جسے وہ انہیں تھما کر غائب ہوگیا۔ اس کے بعد بعض مقامات پر انہوں نے رات کو کمرے کے اندر پتھر گرنے کے واقعات بھی دیکھے۔ یہ واقعات بڑے خوفناک ہوتے تھے لیکن جب وہ کلمہ طیبہ پڑھتے تو پتھر گرنا بند ہو جاتے۔

قدرت اللہ شہاب صاحب (مرحوم) کے بھوت پریت کے متعلق یہ مشاہدات ان کی طرف سے ایک ٹھوس گواہی ہے۔ ہمارے ملک میں ایسے واقعات بے شمار دوسرے لوگوں کے مشاہدہ میں بھی آتے رہتے ہیں لیکن وہ نہ ہی ان کی اچھی جانچ پڑتال کرتے ہیں اور نہ ہی انہیں سائنسی انداز میں رپورٹ کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں میرے اپنے مشاہدہ میں مندرجہ ذیل واقعات آئے ہیں۔ 1964ء کی بات ہے کہ میں مانچسٹر یونیورسٹی U.K. کا طالب علم تھا۔ اس زمانہ میں BBC ٹیلیویژن پر ایک ایسے گھر کو دکھایا گیا جس میں بھوتوں کا بسیرا تھا۔ اس کے بارے میں مشہور تھا کہ اس گھر کی چیزیں ایک جگہ سے دوسری جگہ خود بخود چلی جاتی ہیں، چنانچہ پولیس نے BBC کے تعاون سے وہاں TV کیمرے فٹ کر دیے۔ میں نے اپنے TV پر دیکھا کہ کیسے ایک کرسی فضا میں اٹھتی ہے اور دوسرے کمرے میں پہنچا دی جاتی ہے اس طرح ایک بستر کے تکیے فضا میں تیرتے دیکھے گئے۔ بھوت خود تو نظر نہیں آتے تھے لیکن جن چیزوں کو وہ اٹھا کر ادھر اُدھر کرتے تھے وہ ضرور نظر آتی تھیں۔

بھوتوں کا ایک اور واقعہ میرے ایک عزیز دوست کے ساتھ پیش آیا۔ 72-1971ء میں ہم راولپنڈی سیٹلائٹ ٹاؤن، اے بلاک کے ایک گھر میں رہتے تھے۔ ہمارے ہوتے ہوئے تو اس مکان میں کوئی غیر معمولی واقعہ پیش نہیں آیا تھا لیکن ہمارے بعد جو میرے دوست وہاں آئے وہ سیکولر (Secular) ذہن رکھتے تھے۔ گھر میں تیز میوزک اور کچھ آوازیں بھی لگاتے۔ وہیں ان کے گھر ایک بیٹا پیدا ہوا جس کے تھوڑے دنوں بعد ہی ان کے گھر میں عجیب وغریب واقعات ہونا شروع ہوگئے۔ مثلاً رات کو میوزک خود بخود چلنے لگ جاتا، کبھی کبھی بچے کے اوپر پانی کے چھینٹے پڑے ہوئے ہوتے۔ لیکن ایک دن ایسا واقعہ ہوا جس نے انہیں واقعی بہت پریشان کر دیا۔ اس وقت صاحب دفتر میں تھے بیگم صاحبہ بچے کو سوتا چھوڑ کر باورچی خانہ میں کام کر رہی تھیں۔ فارغ ہو کر جب وہ بچے کے پاس آئیں تو ان کی چیخیں نکل گئیں کہ اسے کسی نامعلوم جوان عورت نے اٹھایا ہوا تھا جس کے بال کھلے تھے جیسے ابھی ابھی نہا کر آئی ہو۔ وہ عورت کچھ کہے بغیر بچے کو بیڈ پر لٹا کر نظروں سے غائب ہوگئی۔ میرے دوست نے جب اس واقعہ کا مجھ سے ذکر کیا تو میں نے انہیں عاملوں سے رجوع کرنے کو کہا۔ عاملوں نے معائنہ اور عمل کے بعد بتایا کہ وہاں ایک ہندو عورت کا بھوت ہے جو تقریباً دو سو سال قبل اپنے آشنا کے ساتھ بھاگ گئی تھی اس وقت وہ حاملہ بھی تھی۔ اس جگہ جہاں اب مکان ہے وہ دونوں چھپ گئے لیکن عورت کے وارثوں نے آ کر انہیں قتل کر دیا۔ اس عورت کا تعلق گانے بجانے والے خاندان سے تھا۔ چونکہ صاحب میوزک کے دلدادہ تھے اکثر تو سارا سارا دن میوزک لگا رہتا اس لیے اس عورت کا بھوت بیدار ہوگیا۔ جب اس نے بچہ کو دیکھا تو اس کی اپنی ممتا بھی جاگ اُٹھی۔ عاملوں نے جب اس کے بھوت کو سمجھایا بجھایا تو اس نے بچہ کو تنگ نہ کرنے کا وعدہ کر لیا لیکن ہمارے دوست نے اسی میں خیریت سمجھی کہ اس گھر کو چھوڑ دیا جائے۔

17.9 امریکی تحقیق

بھوتوں کے سلسلہ میں جو محققانہ کام امریکہ میں ہوا ہے اس سے بہتر کوئی ریکارڈ میرے علم میں نہیں آیا۔ یہ کام پروفیسر ہینز ہالزر (Prof. Hans Holzer Ph-D) کا ہے جو ایک پیرا سائیکالوجسٹ ہیں۔ اپریل 1994 میں ان کے مشاہدات اور تجربات کے نچوڑ پر مشتمل ان کی کتاب "بھوت کہاں ہیں؟" کیرل پبلیشنگ گروپ USA نے چھاپی ہے۔ کتاب 231 صفحات پر مشتمل ہے۔ جس میں امریکہ اور برطانیہ کی 60 ایسی عمارات کا ذکر ہے جہاں بھوت رہتے ہیں۔ پروفیسر کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے بذات خود ان عمارات کا سروے کیا ہے، عاملوں کیساتھ مل کر تحقیقات کی ہیں، بھوتوں کی حرکات کو نوٹ کیا ہے اور فوٹوگرافی کی ہے۔ یوں وہ بلاشک وشبہ کہہ سکتے ہیں کہ بھوت ایک حقیقت ہیں۔ انہی بھوتوں میں امریکہ کے مشہور صدر ابراہم لنکن کا بھوت بھی ہے جسے بے شمار لوگوں نے دیکھنے کا دعویٰ کیا ہے۔

17.10 بھوت کیا ہیں؟

"بھوت کیا ہیں؟" کے بارے میں ڈاکٹر ہالزر اپنا نظریہ مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کرتے ہیں:۔

"What exactly is a Ghost? "In terms of psychic research, as I have defined them, a ghost appears to be surviving emotional memory of some one who has died traumatically and usually tragically but is unaware of his death. Ghosts, then, in the over whelming majority, do not realize that they are dead. --------

When death occurs unexpectedly or unacceptable, or when a person has lived in a place for a very long time, acquiring certain habits and becoming very attached to the premises, sudden, unexpected death may come as a shock. Unwilling to part with the physical world, such human personalities then continue to stay on in the very spot, where their tragedy or their emotional attachment had existed prior to their physical death." --------- (Page 5-6)

یعنی یہ سوال کہ "بھوتوں کی حقیقت کیا ہے؟" کے جواب میں سائیکک ریسرچ کے حوالے سے بھوتوں کے متعلق میری تعریف یہ ہے کہ یہ ان مرے ہوئے آدمیوں کی جذباتی یادداشت اور عکس ہیں جو انتہائی خوفناک اور دردناک حالات میں اچانک مرتے ہیں۔ انہیں اپنی موت کا خود بھی علم نہیں ہوتا۔ ایک آدمی جو کسی جگہ بہت دل لگا کر عرصے سے رہ رہا ہو اور وہاں سے علیحدہ ہونے کا تصور نہ کر سکتا ہو، جب اس کی اچانک اور غیر متوقع موت واقع ہو جاتی ہے تو یہ اس کے لئے انتہائی حسرت کا باعث بنتا ہے۔ وہ دنیا سے جانا نہیں چاہتا، چنانچہ وہ بھوت بن کر اپنی جگہ ہی سے چمٹے رہتے ہیں۔

آگے جا کر پروفیسر موصوف لکھتے ہیں کہ بعض اوقات یہ گناہ اور انتقامی جذبہ ہے جو کسی کو بھوت بنا دیتا ہے۔

"Sometimes the Ghost may be too strongly attached to feeling of guilt or revenge to 'Let go'. They are kept in place in time and space by their emotionalities to the spot." ---------

مطلب یہ کہ کبھی کبھی مرنے والے میں گناہ اور انتقام کا شدید جذبہ ہوتا ہے جو اسے کہیں نہیں جانے دیتا۔ وہ زمان و مکان میں اپنے جذبات یا حسرتوں اور مایوسیوں کی وجہ سے بھوت بن کر ایک ہی جگہ پر جکڑے رہتے ہیں"۔ آگے جا کر وہ لکھتے ہیں کہ:۔

"Ghost have never harmed anyone except through fear found in other, the witness of his own doing and because of his own ignorance as to what ghosts represent." ---------

مطلب یہ کہ بھوتوں نے کبھی کسی کو ماسوائے خوف زدہ کرنے کے کوئی نقصان نہیں پہنچایا اور یہ بھی اکثر مشاہدہ کرنے والے کا اپنے اندر کا خوف ہوتا ہے جس کی وجہ عموماً یہ ہے کہ اسے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ بھوت کیا ہیں؟

پروفیسر موصوف نے بھوتوں کی فوٹوگرافی بھی کی جس کے متعلق وہ لکھتے ہیں کہ:۔

As for the photographs of actual ghosts, I have published them in "America's Restless Ghosts", and others elsewhere have also come forward with photographs taken in the so-called haunted houses. ------------

اپنی تحقیق کے نتیجے میں پروفیسر صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

"Ghosts continue to appear frequently all over the world, to young and old, rich and poor, in old houses and in new houses, in airports and streets and wherever tragedy strikes man. For ghosts are indeed nothing more or nothing less than human beings trapped by special circumstances in this world while already being of the next. Or, to put it another way, human beings whose spirits are unable to leave the earthly surroundings because of unfinished business or emotional entanglements". ----------- "Ghosts are then, very real, and the range of those who may at one time or another observe them is wide indeed".

مطلب یہ کہ "بھوت ساری دنیا میں دیکھے جاتے ہیں، چھوٹے بڑے امیر غریب، سبھی انہیں دیکھتے ہیں، کبھی وہ پرانے گھروں میں کبھی نئے گھروں میں، کبھی ہوائی اڈوں میں غرض ہر جگہ دیکھے جاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ بھوت ہر صورت میں وہ بدقسمت انسان ہیں جو اپنے حالات اور واقعات کی وجہ سے مرنے کے بعد بھی اس دنیا کو چھوڑ نہیں سکے اور سکون نہیں پا سکے۔ یہ نفوس اپنی جذباتی وابستگیوں اور نامکمل منصوبوں کی وجہ سے مرتے وقت زمین کو چھوڑ نہیں سکے اور بے سکونی میں اسی جگہ کے ہو کر رہ گئے ہیں لیکن وہ ایک حقیقت ہیں ------ اور انہیں دیکھنے والوں میں ہر طرح کے لوگ شامل ہیں"۔

17.11 بھوتوں کی طبعی ساخت۔ زندگی اور موت میں فرق

بھوتوں کی طبعیاتی حقیقت کے بارے میں پروفیسر موصوف کا خیال ہے کہ ان کا وجود برقی توانائی کی شکل میں ہوتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:۔

In terms of physics, ghosts are electromagnetic fields originally encased in an outer layer called the physical body. At the time of death, that outer layer is dissolved, leaving the inner self free also referred to as "The Soul" by the church ---------- will drift out into non physical world where it is able to move forward or backward in time and space, being motivated by the thought and possession of earth memories fully intact. Such a free spirit is indeed a development upward and as rational being as her or she was on earth.

آگے وہ زندگی موت کے متعلق لکھتے ہیں کہ ان کے خیال میں اس کی مشابہت نیند اور خواب دیکھنے کی بات سے ہے۔

I also noticed an amazing analogy between certain sleep and dream states and death as reported by those claiming to be surviving entities speaking though entranced mediums. The seat of personality seems encased within a temporary frame called the physical body. Under certain conditions, the personality (a soul) can have out of body experiences. There the separation is temporary, under the control of the sleeper. At death the separation is permanent.

In case of the ghost individual, the electromagnetic field is unable to move into the wider reaches of the non-physical earthy emotional entanglements. Nevertheless, it is of exactly the same nature as the personality field of those who do not have such problems. It can, therefore he photographed, measured as an existing charge in the atmosphere, and otherwise dealt with by scientific means. Science has long realized that all life energies are electric in nature. In my view, human personality is also made up of such individual energy particles (photons). Electrical impulses are capable of being recorded and measured. The 'presence' of ghosts has already been proven with equipment designed along Geiger - Counter Lines. (Page-6)

In his final analysis, Professor Hans Holzer concludes.

"Remember in case of ghosts, you are dealing with very human fellow-people, not monsters, devils or demons-just folks like you who got into emotional turmoil on passing from the level of existence to the next, and therefore could not quite make it across". ----- i.e. "Cannot leave the place of his or her traumatic, final experience on the physical level. So they are hanging, on barely aware of the passing of time". (Page-6)

مطلب یہ کہ بھوتوں کی طبعیاتی حیثیت اور ماہیت کے بارے میں پروفیسر ہالزر کی تحقیق یہ ہے کہ وہ مقناطیسی اور برقی قوتوں کے امتزاج سے جنم لیتے ہیں۔ زندگی میں یہ جسم کے خول کے اندر رہتا ہے۔ موت کے ساتھ ہی انسان کی برقی مقناطیسی شخصیت جسم سے علیحدہ ہو جاتی ہے۔

پروفیسر موصوف اپنی تحقیق میں قرآن کریم کی اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ نیند کی حالت میں بھی نفس جسم کو عارضی طور پر چھوڑ دیتا ہے لیکن تعلق ٹوٹتا نہیں۔موت اس تعلق کو بالکل توڑ دیتی ہے اس لیے اس کے بعد موت اور نفس کا ملاپ ختم ہو جاتا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:۔

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ■ فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰى اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى ■ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ O

''وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو موت کے وقت روحیں قبض کر لیتا ہے،اور جو ابھی مرا نہیں اس کی روح نیند میں قبض کر لیتا ہے،پھر جس پر موت کا فیصلہ نافذ کرتا ہے اسے روک لیتا ہے،اور دوسروں کی روحیں ایک وقت مقررہ کیلئے واپس بھیج دیتا ہے،اس میں بڑی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو غور و فکر کرنے والے ہیں''۔(سورۃ الزمر،آیت۔42)

پروفیسر ہاٹزر کی تحقیق کے مطابق عالم برزخ میں بعض لوگوں کا نفس آزاد ہوتا ہے اور زمان و مکان میں آگے پیچھے ادھر اُدھر گھوم پھر سکتا ہے۔یہی بات آج سے 1000 سال پہلے امام غزالیؒ نے اپنی کتاب "رسائل" میں لکھی تھی اور امام مالکؒ نے ان سے بھی پہلے کہی تھی۔لیکن بھوت آزاد نہیں ہوتا۔اس کی برقی مقناطیسی شخصیت اپنی جگہ ہی میں مقید ہوتی ہے جس کی بڑی وجہ موت سے پہلے ان کے اعمال،جذبات اور احساسات ہوتے ہیں۔پروفیسر ہاٹزر کا کہنا ہے کہ انہوں نے بھوتوں کی فوٹوگرافی بھی کی ہے۔انہیں سائنسی طریقوں سے ماپا بھی جا سکتا ہے۔اسی ضمن میں نارمل نفس اور بھوت میں فرق صرف یہ ہے کہ نارمل نفس موت کے بعد عالم برزخ میں پہنچ جاتا ہے اور زمان و مکان میں آگے پیچھے جانے کے لئے آزاد ہوتا ہے لیکن بھوت دنیا کو چھوڑ نہیں سکتا وہ اپنی جگہ پر بے سکونی کی حالت میں مقید ہو جاتا ہے۔

پروفیسر ہاٹزر کے مطابق "عرصہ دراز سے سائنس جانتی ہے کہ زندگی برقی مقناطیسی قوتوں کا نتیجہ ہے اور انسان کی اپنی شخصیت بھی دراصل انہی برقی مقناطیسی ذرات پر مشتمل ہے۔ان کو ہم ریکارڈ بھی کر سکتے ہیں اور ماپ بھی سکتے ہیں۔اس سلسلہ میں پہلے ہی بھوتوں کے نقوش کی کامیاب فوٹوگرافی ہو چکی ہے اور گیگر کومٹر کے اصول پر بنے ہوئے آلات کی مدد سے ان کو دیکھا بھی جا چکا ہے"۔

اپنے فائنل تجزیہ میں پروفیسر موصوف نصیحت کرتے ہیں کہ "یاد رکھیں بھوت ہماری اور آپ کی طرح انسان ہیں وہ کوئی جن،دیو یا بلا نہیں۔یہ وہ قابل ہمدردی لوگ ہیں جو اپنے احساسات کی پریشانی کی وجہ سے روحوں کی دنیا میں جانے کے قابل نہیں رہے۔اس لیے وہ ادھر ہی دھکے کھاتے رہتے ہیں اور انہیں وقت گزرنے کا بھی احساس نہیں ہوتا۔(جیسے قرآن کریم میں کہا گیا ہے کہ قیامت کو جب کافر لوگ اٹھیں گے تو کہیں گے کہ شاید ہم ایک دن یا اس سے کم عرصہ دنیا میں رہے ہیں)۔

اوپر دی گئی بھوتوں کے بارے امریکی تحقیق سے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ سائنس اب مادی دنیا سے آگے روحانی دنیا میں بھی داخل

ہو رہی ہے۔اس ضمن میں مذاہب تو ہمیشہ ہی سے بھوتوں کے متعلق بتاتے رہے ہیں کہ وہ پریشان نفوس ہیں جو اپنے گناہوں میں لدے ہونے کی وجہ سے اگلی دنیا کی وسعت سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے بلکہ ادھر زمین پر ہی اپنی خواہشات کے گھر، کارخانے یا کاروباری جگہ پریشانی کے عالم میں بھٹکتے رہتے ہیں اور قیامت تک یونہی حسرت کی زندگی گزار دیں گے۔اچھی بات یہ ہے کہ جدید سائنس بھی اب انہی نتائج پر پہنچ رہے ہیں جو اسلام نے بہت پہلے انسان کو بتائے تھے یعنی ہمارا مرنا صرف جسم کا خاتمہ ہے لیکن اصل انسان زندہ رہتا ہے۔بھوت انہی میں سے کچھ لوگ ہیں جو اپنے کیے کی سزا زمین پر بھگت رہے ہیں۔

بھوتوں کے سلسلہ ہی میں ایک دلچسپ کتاب برٹش پادری جیلو ائن رابرٹ J.Aelwyn Roberts کی بھی ہے۔کتاب کا نام ''کل کے لوگ'' ''Yesterday's People'' ہے۔جس میں مرجانے والے لوگوں کے نفوس کے متعلق بہت سے مشاہدات دیئے گئے ہیں۔یہ کتاب 1997 میں ایلیمنٹ شافٹسبری لمیٹڈ یو کے نے (Element,Shafteshury,UK-1997) چھاپی ہے۔وہ 36 سال تک آسیب زدہ لوگوں اور آسیب زدہ جگہوں کا مطالعہ کرتے رہے ہیں۔ان کے مطابق مرنے کے بعد تمام لوگوں کی روحیں بھوتوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں اور وہ اپنے پرانے ماحول میں پرانی یادداشتوں کے ساتھ زندہ رہتے ہیں۔کبھی کبھی وہ لوگوں کو اپنے موجود ہونے کا احساس بھی دلاتے ہیں۔ان کی اس تحقیق کو اگر اسلامی نگاہ سے دیکھا جائے تو ان کا خیال کہ مر کر لوگ بھوت بن جاتے ہیں اس لحاظ سے ٹھیک ہے کہ وہ یہ بات اپنے ماحول کے متعلق لکھتے ہیں۔جن میں اکثر بگڑے ہوئے عیسائی یا لامذہب دنیا کے حریص ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگیں کہ وہ ہمیں اس طرح کے انجام سے بچائے اور وہ ذات پاک ہمیں جنتی نفوس مطمئنہ میں شامل فرمائے۔اس لیے دنیا میں زیادہ دل نہ لگانے کی کوشش کریں۔نہ ہی دنیا کی چیزوں کے لئے زیادہ حریص بنیں اس لئے کہ حرص کی کثرت انسان کو اپنے اصل مقصد حیات سے غافل کر دیتی ہے تو پھر کچھ بھی نہیں ہو سکتا (سورۃ التکاثر)۔اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم اور اپنے محبوب خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ جنت کے حصول کا جو ہدایت نامہ دیا ہے اس کے مطابق ایک نیک پاک راہ راست والی زندگی گزاریں تاکہ موت کے بعد ہم سیدھے جنت میں جائیں اور خوف اور غم سے آزادی عطا ہو اور بھوت بننے سے بچ جائیں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:۔

قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ O

''اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ان سے کہہ دو کہ پاک اور ناپاک ہر حال میں یکساں نہیں، خواہ ناپاک کی حالت تمہیں کتنا ہی فریفتہ کرنے والی ہو۔پس اے لوگو! جو عقل رکھتے ہو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچتے رہو، امید ہے کہ تمہیں فلاح نصیب ہو گی''۔(سورۃ المائدہ، آیت۔100)

اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَھُمْ کَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ▪ سَوَآءً مَّحْیَاھُمْ وَمَمَاتُھُمْ ▪ سَآءَ مَا یَحْکُمُوْنَ O

''وہ لوگ جنہوں نے برائیوں کا ارتکاب کیا ہے یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ ہم انہیں اور ایمان والوں اور نیک عمل کرنیوالوں کو ایک جیسا کر دیں گے، کہ ان کا جینا اور مرنا یکساں ہو جائے، بہت برے حکم ہیں جو یہ لوگ لگاتے ہیں''۔(سورۃ الجاثیہ، آیت۔21)

باب نمبر 18

بھوت پریت، جنات وغیرہ کا چڑھنا اور ان سے نجات کے طریقے

اب ہم اس موضوع کی طرف آتے ہیں جو عوام کو اکثر پریشان کیے رکھتا ہے۔ یہ جنات اور بھوت پریت کا چڑھنا اور اتارنا ہے۔ جدید ذہن ان باتوں کو محض دقیانوسی کہہ کر رد کر دیتے ہیں لیکن ضعیف الاعتقاد لوگ ساری عمر انہی کے خیالات میں غلطاں رہتے ہیں۔ فی الواقع بھی ایسا ہوتا ہے کہ اچانک متاثرہ آدمی نارمل نہیں رہتا، وہ عجیب عجیب باتیں کرنے لگتا ہے۔ کبھی کبھی وہ بہت تیز (Hyper) ہو جاتے ہیں، تیز تیز باتیں کرتے ہیں، بعض اوقات ایسے انداز میں بات کرتے ہیں جس کو سمجھنا مشکل ہوتا ہے۔ بعض دفعہ متاثرہ لوگ کسی غیر زبان میں بولتے ہیں، غائب کی خبریں بتاتے ہیں اور اپنے ماحول سے باہر کے حالات بیان کرنے لگتے ہیں۔ بعض دفعہ متاثرہ آدمی کام کاج چھوڑ کر بالکل چپ سادھ لیتا ہے، ہواؤں میں گھورتا رہتا ہے، بعض لوگ بڑے مذہبی بن جاتے ہیں اور بعض دنیا اور مذہب کے خلاف باتیں کرتے ہیں، بعض فوری اشتعال کی حالت میں آجاتے ہیں، بعض مختلف قسم کی ذہنی بیماریوں کا شکار رہتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ بہر حال متاثرہ شخص کے عادات واطوار اور معاملات میں غیر معمولی تبدیلی اس کے تمام متعلقین کو پریشان کر کے رکھ دیتی ہے۔

ایسا کیوں ہوتا ہے؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ جنات، ارواح، بھوتوں اور پریوں وغیرہ کی وجہ سے ہے۔ کوئی اسے جادو چڑھنے کا نام دیتا ہے، بعض اسے بھوت پریت کا سایہ کہتے ہیں لیکن اکثر سائیکالوجسٹ اسے ذہنی بیماری سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کا دماغ الٹ گیا ہے غرض ہر آدمی اپنے اپنے عقل اور تجربے کے مطابق مختلف توضیحات پیش کرتا ہے۔ اصل حقیقت کیا ہے اس پر ابھی تک غبار چھایا ہوا ہے۔

18.1 بھوت چڑھنا اور مسئلہ آواگون

ایسے ہی ماورائی واقعات میں کبھی کبھی ایسے واقعات بھی ہوتے ہیں کہ کوئی بچہ کہیں پیدا ہوتا ہے اور جب کچھ بڑا ہوتا ہے تو اچانک ایسی باتیں کرنے لگتا ہے جیسے وہ وہاں کا نہیں بلکہ کسی دوسری جگہ سے آیا ہوا اپنے ماں باپ کا بچہ نہیں بلکہ کسی دوسرے گھر علاقہ اور ماں باپ کا بیٹا یا بیٹی ہے لیکن پیدا ادھر ہو گیا اور حیران کن بات یہ ہے کہ کبھی کبھی تحقیق سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ واقعی بعض خبریں سچ ہیں، غرض مجموعی طور پر یہی تاثر ملتا ہے کہ بچہ کسی اور جگہ سے آیا ہے۔ مسئلہ آواگون (Reincarnation) پر یقین رکھنے والے ایسے واقعات کو اپنے اعتقاد کو صحیح ثابت کرنے کے لئے پیش کرتے ہیں۔

اس لیے اصل حقیقت کی طرف پیش رفت سے پہلے مسئلہ آواگون جس کا آج کل امریکہ میں بھی بڑا چرچا ہے اسے سمجھنا ضروری ہے مسئلہ آواگون جسے انگریزی میں Reincarnation کہتے ہیں ان کے مطابق روحیں بار بار دنیا میں پیدا ہوتی رہتی ہیں اور ہر نیا جنم ان کے پہلے اعمال کی جزا یا سزا کے مطابق ہوتا ہے مثلاً اگر کوئی آدمی بہت برا ہے تو ہو سکتا ہے بداعمالی کے نتیجے میں وہ اپنے نئے جنم میں سور، بندر یا سانپ وغیرہ بن جائے۔ حتیٰ کہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بعض دفعہ وہ نباتات کی شکل میں بھی پیدا ہوتے ہیں جس کو کاٹا جاتا ہے اور پھر ایندھن کے طور پر جلایا جاتا ہے۔ اس کے برعکس جنہوں نے زندگی میں اچھے اعمال کیے تھے وہ نئے جنم میں پہلے سے بہتر حیثیت کے آدمی کی شکل میں پیدا ہوتے ہیں اور اگر مسلسل بہتر عمل کرتے جائیں تو آخرکار وہ کائناتی روح میں شامل ہو جاتے ہیں۔ ایسی روح کو وہ مہاتما یعنی عظیم روح کہتے ہیں۔

یہودیت، عیسائی مذہب اور اسلام کے نزدیک آواگون یعنی جنم در جنم کا یہ نظریہ روحانی اور مادی لحاظ سے غلط نظریہ ہے۔ سائیکالوجی کے امریکی پروفیسر ہارڈنگ کے نزدیک بھی آواگون کی جنم در جنم روح کی تھیوری کئی وجوہات کی بنا پر ناقابل قبول ہے مثلاً یہی کہ اگر کوئی بد روح اگلے جنم میں سور بن گئی ہے تو سور پھر کون سے اعمال کرے گا کہ وہ اگلے جنم میں گھوڑا، ہاتھی، بندر یا آدمی بن سکے یا درخت بننے والی روح کس طرح کے اعمال کرے گی کہ وہ اگلے جنم میں وہاں سے اٹھ کر آدمی بن جائے۔ پروفیسر ڈی۔ ہارڈنگ اپنی کتاب "Where are Ghosts?" پبلشر آرکانا لندن (Arcana London) میں لکھتے ہیں کہ "اگرچہ اس بات کے شواہد تو بہت سے ہیں کہ بعض دفعہ کوئی ایسا بچہ بھی پیدا ہوتا ہے جو اپنی کسی نام نہاد پہلے والی زندگی کی باتیں بتاتا ہے لیکن اس میں کوئی ایسی بات نہیں جو ٹیلی پیتھی (Telepathy) یا (Clairvoyance) کے اصول پر نہ سمجھی جا سکے، آواگون کوئی حقیقت نہیں اور کروڑوں لوگ صرف زبانی جمع خرچ کے طور پر اس کا نام لیتے ہیں لیکن درحقیقت وہ بھی اس کی اصلیت کو نہیں جانتے"۔ (صفحہ 87)۔ سائنسی اور مادی لحاظ سے آواگون کے نظریہ کے لئے سب سے بڑی مشکل دنیا میں انسانوں کی ہر روز بڑھتی ہوئی آبادی ہے۔ یہ کون سے آواگون کے مطابق ہے؟ مثلاً آج سے چار ہزار سال پہلے دنیا کی آبادی تقریباً دو تین ملین لوگوں پر مشتمل تھی اب یہ 5000 ملین ہے، تو اتنے بہت سے انسان کہاں سے آ گئے۔ یہ پہلے کہاں تھے، کیا جانور اچھے عمل کر کے انسان بنتے جا رہے ہیں اور انسان جانور بنتے جاتے ہیں۔ اسی ضمن میں ہوبہو جڑواں (Identical Twins) بچوں کا مسئلہ بھی ہے۔ ایک ہی آواگونی روح سے دو بچے کیسے پیدا

ہو گئے؟

18.2 غیر مرئی مخلوقات کا چڑھنا

مسئلہ آواگون (Reincarnation) کو ماننے والے عجیب الخلقت بچوں کے واقعات کو ثبوت کے طور پر پیش کرتے ہیں لیکن پروفیسر ہارڈنگ کے مطابق بچے کی یہ یادداشت کسی جن یا بھوت کے چڑھنے کی وجہ سے بھی ہو سکتی ہے جو پہلے کسی دوسرے بچے پر تھا اب آ کر اس پر چڑھ گئے ہیں۔یوں وہ اپنے پہلے جنم کی نہیں بلکہ اپنے اوپر چڑھی ہوئی ماورائی مخلوق کی بات اپنے منہ سے نکال رہا ہوتا ہے۔اس بات کا ثبوت یہ ہے کہ کچھ عرصہ بعد یہ بچے بالکل نارمل بھی ہو جاتے ہیں یعنی جب وہ ماورائی مخلوق ساتھ چھوڑ دیتی ہے تو وہ عجیب وغریب باتیں کرنا بالکل چھوڑ دیتے ہیں۔

جہاں تک غیر مرئی قوتوں یا مخلوق کی بات ہے ان کی حقیقت پُر حسرت روحوں کا بھوت بن کر دنیا میں زندہ رہنا بھی جیلوین رابرٹس J-Aelwyn Roberts کی کتاب سے بھی ثابت ہوتا ہے("Yesterday's People" پبلشر Element Dorset UK)۔(مزید تفصیلات آپ ہماری کتاب "حیات بعد الموت" میں بھی دیکھ سکتے ہیں)۔اب تک ان موضوعات پر جو سائنسی تحقیقات ہوئی ہیں ان سے بھی یہی نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ جنات، بھوت وغیرہ خالص توانائی کے وجود ہیں جو مادی جسم کے بغیر زندہ ہوتے ہیں اور اسی فضا میں رہتے ہیں۔یہ وجود اپنی لطافت کی بنا پر نہایت سرعت سے سفر کر سکتے ہیں حتیٰ کہ ٹھوس چیزوں کے آر پار بھی آسانی سے گزر سکتے ہیں۔ (Ref. Hazar-A.D., "Who are Ghosts") لیکن اپنے مادی اظہار کے لئے انہیں بھی کسی مادی جسم کی ضرورت ہوتی ہے۔اس لیے بعض اوقات وہ کسی انسان پر چڑھ جاتے ہیں اور اپنے توانائی شعور کی بنا پر انسان کے اعصاب پر اثر انداز ہوتے ہیں جس کی وجہ سے متاثرہ آدمی نارمل سے ہٹ کر باتیں اور حرکات کرنے لگتا ہے جو متعلقہ لوگوں کے لئے پریشان کن ہو سکتی ہیں۔

بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ روح، جن، بھوت آدمی کے دماغ کے حواس سنٹر (Neuro Centres) پر اپنی بجلی کی لہروں سے براہ راست اثر انداز ہوتے ہیں جس سے آدمی یہ محسوس کرتا ہے وہ سامنے مجسم شکل میں کھڑے ہیں اور ان سے مختلف اعمال سرزد ہوتے ہیں جیسے خواب کا منظر ہوتا ہے لیکن دوسرے لوگوں کو وہ نظر نہیں آتے۔اس لئے کہ انہوں نے دوسرے لوگوں کے اذہان کو متاثر نہیں کیا ہوتا۔اس طرح ارواح، جن، بھوت کا مجسم شکل میں نظر آنا کوئی عجیب بات نہیں۔عام زندگی میں بھی ہم جن چیزوں کا مشاہدہ کرتے ہیں بالآخر وہ بھی ذہن کے حساس مراکز پر بجلی کی لہروں کے اثرات کی وجہ سے ہی ہوتے ہیں۔

18.3 جنات اور بھوت وغیرہ چڑھنے کے اثرات

متاثرہ شخص پر اثرات کا انحصار اس ماورائی مخلوق پر ہے جو اس پر سوار ہوتی ہے۔چڑھنے والی مخلوق کسی مردہ کا بھوت یا کوئی جن بھی ہو سکتا

ہے مثلاً اگر چڑھنے والا کوئی مسلمان جن ہو تو متاثرہ آدمی اسلام کی باتیں کرتا ہے، جنت، دوزخ اور قبر کے حالات بیان کرتا ہے اگر وہ حافظ قرآن ہے تو شاید متاثرہ شخص قرآن کریم سنانے لگے۔ اس کے برعکس اگر جن کا تعلق شیاطین سے ہے تو متاثرہ شخص گندگی کو پسند کرے گا، اول فول بکے گا، غضبناک ہوجائے گا، اس میں دوسرے لوگوں کو خواہ مخواہ نقصان پہنچانے کا رجحان ہوگا۔ اگر یہ کوئی مایوس بھوت ہے تو متاثرہ شخص پریشانی (Depression) کا شکار ہوجائے گا، بلاوجہ رونے لگیگا، بہت زیادہ سوئے گا اور کھائے گا۔

خصوصاً نیند میں جب اس کی روح جسم سے دور نکل جاتی ہے، اس وقت کوئی بھوت یا جن وغیرہ اس پر آکر مختلف قسم کے خواب دکھاتا ہے یا بعض اوقات نیند کی حالت میں متاثرہ آدمی پہلے چل کر کہیں جاتا ہے اور کوئی خاص کام کر کے واپس آجاتا ہے۔ حتیٰ کہ بعض لوگ اس حالت میں دوسروں کو گزند تک پہنچا کر آجاتے ہیں۔ چیزیں گم کر آتے ہیں جو اصل میں ان پر اس وقت چڑھے ہوئے بھوت یا جن کی کارستانی ہوتی ہے۔ غرض بھوت اور جنات جب کسی آدمی پر چڑھ جاتے ہیں تو اپنی فطرت کے مطابق اس کے ذہن پر اثر انداز ہوتے ہیں اور آدمی کا عمل، آواز، زبان، خیالات چڑھنے والی مخلوق کی فطرت کے زیر اثر ہوجاتے ہیں لیکن مجموعی اظہار میں اس آدمی کے اپنے ذاتی خیالات بھی شامل ہوتے ہیں، اگر آدمی مضبوط اعصاب کا مالک ہو تو ہوسکتا ہے وہ چڑھنے والی غیر مرئی مخلوق سے بہت کم اثرات قبول کرے اس لئے مضبوط اعصاب لوگوں پر جنات کا اثر کم ہوتا ہے اور حملہ آور مخلوق مایوس ہو کر چند ہی دنوں میں اسے چھوڑ کر چلی جاتی ہے۔ اس کے برعکس کمزور اعصاب والے لوگوں پر بھوت اور جنات کے اثرات زیادہ دیرپا اور شدید ثابت ہوتے ہیں۔

18.4 جنات یا بھوت وغیرہ کیوں چڑھتے ہیں؟

یہ سوال کہ جنات وغیرہ کیوں چڑھتے ہیں؟ اس کے متعلق ہم پہلے بھی بحث کرچکے ہیں کہ بھوتوں اور جنوں وغیرہ کے چڑھنے کو شرق یا مغرب ہر طرح کے معاشرہ میں ایک حقیقت تسلیم کیا جاتا ہے۔ البتہ جن معاشروں میں جنات کو زیادہ مانا جاتا ہے اور انہیں روزمرہ کی زندگی میں خواہ مخواہ اہمیت دی جاتی ہے یا جو لوگ ان سے ڈرتے ہیں ایسے لوگوں میں یہ واقعات زیادہ ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی بھی باشعور ہستی وہاں رہنا پسند کرے گی جہاں اس کی قدر اور عزت ہوتی ہے۔ اس لئے ان سے بچنے اور علاج کے لئے اہم ترین بات یہ ہے کہ انہیں اہمیت نہ دی جائے۔ یعنی لفٹ نہ کرائی جائے۔

18.5 جنات

مسلمان جنات کے وجود کو تسلیم کرتے ہیں قرآن کریم میں بھی ان کا ذکر ہے۔ مذہب کے معاملہ میں یہ انسانوں کی اتباع کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض مسلمان ہیں اور بعض دوسرے مذہب کے پیروکار ہوتے ہیں۔ دراصل یہ ایک دوسرے درجہ کی مخلوق ہے جب کہ انسان اشرف

المخلوقات ہے،اس لیےانسان کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ جنات سے ڈرے یاان کی پناہ میں آئے۔افسوس کہ انسانوں میں بعض جہلاء اس کمتر مخلوق کے سامنے سرنگوں ہوتے ہیں اورظاہر ہے جہاں کہیں ایسا ہوگا وہاں کے جنات ان پر چڑھ دوڑیں گے۔اس کی مثال اللہ تعالیٰ قرآن کریم کی سورۃ جن میں دیتے ہیں:۔

وَّاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًاO وَّاَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًاO

''اور یہ کہ آدمیوں میں کچھ لوگ جنات کی پناہ لیا کرتے تھے،جس کی وجہ سے وہ تکبر میں بڑھتے گئے،اور یہ کہ انہوں نے گمان کیا جیسا تم کرتے تھے،کہ اللہ تعالیٰ ہرگز کسی رسول کو نہیں بھیجے گا''۔(سورۃ جن،آیات۔6-7)

اس آیت مبارکہ سے صاف ظاہر ہے کہ جاہل لوگ جنات کا دماغ خراب کردیتے ہیں۔جیسے پہلے کہا گیا ہے کہ جنات میں مذہبی اور غیر مذہبی ہر طرح کے ہیں۔ان میں وہ بھی ہیں جو اسلام قبول کرلیتے ہیں۔حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جنات کی ایک جماعت کے ایمان لانے کا واقعہ مندرجہ ذیل آیات میں بیان کیا گیا ہے:۔

قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًاO يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ۭ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًاO

''تم فرماؤ!مجھے وحی ہوئی کہ کچھ جنات نے میرا قرآن پڑھا،سنا تو بولے ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے جو بھلائی کی راہ بتاتا ہے،پھر ہم اس پر ایمان لائے،اور ہم ہرگز کسی کو اپنے رب کا شریک نہ کریں گے''۔(سورۃ جن،آیات۔1-2)

قرآن کریم سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ شیاطین بھی جنات میں سے ہیں۔ان کے سردار کا نام ابلیس ہے۔جس نے حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں گمراہ کیا تھا اس کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ:۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ۭ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ۭ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًاO

''اور یاد کرو!جب ہم نے فرشتوں کو فرمایا کہ آدمؑ کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔وہ جنات میں سے تھا تو کیا تم اسے اور اس کی اولاد کو میرے سوا اپنا دوست بناتے ہو اور وہ تمہارا صریح دشمن ہے؟اور ظالموں کے

لئے کیا ہی برا بدلہ ہے"۔(سورۃ الکہف،آیت ۔50)

چنانچہ جنات میں اچھے بھی ہیں اور برے بھی،مسلمان بھی ہیں اور کافر بھی۔ان میں سے جو اچھے ہیں وہ لوگوں کو بہت کم تنگ کرتے ہیں۔زیادہ تر شیاطین جنات ہی انسانوں کو اپنا مسکن بناتے ہیں اور انہیں برائی کی ترغیب دیتے ہیں۔بعض اوقات لوگوں پر ڈیرہ جما کر انہیں طرح طرح کے طریقوں سے تنگ بھی کرتے ہیں لیکن آدمی پر ان کے اثرات کا انحصار اس کی اپنی مستقل مزاجی،سمجھ اور شخصیت کی طاقت پر ہے۔

جنات کے سلسلہ میں یہ بات بھی غور طلب ہے کہ اگرچہ حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے یہ ایک بہت بڑی قوم تھے لیکن اس وقت سے اب تک ان کی آبادی کم ہوتی جا رہی ہے شاید یہی وجہ ہے کہ خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی ان سے آمنا سامنا صرف چند مرتبہ سے زیادہ نہیں ہوا۔شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں ان کی آبادی بہت کم رہ گئی تھی اور اب بھی جو ہے وہ انسانی آبادیوں سے دور رہتے ہیں البتہ مسلمان جنات جو دین کی تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ مدرسوں اور مساجد میں حاضری دیتے ہیں اور دین کے مسائل سیکھتے ہیں۔ایسے طالب علم جنات کے بارے میں کئی ایک قصے مشہور ہیں۔

18.6 بھوت اور جنات کا اتارنا

اب ہم اس موضوع کی طرف آتے ہیں کہ اگر کسی پر جنات یا بھوت چڑھ جائیں تو ان سے کیسے نجات پائی جا سکتی ہے۔اس کے لئے مندرجہ ذیل طریقے ہیں۔

1۔ روحانی طریقے 2۔ سائیکالوجیکل طریقے

روحانی طریقوں میں عامل براہ راست چڑھی ہوئی ماورائی شخصیت سے معاملہ طے کرے جس میں گفت وشنید،دلائل،خوف اور لالچ سبھی شامل ہیں۔

بات چیت کے ذریعہ ماورائی شخصیت کو قائل کرنے میں کامیابی کا انحصار عامل کی اپنی شخصیت پر ہے۔ایک مضبوط شخصیت والا باعمل صالح اور عالم شخص بھوتوں اور جنات کو بھگانے میں زیادہ کامیاب ہوگا وہ ماورائی مخلوق کو اللہ تعالیٰ کے احکامات اور دلائل سے قائل کرنے کی کوشش کرے گا کہ کسی کو یوں تنگ کرنا ٹھیک نہیں۔یہ گناہ کا کام ہے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے۔اسے دوزخ کے عذاب سے ڈرائے گا۔یوں اسلام کے حوالہ سے وہ حملہ آور ماورائی مخلوق کو چلے جانے پر قائل کرتے ہیں۔اسی سلسلہ میں اگر بھوت یا جن مسلمان ہے تو اس پر خصوصاً قرآن کریم کی آیات پڑھنے کا خاطر خواہ اثر ہوتا ہے۔یہ شرط ہے کہ عالم کا اعتقاد صحیح ہو اور وہ صاحب نظر بزرگ ہو۔اگر متاثرہ شخص خود بھی یہ سورتیں پڑھے تو مفید رہے گا۔

شیاطین بھوت اور جنات کی سرشت میں چونکہ کفر بھرا ہوتا ہے اس لیے وہ کلام اللہ سے ڈر کر شاید نہ جائیں،اس لیے انہیں ڈرا اور خوف کے ذریعہ بھگایا جاتا ہے۔پورے اعتماد کے ساتھ دھمکی دی جاتی ہے کہ ان کو آگ میں جلا دیا جائے گا،سخت سے سخت سزا دی جائے گی۔یہ حربہ اکثر

کامیاب ثابت ہوتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ دھمکی کو زیادہ پر اثر بنانے کے لئے عامل مریض کو مارنے کا ڈرامہ بھی کرے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ اس عمل سے غیر مرئی مہمان بھاگ جاتے ہیں۔

ان عوامل کے برعکس سائیکالوجسٹ جو جنات اور غیر مرئی طاقتوں کے وجود کو نہیں مانتے وہ مریض کے غیر معمولی حالات کو اس کا ذہنی فتور سمجھتے ہیں اور اکثر نیند آور گولیوں سے علاج کرتے ہیں۔ چونکہ بعض اوقات یہ طریقہ کامیاب رہتا ہے اور مریض ٹھیک ہوجاتا ہے اس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ جنات وغیرہ کا کوئی وجود نہیں۔ ایک ذہنی مرض تھا جو دوائیوں سے ٹھیک ہوگیا۔ لیکن یہ سوچ غلط تاویل کا نتیجہ ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ نشہ آور دوائی کے زیر اثر مریض سوتا رہتا ہے اور یوں ماورائی مخلوق کے حسب مرضی عمل کرنے کے قابل نہیں رہتا۔ چنانچہ اس مسلسل بے قدری کی بنا پر بالآخر وہ اچاٹ (Bore) ہوجاتے ہیں اور متاثرہ شخص کو چھوڑ کر چلے جاتے ہیں اور یوں متاثرہ شخص ٹھیک ہوجاتا ہے۔ لیکن یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس طرح کے علاج پر ماورائی مخلوق مریض پر ردعمل کرے۔ اس کی بھوک ختم کردے اور اس کی حالت مزید خراب ہوجائے جس کا آخری نتیجہ موت ہے۔

18.7 بھوت کو بھگانے کا طریقہ

اگر جن کی بجائے کسی آدمی پر بھوت چڑھ جاتا ہے یا کسی جگہ پر وہ اپنا بسیرا کرلیتا ہے تو اسے بھگانے کے طریقے بھی وہی ہیں جو اوپر جنات کے بارے میں دیئے گئے ہیں یعنی اسے چھوڑنے پر قائل کرو۔ ڈراؤ، دھمکاؤ، اللہ تعالیٰ کا خوف دلاؤ۔ اس سلسلہ میں کتاب "بھوت کہاں ہیں؟" "Where are The Ghosts?" کا مصنف امریکی ڈاکٹر ہارزر (Harzer) لکھتا ہے کہ بھوتوں کے ساتھ مہربانی سے معاملہ کرو چونکہ وہ بھی انسانی روحیں ہیں اگر انہیں مناسب طریقہ سے سمجھا دیا جائے خصوصاً انہیں باور کروایا جائے کہ وہ مرچکے ہیں اور جلد ہی ان کی اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی ہوگی تو ہوسکتا ہے وہ آسانی سے اپنے شکار کا پیچھا چھوڑ دیں۔

18.8 جادو کے اثرات

جادو بھی ایک ماورائی علم ہے جو ہمیشہ سے ساری دنیا میں کیا جاتا ہے اور زمانہ قدیم سے چلا آرہا ہے۔ انسان نے یہ علم فرشتوں سے سیکھا لیکن شیطانی اثرات کے زیر اثر دوسروں کو نقصان پہنچانے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ جادوگر عموماً ہڈیوں، بالوں، گوشت، کپڑوں وغیرہ پر کچھ عجیب الفاظ پڑھ کر یا لکھ کر متعلقہ اشیاء کا ٹونہ بنا کر کسی جگہ دفن کرتے ہیں یا کسی کنویں وغیرہ میں ڈال دیتے ہیں۔ بعض اوقات جادو شدہ مواد سے جس شخص کو نقصان پہنچانا مطلوب ہو اس کو کھلا دیتے ہیں یا اس کے گھر میں چھپا دیتے ہیں۔ بہر حال کئی طریقے ہیں لیکن ہر ایک کے پیچھے مقصد یہی ہوتا ہے کہ جادو کے زور سے متعلقہ شخص کو نقصان پہنچایا جائے۔ اس وجہ سے جادو کا علم سیکھنا اور جادو کرنا حرام ہے اور جادوگر کی آخرت خراب ہوتی ہے۔

جادو کے اثر انداز ہونے کا سبب وہ شیاطین جنات ہیں جو جادوگر کے اثر میں ہوتے ہیں اور جادو کے الفاظ اور ٹونوں کو سمجھتے ہیں اور

جادوگر کی ہدایات کے مطابق متعلقہ شخص کے ذہن پر حملہ آور ہوکر نقصان پہنچاتے ہیں۔ اکثر کا ہدف لڑائی جھگڑا کروانا، ذہنی دباؤ، ذہنی الجھنیں اور ذہنی بیماریوں کے ذریعہ مریض کو تنگ کرنا ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے اس کا مالی، جسمانی نقصان ہوتا ہے۔

جادو کا توڑ وہ روحانی علاج ہے جس کی طاقت سے جادوگر کے شیاطین بھاگ جائیں۔ اللہ تعالیٰ کے کلام کی آیات سے بھی علاج کیا جاتا ہے لیکن مریض کا تعاون ہونا بہت ضروری ہے۔ قرآن کریم کی آخری تینوں سورتیں جادو کے اثرات دور کرنے کے لئے خصوصی طور پر فائدہ مند ہیں۔ اسم **اللہ** کا ورد اور آیۃ الکرسی بھی جادو دور کرنے میں بہت مفید پائے گئے ہیں۔

جادو کے علاوہ دوسرے لوگوں کے اذہان کو خیال کی قوت سے بھی متاثر کیا جا سکتا ہے۔ اسی نوع میں نظر اور حسد کے اثرات ہیں۔ قرآن کریم کی آخری صورت **والناس** میں انہیں **وسو اس الخناس** کا نام دیا گیا ہے۔ اس کے محرک جنات اور انسان دونوں ہو سکتے ہیں۔ آج کل کچھ سپائی ایجنسیاں (Spy Agencies) بھی ان کے ذریعہ دوسرے لوگوں کے خیالات کو متاثر کرنے کے لئے باقاعدہ سائنسی حملے کرتے ہیں۔ ان کی تفصیلات پہلے دی جا چکی ہیں۔

ہر طرح کے شیطانی اثر کے علاج کے لئے ہر صورت مریض کا تعاون اور خود اعتمادی اور کلام اللہ کے اثرات پر یقین ہونا بہت ضروری ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ گندی ارواح بھوت پریت جادو ٹونے کے شیاطین صفائی اور طہارت سے دُور بھاگتے ہیں اور گند کو پسند کرتے ہیں۔ اگر مریض باوضو رہے، صاف کپڑے پہنے، غلاظت سے بچے، باقاعدہ سُنت طریقہ پر غُسل کرے یعنی مکمل طہارت میں رہے تو شیطانی قوتوں سے نجات اور ان کے اثرات کا علاج کرنا بہت آسان ہوگا۔ بعید ہے کہ طہارت، پاکی اور اللہ تعالیٰ کے نام کے ذکر والے ماحول کو برداشت نہ کرتے ہوئے غلیظ اشیاء مریض کو خود ہی چھوڑ جائیں۔

باب نمبر 19

مر کر زندہ ہونے والوں کے مشاہدات اور عالم برزخ کی کیفیات کا اسلامی تجزیہ

19.1 اسلامی تجزیہ کیوں ضروری ہے؟

اس کتاب میں آپ کئی ایک مر کر زندہ ہونے والے اشخاص کے مشاہدات کی روداد پڑھ چکے ہیں۔ یہ واقعات اس تواتر سے ہیں اور ان کی چھان بین کرنے والے لوگ ایسے مانے ہوئے بزرگ، سائنسدان اور محقق ہیں کہ ان کی صحت کے بارے میں شک کرنے کی گنجائش نہیں رہتی۔ تحقیق یہ ثابت کرتی ہے کہ کبھی کبھار موت کی وادی سے گذر کر لوگ واپس بھی آجاتے ہیں اور بعض اوقات مرے ہوئے لوگ اپنی موجودگی کا احساس خوابوں میں، خوشبو سے اور دوسرے طریقوں سے دیتے رہتے ہیں۔ یہ تحقیقات اور ان کے علاوہ پیرا سائیکی، ماورائی طریقوں سے پیغام رسانی اور سراغرسانی میں ترقی بھی ثابت کرتی ہے کہ انسان محض جسم نہیں بلکہ وہ ایک ماورائی شخصیت ہے جسے موت نہیں۔ قرآن پاک کی زبان میں اسے نفس کہا گیا ہے۔ اسی کو روح، سپرٹ، مائنڈ (Mind)، سائیکی وغیرہ کے نام بھی دیئے جاتے ہیں۔ یہ تحقیقات اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ جو لوگ حیات بعد الموت کو نہیں مانتے وہ سخت غلطی پر ہیں اور یہ خیال کہ ہماری زندگی بس یہی زندگی ہے، یہیں ہمارا مرنا اور جینا ہے اور گردش ایام کے سوا کوئی چیز نہیں، ایک فرسودہ نظریہ ہے۔ جس کی جدید سائنس بھی نفی کر رہی ہے۔ ایسے غلط عقیدے کے لوگ اس وقت بھی تھے جب قرآن کریم نازل ہو رہا تھا اور آج بھی ہیں۔ ان سب کو ایک ہی قرآنی جواب ہی کافی ہے کہ "یہ محض گمان کی باتیں کرتے ہیں"۔ (سورۃ الجاثیہ آیت 24) لیکن جو لوگ انسانی نفس کی بقا کو مانتے ہیں ان کے لیے بھی حیات بعد الموت کی حقیقت کو سمجھنا مشکل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب روح کی تفصیلات اور تجزیہ کا موقع آتا ہے تو اکثر ان میں اپنے اپنے مذہب اور عقائد میں جکڑے معلوم ہوتے ہیں۔ قابل تشویش بات یہ ہے کہ امریکہ میں جو محقق اس موضوع

پر سائنسی تحقیقات کر رہے ہیں وہ عیسائیت ،بدھ مت اور ہندو مت وغیرہ سے متاثر ہیں ان میں کئی ایک روحوں کو آوا گون (Reincarnation) کے نظریہ کے مطابق سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔عیسائی اور یہودی اگرچہ حیات بعد الموت کے قائل ہیں لیکن حساب کتاب، جزا اور سزا کے متعلق ان کی سوچ اسلام سے بہت دور ہے اور ان کی مذہبی کتابوں میں بھی اس مسئلہ کو سمجھنے کیلئے بہت کم مدد ملتی ہے۔جہاں تک اسلام کا تعلق ہے یہ حیات بعد الموت کے ایک ایک پہلو کو واضح کرتا ہے لیکن افسوس کہ اس کے خلاف مغربی دانشور بہت سی غلط فہمیوں ،تعصبات اور ذہنی تحفظات کا شکار ہیں جن سے نجات پائے بغیر وہ حقیقت کا ادراک نہیں کر سکتے۔اس لیے ضروری ہے کہ مسلمان علماء زندگی موت کے بارے میں اسلامی تجزیہ پیش کریں۔مندرجہ ذیل مضمون اس سلسلہ ہی کی ایک کڑی ہے جس کی تحقیق کے دوران قرآن کریم اور احادیث طیبہ کے علاوہ بہت سے اسلامی علمی ماخذوں سے فائدہ اٹھایا گیا ہے انہی میں ایک نومسلم انگریز خاتون محترمہ رقیہ وارث مقصود کی انگلش میں لکھی گئی کتاب "موت کے بعد زندگی" (After Death Life!) جو طہٰ پبلیکیشن اردو بازار لاہور نے پبلش کی ہے خوبصورت تحریر ہے۔اس کے علاوہ جناب عبدالرحمان عاجز صاحب کی کتاب "عالم برزخ "(پبلشر رحمانیہ دار الکتب فیصل آباد) سے بھی فائدہ اٹھایا گیا ہے۔

19.2 محافظ فرشتے

مغربی ممالک میں مرکر زندہ ہونے والوں کے واقعات میں محافظ ارواح کا ذکر آتا ہے جو مردہ کی روح کو اگلے جہان میں لے کر جاتی ہیں قرآن کریم بھی ہمیں بتاتا ہے کہ دنیاوی حیات میں ہر انسان مرد ہو یا عورت اس پر اللہ تعالیٰ نے دو محافظ فرشتے مقرر کیے ہوئے ہیں، جو زندگی میں انہیں شیاطین کے شر سے بچاتے ہیں، اچھے کاموں کی طرف ابھارتے ہیں اور ساتھ ساتھ اعمال بھی لکھتے جاتے ہیں۔ہمارے اعمال کا یہ ریکارڈ آخرت میں ہمارے اوپر گواہی کے طور پر پیش ہوگا۔اس میں انسانی زندگی کی ہر چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی بات ریکارڈ ہے۔جب موت کا حکم آجاتا ہے تو یہ محافظ فرشتے نفس کو اگلے جہان میں لے کر چلتے ہیں۔یوں ان کا اور ہمارا ساتھ قیامت تک ہے۔قرآن کریم سے پتا چلتا ہے کہ ہمارے محافظ فرشتے ہمارے بہترین ساتھی ہیں، وہ ہماری بہتری کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعائیں بھی کرتے ہیں، برائی کے خلاف ہمارے ضمیر کی آواز بن کر سامنے آتے ہیں۔جب ہم نیکی کا ارادہ کرتے ہیں تو فوری لکھ لیتے ہیں لیکن گناہ لکھنے میں اس وقت تک انتظار کرتے ہیں جب تک ہم اصل میں اسے سرانجام نہیں کر دیتے۔

قرآن کریم میں اکثر ان فرشتوں کا ذکر ہے۔اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل آیات قابل غور ہیں:۔

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ؕ حَتّٰىٓ اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ
تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ O

”اور وہی غالب ہے اپنے بندوں پر اور تم پر نگہبان (فرشتے) بھیجتا ہے، یہاں تک کہ جب تم میں کسی کی موت آتی

ہے،تو ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) اس کے نفس کو وصول کر لیتے ہیں،اور وہ اپنا فرض ادا کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کرتے"۔ (سورۃ انعام،آیت۔61)

سورۃ السجدہ آیت 11 میں ارشاد ہے کہ:۔

قُلْ يَتَوَفّٰكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ O

ان سے کہو،"موت کا وہ فرشتہ جو تم پر مقرر کیا گیا ہے،تم کو پورا پورا اپنے قبضے میں لے لے گا،اور پھر تم اپنے رب کی طرف پلٹائے جاؤ گے"۔ (سورۃ السجدہ،آیت۔11)

ایسی آیات کریمہ میں آسانی سے دیکھا جا سکتا ہے کہ مر کر زندہ ہونے والوں پر مغرب میں جو تحقیقات ہوئی ہیں ان میں جن ساتھی فرشتوں کا ذکر آتا ہے وہ ہمارے ساتھ پہلے ہی موجود ہیں۔اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل حدیث مبارکہ بتاتی ہے کہ اگر مرنے والا نیک صالح ہے تو اس کے ساتھی فرشتے اسے نہایت ادب واحترام سے لے کر اگلے جہاں کو جاتے ہیں۔

"حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنے والد کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ جب ان کے والد صاحب شہید ہوئے تو کافروں نے ان کے جسم کو بری طرح خراب کر دیا،اس لیے ان پر ایک چادر ڈال دی گئی کہ گھر والے دیکھ نہ پائیں لیکن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ چادر ہٹا دو کہ قریبی عزیز جسم کو دیکھ سکیں۔دیکھنے کے بعد جب میری بہن بہت زیادہ رونے لگی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "تم کیوں رو رہی ہو،جابر پر تو اللہ تعالیٰ کے فرشتے سایہ کیے ہوئے ہیں اور وہ اسے اٹھا کر جنت کی طرف جا رہے ہیں"۔

19.3 عارضی موت کے بعد روح کی واپسی

مر کر زندہ ہونے والوں کے متعلق تمام سائنسی مشاہدات عارضی موت کے واقعات ہیں لیکن یہ سوال کہ کیا اسلام بھی عارضی موت کو مانتا ہے؟ اس کے بارے میں عرض یہ ہے کہ قرآن کریم تو ہمیں روزانہ مرنے اور زندہ ہونے کی خبر دیتا ہے اس کے نزدیک جب کوئی آدمی سوجاتا ہے تو اس وقت اس کا نفس اس کے جسم سے علیحدہ ہو جاتا ہے اگرچہ زندگی باقی ہوتی ہے۔جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ روح زندہ انسان کے جسم سے علیحدہ ہو سکتی ہے اور پھر واپس بھی آسکتی ہے۔اس سلسلے میں سورۃ انعام کی مندرجہ ذیل آیت نہایت قابل غور ہے:۔

وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ لِيُقْضٰٓى اَجَلٌ"

مُّسَمًّى ۚ ثُمَّ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ O

''اور وہی ہے جو رات کو تمہاری روحیں قبض کرتا ہے، اور جانتا ہے جو کچھ دن میں کرتے ہو، پھر تمہیں دن میں اٹھاتا ہے تا کہ مقرر میعاد پوری ہو، پھر اس کی طرف تمہیں لوٹنا ہے پھر وہ بتادے گا جو کچھ تم کرتے ہو''۔(سورۃ انعام آیت۔60)

مندرجہ ذیل آیت مبارک سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عارضی موت کوئی عجیب چیز نہیں ہے فرمایا کہ:۔

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰى اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ O

''وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو موت کے وقت نفوس کو قبض کرلیتا ہے، اور جو ابھی نہیں مرا اس کی روح نیند میں قبض کرلیتا ہے، پھر جس پر موت کا فیصلہ نافذ کرتا ہے اسے روک لیتا ہے، اور دوسروں کی روحیں ایک مقرر وقت کے لئے واپس بھیج دیتا ہے، اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو غور و فکر کرتے ہیں''۔(سورۃ الزمر، آیت۔42)

اسی آیات مبارکہ سے واضح ہوتا ہے کہ نیند کی حالت یا بے ہوشی کی حالت بھی ایک طرح کی عارضی موت ہے جس میں نفس جسم کو چھوڑ دیتا ہے اپنی استطاعت اور قابلیت کے مطابق زمان و مکان میں ادھر ادھر نکل جاتا ہے اور وہاں جو کچھ دیکھتا ہے اس کی یادداشت کو ہم خواب کہتے ہیں۔اسی وجہ سے کہ حالت نیند میں نفس بہت کچھ دیکھتا ہے اور پھر ذہن میں پہلے سے محفوظ شدہ خیالات وغیرہ بھی ہوتے ہیں اس لیے جاگتے وقت تک یہ خواب دوسرے خیالات اور مشاہدات سے مل کر کچھ کے کچھ ہوجاتے ہیں۔بہت سے مشاہدات تو جاگنے سے پہلے ہی بھول جاتے ہیں یا ذہنی خیالات اور پریشانیوں کے ساتھ مل کر ناقابل فہم تاثرات میں بدل جاتے ہیں۔

بہر حال آیت مبارکہ سے ثابت ہوتا ہے کہ عارضی موت کوئی عجیب بات نہیں۔ڈاکٹر ریمنڈ موڈی اور دوسرے محققین کے مشاہدہ میں جو واقعات آتے ہیں وہ گہری نیند یا بے ہوشی سے بھی آگے کے واقعات ہیں جہاں روح اتنی دور نکل جاتی ہے کہ جسم کے احساسات بھی ختم ہوجاتے ہیں لیکن اس حالت میں بھی جسم مادی طور پر مرتا نہیں بلکہ اس میں ایک خفیف سی زندگی کی لہر چلتی رہتی ہے اور نفس کا رشتہ بھی اس سے برقرار رہتا ہے۔اس لیے موڈی وغیرہ جس حالت کو (Clinical Death) کہتے ہیں وہ حقیقی موت نہیں بلکہ گہری نیند یا بے ہوشی سے ملتی جلتی حالت کا نام ہے۔اس حالت میں بھی جسم کی زندگی پوری طرح ختم نہیں ہوتی صرف روح یا شعور (Consecution) دور نکل جاتا ہے جو اپنے اردگرد ہونے والے واقعات کو دیکھتا ہے اور بعض اوقات یاد بھی رکھتا ہے لیکن یہ خوابوں جیسا ہی معاملہ ہے۔یہی وجہ ہے کہ عارضی موت کے بعد اٹھنے والوں کی رپورٹ اکثر گڈمڈ ہوتی ہے، جس کا ڈاکٹر ریمنڈ موڈی بھی اعتراف کرتے ہیں۔

محققین کے لئے یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ قرآن کریم متعدد بار ایسے لوگوں کے زندہ ہونے کے متعلق بھی بتاتا ہے جو ایک دو سال نہیں بلکہ سینکڑوں سالوں بعد دوبارہ زندہ ہو گئے۔ اس کے بعد وہ مدت تک دنیا میں عام انسانوں کی طرح زندہ رہے اور پھر دوبارہ فوت ہوئے۔ اس سلسلہ میں اصحاب کہف کا قصہ ایک مثال ہے۔ وہ تین سو سال عارضی موت کی حالت میں رہنے کے بعد اٹھ پڑے۔

وَلَبِثُوا فِيْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا○

''اور وہ اپنے غار میں تین سو سال رہے، اور (قمری تقویم کے مطابق) 9 سال اور بڑھ گئے ہیں''

(سورۃ الکہف، آیت۔25)

اس کے علاوہ قرآن کریم ایک ایسے واقعہ کا ذکر کرتا ہے جس کے مطابق ایک پورے کا پورا گاؤں جو مدتوں سے تباہ ہو چکا تھا اسے زندہ کر دیا گیا (سورۃ یٰسین) نہ صرف انسانوں کا عارضی موت کے بعد زندہ ہونا بلکہ قرآن کریم حیوانوں کے متعلق بھی بتاتا ہے جو دوبارہ زندہ ہوئے۔ اس سلسلہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پرندوں کے زندہ ہونے کا واقعہ بطور مثال پیش کیا جا سکتا ہے۔ غرض وحی الٰہی عارضی موت کی نہ صرف تصدیق کرتی ہے بلکہ کئی ایک واقعات بھی بیان کرتی ہے۔

19.4 روح کے احساسات

موت کے بارے قرآن کریم سے یہ بات بھی روزِ روشن کی طرح ثابت ہوتی ہے کہ یہ انسان کا مٹ جانا نہیں بلکہ محض اس کے جسم کی موت ہے۔ ایسے ہی جیسے آپریشن سے ناکارہ اعضاء کاٹ کر پھینک دیئے جاتے ہیں لیکن انسان باقی رہتا ہے۔ موت کے بعد ہمارا سارے کا سارا جسم بیکار ہو جاتا ہے لیکن آدمی کی شخصیت اس کے بعد بھی زندہ رہتی ہے اور اس کے احساسات ختم نہیں ہوتے۔ یہ وہ اساسی مشاہدات ہیں جن کی تصدیق عارضی مرنے کے بعد زندہ ہونے والے بار بار کرتے ہیں۔ یہی بات قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیات سے ظاہر ہوتی ہے کہ مستقل موت کے بعد شعور زندہ رہتا ہے، انسان کی یادداشت اس کے ساتھ رہتی ہے اور وہ اپنے پیچھے رہنے والوں کو نہیں بھولتا۔ مندرجہ ذیل آیت خاص طور پر شہداء کے متعلق ہے ارشاد ہے کہ:۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ○ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا ھُمْ يَحْزَنُوْنَ○ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضْلٍ وَّ اَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ○

''مت گمان کرو جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل ہوئے وہ مر گئے ہیں،نہیں وہ زندہ ہیں،انہیں ان کے رب کے ہاں سے رزق دیا جاتا ہے،اور وہ اللہ تعالیٰ سے رزق پا کر بہت خوش ہوتے ہیں،اور اپنے پیچھے رہ جانے والوں کو بتانا چاہتے ہیں کہ،ان کے اوپر نہ کوئی غم ہے نہ خوف،وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت اور فضل کے باعث بہت خوش ہیں اور اللہ تعالیٰ مومنوں کا اجر ضائع نہیں کرتا''۔(سورۃ آلِ عمران،آیات۔171-169)

اسی طرح قرآن کریم کی کئی دوسری آیات اور نبی پاک صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی بہت سی احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تمام نیک لوگ موت کے بعد اپنے مقام میں خوش ہوتے ہیں اور اپنے پیچھے رہنے والوں کے متعلق انہیں فکر ہوتی ہے کہ وہ بھی راہِ راست پر چلیں تا کہ جب وہ اپنے نئے جہان میں آئیں تو خوش رہیں۔جدید محققین کے مشاہدات سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ مرنے والوں کی یادداشت قائم رہتی ہے،انہیں گردوپیش میں ہونے والے حالات وواقعات کا بھی شعور ہوتا ہے۔اس ضمن میں قرآن کریم حیات بعد الموت پر تحقیق کرنے والے سائنسدانوں کو بتاتا ہے کہ مرنے کے بعد زندگی کا شعور مزید کھل کر سامنے آجاتا ہے اور حقیقت کے ادراک کی صلاحیت بھی بہت بڑھ جاتی ہے۔فرمایا:۔

اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ o حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ o كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ o ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ o كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ o

''(دُنیا میں)تمہیں غافل رکھتی ہے کثرت کی حرص۔یہاں تک کہ تم قبروں کو جا پہنچو،اس کے فوری بعد تم جان لوگے(کہ حقیقت کیا ہے؟)پھر سن لو تمہیں(فوری بعد)حقیقت کا پتا چل جائے گا،ہرگز نہیں،بلکہ تم یقین کی آنکھ کے ساتھ دیکھو گے''۔(سورۃ التکاثر،آیات۔5-1)

19.5 مردوں کے سننے،دیکھنے اور جواب دینے کی صلاحیت

ان آیات سے صاف ظاہر ہے کہ موت کے بعد انسان کی باطنی آنکھ کھل جاتی ہے اور انسان حقیقت کو حقیقت کے رنگ میں دیکھنا شروع کر دیتا ہے۔اپنی اس نئی حالت میں وہ پہلے سے مرے ہوئے لوگوں کے نفوس،فرشتوں اور جنات کو دیکھ سکتا ہے۔اپنے ماحول سے آگاہ ہوتا ہے اور لوگوں کی باتوں کو سنتا ہے لیکن اپنی بات کسی کو نہیں سنا سکتا۔

حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی احادیث مبارک بھی تصدیق کرتی ہیں کہ انسان کا شعور،یادداشت اور ماحول سے آگاہی موت کے بعد بدستور زندہ رہتی ہیں۔مشہور واقعہ ہے کہ جنگ بدر کے بعد حضور نبی پاک صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اس کنویں کے پاس گئے جس میں کفار کی لاشیں ڈالی گئی تھیں۔آپ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم ایک ایک کافر کا نام لے کر پکارتے تھے اور پوچھتے کہ " کیا تم نے دیکھ لیا کہ حق کیا ہے؟" جب

حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ "حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا مردے بھی سن سکتے ہیں؟" تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "ہاں تم سے زیادہ، البتہ زندہ انسان ان کی بات نہیں سن سکتے "۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، "جب لوگ قبروں میں رکھے جاتے ہیں تو وہ واپس جانے والے لوگوں کے قدموں کی چاپ تک کو سنتے ہیں لیکن ہم ان کی چیخ پکار کو نہیں سنتے "۔(مسلم۔ابوداؤد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ بھی مروی ہے کہ "مرنے کے بعد انسان کا نفس فرشتوں کی معیت میں جنازے کے ساتھ ساتھ جارہا ہوتا ہے، اگر وہ نیک ہے تو کہتا ہے جلدی کرو، اگر بد ہو تو خوف کے مارے چاہتا ہے کہ اسے دفن نہ کیا جائے۔"

احادیث کی مختلف کتابوں میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ "نفس جب جسم کو چھوڑ دیتا ہے اس وقت وہ سب کچھ دیکھتا ہے اپنی لاش کے اردگرد موجود لوگوں کو پکارتا ہے۔ان کے ذہن میں آنے والے خیالات تک سمجھ رہا ہوتا ہے لیکن مجبوری یہ ہے کہ اپنی بات کسی کو سمجھا نہیں سکتا" قبر کے حالات کے سلسلہ میں بتایا گیا ہے کہ جب میت کو قبر میں رکھ کر مٹی ڈال دی جاتی ہے تو نفس کو بٹھالیا جاتا ہے اور دو فرشتے وہاں آتے ہیں اور اس سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق سوال کرتے ہیں اگر وہ صحیح جواب دے تو اس کے لئے جنت سے ایک کھڑکی کھول دی جاتی ہے اگر وہ اللہ تعالیٰ کا باغی تھا تو جہنم کی کھول دی جاتی ہے۔اس سے پتا چلتا ہے کہ عالم برزخ محسوسات کا عالم ہے اور نفوس اپنے اپنے اعمال کے مطابق وہاں رہتے ہیں۔

19.6 پہلے سے مرے ہوئے لوگوں سے ملاقات

اسلامی روایات سے یہ بات بھی ثابت شدہ ہے کہ موت کے وقت فرشتوں کے علاوہ مرنے والے کے پہلے سے مرے ہوئے عزیزوں اور دوستوں کی ارواح بھی آتی ہیں تا کہ آنے والے اجنبی حالات میں اس کا دل بہل جائے۔کہا جاتا ہے کہ حضرت محمد بن وسیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے وقت حضرت ابن دینار رضی اللہ تعالیٰ عنہ موجود تھے۔اس وقت محمد بن وسیعؒ نے فرمایا کہ "اے میرے رب کے فرشتو خوش آمدید "۔

(حوالہ "موت کے بعد کی زندگی"، مصنفہ محترمہ رقیہ وارث مقصود) مصنفہ موصوفہ اپنا ایک ذاتی واقعہ لکھتی ہیں کہ "جب میری دادی صاحبہ انتقال کر رہی تھیں میں نے ان کے بستر کے پاس ایک موہوم سایہ دیکھا جو مجھے ان کی والدہ معلوم ہوئیں۔اتنے میں دادی صاحبہ نے کہا " کیا ماں اب میں آسکتی ہوں؟" اور پھر وہ فوت ہوگئیں۔یہ بھی اس بات کا ثبوت ہے کہ ان کی والدہ کی روح ان کی تسلی کی خاطر وہاں آئی ہوئی تھی اور مرنے والی سے باتیں بھی کر رہی تھی "۔

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک آدمی، جو تھوڑی دیر پہلے ہی فوت ہوا تھا، کے متعلق فرمایا کہ "وہ اپنے مومن بھائیوں کے ساتھ بہت خوش ہے"۔ابو ہریرہؓ ہی سے

نسائی میں روایت ہے کہ "جب ایک مومن فوت ہو جاتا ہے اس وقت فرشتے کپڑے کی ایک سفید چادر کے ساتھ آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے اچھے نفس آؤ، اللہ تعالیٰ تم سے راضی ہے اور تم اللہ تعالیٰ سے راضی ۔ اپنے رب کی طرف آؤ۔ پھر حکم ہوتا ہے اس کے بندوں میں داخل ہو جاؤ۔ میری جنت میں داخل ہو جاؤ" فرشتے اس کو لے کر چلتے ہیں اور خوش آمدید کہتے جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ وہ جنت کے دروازہ پر پہنچ جاتا ہے وہاں کے فرشتے کہتے ہیں کیا خوبصورت دلفریب خوشبو تم زمین سے لے کر آئے ہو۔ وہ اسے وہاں پہلے سے موجود مومنوں کی روحوں سے ملاقات کراتے ہیں جو اسے مل کر بہت خوش ہوتے ہیں، ایسے ہی جیسے انسان دنیا میں مدت کے بعد اپنے کسی بچھڑے عزیز سے مل کر خوش ہوتے ہیں"۔(النسائی)

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی جو ایک مشہور اور نامور صوفی عالم بزرگ گزرے ہیں، انہوں نے اپنے والد محترم حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی (متوفی 1763ء) کے واقعات، حالات اور ان کے بزرگوں کے حوالہ سے یادداشتوں پر مشتمل کتاب "ملفوظات شاہ عبدالعزیز" کے نام سے لکھی ہے۔ جس کی تلخیص محمد موسیٰ بھٹو نے اپنی کتاب "اللہ کی محبت کا نصب العین" مطبوعہ سندھ نیشنل اکیڈمی B-400 لطیف آباد حیدرآباد نے کی ہے۔ شاہ عبدالعزیز موت کے وقت خصوصی لوگوں سے ملاقات اور بخشش کی خوشخبری کے متعلق ایک ذاتی مشاہدہ اپنی کتاب کے صفحہ 56 پر لکھتے ہیں کہ "جس وقت میں پرانی دہلی میں رہتا تھا، ایک سید صاحب کے گھر میں ایک جاہل پوربن باندی کو دیکھا، میرے خیال میں اس نے عمر بھر کبھی نماز نہ پڑھی ہوگی، لیکن چونکہ بڑھیا تھی اور بزرگ کے صاحبزادوں کی پرورش اس نے کی تھی، اس لیے وہ اس کی بہت خاطر مدارات کرتے تھے۔ جب اس باندی کی موت کا وقت قریب آیا، ایک آواز اس کے منہ سے شرقی لہجہ کے انداز پر نکلتی ہوئی معلوم ہوتی تھی مگر کسی کی سمجھ میں نہیں آتی تھی، تمام حکیموں کو بلاکر پوچھا، کسی نے نہ سمجھا، سب سے آخر میں میرے چچا جن کا نام شاہ اہل اللہ تھا کو بلایا گیا، انہوں نے آکر معلوم کیا کہ یہ کہتی ہے کہ "**لاتخافي ولاتحزني**" یعنی "اے عورت تو کچھ خوف نہ کھا اور غمگین نہ ہو"۔ لوگوں نے شاہ صاحب سے کہا کہ آپ اس سے یہ پوچھیں کہ وہ ایسا کیوں کہتی ہے؟ اس نے شاہ صاحب کو بتایا "ایک جماعت کھڑی میرے سامنے یہی کہہ رہی ہے"۔ پھر پوچھا، اس کے کیا معنی ہیں؟ کہا معنی نہیں جانتی ہوں، اتنا معلوم ہے کہ اس جماعت کے لوگ میری تسلی کیلئے یہ کلمے کہتے ہیں"۔ اس خاتون سے پھر پوچھا گیا کہ ان جماعت والوں سے پوچھ کہ کون سے عمل کی وجہ سے یہ تیری تسلی کرتے ہیں؟ بہت دیر کے بعد کہا کہ "یہ لوگ کہتے ہیں کہ تو نے کچھ نماز، روزہ وغیرہ نیک کام تو نہیں کیا ہے، مگر ایک دن جاڑے کے موسم میں بازار سے تیل لینے گئی تھی، اس تیل میں سے ایک روپیہ نکلا، اول تو نے یہ چاہا کہ چپ چاپ اپنے کام میں لے آئے اس لیے کہ کسی کو خبر تو ہے ہی نہیں، پھر غور کیا کہ نہیں، اللہ تعالیٰ تو دیکھتا ہے، اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے وہ روپیہ، تیل والے کو واپس کر دیا، صرف یہ کام تیرا اللہ کو پسند آیا ہے، اسی کے بدلہ میں ہم تجھ کو خوشخبری دیتے ہیں کہ تو کچھ خوف مت کھا اور ذرا غمگین نہ ہو"۔

19.7 روح نکالنے میں غلطی

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اپنے ذاتی مشاہدات سے ایک اور حیرت انگیز واقعہ کسی ہندو کے مر کر زندہ ہونے کا لکھتے ہیں۔ جس سے وہ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ بعض اوقات روح نکالنے والے فرشتوں کو غلطی بھی ہو سکتی ہے لیکن جب روح کو بڑے فرشتہ یعنی عزرائیل علیہ السلام کے سامنے پیش کرتے ہیں تو وہ ان کی غلطی پکڑ کر واپس لوٹانے کا حکم دیتے ہیں۔ لکھتے ہیں کہ "ایک طبیب نے آکر عرض کیا کہ آج ایک عجیب واقعہ ہوا۔ نواب نوازش علی خان کے چپڑاسی نے اپنے والد کی علالت کی خبر پا کر رخصت حاصل کی تھی۔ چپڑاسی کے پہنچنے کے دو تین دن کے بعد اس کے والد کا انتقال ہو گیا۔ جب اس کو آگ میں جلانے لگے وہ زندہ کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ وہ مجھے ننگے پاؤں کانٹوں پر لے جا رہے تھے، مجھے نقیب (فرشتہ) کے پاس لے گئے تو ان بزرگ نے فرمایا کہ یہ آدمی وہ نہیں ہے جسے میں نے طلب کیا تھا، پس مجھے رہا کر دیا گیا۔" یہ واقعہ بتانے کے بعد شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے بتایا کہ اس معاملہ میں فرشتوں کو روح قبض کرنے میں مغالطہ ہوا تھا۔ اس حکیم نے عرض کیا کہ کیا ایسا ہوتا ہے؟ فرمایا کہ بہت موقعوں پر میں نے ایسا سنا ہے۔ فرشتوں کو روح نکالنے میں غلطی ہو سکتی ہے "لیکن یہ کیوں ہوتی ہے میں نہیں جانتا۔ (حوالہ ملفوظات شاہ عبدالعزیز)

شاہ عبدالعزیز صاحب ہی اپنے والد صاحب شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (صفحہ 120 محمد موسیٰ۔ اللہ کی محبت کا نصب العین) کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ حضرت والد ماجد کے متوسلین میں سے ایک عورت تھی، جس کا نام لاڈلی خانم تھا۔ ہم بچوں سے اس کو بڑی انسیت تھی۔ ہم بھی اس سے فارسی قصوں کی فرمائش کرتے تھے اور فارسی گوئی اس مغلانی سے ہم نے سیکھی تھی۔ الغرض دوسری عورتوں کی طرح وہ مغلانی بھی حضرت قطب صاحب کی زیارت کو گئی، وہاں وہ بے ہوش ہو گئی اور علامات موت اس کے چہرے سے ظاہر تھے۔ جب اس کو دفنایا جا رہا تھا تو حضرت صاحب نے دیکھا کہ اس نے آنکھیں کھول دیں اور زندہ ہو گئی، دو تین دن بعد اس کو دہلی لائے اور اس سے واقعہ دریافت کیا، اس نے کہا کہ "مجھے پاؤں کے انگوٹھے میں ایک سنسنی محسوس ہوئی اور میں بے ہوش ہو گئی اور مجھے ایک جگہ لے جایا گیا۔ وہاں ایک بزرگ نے لے جانے والوں سے کہا کہ اس لاڈلی خانم کو ہم نے طلب نہیں کیا تھا بلکہ لاڈلی خانم بنت فلاں کو طلب کیا تھا، پھر مجھے رہا کر دیا گیا"۔ جب تحقیق کی گئی تو اسی وقت دوسری لاڈلی خانم کی وفات ہوئی۔ اس لاڈلی خانم کی قوت حواس ختم ہو گئی تھی، کھانے اور پھلوں کے ذائقہ تک بھول چکی تھی۔ گویا اب وہ لاڈلی خانم اپنی قدیم خصوصیات کے ساتھ نہیں تھی اور ترش چیزیں زیادہ کھاتی تھی۔ اگرچہ دو تین سال تک زندہ رہی لیکن ہمارے خیال سے جا چکی تھی، کیونکہ اس کی تمام حرکات و سکنات خوش لہجہ اور ظرافت و سخن فہمی وغیرہ صفات اب اس میں باقی نہ تھے۔ اس واقعہ سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ بعض اوقات نکالنے والے فرشتوں کو مغالطہ لگ سکتا ہے۔ (صفحہ 120۔ محمد موسیٰ۔ اللہ تعالیٰ کی محبت کا نصب العین)

19.8 جسم اور روح کا تعلق

جسم اور روح کے تعلق کے بارے میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب اپنے مشاہدات سے بتاتے ہیں کہ مرنے کے بعد روحوں کا اپنے جسم کے ساتھ کچھ عرصہ کے لئے تعلق قائم رہتا ہے۔ اس سلسلہ میں ان کا مندرجہ ذیل بیان نہایت قابل غور ہے۔

"ایک مرید نے پوچھا کہ مرنے کے بعد روح کا تعلق جسم سے رہتا ہے یا نہیں۔ اگرچہ جسم خاکستر ہو چکا ہوتا ہے یہ تعلق روح مع الجسم ہر آدمی کیلئے ہے یا خاص کر اولیاء کی خصوصیت ہے؟" ۔ارشاد فرمایا کہ "جہاں جسم کا بیشتر حصہ ہوتا ہے وہاں تعلق روح کا ہوتا ہے اور کچھ عرصہ کے بعد جیسا کہ کہا گیا ہے کہ تیس سال کے بعد روح کا تعلق کم ہو جاتا ہے۔ مگر بعض اولیاء جن کے لئے خدا تعالیٰ کو فیضان معرفت منظور ہوتا ہے زیادہ مدت تک یہ تعلق روح باقی رہتا ہے "۔(صفحہ 134۔محمد موسیٰ۔اللہ تعالیٰ کی محبت کا نصب العین)

جہاں تک موت کے بعد پہلے سے مرے ہوئے لوگوں سے ملاقات کا تعلق ہے یوم الدین کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اس دن زمان و مکان میں ہر جگہ کے لوگوں کو اکٹھا کر دیا جائے گا۔ارشاد ہے کہ:۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ

"ایک دن وہ ذات پاک سب کو اکٹھا کرنے والی ہے،اس وقت انہیں ایسا معلوم ہوگا جیسے انہوں نے ،ایک گھڑی سے بھی کم عرصہ انتظار کیا ہے،اور وہ سب ایک دوسرے کو پہچانتے ہوں گے "۔(سورۃ یونس،آیت۔45)

جیسا کہ ہم کئی بار پہلے بھی بتا چکے ہیں کہ عالم برزخ اور یوم آخرت کی خوشیاں سب کے لئے یکساں نہیں ہیں۔جنہوں نے اپنے رب کا کفر کیا اور مخلوقات کو تکلیف پہنچائی ،اپنے اعمالِ بد کی وجہ سے مرنے کے بعد ان کی زندگی نہایت خوفناک ہو سکتی ہے۔سائنسی تجربات میں بھی یہی بات سامنے آئی ہے کہ کئی ایک مرنے والے وہاں بہت زیادہ خوف زدہ تھے۔اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ:۔

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ ○

"اگر کوئی نیک عمل کرتا ہے تو اس کا احسن بدلہ ملے گا، جو برائی کرتا ہے اس کیلئے برائی کے مطابق سزا ہے"۔
(سورۃ القصص،آیت۔84)

مومن کی موت کے موقع پر سان یہ ہے کہ اس کے گھر والے اس کے جانے کی وجہ سے پریشان ہوتے ہیں لیکن وہ اس وقت خوش ہوتا ہے۔پرانے ساتھیوں سے ملتا ہے۔دوسرے نیک لوگوں سے ملتا ہے،فرشتے اس کو خوش آمدید کہتے ہیں۔کسی مرنے والے نیک مرد یا عورت کو اگر کوئی پریشانی ہوتی ہے تو وہ یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے ماں، باپ، بھائی، بہن یا اولاد کے غم کو دیکھ کر غمزدہ ہو جاتا ہے،ورنہ اس کے لئے وہ زندگی ایسی ہے کہ وہ وہاں سے کبھی واپس نہیں آنا چاہتا۔سائنسی مشاہدات سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ بعض ارواح مرنے کے بعد دوبارہ اپنے جسم میں آنا نہیں چاہتیں۔

19.9 مردوں کا خوابوں میں ملنا

یہ سوال کہ کیا مستقل طور پر مرنے والے واپس آ کر دنیا کے لوگوں کو مل سکتے ہیں، اسلامی روایات سے اچھی طرح واضح ہے۔ایسا ہوتا ہے۔مردے خوابوں میں آ کر اپنے عزیزوں سے ملتے رہتے ہیں۔کہا جاتا ہے کہ جب خلیفہ حضرت عبدالعزیز بن سلیمان فوت ہوئے تو اپنے ایک دوست کو خواب میں ملے، جنہوں نے ان سے موت کے بعد کے حالات پوچھے۔عبدالعزیز نے بتایا کہ "اللہ تعالیٰ نے ہمیں معاف فرما دیا۔اس کی رحمت نے ہمارے سارے گناہ چھپا لیے۔صرف ہمیں اس کی مہربانی ہی مہربانی ملی ہے"۔(L.Mabrouk. "Soul Journey After Death" - Daral-Taqwa-PSO)۔

اوپر دی گئی بحث سے آپ نے دیکھا ہے کہ امریکہ اور دیگر مغربی ممالک میں مر کر زندہ ہونے والے لوگوں کے حوالہ سے ارواح پر تحقیقات سے جو باتیں سامنے آئی ہیں وہ بڑی حد تک قرآن کریم اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی احادیث میں دی گئی خبروں سے مطابقت رکھتی ہیں۔یوں جدید تحقیقات اور مشاہدات کو دراصل اللہ تعالیٰ کی کتاب اور صاحب کتاب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فرمودات کی مزید تشریح اور تصدیق کہا جا سکتا ہے۔یہ سب قطعی طور پر ثابت کرتی ہیں کہ آدمی کے نفس کو موت نہیں اور قیامت کے بعد یوم الدین کو ہمارے جسمانی اجزاء بھی دوبارہ زندگی پائیں گے۔اگر چہ بکھر کر ایٹم ہی کیوں نہ ہو گیا ہو اور تمام کائنات میں گم ہو گیا ہو، اللہ تعالیٰ ایک ایک ایٹم کو اکٹھا کرے گا اور پھر سے وہی جسم پیدا کر دیا جائے گا جس کو ہم نے کبھی چھوڑا تھا۔1990ء کے بعد فزکس میں ہونے والی دریافتوں سے بھی یہ ثابت ہوا ہے کہ ہر ذرے کا ایک یادداشت سسٹم ہے، اگر چہ وہ اربوں میل علیحدہ علیحدہ بھی ہو جائیں تب بھی ایک دوسرے کے حالات سے واقف رہتے ہیں۔اس کے متعلق حکم ربی ہے کہ:۔

اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗO بَلٰی قٰدِرِیْنَ عَلٰٓی اَنْ نُّسَوِّیَ بَنَانَهٗO

"کیا یہ لوگ سوچتے ہیں کہ ہم ان کی ہڈیوں کو دوبارہ زندہ نہیں کر سکتے؟ یہ تو کوئی بات ہی نہیں، ہم تو ان کے انگلیوں کے نشانات تک کو بحال کریں گے"۔(سورۃ قیامۃ، آیات۔3-4)

اس آیہ مبارک میں انگلیوں کے نشانات (Finger Prints) والی بات پر غور فرمایئے۔جب قرآن کریم نازل ہو رہا تھا انسان نے ان نشانات کی اہمیت کے بارے میں کبھی سوچا تک بھی نہیں تھا۔ان کی انفرادیت اور پیچیدگی ایسی ہے کہ دنیا میں کوئی سے دو انسانوں کی انگلیوں کے نشانات ایک سے نہیں ہو سکتے۔سبحان اللہ! جب ہمارے اجسام دوبارہ وجود میں لائے جائیں گے تو ہماری اصل کے مطابق ہوں گے حتیٰ کہ انگلیوں کے نشانات تک بھی وہی ہوں گے۔بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ کرنے کے قابل ہے ہمیں اس کی رحمت پر یقین رکھنا چاہیے اور موت سے نہیں ڈرنا چاہیے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ نیک روحیں جسم سے علیحدہ ہو کر ایسے سکون محسوس کرتی ہیں جیسے کوئی قیدی جیل سے رہائی پا کر خوش ہوتا ہے۔البتہ جو لوگ جان بوجھ کر کافر ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر ظلم کر رہے ہیں ان کے لئے ڈرنے کی بات ضرور ہے۔حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے کہ "مومن کے لئے یہ دنیا جیل کی مانند ہے اور گنہگار کے لئے مانند جنت ہے، مرنے کے بعد اس کا اُلٹ ہوگا"۔

19.10 برزخ سے روحوں کا خواب میں آ کر ملنا اور پیغام دینا

عالم برزخ سے ارواح کا اپنے حالات کا بذریعہ خواب بتانا بھی ثابت شدہ بات ہے۔ جو لوگ نفس مطمئنہ رکھتے ہیں چونکہ وہ شر اور گمراہی سے مبرا ہوتے ہیں اس لیے ان کا شعور اور ذہن بھی پاک ہوتا ہے۔ ایسے بزرگوں کو جب خوابوں میں مردہ افراد کی روحیں ملتی ہیں اور کوئی پیغام دیتی ہیں تو وہ احوال کے مطابق ہوتا ہے۔ ان کے برعکس نفس امارہ والے لوگ جن کی اکثریت ہے، ان کا شعور دنیاوی خیالات سے پراگندہ ہوتا ہے۔ اس لیے ان کے خوابوں میں ان کے ذہن کی طرف سے کئی طرح کے وسوسوں کی ملاوٹ ہو جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ صحیح ہونے تک ان کے خواب پراگندہ ہوتے ہیں۔

بہر حال روحوں کا خوابوں میں آ کر ملنا ایک حقیقت ہے اور اسلامی بزرگوں کے مشاہدات کا ایک خاص حصہ ہے۔ مندرجہ ذیل میں ہم حضرت نظام الدین اولیاء کے ملفوظات پر مشتمل کتاب فوائد الفوائد (ترجمہ محمد موسیٰ بھٹو صفحہ 342) سے ایسا ہی ایک واقعہ لکھتے ہیں کہ 'فرزدق نامی ایک شاعر، ایک مرتبہ حضرت حسن بصریؒ کی مجلس میں حاضر تھے، اس وقت کسی نے زور سے پکار کر کہا کہ لوگوں میں سے ایک بہترین آدمی اور لوگوں میں سے ایک بدترین شخص اس مجمع میں موجود ہیں فرزدق شاعر نے یہ سنتے ہی حضرت بصریؒ سے کہا کہ آپ نے اس شخص کی آواز سنی، خواجہ حسن بصریؒ نے ایجاب کیا اور ارشاد فرمایا کہ واللہ اعلم۔ اس مجمع میں اچھا اور برا کون ہے؟ فرزدق نے یہ سنتے ہی کہا کہ اس مجمع میں بدترین مرد میں ہوں۔ جب فرزدق کا انتقال ہوا، کسی نے خواب میں ان کو دیکھا۔ پوچھا اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا؟ فرزدق نے کہا جب مجھے قاضی قضا کے روبرو لے گئے تو میں ڈرنے لگا۔ اسی وقت فرمان ہوا کہ "ہم نے تمہیں اس روز بخش دیا تھا جس روز تو نے خود کو بدترین مرد سمجھا تھا"۔

19.11 مسئلہ آواگون اور برزخ

جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ مرنے کے بعد روح یا نفس کہاں رہتا ہے تو قرآن کریم سے ہمیں یہ پتا چلتا ہے کہ تمام مرنے والوں کی روحیں ایک پردہ کے پیچھے ہیں جسے برزخ کہا گیا ہے۔ ایک طرف یہ وجود کی پانچویں سمت (5 th Dimension) ہے۔ ایک دفعہ جو وہاں پہنچ گیا پھر دنیا میں وہ کسی اور جسم میں واپس نہیں آ سکتا (الا ماشاءاللہ)۔ البتہ برزخ ایک بہت بڑی دنیا ہے۔ جس میں تمام روحیں اپنے اپنے اعمال کے مطابق مختلف حالات اور درجات کے مطابق زندگی گزارتی ہیں۔ ان میں کچھ روحوں کو اللہ تعالیٰ آزادی دیتا ہے اور بہت سی مقید بھی ہوتی ہیں۔ کئی ایک بھوت بن کر اسی زمین پر سرگرداں ہیں، لیکن ایک دفعہ مرنے کے بعد دوبارہ پیدا ہونا ممکن نہیں، اس کے بارے مندرجہ ذیل قرآنی آیت بین ثبوت ہے:۔

حَتّٰیٓ اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ o لَعَلِّیٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا

تَرَکۡتُ کَلَّا ؕ اِنَّهَا کَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ؕ وَمِنۡ وَّرَآئِهِمۡ بَرۡزَخٌ اِلٰی یَوۡمِ یُبۡعَثُوۡنَ O

"یہاں تک کہ جب ان (کافروں) میں سے کسی کو موت آتی ہے تو کہتا ہے، اے میرے رب! مجھے واپس بھیج دیجئے، تا کہ میں نیک عمل کروں اس میں جسے میں چھوڑ آیا ہوں، جواب ہوگا، ہرگز نہیں، یہ تو بس ایک بات ہے، جو وہ کہہ رہے ہیں۔ اب ان کے پیچھے ایک برزخ حائل ہے، وہ اس میں قیامت کو اٹھنے تک رہیں گے"۔ (سورۃالمومنون، آیات۔ 100-99)

اس آیت مبارکہ سے صاف ثابت ہو رہا ہے کہ اسلام مسئلہ آوا گون کو نہیں مانتا کہ روحیں واپس اجسام میں ایک جنم سے دوسرے جنم میں آتی ہیں اور یوں بہتر اعمال کر کے نروان حاصل کر سکتی ہیں۔ یہ سب دھوکا ہے، اگر کہیں ایسا واقع نظر بھی آتا ہے تو یہ بھوتوں اور جنات کی وجہ سے ہوسکتا ہے۔ دنیا میں انسان کے لئے صرف ایک ہی دفعہ پیدا ہونا ہے اور یہی ایک زندگی ہے جتنی چاہے اور جو چاہے کمائی کر لے۔ یہاں ہر نیا دن اس کے لئے نئے مواقع لے کر نکلتا ہے۔ چاہے تو اسے برائی میں گزار دے، چاہے تو اچھائی میں، لیکن پھر بھی مرتے دم تک توبہ کا دروازہ کھلا رہتا ہے اس کے بعد آخرت کا گھر ہے۔ یوم حشر کو انسان اور جنات، زمان و مکان کے کونے کونے سے مقررہ مقام کی طرف خود بخود دوڑتے آئیں گے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:۔

لَمَجۡمُوۡعُوۡنَ ۙ اِلٰی مِیۡقَاتِ یَوۡمٍ مَّعۡلُوۡمٍ O

"اے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ان لوگوں سے کہو یقیناً اگلے اور پچھلے سب ایک دن ضرور جمع کیے جانے والے ہیں، جس کا وقت مقرر کیا جا چکا ہے"۔ (سورۃ الواقعہ، آیت۔ 50)

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مسئلہ آوا گون کی حقیقت کو بھی دوبارہ مختصراً واضح کر دیا جائے۔ یہ ہندو اور بدھ مت کے عقائد کا حصہ ہے اور انسان کے لئے بار بار کی موت اور بار بار کی زندگی بتاتا ہے۔ مثلاً ایک آدمی نے اگر زندگی میں اچھے اعمال کیے ہیں تو اپنے دوسرے جنم میں انعام کے طور پر وہ کسی ایسے گھر میں پیدا ہوگا جہاں پہلے کی زندگی سے بہتر مواقع میسر ہوں گے، اس کے برعکس اگر وہ ایک برا آدمی تھا تو بدتر حالات میں پیدا ہوگا، اگر بہت ہی برا تھا تو اگلے جنم میں سزا کے طور پر کتا، بلا، سور غرض کوئی بھی ذلیل مخلوق بن کر اپنے گناہوں کی سزا بھگتے گا۔ یوں آوا گون کے مطابق انسان بار بار پیدا اور مرتا رہتا ہے۔ اگر کئی زندگیوں میں مسلسل اچھے اعمال کرتے جائے گا تو آخر کار نروان پا لے گا یعنی خدا کی ذات کا حصہ بن کر ہمیشہ کے لئے سکون پا لے گا۔ قرآن کریم سے ثابت ہوتا ہے کہ آوا گون کا یہ نظریہ غلط ہے۔ اس کی مندرجہ ذیل وجوہ ہیں۔

آوا گون کے مطابق قیامت اور جزا و سزا کے دن کی ضرورت نہیں۔ دنیا یونہی چلتی رہتی ہے اور لوگ اپنے کیے کا بدلہ اپنے جنم کی صورت میں پاتے رہتے ہیں۔ یہ ہندوؤں کے اس نظریہ کے مطابق ہے کہ کائنات ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی، کوئی قیامت نہیں حالانکہ ہمیشہ سے

رہنے والی کائنات کا نظریہ سائنسی بگ بینگ (Big Bang) تھیوری نے بھی غلط ثابت کر دیا ہے۔ اگر کائنات ہمیشہ سے نہیں تو آوا گون ہمیشہ سے کیسے ہو سکتا ہے؟! اگر کبھی روح ایک ہی تھی تو پھر آوا گون کے پھندے میں پھنسنے والی آج کی 6000 ملین روحیں کہاں سے آ گئیں؟

سائنسی طور پر بھی یہ ایک مضحکہ خیز تھیوری ہے مثلاً اگر کوئی آدمی کتا یا بلا بن کر پیدا ہوتا ہے تو اسے کتے والی زندگی سے نکلنے کا سبب کیا ہوگا؟ اس کے لئے اس کتے کو اچھے اعمال کرنے چاہئیں۔ کتے کے اچھے اعمال کیا ہوں گے؟ جو کتا بن گیا اب وہ ہمیشہ کتا ہی رہے گا، جو درخت کی روح میں پیدا ہوا وہ درخت ہی رہے گا۔ اس لیے روحوں کا بار بار نئی حالتوں میں جنم لینا ناممکن ہے۔ اسی طرح اگر ایک اعلیٰ اعمال کا آدمی اعلیٰ تر مخلوق کی شکل میں پیدا ہوتا ہے تو وہ کون سی مخلوق ہوگی؟! اگر آدمی ہی پیدا ہوتا تھا تو انسانیت میں تو تمام لوگ برابر ہیں۔

مسئلہ آوا گون کے خلاف ایک دلیل دنیا کی بڑھتی ہوئی آبادی بھی ہے، اگر آوا گون صحیح ہوتا تو دنیا کی آبادی کو یکساں رہنا چاہیے بلکہ بڑھتی ہوئی برائی کے پیش نظر کم ہوتا جانا چاہیے۔ چنانچہ آوا گون کا مسئلہ ایک غیر سائنسی نظریہ ہے لیکن افسوس کہ پھر بھی کچھ لوگ گمراہ فلاسفروں کے زیر اثر اس کے پیچھے لگ جاتے ہیں۔ بعض دفعہ اس کے ثبوت میں یہ تاویل پیش کی جاتی ہے کہ کبھی کبھی ایسے بچے پیدا ہوئے ہیں جو اپنے پہلے جنم کی باتیں بتاتے ہیں لیکن اس کی اصل وجہ جنات اور بھوت بھی ہو سکتے ہیں جو بچے پر چڑھ جاتے ہیں اور کسی دوسرے ماحول کی خبریں دیتے ہیں جن میں سے وہ پہلے رہتے تھے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ جب عامل ان بھوتوں کو اتار دیتا ہے تو بچہ نارمل ہو جاتا ہے۔

19.12 برزخ اور برزخی حیات

اب برزخی حیات کے بارے میں کچھ بیان کرنا ضروری ہے۔ جیسا کہ سورۃ المومنون کی آیت مبارکہ 100 میں بیان کیا جا چکا ہے، برزخ ایک پردہ (Barrier) کا نام ہے۔ قرآن پاک کی سورۃ الرحمٰن میں سمندروں میں میٹھے اور کھارے پانی سرد اور گرم پانی، سفید اور نیلے پانی کے درمیان رکاوٹ کو بھی برزخ کا نام دیا گیا ہے۔ فرمایا:-

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ O بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ O فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ O

"اس نے دو سمندر بنائے کہ ایک دوسرے سے ملتے ہیں، (نہ کھارا میٹھے میں ملتا ہے، نہ میٹھا پانی کھارے میں ملتا ہے)، ان کے درمیان برزخ ہے کہ ایک دوسرے پر چڑھ نہیں دوڑتے اور تم اللہ تعالیٰ کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے"۔ (سورۃ الرحمٰن، آیات۔ 19-21)

ان آیات سے یہ بات عیاں ہے کہ برزخ موجودہ زمان و مکان سے باہر کسی دوسرے مقام کا نام نہیں۔ نہ ہی یہ کوئی بے آباد جزیرہ یا پہاڑ ہے بلکہ زمان و مکان کی کوئی اور سمت (Dimension) ہے جس کا دروازہ آدمی پر موت کے وقت کھل جاتا ہے۔ قرآن کریم میں اس کی مثال رات اور دن سے بھی دی گئی ہے۔ دونوں الگ الگ حالتیں ہیں اور اگر فضا کے اوپر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے جیسے یہ دونوں ایک دوسرے

کے آگے پیچھے بھاگ رہے ہیں لیکن یہ ناممکن ہے کہ اپنے درمیانی پردہ کو پھاڑ کر ان میں سے کوئی دوسرے پر چڑھ جائے۔سائنسی تحقیقات کے مطابق ہماری چار سمتی دنیا کے علاوہ کائنات میں زیادہ سمتوں والی دنیائیں بھی موجود ہو سکتی ہیں کوئی پتا نہیں کہ انسان کب برزخ کو عبور کر کے ان دنیاؤں میں پہنچنے کا علم بھی حاصل کر لے۔

19.13 برزخی حیات میں داخلہ

اسلامی تعلیمات کے مطابق مرنے والے عالم برزخ میں چلے جاتے ہیں۔زندہ انسانوں کے لئے جسمانی کثافت کی وجہ سے اسے عبور کرنا مشکل ہے البتہ نیند کے عالم میں جب نفس اپنے جسم کو چھوڑ دیتا ہے تو اپنی استطاعت کے مطابق برزخ میں بھی جھانک لیتا ہے۔لیکن جسم سے باندھی زنجیر کی وجہ سے زیادہ دور نہیں جاسکتا۔اس کی مثال ایک گھوڑے کی سی ہے جو ایک رسی سے مضبوط کھونٹے سے باندھا گیا ہو، یہ صرف اپنی رسی کی درازی کی حد تک ہی کھونٹے سے دور جاسکتا ہے تاوقتیکہ رسی ٹوٹ جائے اور یہ کھونٹے سے آزاد ہو جائے۔
مغربی محققین کے مشاہدہ میں آنے والے لقریب المرگ اور عارضی طور پر مرنے والوں کے بارے میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کی رسی دراز کردی گئی اور وہ یوں برزخ میں تھوڑا آگے نکل گئے تھے۔چونکہ رسی ابھی ٹوٹی نہیں تھی اس لیے واپس آگئے، ایسے لوگوں کو برزخی حیات کا مشاہدہ تو ضرور ہوتا ہے لیکن اس میں شمولیت کا موقع نہیں ملتا۔یہ موقع اصل موت کے بعد ہی ملتا ہے جب واپسی کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ہوش وحواس میں رہتے ہوئے اگر کسی ہستی نے پورے عالم برزخ کی سیر کی ہے تو وہ ذات پاک صرف حضور خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہے جس کی تفصیلات احادیث کی کتابوں میں موجود ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں ماضی اور مستقبل دونوں طرف گئے اور لوگوں کے حالات ملاحظہ فرمائے۔تمام گزرے ہوئے نبیوں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملاقات ہوئی۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنت اور دوزخ کو بھی دیکھا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فرشتوں اور ارواح سے بھی بلاواسطہ ملاقات ہوئی اور رب العالمین کے دیدار کی نعمت بھی پائی۔

19.14 برزخی حیات کی تنظیم

احادیث اور مسلمان بزرگوں کے مشاہدات اور تحقیق کی بنا پر برزخ کی جو مجموعی تصویر بنتی ہے وہ کچھ یوں ہے۔برزخ مرنے والوں کی دنیا ہے جس کی آبادی بڑھتی ہی جارہی ہے۔وہاں بھی بڑی رونقیں ہیں، بے شمار حالات اور درجات ہیں، کچھ میں جنت کے نظارے ہیں اور کچھ میں دوزخ کے۔مرنے والے وہاں اپنے اپنے اعمال کے مطابق جزا یا سزا کے احساس میں رہتے ہیں لیکن جیسے دنیاوی حیات میں بیماری یا تکلیف آدمی کے گناہوں کا کفارہ ہوتی ہے، یوم الدین سے پہلے برزخی زندگی کی تکالیف بھی دراصل آدمی کے لئے نعمت ثابت ہوتی ہیں جو اس کے بہت

سے گناہوں کا کفارہ ثابت ہوں گی۔اس کا ثبوت یہ ہے کہ سورۃ الرحمٰن میں برزخی حیات میں عذاب کی آیات کے بعد ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ "تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟" اگر ان کی وجہ سے انسان کے گناہ دُھل جاتے ہیں تو یقیناً یہ بہت بڑی نعمت ہے۔اس کی مثال ہسپتال میں مریض کے آپریشن سے دی جاسکتی ہے اگر چہ یہ تکلیف دہ ہے لیکن مریض کی اسی میں خیر خواہی ہے۔

نفوس کی استطاعت کے مطابق برزخی حیات میں لوگوں کو ادھر اُدھر جانے کی اجازت ہے۔وہاں کے رہنے والے آپس میں بات چیت، میل جول بھی رکھتے ہیں۔دنیا کے حالات سے بھی باخبر رہتے ہیں۔ایک خطے سے دوسرے خطے تک آجاسکتے ہیں۔عالم برزخ میں اللہ تعالیٰ کے انبیاء کرام علیہم السلام کے مدارج سب سے اعلیٰ ہیں۔ان کے بعد صدیقین، شہداء، اور صالحین اور ان تمام برگزیدہ ہستیوں کے مقامات ہیں جو اپنی دنیاوی حیات میں عقل و شعور سے اللہ تعالیٰ کی گواہی (شہادت) دیتے ہیں اور اس کی راہ میں اپنی جان تک بھی قربان کرنے سے دریغ نہیں کرتے۔ایسے خوش نصیبوں کی برزخی حیات بڑی بھرپور ہے اور وہ وہاں بہت خوش ہیں۔ان میں شہداء کے بارے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

''جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہوئے انہیں مردہ نہ سمجھو، وہ تو حقیقت میں زندہ ہیں، اپنے رب کے پاس سے رزق پا رہے ہیں، جو کچھ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے فضل سے دیا ہے اس پر خوش و خرم ہیں، اور مطمئن ہیں اس بات پر کہ جو اہلِ ایمان، ان کے پیچھے دنیا میں رہ گئے ہیں، ان کیلئے بھی کوئی خوف اور رنج کا موقع نہیں ہے، وہ وہاں اللہ تعالیٰ کے انعام و اکرام پر شاداں و فرحاں ہیں، اور وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا''۔
(سورۃ آلِ عمران، آیات۔167-171)

ان آیاتِ کریمہ سے مندرجہ ذیل نکات صاف ظاہر ہیں۔

1۔ موت کے بعد نفس زندہ رہتا ہے۔

2۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہونے والے عالمِ برزخ میں آزاد ہیں۔برزخی جنت میں اللہ تعالیٰ سے انعام و اکرام حاصل کرتے ہیں۔

3۔ عالمِ برزخ میں انہیں رزق بھی دیا جاتا ہے۔

4۔ وہاں وہ بہت خوش ہیں، آپس میں روابط رکھتے ہیں اور ان کی وہاں ایک سوشل لائف ہے۔

5۔ وہ اپنے پیچھے دنیا میں چھوڑے ہوئے ساتھیوں کو بھولے نہیں بلکہ وہ ان کا موضوعِ سخن ہیں۔

6۔ عالم برزخ میں ان پر عالم الغیب کے حقائق کھل جاتے ہیں اور انہیں عین الیقین اور حق الیقین حاصل ہو جاتا ہے۔

19.15 عالم برزخ مقام اصلاح اور شفاء

جیسا پہلے ہی کہا گیا ہے اسلامی روایات سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ عالم برزخ میں لوگوں کی زندگی کوئی بیکار کی زندگی نہیں بلکہ دنیاوی حیات ہی کی طرح وہاں بھی مختلف لوگوں کے مختلف مشاغل ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ یوم الدین سے پہلے پہلے یہ گنہگاروں کے گناہ دھونے اور نیک لوگوں کے لئے رب العالمین کی رحمتوں کا مقام ہے۔انعام یافتہ آزاد ہیں اور ان کی روحیں کائنات میں گھومتی پھرتی ہیں۔اس کے برعکس اللہ تعالیٰ کے باغیوں کی روحیں بند ہیں جنہیں وہاں صبح شام دوزخ کی آگ دکھائی جاتی ہے۔(قرآن کریم میں فرعون اور ان کے ساتھیوں کے متعلق یہ فرمایا گیا ہے کہ ان پر صبح شام دوزخ کھولا جاتا ہے۔سورۃ جن، آیت 46)۔ایک تیسری طرح کی روحیں بھی ہیں جنہیں قیامت تک سلا دیا جاتا ہے۔اس دوران میں ان پر باہر سے کوئی سزا نہیں لیکن ان کے اپنے اعمال خواب بن کر انہیں خوش یا تنگ کرتے رہتے ہیں۔ان تین اقسام کے علاوہ روحوں کی ایک چوتھی قسم بھی ہے۔یہ جو ارضی دنیا کے ساتھ حسرت کے عالم میں چمٹی رہتی ہیں، جنہیں ہم بد روحیں، بھوت (Ghosts) وغیرہ کا نام دیتے ہیں۔ان کی تفصیلات بھی اس کتاب میں بیان کر دی گئی ہیں۔

گنہگاروں کے لئے مشہور عالم دین مولانا سید سلیمان ندویؒ (حوالہ سید سلیمان ندویؒ۔سیرت النبی۔جلد5) کے مطابق عالم برزخ کی مثال ایک شفاخانہ کی ہے۔وہاں پر بیمار نفوس کے گناہوں کا علاج ہوتا ہے۔وہاں کی سزا ایسے ہی ہے جیسے شفاخانہ میں کڑی کسیلی دوائیں کھلائی جاتی ہیں اور بعض کے جسم کو آپریشن کے ذریعہ چیر پھاڑ بھی دیا جاتا ہے لیکن اس کا مقصد صرف مریض کی بھلائی ہوتا ہے۔برزخ کو ہم حوالات سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔یہ فیصلہ سے پہلے کا وقفہ ہے جج جب فیصلہ دیتا ہے تو اس عرصہ کا احسن بدلہ دیتا ہے۔

19.16 برزخ کی آزادی

یہ سوال کہ روحیں برزخ میں آزاد ہیں یا قید، اس کے بارے میں کچھ وضاحت اوپر ہو چکی ہے۔امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مطابق اپنی برزخی حیات میں روحیں آزاد ہوتی ہیں اور جدھر چاہیں آ جا سکتی ہیں۔(حوالہ کتاب عالم برزخ، صفحہ 93، مصنف عبدالرحمٰن ماہر کوٹلہ)۔امام غزالیؒ کا بھی یہی نظریہ ہے بلکہ وہ اس کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ روحیں ایک آسمان سے دوسرے آسمان میں بھی جا سکتی ہیں۔(حوالہ رسائل امام غزالیؒ)۔البتہ جیسے پہلے ذکر ہو چکا ہے روحوں کی آزادی کا انحصار ان کے اعمال پر ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کے باغیوں کی روحیں قید کی حالت میں ہیں جہاں ان کو صبح شام دوزخ کا نظارہ کرایا جاتا ہے۔

19.17 روحوں کی ڈیوٹیاں

اب ہم اس سوال کی طرف آتے ہیں کہ عالم برزخ میں ارواح کیا کرتی ہیں؟ جیسے ہم پہلے بھی بتا چکے ہیں کہ بعض نفوس رب کائنات کی تخلیقات کے نظارے دیکھنے کیلئے نکل جاتی ہیں۔ بعض روایات سے یہ بات بھی ثابت ہے کہ برزخی حیات میں نیک لوگوں کی ڈیوٹیاں بھی لگتی ہیں:۔

تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ كُلِّ اَمْرٍ

''اترتے ہیں فرشتے اور روح ہر امر کے لئے اپنے رب کے اذن سے''۔(سورۃ القدر، آیت 4)

اس سورت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے۔ مثلاً وہ رجال الغیب کے طور پر آ کر مصیبت میں لوگوں کی مختلف طریقوں سے امداد کرتے ہیں۔ اپنے ساتھی بزرگوں کے سالانہ عرسوں میں بھی شامل ہوتے ہیں۔ رجال الغیب کے سلسلہ میں سب سے نامور بزرگ حضرت خضر علیہ السلام ہیں جن کا ذکر قرآن کریم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں بھی آتا ہے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے تکوینی امور بجالاتے ہیں۔ یوں ایسی روحیں انسانی جسم کی شکل میں نظر آتی ہیں۔

عالم برزخ میں جیسا کہ مغربی محققین کے مشاہدہ میں آنے والے عارضی موت کے بعد زندہ ہونے والے بعض لوگوں نے بتایا کہ وہ ارواح جو سزا میں مبتلا نہیں وہ علمی مباحث اور درس وتدریس میں لگی رہتی ہیں۔ اس طرح اسلامی روایات سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ بہت سی ارواح قرآن حکیم کی تعلیم حاصل کرتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی آیات کے ظاہر اور باطنی معنوں کو سمجھنے کی کوشش میں لگی رہتی ہیں۔ انسان کی برزخی حیات کے ضمن میں قرآن کریم کی سورۃ الواقعہ میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی موت کے بعد جس کو چاہے جیسی چاہے شکل اور جسم عطا کر دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَانَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ o عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ o وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ o اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ o

''ہم نے تمہارے درمیان موت مقرر کی ہے، اور ہم اس سے عاجز نہیں کہ ہم تمہارے جیسے اور بدل دیں، اور تمہیں ایسی صورت میں پیدا کر دیں جس کی تمہیں کوئی خبر نہیں، بے شک تم جان چکے ہو پہلی بار اٹھنے کو پھر کیا تم نے اس پر غور نہیں کیا''۔(سورۃ الواقعہ، آیات۔ 63-60)

ان آیات سے ہم یہ بات اخذ کرتے ہیں کہ مرے ہوئے لوگ مختلف مادی ذرائع یا مادی اشکال میں اپنے ہونے کا احساس دے سکتے

ہیں۔میرے والد مرحوم کی روح کی خوشبو کا واقعہ جو بیان کیا جا چکا ہے ان کی آمد کا مادی اظہار تھا۔اس نوع میں بعض اوقات اسلامی جنگوں میں پہلے مرے ہوئے مجاہدین کی شمولیت کی روایات بھی پائی جاتی ہیں۔ابن بطوطہ اپنے سفر نامے میں بعض فوت شدہ اولیاء کرام سے ان کی جسمانی حالت میں ملاقات کا ذکر کرتے ہیں۔ایسی روایات عالم برزخ کے مکینوں کے حالات کو سمجھنے کے لئے نہایت سبق آموز ہیں۔اسی نوع میں خوابوں میں روحوں سے ملاقات اور روحوں کے بھوت دیکھنے کے واقعات بھی ہر ملک اور ہر قوم میں قدیم زمانہ سے چلے آتے ہیں۔جدید سائنسی تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ ایسے ممکنات سے انکار کرنا مشکل ہے۔اسی ضمن میں امریکی سائیکالوجسٹ ہانز ہالزر (Hans Halzar) کی کتاب "بھوت کیا ہیں؟"۔(Where are the Ghosts?) بھوتوں کے وجود کو ثابت کرنے کی طرف اہم پیش رفت ہے۔ان کی تفصیلات اس کتاب میں دی جا چکی ہیں۔عالم برزخ میں ڈیوٹیوں کا لگنا سلام کے بزرگوں کے نزدیک ایک ثابت شدہ امر ہے۔نہ صرف یہ کہ جو فوت ہو جاتے ہیں ان کی ڈیوٹیاں لگتی ہیں بلکہ بعض اوقات ابھی پیدا ہونے والی ارواح کی بھی ڈیوٹیاں لگتی ہیں۔اس ضمن میں اسلام کے قافی اور ولی العصر فرزند حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی اپنے مکتوبات میں (ترجمہ محمد موسیٰ بھٹو "اللہ کی محبت کا نصب العین")، خط بنام محمد تقی صاحب لکھتے ہیں کہ "اس عالم شہادت میں آنے سے پہلے بعض اکابر سلسلہ مثلاً حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بعض اولیاء اللہ کی روح سے خدا نے وہ کام لیے ہیں جو عالم شہادت میں آنے کے بعد آدمی کرتا ہے۔روح بلا جسم وہ کام کر سکتی ہے جنہیں جسم کے ساتھ کیا جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے"۔مزید فرماتے ہیں کہ "اکثر اولیاء اللہ کے یہ واقعات معلوم ہوئے ہیں کہ ایک ہی وقت میں کئی جگہ اسی شکل میں یا بصورت دیگر ظاہر ہوئے ہیں۔یہ شکلیں حقیقتاً لطائف کی شکلیں ہوتی ہیں جو عالم شہادت میں عالم مثال میں ظاہر ہوتی ہیں لیکن ان واقعات سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ حال مسئلہ تناسخ سے مناسبت رکھتا ہے۔چنانچہ فقیر (حضرت سید احمد سرہندی) کو لوگوں نے مکہ معظمہ میں دیکھا اور بعض نے بغداد اور روم وغیرہ میں بھی، لیکن فقیر کہیں نہیں گیا۔اسی طرح حاجت مند لوگ زندہ اور مردہ بزرگوں سے مصیبت میں مدد طلب کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ان بزرگوں کی روحانی صورتوں نے حاضر ہو کر ان کی بلا کو دفع کیا اور ان بزرگوں کو ان کی بلا کے دفع کرنے کی کبھی اطلاع ہوتی ہے اور کبھی نہیں ہوتی۔اس کا ثبوت یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہزاروں آدمی ایک ہی وقت بشکل مختلف دیکھتے ہیں اور استفادہ کرتے ہیں، یہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفات و لطائف کی مثالی صورتیں ہیں"۔(مکتوب 371۔بنام محمد تقی۔حوالہ محمد موسیٰ بھٹو۔اللہ تعالیٰ کی محبت کا نصب العین)۔

باب نمبر 20

بعد الموت کی شعوری حالت اور
شہداء کے اجسام کا محفوظ رہنا

تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ ۡ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرُ ۨO الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُO

"نہایت بزرگ و برتر ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں کائنات کی سلطنت ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تا کہ تم لوگوں کو آزما کر دیکھے تم میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے اور وہ زبردست بھی ہے اور درگزر فرمانے والا بھی "۔(سورۃ الملک، آیات۔ 2-1)

قرآن کریم کی مندرجہ بالا آیت مبارک یہ باور کراتی ہے کہ جس طرح زندگی ایک تخلیق ہے موت بھی بالکل اسی طرح ایک تخلیقی امر ہے۔ اگر یہ ہوتا ہے تو وہ بھی ہوتا ہے۔ یہ ایک ہی چیز کی دو حالتوں کا نام ہے اس لیے وحی الٰہی کی ایسی ہدایات اور مزید برآں جدید اور قدیم سائنسی تجربات مشاہدات کی بنیاد پر اس بات میں کوئی شک نہیں ہونا چاہیے کہ حیات بعد الموت ایک زندہ حقیقت ہے اور ارواح کا عالم برزخ سے عالم شہود آنا جانا کوئی انہونی بات نہیں۔ یعنی مرنے کے بعد انسان کا نفس (Spirit) زندہ رہتا ہے۔ یوں زندگی کی طرح موت کے بعد والی حالت بھی روح کے لئے شعوری حالت ہے جس میں خوشی ناخوشی، اطمینان اور یاس و حسرت سبھی کچھ ہے جن کا دارومدار اس بات پر ہے کہ اس فرد نے دنیاوی زندگی

کیسے گزاری تھی ۔ جو یہاں عقل کے اندھے ہیں وہ وہاں بھی اندھے ہی رہتے ہیں۔ مگر یہ کہ ان پر حیات بعد الموت کی حقیقت روز روشن کی طرح آشکار ہو جاتی ہے اور یہی بات ان کی ہمیشگی کی یاس وحسرت کا باعث بن جاتی ہے۔

ذیل میں خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی احادیث اور قرآن کریم کی آیات کریمہ کے حوالے سے ہم برزخی حیات کے کچھ مزید پہلوؤں کو واضح کریں گے۔ اسی ضمن میں ایک نہایت اہم بات ان لوگوں کی ہے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان دے دیتے ہیں۔ قرآن کریم ان کو مردہ کہنا بھی گوارا نہیں کرتا اور حیرت انگیز بات یہ ہے کہ مٹی اور اس میں رہنے والے کیڑے بھی ان کے اجسام کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ بے شمار مشاہدات ثابت کرتے ہیں کہ قبروں میں ان کے اجسام خراب نہیں ہوتے اور صدیوں بعد بھی وہ تر وتازہ حالت میں پائے گئے ہیں۔

آئیں سب سے پہلے خصوصاً شہدا کی شعوری حالت کے بارے میں احادیث کی کتابوں میں دیئے گئے واقعات کو دیکھتے ہیں۔

20.1 شہداء کا دیکھنا، سننا اور سمجھنا

بخاری شریف کی حدیث ہے کہ سید دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ "شہید کے لئے ایک جسم نہایت خوبصورت اترتا ہے اور محافظ فرشتے اس کے نفس سے کہتے ہیں کہ وہ اس میں داخل ہو جائے۔ اس وقت وہ اپنے پہلے بدن کو دیکھ رہا ہوتا ہے کہ لوگ اس کے ساتھ کیا کرتے ہیں۔ ان کی باتیں سنتا ہے اور کلام کرتا ہے اور گمان کرتا ہے کہ وہ اس کی باتیں سنتے ہیں۔ اور اسے دیکھتے بھی ہیں حالانکہ ان کے حواس خمسہ سے وہ اوجھل ہوتا ہے یہاں تک کہ جنت سے اس کی بیبیاں اسے آکر لے جاتی ہیں"۔ (بحوالہ کتاب الروح)

20.2 عالم برزخ میں آزادی

امام احمد بن حنبل اپنی مسند میں روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ "بیشک دنیا کافر کی جنت اور مسلمان کے لئے زندان ہے۔ مومن کی جب جان نکلتی ہے تو اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی پرندہ ہے جو پنجرہ سے آزاد کر دیا گیا ہو کہ زمین پر بافراط چلتا پھرتا اڑتا ہے، جہاں چاہے سیر کرے۔ (بحوالہ کتاب الروح)

20.3 موت کے بعد شعور

ابن ابی الدنیا 'کتاب القبور' اور امام عبد الحق 'کتاب العاقبۃ' میں ام المومنین حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ "جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی زیارت قبر کو جاتا ہے اور وہاں بیٹھتا ہے تو میت کا دل اس سے بہلتا ہے اور جب بات کرتا ہے تو مردہ اس کا جواب دیتا ہے"۔ (بحوالہ کتاب الروح)

مندرجہ بالا احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ موت کے بعد نفس اور روح قائم ودائم رہتے ہیں اور آزادی سے کائنات میں گھومتے پھرتے ہیں۔ اپنے

جسم کے ذرات (Atoms of Molecules)، خواہ وہ پانی میں گھل جائیں، مٹی میں مل جائیں، آگ میں راکھ ہو جائیں، جانوروں کی غذا بن جائیں، سے رابطہ استوار رکھتے ہیں۔ جدید سائنس کی بھی یہ دریافت ہے کہ عناصر اپنے اوپر گذرے ہوئے حالات کو یاد رکھتے ہیں۔ مثلاً فرانسیسی سائنسدانوں نے 1990ء میں دریافت کیا کہ روشنی کے ذرات (Protons) اپنے منبع سے علیحدہ ہو کر بھی ایک دوسرے کو نہیں بھولتے۔ چیزوں کی ہیئت بدل سکتی ہے لیکن یادداشت (Memory) ویسے ہی رہتی ہے۔ انسانی روح اور اسکے جسم کے ذرات کا بھی یہی حال ہے۔

20.4 مردہ کا زندہ کو سننا اور حساب و کتاب

مردہ کا قبر کے باہر لوگوں کو دیکھنا اور ان کی باتیں سننا مندرجہ ذیل واقعہ سے بھی ثابت ہوتا ہے جو صحیح مسلم شریف کی روایت ہے۔

حضرت عمرو بن العاصؓ نے اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ سے جو صحابی بھی ہیں فرمایا کہ "جب مجھے دفن کر چکو تو مجھ پر تھم تھم کر آہستہ آہستہ مٹی ڈالنا پھر میری قبر کے گرد اتنی دیر ٹھہرے رہنا کہ ایک اونٹ ذبح کیا جائے اور اس کا گوشت تقسیم ہو، یہاں تک کہ میں تم سے انس حاصل کروں اور جان لوں کہ اپنے رب کے بھیجے ہوؤں کو کیا جواب دیتا ہوں"۔ (بحوالہ کتاب الروح)

20.5 مردوں کی روحوں کا زندہ لوگوں سے ملنا

ابن ابی الدنیا بیہقی اور حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دوسرے سے کہا کہ اگر آپ مجھ سے پہلے انتقال کریں تو مجھے خبر دیں کہ وہاں کیا پیش آیا۔ ان کی یہ بات سنتے ہوئے ایک دوسرے صحابی نے پوچھا کہ کیا زندہ اور مردہ آپس میں ملتے ہیں فرمایا کہ ہاں! مسلمانوں کی روحیں تو جنت میں ہوتی ہیں اور انہیں اختیار ہوتا ہے جہاں چاہیں جائیں۔ (بحوالہ کتاب الروح)

20.6 قبور میں مردوں کا زندہ لوگوں کو پہچاننا اور سلام کا جواب دینا

ابن ابی الدنیا بیہقی و ابن عساکر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ "جب آدمی ایسی قبر پر گزرتا ہے جس سے دنیا میں شناسائی تھی اور اسے سلام کرتا ہے تو میت سلام کا جواب دیتی ہے اور اسے پہچانتی ہے"۔ (بحوالہ کتاب الروح)

20.7 موت کے بعد روح جنازہ کے ساتھ ساتھ جاتی ہے

امام ابن ماجہ حضرت بکر بن عبداللہ مزنیؒ سے راوی ہیں: مجھے حدیث پہنچی ہے کہ "جو شخص مرتا ہے اس کی روح ملک الموت کے ہاتھ

میں ہوتی ہے۔لوگ اسے غسل وکفن دیتے ہیں اور وہ دیکھتا ہے کہ اس کے گھر والے کیا کرتے ہیں، لیکن ان سے بول نہیں سکتا کہ انہیں شور و فریاد سے منع کرے۔ جب جنازہ لے کر چلتے ہیں تو روح جنازے کے ساتھ چلتی ہے اور فرشتہ اس سے کہتا ہے کہ سن تیرے حق میں لوگ کیا کہتے ہیں"۔
(بحوالہ کتاب الروح)

20.8 نیک آدمی کی روح کا خوشبودار لباس

حضرت ابو ہریرہؓ مسلم شریف میں روایت کرتے ہیں کہ:۔

''جب مومن کی روح جسم سے جدا ہوتی ہے تو محافظ فرشتے اسے مقام علّیین کی طرف لے کر چل پڑتے ہیں۔ وہ اسے رحمت کے لباس میں لپیٹ لیتے ہیں جس سے خوشبوئیں پھوٹ پھوٹ کر نکلتی ہیں۔ یہاں تک کہ فرشتے ہاتھوں ہاتھ لیتے اور مبارک مبارک کہتے آسمان کے دروازہ تک لے جاتے ہیں۔ وہاں آسمان کے فرشتے ان سے پوچھتے ہیں کہ یہ کس کی مبارک روح ہے جو اس قدر خوشبودار ہے۔ اس طرح وہ جہاں جہاں جاتے ہیں اس کا ایسے ہی استقبال کیا جاتا ہے۔ جہاں تک کہ وہ اسے مومنین کی روحوں کے پاس لے آتے ہیں اور وہ اسے دیکھ کر خوش ہوتے ہیں، جس طرح سفر سے جب کوئی واپس آتا ہے تو اس کے گھر والے خوش ہوتے ہیں۔ وہ روحیں اس نئی آنے والی روح سے عالم شوق میں پوچھتی ہیں کہ فلاں شخص کا کیا حال ہے؟ فلاں کا کیا حال ہے؟ فرشتے جواب دیتے ہیں ابھی اس کو چھوڑ دو کہ اسے دنیا کے غم سے نجات مل جائے۔ پھر نئی آنے والی روح ان روحوں سے کہتی ہے کہ وہ تو مر چکا ہے کیا وہ تمہارے پاس نہیں پہنچا۔ تو وہ روحیں جواب دیتی ہیں نہیں، تو وہ کہتے ہیں: پھر تو وہ جہنم میں چلا گیا اور اس پر افسوس کرتی ہیں۔" (بحوالہ مسلم۔المستدرک للحاکم)

ہمارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگ بدر کے چند سال بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صفرا کے مقام سے گزر رہے تھے۔ تمام صحابی حیران ہو گئے کہ ماحول میں خوشبو ہی خوشبو چھا گئی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ خوشبو کیسی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ شہید جناب عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ کی روح ہم سب کو خوش آمدید کہہ رہی ہے کہ جناب عبیدہ رضی اللہ عنہ یہیں دفن ہیں۔

20.9 دیگر بزرگوں کے مشاہدات

موت کے بعد روحانی حیات کے اوپر دیئے گئے چند واقعات کا تعلق حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرامؓ سے ہے لیکن ان

کے بعد بھی مسلمان بزرگوں نے تواتر کے ساتھ اس مضمون کے حقائق پر بہت کچھ لکھا ہے۔

اس سلسلہ میں مولانا احمد رضا خان بریلوی کا کام بڑا اہم اور جامع ہے انہوں نے اپنی کتاب 'روحوں کی دنیا' میں عالم برزخ کی کئی سعید روحوں کے حالات لکھے ہیں۔ حضرت گنج بخش علی ہجویریؒ کی کتاب ''کشف المحجوب'' میں بھی عالم برزخ میں کئی ایک اولیاء کرام کے حالات بیان کیے گئے ہیں۔ مشہور زمانہ سیاح ابن بطوطہ نے چودہویں صدی عیسوی میں اپنے سفرنامہ میں بھی کچھ بزرگوں کی روحوں کے بڑے حیرت انگیز واقعات بیان کئے ہیں۔ وہ نہ صرف ان سے ملے بلکہ ان سے فیض بھی حاصل کیا اور بعض نے تو ان کی انتہائی مشکل حالات میں مدد بھی فرمائی۔

پاکستان کے معروف بیوروکریٹ اور مصنف مرحوم قدرت اللہ شہاب صاحب کی خودنوشت ''شہاب نامہ'' میں بھی مردہ نفوس کے متعلق بعض حیرت انگیز واقعات درج ہیں جو پڑھنے کے قابل ہیں جن میں سے بعض بھوتوں کے متعلق ہیں جو زمین پر حسرت و یاس میں بھٹکتے پھرتے ہیں۔ ان کا ذکر پچھلے ابواب میں گزر چکا ہے۔

20.10 شہداء کے اجسام کی حفاظت

اب ہم اس موضوع کی طرف آتے ہیں جس نے سائنسدانوں کو حیران کر دیا ہے۔ روسیوں اور امریکیوں نے افغانستان میں دوران جنگ دیکھا کہ مسلم شہداء میں بعض لوگ ایسے بھی تھے جن کے اجسام ہفتوں کیا مہینوں اور سالوں بھی خراب نہیں ہوتے جبکہ ان کے اپنے مرنے والے فوجیوں کی لاشیں بڑی جلد بو چھوڑ جاتی تھیں۔ یہ ان کی سائنسی حس کے لئے نہایت حیرت انگیز بات تھی اور اب وہ مادیات کی دنیا میں رہتے ہوئے ان واقعات پر تحقیقات کر رہے ہیں۔

میڈیکل مشاہدہ کے مطابق عام طور پر موت کے بعد میت کا جسم چند دنوں میں خراب ہو جاتا ہے۔ گرمی ہو تو ایک دن کے اندر اندر بو چھوڑ دیتا ہے، سردیوں میں چند دنوں کے بعد یہی حالت پیدا ہو جاتی ہے۔ قبر میں دفنانے کے بعد گلنے سڑنے کا عمل اور بھی تیز ہو جاتا ہے۔ چند دنوں میں پیٹ پھول کر پھٹ جاتا ہے، دماغ کا مواد ناک اور کانوں کے راستے بہنا شروع ہو جاتا ہے، آنکھیں ابل جاتی ہیں اور ہفتہ بھر میں سارے جسم میں کیڑے پڑ جاتے ہیں اور دو مہینوں تک جسم کا گوشت یا تو کیڑوں کے پیٹ میں چلا جاتا ہے یا مٹی کے مرکبات کے ساتھ مل کر مٹی ہو جاتا ہے۔ بقیہ کاربن ڈائی آکسائیڈ، سلفر ڈائی آکسائیڈ، ہائیڈروجن سلفائیڈ اور پانی کے بخارات بن کر مٹی اور ہوا میں گم ہو جاتا ہے۔ تین ماہ کے بعد انسانی جسم میں سے صرف ہڈیوں کا ڈھانچہ باقی رہتا ہے۔ کچھ سالوں میں مٹی کے مرکبات اسے بھی کھا جاتے ہیں۔ یوں آدمی کی مٹی زمین کی مٹی سے مل کر غائب ہو جاتی ہے۔ غرض وہ جسم جس پر انسان اس قدر نازاں ہے جس کی خوبصورتی اور بناوٹ پر فخر کرتا ہے اور جس کی بالیدگی کے لئے ساری زندگی خرچ کر دیتا ہے مرنے کے چند دن بعد وہ اس حالت میں ہوتا ہے کہ اگر کہیں خود وہ اپنے اس حال کو دیکھ لے تو بو کے مارے قریب نہ جائے اور کراہت سے بچنے کے لئے اسے دیکھنا بھی گوارا نہ کرے۔

ان حالات کے برخلاف شہداء کے اجسام کے بارے میں مشاہدات بالکل مختلف ہیں۔ صدیوں بعد بھی وہ محفوظ دیکھے گئے ہیں۔

سائنس کے لئے یہ بات چیلنج ہے کہ ان کے اجسام میں وہ کون سی چیز ہے اور وہ کون سی طاقت ہے جو انہیں صدیوں خراب نہیں ہونے دیتی۔مغربی سائنس اس بات سے تو واقف ہے کہ کیمیکل دوائیوں کے ذریعہ سے جسم کو کچھ سالوں تک محفوظ کیا جا سکتا ہے۔مصر میں ملنے والی ممیات کے حنوط شدہ اجسام سے سائنس اس بات کی قائل بھی ہے کہ دوائیاں لگا کر خشک حالت میں ہزاروں سالوں تک جسم محفوظ کیے جا سکتے ہیں لیکن شہداء کا معاملہ تو بالکل ہی جدا ہے مثلاً جہاد افغانستان کے پہلے دور میں روسی حیران تھے کہ مجاہدین کے جسم موت کے بعد خراب کیوں نہیں ہوتے اور دوسرے دور میں امریکی اسی طرح پریشان ہیں۔وہ بیچارے یہ نہیں جانتے کہ اسلام کی تو پوری تاریخ گواہ ہے کہ ایسے مشاہدات لاتعداد ہیں کہ مہینے، سال تو کیا سینکڑوں بلکہ ہزاروں سالوں کے بعد بھی سعید روحوں کے جسم تر و تازہ پائے گئے ہیں۔مثلاً 1950ء کی بات ہے کہ اس وقت عراق کا حکمران شاہ فیصل اول تھا اور وزیر اعظم نوری السعید تھا۔انہیں خواب میں دکھایا گیا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دو صحابہ جن کی اس وقت قبریں دریا کے کنارے واقع تھیں ان میں طغیانی سے پانی چلا گیا ہے جس سے صحابہ کرامؓ کو ناگواری ہوئی ہے۔جب تین دفعہ متواتر یہی خواب آیا تو علماء کے مشورہ سے قبریں کھود کر جگہ بدلنے کا پروگرام بنایا گیا۔طے یہ پایا کہ یہ کام حج کے سیزن کے ساتھ ہی ہو تا کہ زیادہ سے زیادہ لوگ صحابہ کرامؓ کے جنازہ میں شامل ہو سکیں۔پروگرام کے مطابق جب قبریں کھولی گئیں تو لوگوں نے یہ حیرت انگیز منظر دیکھا کہ صحابہ کرامؓ کے جسم تر و تازہ تھے جیسے سو رہے ہوں۔ریڈیو اور اخبارات کے ذریعے بھی ان واقعات کی شہرت ہوئی۔

اللہ تعالیٰ کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرامؓ جو شہید ہوئے ان کی شہادت کے واقعات اور مشاہدات احادیث کی مختلف کتابوں میں تفصیلاً دیئے گئے ہیں۔انہیں میں سے غزوہ اُحد کے چند واقعات بطور مثال دیئے جاتے ہیں۔

> بیہقی، ابن سعد اور ابو نعیم نے مختلف اسناد سے روایت کی ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ میرے والد غزوہ اُحد میں شہید ہوئے۔حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں مدینہ منورہ کو پانی پہنچانے کیلئے ایک نہر نکالی گئی جو میدان اُحد میں سے گزرتی تھی جس کی وجہ سے بعض شہداء کی قبروں کو کھولنا پڑا۔حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ میرے والد اس حالت میں پائے گئے کہ ان کا ہاتھ زخم پر رکھا ہوا تھا جب ہاتھ ہٹایا گیا تو زخم میں سے خون پھوٹ پڑا۔پھر ہاتھ وہیں رکھ دیا گیا تو خون بند ہو گیا۔حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد کو قبر میں دیکھا تو ایسے تھے گویا سو رہے ہوں اور وہ چادر جس میں انہیں کفن دیا گیا تھا وہ بھی ویسی کی ویسی تھی اور وہ گھاس جوان کے پیروں میں تھی بحال تھی حالانکہ انہیں دفن ہوئے چھیالیس سال بیت گئے تھے۔حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ایک اور صحابیؓ غالباً وہ حضرت حمزہؓ تھے ان کے ایک پیر پر پھاوڑا لگ گیا تو اس سے خون نکل پڑا۔ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد شہیدوں کی حیات کا کوئی کیسے انکار کر سکتا ہے؟ (بحوالہ جمال الاولیا، اشرف علی تھانوی۔صفحہ 63-64)

20.11 جدید دور کے واقعات

پہلے بھی کہا جاچکا ہے کہ شہداء کے اجسام کے محفوظ رہنے کے واقعات جہاد کشمیر، پاک بھارت جنگوں اور جہاد افغانستان میں بھی اکثر مشاہدہ میں آئے۔ میجر (ر) میر افضل صاحب 1965ء پاک بھارت جنگ کے متعلق اپنی تاریخی یادداشتوں میں لکھتے ہیں کہ ان کے ماتحت لڑنے والوں میں سے دو شہداء عالم خان اور سمین خان کے جسم چھ ماہ بعد مٹی کے کھودنے پر اصلی حالت میں پائے گئے۔ ان کے ماتحت لیفٹیننٹ اختر شہید کا جسد خاکی بی آر بی نہر سے جنگ کے ایک ماہ بعد ایسی صحیح حالت میں ملا کہ کسی آبی جانور نے ان کے بدن کی بوٹی بھی نہ نوچی بلکہ قمیض کی جیب سے کاکول کا جاری کردہ موومنٹ آرڈر ایسی صحیح حالت میں ملا کہ سیاہی بھی پانی میں نہ نکلی۔ (سبحان اللہ)

روس کے خلاف جہاد افغانستان میں ایک پاکستانی مجاہد جو آج کل اسلام آباد میں رہتے ہیں، نے مصنف کو حلفیہ بتایا کہ روسیوں کے خلاف لڑتے ہوئے ان کا ایک مومن ساتھی دشمن کے علاقہ میں شہید ہوگیا جب کوئی ڈیڑھ ماہ کے بعد مجاہدین غالب آئے اور شہداء کی میتوں کو ڈھونڈا گیا تو ہمارے لئے یہ کوئی حیرانی کی بات نہیں تھی کہ اس جوان شہید کے زخم اس وقت بھی تازہ تھے اور جسم خوشبو سے معطر تھا۔

کچھ دوسرے مجاہدین نے مجھے بتایا کہ "دوران جہاد ایک جگہ دشمن کا گولہ پھٹا تو گڑھا پڑ گیا۔ لوگوں نے دیکھا کہ گڑھے کے ایک طرف کافی نیچے کسی کی ٹانگ دبی ہوئی ہے جس سے خون بہہ رہا تھا، مجاہدین نے تجسس اور پہچان کے لئے بڑے آرام اور ادب سے جب زمین کو مزید کھودا تو وہاں گیارہ جنازے دفن پائے گئے اور سبھی کے سبھی تازہ حالت میں تھے۔ درخت کی جڑ کی طرح کی کوئی چیز تھی جس سے رس ٹپک کر ان شہداء کے مونہوں میں گرتا تھا۔ ہمارے ایک ساتھی نے انگلی سے وہ رس چاٹ لیا اس کے فوری بعد اس کی زبان بند ہوگئی اور دماغ ماؤف ہوگیا اور وہ کچھ نہ بتاسکا۔ تحقیق پر بڑے بوڑھوں سے معلوم ہوا کہ یہ 1904ء کے مجاہدین تھے جو انگریز کے خلاف لڑتے ہوئے شہید ہوئے تھے لیکن اتنا عرصہ گزرنے کے باوجود بھی ان کے اجسام محفوظ تھے بلکہ ایک طرح زندہ تھے جن کو رزق مہیا کیا جارہا تھا"۔

پاکستانی انسٹیٹیوٹ آف سائنسز اینڈ ٹیکنالوجی کے سائنسدان مرحوم ڈاکٹر محمد رفیق نے 1982ء میں مصنف کو حلفیہ طور پر بتایا کہ "1980ء کی بارشوں میں سیلاب کا پانی ان کے گاؤں کے قبرستان کو بہا کر لے گیا، سیلاب کے اس ریلہ میں ایک بزرگ کی لاش بھی تھی جو ایسے محفوظ پائی گئی جیسے اسی دن وفات ہوئی ہو، حالانکہ اللہ تعالیٰ کا وہ صالح بندہ چالیس پچاس سال پہلے فوت ہوا تھا"۔

اسی طرح ٹی زیڈ فاروقی صاحب، سابق فنانس سیکرٹری گورنمنٹ آف پاکستان نے مجھے بتایا کہ "1965ء کی جنگ میں وہ چشم دید گواہ تھے کہ شہداء کو زمانہ جنگ میں امانت کے طور پر دفن کیا گیا تھا جب زمانہ امن میں ان کے جسم کو ان کے وارثوں تک پہنچانے کے لئے دوبارہ نکالا گیا تو وہ محفوظ تھے"۔

میرے محترم دوست پروفیسر ڈاکٹر احسان اکبر، جو اردو کے معروف شاعر بھی ہیں، نے اپنے شہید بیٹے کا واقعہ مجھے بتایا کہ "شہید پاکستان نیوی میں پائلٹ تھا۔ بڑا ہی متقی مسلمان تھا۔ 1998ء کی ایک ہوائی مشق میں ان کا جہاز مع ان کے بارہ ساتھیوں کے سمندر میں گر کر ڈوب

گیا۔ یہ کیسے ہوا یہ تو ابھی تک ایک معما ہے، لیکن عام قیاس ہے کہ ہندوستان نے میزائل سے اس جہاز کو گرا دیا تھا۔ بہرحال تین ماہ کی بسیار تلاش کے بعد پاکستان نیوی نے اس ڈوبے ہوئے ہوائی جہاز کو سمندر سے ڈھونڈ کر نکال لیا"۔ "اس وقت وہاں موجود لوگ حیران تھے کہ وہ پانی کے اندر تین ماہ سے مردہ حالت میں تھے اور سمندر میں گوشت خور مچھلیاں اور مگرمچھ وغیرہ بھی ہوتے ہیں لیکن شہداء کے اجسام بالکل صحیح حالت میں تھے۔ خود ان کا اپنا بیٹا پائلٹ کی سیٹ پر بیٹھا ہوا پایا گیا۔ جسم بالکل نرم و نازک اور صحیح حالت میں تھا، چنانچہ ان کو نکال کر سیدھا کیا گیا وہ آرام سے ایسے لیٹ گئے جیسے ابھی ابھی فوت ہوئے ہوں"۔

میرے ایک اور محترم دوست نوید ظفر مرحوم جو پاکستان ٹیلی ویژن کے ڈائریکٹر ریٹائر ہوئے، نے بڑے وثوق سے اپنے دفتر میں 1965ء کی جنگ کے ایک میجر صاحب کے حوالہ سے بتایا کہ "سیالکوٹ سیکٹر میں ان کی ڈیوٹی لگی ہوئی تھی، جنگ بند ہونے کے تقریباً دو ماہ بعد جب ہندوستان نے پاکستانی شہداء کی نعشوں کو ہمارے حوالہ کیا تو وہ خراب نہیں تھیں جب کہ انڈیا کے مردوں کی لاشیں تعفن چھوڑ چکی تھیں"۔

1999-2001ء کے دوران افغانستان میں اپنے سفروں کے دوران مصنف کو شہداء کے حالات کے بارے میں تحقیق کا شوق ہوا اور سائنسی انداز میں صحیح صحیح مشاہدات کو اکٹھا کرنا شروع کیا۔ جب میں نے واقف حال لوگوں سے حلفیہ طور پر چشم دید واقعات کے متعلق پوچھا تو نہایت ایمان افروز واقعات سامنے آئے، مثلاً مولانا سعید الرحمان حقانی صاحب، جو طالبان کی حکومت میں نائب وزیر صنعت تھے، نے بتایا کہ "میں روسیوں کے خلاف ننگرہار کے علاقہ میں مجاہدین کا کمانڈر تھا۔ ہمارا ایک الجزائری نوجوان ساتھی نہایت متقی اور باعمل مسلمان تھا۔ وہ ایک صبح میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ "یا شیخ! انشاءاللہ، آج میں شہید ہو جاؤں گا، میری قبر کسی اونچی پہاڑی پر بنانا" ۔ بالکل یہی ہوا عصر کے قریب وہ روسیوں کے ایک گولہ کی زد میں آ کر شہید ہو گیا، چونکہ حالت جنگ تھی اور وہاں مسلسل گولہ باری ہو رہی تھی اس لیے ہم نے انہیں اسی جگہ دفن کر دیا جہاں وہ شہید ہوئے تھے۔ پھر وہاں سے مجاہدین کو پسپائی ہو گئی۔ اگلے سال جب ہم نے دوبارہ روسیوں سے وہ علاقہ چھین لیا تو پھر شہید کی خواہش کے مطابق ان کو کسی اونچی پہاڑی پر دفن کرنے کے لئے ان کی قبر کو کھودا۔ شہید بالکل تازہ حالت میں تھا، خون بھی خشک نہیں ہوا تھا اس کے جسم کا لباس بھی ویسے ہی تھا جیسے دفن کیا تھا"۔

کابل میں ایک الیکٹریکل انجینئر عبدالجلیل صاحب نے مجھے بتایا کہ "میں جہاد کے دوران میں اپنے علاقہ میں روسیوں کے خلاف لڑتا تھا۔ میں چشم دید گواہ ہوں کہ ہمارے شہداء کے جسم خراب نہیں ہوتے تھے۔ یہ بات ہمارے لیے بڑی ایمان افروز اور حوصلہ کا باعث تھی۔ بعد میں روسی ہمارے شہداء کے میتوں پر کیمیکل چھینکنے لگے جس سے جسم کے اجزاء گل جاتے تھے لیکن بو پھر بھی نہیں آتی تھی۔ البتہ روسی مردے ایک دو دن میں تعفن چھوڑ دیتے تھے"۔

مصنف نے خود ستمبر 2000ء میں قندھار کے قریب ایک قبرستان دیکھا جسے قبرستان صالحین کا نام دیا گیا تھا، وہاں 300 کے قریب دشت زہرا کے شہداء دفن ہیں۔ ان قبروں پر ان مظلوم شہداء کے کپڑے، پگڑیاں، سوئیٹر وغیرہ بھی رکھے تھے۔ انہی میں ایک قبر پر خون آلود کپڑے تھے، خون اگرچہ خشک تھا لیکن میری حیرانی کی کوئی حد نہیں کہ کئی سال بعد بھی یہ خون خوشبو دار تھا۔ میں نے اپنے ساتھیوں کو بھی اس کا مشاہدہ کروایا۔

ان واقعات اور بے شمار ایسے ہی دوسرے مشاہدات سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ نہ صرف شہداء بلکہ اللہ تعالیٰ کے خاص بندے مرتے نہیں بلکہ گہری نیند میں چلے جاتے ہیں جہاں ان کو سانس لینے کی ضرورت نہیں لیکن ان کے جسمانی خلیات اپنی تازگی برقرار رکھتے ہیں اور قیامت تک ویسے ہی رہیں گے۔ یہ کیسے ممکن ہے؟ اس کا جواب اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ البتہ ہم نے دیکھا ہے کہ سائنسی عملوں سے جو لاشیں محفوظ کی جاتی ہیں وہ بھی کچھ عرصہ کے بعد گل سڑ جاتی ہیں۔ انہیں میں سے ایک چین کے چیئرمین ماؤ کی مثال ہے۔ مصنف نے 1992ء میں ان کا جسم کیمیکل مرکبات سے محفوظ دیکھا لیکن اگلے سال وہ وہاں نہیں تھا۔ پوچھنے پر پتا چلا کہ وہ گلنے سڑنے لگا تھا اس لیے دوبارہ سائنسی عملوں کے لئے لیبارٹری بھیج دیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کے اجسام کو کیوں اور کیسے محفوظ رکھتا ہے؟ یہ اسی کے راز ہیں کچھ کہنا صرف قیاس ہے۔ میرا اپنا یہ خیال ہے کہ چونکہ ایسے عظیم لوگوں کے نفوس آزاد ہوتے ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ ان کو محفوظ کر دیتا ہے کہ اپنے اجسام کو گلتا سڑتا دیکھ کر ان کی دل شکنی نہ ہو۔ اسی ضمن میں بھی میرا یہ خیال ہے کہ ان روحوں کا اپنے پرانے جسم کے ساتھ رابطہ قائم رہتا ہے یعنی ان کا عکس ان اجسام پر پڑتا ہی رہتا ہے جس کی وجہ سے وہ ایک خاص طرح کی زندگی سے لطف اندوز رہتے ہیں اور گلنے سڑنے سے محفوظ رہتے ہیں اگرچہ ان کی یہ زندگی دنیاوی حیات سے بالکل مختلف ہے لیکن شعور سے خالی نہیں ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

باب نمبر 21

حیات بعد الموت اور حالاتِ قبر

21.1 خواب اور موت میں مماثلت

نوٹ:(اس مضمون میں روح اور نفس کا بار بار ذکر ہوا ہے۔ دراصل یہ دونوں ایک دوسرے کے مماثل ہیں جب کہ روح انسان کی بنیاد ہے، نفس وہ شخصیت ہے جو اس کی بنیاد پر بنتی ہے۔اس کی ایک مثال بیج اور درخت کی ہے۔ بیج، روح اور درخت نفس کے مماثل ہیں۔ بیج کے اندر درخت ہے اور درخت کے اندر بیج لیکن اپنی اپنی حیثیت میں دونوں ہی مختلف نظر آتے ہیں)۔

قرآن مجید، احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صوفیاء کرامؒ کی تحریروں سے یہ بات عیاں ہے کہ نفس بحالت نیند جسم سے علیحدہ ہو جاتا ہے اور آزادی سے گھوم پھر سکتا ہے لیکن جنہیں اپنے جسم سے بڑا پیار ہے ان کا نفس جسم سے زیادہ دور نہیں نکلتا بلکہ اسی سے چمٹا رہتا ہے ان کے برعکس وہ جن کی جدوجہد کا نظریہ جسم کی پرورش کی بجائے اعلیٰ مقصد حیات ہے، نیند میں بھی ان کا نفس اسی مقصد کی جستجو میں لگا رہتا ہے اور بعض اوقات وہ اپنے مدعائے نظر کو حالت نیند میں پا لیتا ہے۔ مثلاً بینزین (Benzene) کا فارمولا سب سے پہلے خواب کی حالت میں ہی معلوم ہوا، اسی طرح کئی ایک حسابی اور سائنسی دریافتیں نیند کی حالت میں ہوئی ہیں۔

بعض صوفیاء کرامؒ لکھتے ہیں کہ نیند میں ان کے نفوس جسم کو چھوڑ کر حضور پاک صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے دربار عالی مقام میں حاضری کے لئے جاتے ہیں، بعض کے نزدیک خواب بھی نفس کے دیکھے ہوئے واقعات کا عکس ہوتے ہیں، اس طرح خواب میں مستقبل میں پیش ہونے والے واقعات کا علم ہو جانا بھی نفس کی وقت سے آگے پرواز کی بناء پر ہی ہے۔ حضور پاک صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا ارشاد ہے کہ مومن کا خواب نبوت کا

چھیالیسواں حصہ ہے (انسانی جسم بھی چھیالیس کروموسومز پر مشتمل ہے) یعنی جو عام زندگی میں جتنا زیادہ سچا ہوگا اسی نسبت سے اس کے خواب بھی سچے ہوں گے (بخاری و مسلم)۔ قرآن پاک میں نیند کی حالت میں نفس کی پرواز مندرجہ ذیل آیات سے واضح ہوتی ہے کہ:۔

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰى اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ O

''اور اللہ تعالیٰ نفوس کو وفات دیتا ہے ان کی موت کے وقت اور جن کی موت کا وقت نہیں آیا انہیں نیند میں قبض کر لیتا ہے۔ اور پھر جس پر موت کا حکم لگ چکا ہے انہیں تو روک لیتا ہے اور دوسروں کو مقررہ میعاد تک چھوڑ دیتا ہے۔ بے شک اس میں بڑی نشانیاں ہیں غور و فکر کرنے والوں کے لئے''۔ (سورۃ الزمر، آیت۔ 42)

جیسا کہ ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں کہ قرآن کریم ہماری اس طرف رہنمائی کرتا ہے کہ ہماری سمجھنے اور سوچنے کی صلاحیتیں اور اچھے برے ضمیر کا منبع بھی روح ہی ہے اور علم کی بنیاد بھی روح ہی ہے۔ چونکہ نیند کی حالت میں ہمارا نفس جسم سے علیحدہ ہو جاتا ہے اس لئے ہمارے علم کی تمام صلاحیتیں بھی خوابیدہ ہو جاتی ہیں۔ تقریباً یہی حال ایک پاگل یا بے ہوش آدمی کا بھی ہے۔ اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ پاگل آدمی اگرچہ حیاتیاتی طور پر زندہ ہوتا ہے لیکن روحانی طور پر وہ مر چکا ہوتا ہے۔

نیند اور موت میں فرق یہ ہے کہ نیند میں جسم کا حیاتیاتی نظام چلتا رہتا ہے جب کہ موت کے بعد یہ ختم ہو جاتا ہے۔ اس وقت انسان پر متعین فرشتے نفس کو ہمیشہ کے لئے اپنے ساتھ عالم برزخ میں لے جاتے ہیں۔

21.2 ہمارے ساتھی فرشتے اور نفس کا نکالا جانا

اسلام کے مطابق ہر انسان پر شروع ہی سے دو فرشتے متعین ہیں۔ زندگی بھر ان کا کام خاموشی سے انسان کے اچھے برے اعمال کو لکھے جانا ہے اور اس کے علاوہ ان کا کام کائنات میں پھیلے ہوئے دوسرے توانائی کے وجود (Energy Being) مثلاً جنات وغیرہ سے بھی آدمی کو بچا کر رکھنا ہے۔ ان فرشتوں کو کراماً کاتبین یعنی معزز لکھنے والے بھی کہا گیا ہے۔ موت کے وقت ہمارا نفس انہی فرشتوں کی معیت میں جسم سے علیحدہ ہو کر عالم برزخ کی طرف روانہ ہوتا ہے۔ جیسے ریمنڈ موڈی کے مشاہدات کے حوالہ سے بھی بتایا گیا ہے کہ وہاں وہ ایک نوری ہستی کے سامنے پیش کر دیا جاتا ہے۔ یہ مبارک نوری وجود کون ہے؟ عیسائی اسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سمجھتے ہیں، کوئی اسے حضرت عزرائیل علیہ السلام کا نام دیتا ہے لیکن وہ ذات باری تعالیٰ بھی ہو سکتی ہے۔ اس لیے کہ قرآن کریم ہمیں بتاتا ہے کہ ہماری اپنے رب سے ملاقات ہو کر رہے گی اور اس ملاقات کو

موت کے ساتھ شروط کیا گیا ہے۔ 6(61-62), 32(11)

یہ حقائق وہ ہیں جن کو مغربی محققین کی تحقیق میں آنے والے حضرات کے مشاہدات بھی ثابت کر رہے ہیں۔ان مشاہدات میں آنے والے بیشتر افراد نے بتایا کہ جب ان کی روح جسم سے باہر نکلی تو انہوں نے دیکھا کہ وہاں پہلے سے ہی دو نورانی وجود موجود تھے۔جنہوں نے بتایا کہ وہ اس کے زندگی میں ساتھی تھے،اس کے بعد وہ فرشتے اس نفس کو تنگ و تاریک راستوں سے گزارتے ہوئے ایک انتہائی روشن وجود کے سامنے حاضر کر دیتے ہیں۔وہ اس سے سوال کرتا ہے کہ میرے لیے کیا لائے ہو؟اس کے ساتھ ہی ان کی زندگی کے ایک ایک واقعہ کی فلم چلنا شروع ہو جاتی ہے لیکن چونکہ ابھی ان کی مہلت باقی ہے اس لیے وہ نوری شخصیت اس کے ساتھی فرشتوں سے کہتی ہے کہ اس کو واپس دنیا میں لے جاؤ،چنانچہ وہ دوبارہ جسم کی طرف پلٹ آتے ہیں۔

اس تفصیل کا مقصد یہ ہے کہ اس حد تک مغربی محققین کے مشاہدات اسلامی تعلیمات کے مطابق ہیں۔فرشتوں کے روح کو نکالنے کے بارے میں حسب ذیل قرآنی آیات نہایت غور طلب ہیں۔ارشاد ہے کہ:۔

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ■ حَتّٰىٓ اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ۝ ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ■ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ ■ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ۝

''اور اسی کا حکم غالب ہے اپنے بندوں پر،اور اس نے تم پر محافظ فرشتے مقرر کر رکھے ہیں،یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کا وقت وفات آتا ہے،تو ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) اس کو اپنے ساتھ کر لیتے ہیں،اور وہ ذرا کوتاہی نہیں کرتے۔اس کے بعد وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچ جاتے ہیں،جو ان کا مالک ہے۔تحقیق یہ بات اچھی طرح سن لو،حکم اسی کا ہے اور وہ جلد محاسبہ کرنے والا ہے''۔(سورۃ انعام،آیات۔61-62)

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ موت کس طرح آتی ہے تو وحی نازل ہوئی اور فرمایا کہ:۔

قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ۝

''آپ فرما دیجیے کہ وفات دیتا ہے موت کا فرشتہ جو تم پر متعین ہے،پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹ آؤ گے''۔
(سورۃ سجدہ،آیت۔11)

ان آیات کریمہ میں نفس کی الوداعی تقریب کی پوری تصویر کشی کر دی گئی ہے اور ہر قسم کے شک و شبہ کو دور کرتے ہوئے فرما دیا گیا ہے کہ

انسان پر مقرر شدہ محافظ فرشتے ہی انسان کی روح کو وقت موت لے کر اس کے اگلے گھر کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں۔

21.3 فرشتے

ہو سکتا ہے کہ قاری کے ذہن میں یہ سوال ابھرے کہ فرشتے کیا ہیں؟ ان کی اہمیت کیا ہے؟ یہ ایک مشکل سوال ہے لیکن مجموعی طور پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ فرشتے خیر کی قوتوں کے مظہر ہیں۔ قرآن کریم سے ہمیں پتا چلتا ہے کہ فرشتے ایک نوری مخلوق ہیں جو انسان کی تخلیق سے پہلے موجود تھے۔ (فرشتوں کے علاوہ کائنات میں ایک اور مخلوق بھی ہے جسے جنات کہا جاتا ہے یہ ناری توانائی کا وجود رکھتی ہے۔ یہ شر کی قوتوں کے سرخیل ہیں۔ تمام انسان دشمن قوتیں انہیں کے زمرے میں آتی ہیں)۔

قرآن کریم سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ فرشتے انسانوں کی طرح باقاعدہ شخصیت کے مالک ہیں، ان کے اپنے اپنے خواص ہیں وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ انتہائی سرعت کے ساتھ پہنچ سکتے ہیں، سننے اور سمجھنے کی قدرت رکھتے ہیں لیکن انسان کے برعکس یہ حق خود اختیاری کے مالک نہیں بلکہ مکمل طور پر حکم خدا کے پابند ہیں۔ یعنی ان کی زندگی پروگرامڈ (Programmed) ہے اور خدا تعالیٰ نے انہیں جن کاموں پر لگایا ہے اس سے زیادہ نہ وہ کرتے ہیں نہ جانتے ہیں۔ اس لحاظ سے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ کائنات میں ان کا کردار خدا تعالیٰ کے کارندوں کا سا ہے جو اپنے لیے تجویز شدہ فرائض کو بلا چون وچرا ادا کرتے ہیں۔ لیکن ان میں بھی درجات ہیں، کوئی طاقت میں دوسروں سے زیادہ ہے تو کوئی مرتبہ میں۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہر ایک کی مختلف ڈیوٹیاں لگی ہیں، جلیل القدر ملائکہ کی ایک سے زیادہ ڈیوٹیاں ہیں ان کے زیر انتظام دیگر فرشتے کام کرتے ہیں، خیر کی قوتیں انہی کے زمرے میں آتی ہیں۔ انہی میں حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے پیغمبروں پر وحی لاتے تھے۔ (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے بعد یہ سلسلہ ترک ہو گیا ہے)۔ حضرت میکائیل علیہ السلام کی ذمہ داری انسانوں کے لئے رزق کا حساب کتاب ہے جب کہ حضرت اسرافیل علیہ السلام کا کام قیامت کے وقت صور پھونکنا ہے۔ انہی مقرب فرشتوں میں حضرت عزرائیل ہیں جو موت کے انچارج ہیں۔ تمام فرشتے جن کا کام روح کو نکالنا ہے انہی کو رپورٹ کرتے ہیں۔

21.4 محافظ فرشتے

محافظ فرشتوں کا پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے ہر ایک انسان پر اللہ تعالیٰ نے دو محافظ فرشتے مقرر کر رکھے ہیں اس کا ذکر آیات مبارکہ 6(61-62) میں پہلے آ چکا ہے۔ مزید ارشاد ہے کہ:۔

اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ O فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ O

”کوئی ایسا نفس نہیں جس پر نگہبان (فرشتہ) مقرر نہ ہو پس چاہیے کہ انسان غور کرے کہ وہ کیسے پیدا کیا گیا“۔

(سورۃ الطارق، آیات۔ 4-5)

انسان کہیں بھی ہو کیسا بھی ہو، کافر ہو یا مسلمان ہو ہر ایک پر نگہبان فرشتے مقرر ہیں جو ہمیشہ اس کے ساتھ رہتے ہیں۔ شاید آپ کو بھی یہ تجربہ ہوا ہو کہ کیسے انتہائی خطرہ کے وقت کوئی غیبی قوت خبردار کر دیتی ہے یا مدد کرتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ انسان کے جسم کے اندر کا دفاعی نظام (Immune System) ہمارے محافظ فرشتوں کے نظام کا ہی حصہ ہو جو ہمارے اعصابی اور دماغی نظام کے ماورا کام کرتا ہے۔

جیسا کہ نام محافظ سے ظاہر ہے ہمارے نگہبان فرشتوں کا ایک فرض تو یہ ہے کہ وہ ہمارا مرئی اور غیر مرئی مخلوقات سے دفاع کرتے ہیں اس کے علاوہ ان کا دوسرا اہم کام یہ ہے کہ وہ پوری انسانی زندگی کی تصویر کشی کرتے جاتے ہیں۔ یوں وہ ہمارا ایک ایک عمل ریکارڈ کرتے جاتے ہیں۔ محافظ فرشتوں کی اس ذمہ داری کا اشارہ آیات (9-12) 82 میں ملتا ہے فرمایا گیا ہے کہ:۔

وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَO كِرَامًا كَاتِبِيْنَO يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَO

''اور تم پر مقرر ہیں تمہاری حفاظت کرنے والے، عزت والے بزرگ، لکھنے والے وہ جانتے ہیں جو تم کرتے ہو''۔

(سورۃ الانفطار، آیات۔ 10-12)

اسی طرح ارشاد ہے کہ:۔

اَمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ ؕ بَلٰى وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُوْنَO

''کیا وہ خیال رکھتے ہیں کہ ہم ان کے رازوں اور سرگوشیوں سے آگاہ نہیں، ہم کیوں نہیں جانتے؟ (ان کو معلوم ہونا چاہیے) کہ ہمارے بھیجے ہوئے ان کے ریکارڈر رکھتے ہیں''۔ (سورۃ زخرف، آیت۔ 80)

جب آدمی مر جاتا ہے تو اس وقت اسے اپنی زندگی کے تمام اعمال دکھائے جاتے ہیں۔ مر کر زندہ ہونے والوں کے سائنسی تحقیق میں آنے والے لوگوں کا مشاہدہ بھی یہی ہے۔ اس کے متعلق قرآن کریم میں یوں ارشاد ہے کہ:۔

فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَO

''یہ ہمارا ریکارڈ ہے بولتا ہے تمہارے کام صحیح صحیح ہم لکھواتے جاتے ہیں، جو کچھ تم کرتے جاتے تھے''۔

(سورۃ احقاف، آیت۔ 29)

اس طرح ایک اور جگہ فرمایا ہے کہ:۔

وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ O وَكُلُّ صَغِيْرٍ وَّكَبِيْرٍ مُّسْتَطَرٌ O

''اور تم نے جو کچھ کیا سب ایک کتاب میں موجود ہے اور ہر چھوٹی بڑی چیز لکھی ہوئی ہے''۔

(سورۃ القمر، آیات۔ 52-53)

غرضیکہ قرآن پاک میں یہ مضمون کئی مختلف انداز میں بیان ہوا ہے کہ ہر آدمی کے اوپر محافظ فرشتے مقرر ہیں جو شر کی قوتوں سے اس کا تحفظ کرنے کے ساتھ ساتھ ہماری حرکات وسکنات تو کیا ذہن میں آنے والے خیالات بھی ریکارڈ کرتے جاتے ہیں۔ موت کے بعد انسان کو جب یہ تمام ریکارڈ دکھائے جاتے ہیں تو وہ حیران رہ جاتا ہے کہ ان میں تو کسی طرح کی بھی کوئی کمی نہیں۔

21.5 اعمال کا ریکارڈ

اعمال کا ریکارڈ کیسے رکھا جاتا ہے؟ اس سوال کا جواب آج سے کچھ عرصہ پہلے سمجھنا مشکل تھا، لیکن جدید سائنسی ایجادات جس میں الیکٹرانک لکھائی (Electronic Writing) اور انٹرنیٹ (Internet) شامل ہیں اور اس کے علاوہ ذرات کی یادداشت اور پانی کے مالیکیولیز کی یادداشت پر جو تحقیقات ہو رہی ہیں ان سے یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لئے اعمال کا لکھنا اور ان کو محفوظ رکھنا معمولی بات ہوگی۔ ایک عام آدمی بھی جانتا ہے کہ آج کل آواز اور تصویر کا ریکارڈ رکھنے کے کئی طریقے میسر ہیں جن میں ٹیپ ریکارڈر اور وی سی آر تو گھر گھر میں موجود ہیں۔ کمپیوٹر کے اندر بھی اربوں کی تعداد میں معلومات چھوٹی چھوٹی چپس (Chips) پر درج ہو جاتی ہیں جو ایک سوئچ کے دباتے ہی سامنے آجاتی ہیں۔ انٹرنیٹ (Internet) نے تو کمال ہی کر دیا ہے کہ دنیا کا بے شمار علم سپر کمپیوٹر کے ذریعے ایک بٹن دبانے پر حاضر ہو جاتا ہے۔ انٹرنیٹ کے اس دور میں غیر مرئی بجلی اور مقناطیسی لہروں کے سرپرزمینی فضا کے چپے چپے میں ہر آن تمام علوم کی لائبریریاں موجود ہیں۔ جہاں آپ بیٹھے ہیں نہ صرف آپ کے ارد گرد بلکہ خود آپ کے وجود میں ٹیلیویژن کے تمام چینلز موجود ہیں جنہیں آپ T.V سکرین پر دیکھتے ہیں۔

مطلب یہ کہ حرکات وسکنات اور آوازوں کا توانائی میں تغیر اور پھر محفوظ رہنا کوئی عجوبہ نہیں۔ انسان کے ذہن کے اندر خیالات بھی توانائی کی ہی لہروں کی شکل میں عیاں ہوتے ہیں اس لیے ان خیالات کا پڑھنا اور محفوظ کرنا بھی ممکن ہونا چاہیے۔ چونکہ فرشتے بھی کسی طرح کی توانائی (نور) کے وجود ہیں، اس لیے ان کے لئے انسان کے خیالات اور اعمال محفوظ کرنے کیلئے کسی مادی ذریعہ کی ضرورت نہیں ہونی چاہیے۔ عین ممکن ہے کہ یہ سب تصویریں ان کے نظام میں اسی طرح ڈھل جاتی ہوں جس طرح ہمارے اپنے ذہنوں میں گذرے ہوئے واقعات اپنے نقوش چھوڑ جاتے ہیں اور پھر جب بھی ہم سوچیں وہی مناظر دوبارہ سامنے آجاتے ہیں۔

اس کے علاوہ اعمال کو محفوظ کرنے کا ایک طریقہ اٹامک سطح پر بھی ممکن ہے پچھلے دس سالوں میں سب اٹامک پارٹیکلز (Sub Atomic Particles) پر ہونے والی تحقیقات یہ ثابت کرتی ہیں کہ ہر ذرے کا ایک اپنا یادداشت کا نظام ہے۔ (تفصیل کے لئے مصنف کی کتاب ''کتاب

زندگی" دیکھیں)۔اس کے مطابق ہر لمحہ جو کچھ بھی دنیا میں ہوتا ہے وہ جوہری سطح پر ریکارڈ ہوتا جاتا ہے۔مزید سائنسی ترقی سے شاید یہ ممکن ہو جائے کہ ہم ایٹم کی یادداشت سے ماضی کے تمام واقعات کا پتا چلا سکیں۔بہر حال ان ممکنات سے قطع نظر اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے محافظ فرشتے ہر آن ہماری زندگی کو مکمل طور پر ریکارڈ کرتے جاتے ہیں، جو مرنے کے بعد ہماری زندگیوں کی گواہی ہوگا۔یہی وجہ ہے کہ اسلامی اصطلاح میں ان فرشتوں کو کراماً کاتبین (معزز لکھنے والے) کا نام دیا گیا ہے۔مندرجہ ذیل آیات کریمہ سے پتا چلتا ہے کہ کراماً کاتبین جیسے جیسے ریکارڈ تیار کرتے ہیں وہ کسی دوسری جگہ بھی ریکارڈ ہوتا جاتا ہے۔ان میں ایک کا نام سجین ہے اور دوسرے کا نام علّیین ہے۔اس سلسلے میں مندرجہ ذیل آیات پر غور فرمائیں:۔

كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍO وَمَآ اَدْرٰكَ مَا سِجِّيْنٌ O كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌO

"بے شک کافروں کا نامہ اعمال سجین میں ہے اور تجھ کو کیا معلوم کہ سجین کیا ہے؟ ایک دفتر ہے وہاں نامہ اعمال مرقوم ہے"۔ (سورۃ المطففین، آیات۔7-9)

كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ O وَمَآ اَدْرٰىكَ مَاعِلِّيُّوْنَO كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌO يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَO

"یقیناً نیکوں کا نامہ اعمال علّیین میں ہوگا، اور تمہیں کیا معلوم علّیین کیا ہے؟ وہ ایک دفتر ہے لکھا ہوا، اس کی نگرانی نہیں کرتے مگر مقرب فرشتے"۔(سورۃ المطففین، آیات۔18-21)

ان آیات سے خوب واضح ہوتا ہے کہ جیسے ہی فرشتے اعمال ریکارڈ کرتے ہیں اسی آن وہ اچھے برے کی تمیز کے ساتھ سجین یا علّیین کی طرف ارسال کر دیتے ہیں جہاں اسے محفوظ کر دیا جاتا ہے۔یہ بات آج کسی کے لئے بھی حیران کن نہیں ہونا چاہیے کہ دنیا کا پیغام رسانی کا تمام نظام Receiver اور Transmitter کی بنیاد پر ہی چل رہا ہے۔) اس ریکارڈ کے بڑے بڑے نکات کی فلم تو موت کے بعد عالم قبر میں اسے دکھائی جاتی ہے لیکن یوم الدین کو ہر چھوٹی بڑی تفصیل اس کے سامنے کھول کر رکھ دی جائے گی۔ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:۔

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ ■ ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيْدِ O وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيْدٌ O لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ O وَقَالَ قَرِيْنُهٗ هٰذَا مَالَدَيَّ عَتِيْدٌO اَلْقِيَا فِيْ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيْدٍ O

"اور جب صور پھونک دیا جائے گا (تو معلوم ہو جائے گا) یہ وہ دن ہے وعدہ کیا گیا اس وقت ہر ایک نفس، ایک

کھینچے والے اور ایک گواہ کے ساتھ چلا آئے گا، ہر بدقماش کو کہا جاتا ہے تم زندگی میں اس دن سے غفلت میں رہے، (لیکن) اب تم پر سے پردہ چاک کر دیا ہے، اور تم اپنی آنکھوں سے بغور دیکھ رہے ہو، ایسے میں اس کا ساتھی (فرشتہ) اس کو کہتا ہے، یہ وہ ہے جو تمہارے لیے تیار رکھا گیا تھا، (اس وقت خدا کا حکم ہوگا) کہ تم دونوں، ہر ایک باغی کو دوزخ کی طرف گھسیٹ کر لے جاؤ"۔ (سورۃ ق، آیات۔ 24-20)

ان آیات سے صاف ظاہر ہے کہ ہمارے محافظ فرشتے صرف زندگی ہی میں ہمارے ساتھی نہیں بلکہ مرنے کے بعد بھی وہ ہمارے ساتھ رہتے ہیں۔ عالم برزخ میں بھی وہ ہمارے ساتھ ہیں اور قیامت کے دن بھی وہی ہر ایک نفس کو میدان محشر کی طرف لائیں گے۔ ان کے یہ فرائض ایسے ہیں جیسے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارے اوپر چوکیدار (Security Personal) مقرر ہیں۔ انسان بظاہر تو ایک جسم معلوم ہوتا ہے دراصل یہ جسم، زندگی اور روح کا مرکب ہے اور ان کے علاوہ اس کے ساتھ دو فرشتے اور ایک شیطان بھی ہے۔ اس طرح زندگی میں آدمی کا یونٹ دو فرشتوں، ایک شیطان، ایک نفس پر مشتمل ہے جن کا قیام جسم میں ہے۔ موت کے بعد جسم جو دنیا سے رابطہ کا ذریعہ ہے، ختم ہو جاتا ہے۔ شیطان جو ساری عمر اس کو بہکاتا رہا وہ بھی علیحدہ ہو جاتا ہے لیکن نفس اور محافظ فرشتوں کا تعلق قائم و دائم رہتا ہے۔

21.6 موت کا وقت

ہم یہ پہلے بھی ذکر کر چکے ہیں کہ جہاں موت کچھ انسانوں کے لئے خوشی کا مژدہ لے کر آتی ہے وہاں کچھ کے لئے یہ یاس و ناامیدی کا وقت ہوتا ہے۔ اس وقت اگلے جہاں کے مناظر نظر آنے شروع ہو جاتے ہیں اور پچھلے جہاں سے رشتہ ٹوٹ رہا ہوتا ہے۔ موت و حیات کی اس کشمکش کے وقت کیا پیش آتا ہے یہ بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان صیغہ راز کی بات ہے۔ عارضی موت کے بعد زندہ ہونے والوں پر جو سائنسی تحقیقات ہوئی ہیں ان سے بھی کچھ زیادہ معلومات نہیں ملتی ہیں۔ اس کی صحیح تفصیلات آپ کو اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمودات ہی سے ملیں گی۔

بعض اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ اپنے آخری لمحات کے متعلق خود مرنے والے نے کوئی بات بتادی ہو مثلاً میرے ایک عزیز حبیب صاحب جو قائداعظم یونیورسٹی میں پراجیکٹ انجینئر تھے بتاتے ہیں کہ وہ اپنے والد صاحب کی وفات کے وقت ان کے بستر پر موجود تھے۔ موت سے پہلے ان کے والد پر غشی کا دورہ تھا۔ اچانک ان کو ہوش آگیا اور کہنے لگے کہ 'تم نے یہ آگ کیوں جلائی ہے؟ حالانکہ وہاں ایسی کوئی چیز نہیں تھی'۔ پھر دعا میں ہاتھ اٹھا لیے اور کہنے لگے "اے میرے خدا مجھے معاف کر دے، مجھے معاف کر دے'۔ اور پھر خود ہی کہنے لگے کہ 'مجھے معاف کر دیا گیا ہے، مجھے لینے والے میرے سامنے آگئے ہیں"۔ حبیب صاحب کہتے ہیں کہ میں نے ان سے پوچھا کہ 'وہ کون ہیں'؟ اس پر ان کے والد صاحب نے بتایا کہ "وہ مجھے بلا رہے ہیں، کہتے ہیں کہ اب غم مت کرو، وہ باغ دیکھو، خدا نے تجھے معاف کر دیا ہے، تھوڑی دیر کے بعد پھر بولے، السلام علیکم!، اور پھر موت کی بے ہوشی میں ہمیشہ کے لئے ڈوب گئے"۔ اسی طرح کا ایک واقعہ میری سیکرٹری رباب زہرا نے اپنے والد محترم کی وفات کا

بتایا ہے۔ وقت نزع وہ کہہ رہے تھے، "دیکھو سامنے میری ماں اور بھائی مجھے لینے کے لئے آگئے ہیں"۔ اور وہ ان مرحومین کے ساتھ باتیں کر رہے تھے جو وہاں پر موجود ان کی بیگم اور بڑی ہمشیرہ نے بھی سنیں۔

سائنسی لحاظ سے بھی مرتے وقت پیش آنے والے حالات تقریباً ویسے ہیں جو آج سے چودہ سو سال پہلے احادیث نبوی اور قرآن کریم کی آیات مبارکہ میں بتا دیئے گئے تھے۔ مثلاً آیت (8)62 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:۔

قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِیْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰی عٰلِمِ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ O

"کہہ دو کہ موت جس سے تم گریز کرتے ہو سامنے آکر رہے گی پھر تم پوشیدہ اور ظاہر کے جاننے والے (اللہ تعالیٰ) کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ پھر جو کچھ تم کرتے رہے وہ تمہیں سب بتائے گا"۔ (سورۃ الجمعہ، آیت۔8)

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آتا ہے کہ موت کے وقت دو فرشتے آدمی کو نظر آتے ہیں اور وہ آدمی کے ساتھ ہم کلام ہوتے ہیں۔ ان کی باتیں کوئی اور تو نہیں سن سکتا لیکن مرنے والا آدمی سب کچھ سن اور سمجھ رہا ہوتا ہے۔ اگر وہ بندہ فرمانبردار ہے تو اسے وہ کہتے ہیں۔ "جزاک اللہ" اور اگر گنہگار ہو تو کہتے ہیں تو نے اچھے اعمال نہیں کیے اور اللہ تعالیٰ کے پاس تیرے لیے بدلہ بھی ویسا ہی ہے۔ اس بات کو سن کر اس مرنے والے کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جاتی ہیں"۔

آئیں اب قرآن کریم میں سے چند ایک ایسی آیات کا مطالعہ کریں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ موت کے وقت اللہ تعالیٰ کا انکار کرنے والوں کی روح کو کس طرح نکالا جاتا ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ سب سے زیادہ برا حال ان لوگوں کا ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے باغی تھے اور جن کی سوچ زندگی بھر قرب الٰہی کی تلاش کی بجائے دنیا داری میں بھٹکتی رہی اور یوں وہ مسلسل بلاواسطہ یا بالواسطہ خدائے وحدہ لاشریک کی ہستی سے لاتعلق رہے۔ ان بدبختوں کو موت کے وقت جو حالات پیش آتے ہیں اس کی تصویر کشی آیت (50)8 میں کی گئی ہے فرمایا:۔

وَلَوْ تَرٰۤی اِذْ یَتَوَفَّی الَّذِیْنَ كَفَرُوا ۙ الْمَلٰٓئِكَةُ یَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ۚ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ O ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ O

"اگر تم کبھی دیکھ سکو جس وقت فرشتے کافروں (کے نفوس) کو لے کر جاتے ہیں، فرشتے مارتے ہیں ان کو منہ اور پیٹھ پر، اور (کہتے ہیں) چکھو عذاب جلنے کا، یہ بدلہ ہے اس کا جو تم نے اپنے ہاتھوں سے کمایا، اور اللہ تعالیٰ بندوں پر ہرگز ظلم نہیں کرتا"۔ (سورۃ الانفال، آیات۔ 51-50)

یہاں ہمیں یہ بات ذہن نشین کرائی جا رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہستی کا انکار کرنے والوں کا حشر مجرموں کا سا ہے اور ان کی سزا موت کے

ساتھ ہی شروع ہوجاتی ہے۔تقریباً اسی طرح کا مضمون آیات (28-27)48 میں بھی دہرایا گیا ہے لیکن وہاں یہ اضافہ ہے کہ ان لوگوں کے اچھے اعمال بھی ضائع ہوجاتے ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو نہیں مانتے اور ان کے اچھے اعمال بھی کسی دنیاوی مقصد کے لئے ہوتے ہیں جن کا انہیں دنیا میں بدلہ دے دیا جاتا ہے۔قانون قدرت ہے کہ:۔

اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی o وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی o وَاَنَّ سَعْیَهٗ سَوْفَ یُرٰی o ثُمَّ یُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰی o

''اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، اور آدمی کو وہی ملتا ہے جس کی اس نے کوشش کی، اور یہ کہ (آدمی) اپنی کوشش عنقریب دیکھ لے گا، پھر اس کو بدلہ دیتا ہے اس کا پورا پورا بدلہ'' (سورۃ النجم، آیات۔ 41-38)

اسی ضمن میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ "**اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّات**" اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ کسی کام کرنے والے کی محنت کو ضائع نہیں کرتا"۔

آیات مبارکہ (41-38)53 انسان کے لئے اعمال کی جزا کے قانون کی بنیاد بھی فراہم کرتی ہیں۔محنت دنیا کے لئے کریں تو اللہ تعالیٰ دنیا میں اس کا پورا پورا بدلہ دیتا ہے، محنت آخرت کے لئے کریں تو بدلہ دنیا میں بھی ملتا ہے اور آخرت میں بھی۔جزا کے قانون کے مطابق اللہ تعالیٰ کے باغی بھی اس دنیا میں خوب پھلتے پھولتے ہیں اور اکثر کی دنیاوی زندگی قابلِ رشک ہوتی ہے۔اس کی وجہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کی محنت کو ضائع نہیں کرتا جو دنیا کے لئے کام کرتے ہیں اللہ تعالیٰ دنیا میں ان کی محنت کا انہیں پورا بدلہ دیتا ہے۔چنانچہ ان کی چمک دمک دیکھ کر بہت سے ایماندار بھی رب العزت سے شکوہ کرنے لگتے ہیں۔

؎ رحمتیں ہیں تیری اغیار کے کاشانوں پر
برق گرتی ہے تو بیچارے مسلمانوں پر

لیکن ایسے ایمانداروں کو شکوہ کرنے سے پہلے یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے قوانین کسی خاص گروہ کے لئے نہیں بدلتا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حیات طیبہ پر نگاہ کریں تو وہ سخت محنت، ریاضت اور صبر وتحمل والی زندگی تھی۔انہوں نے کبھی نہ فرمایا کہ میں تو خدا کا نبی ہوں لہٰذا تبلیغ کے لئے کافروں سے پتھر کیوں کھاؤں، اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو اسلام پھیل ہی جائے گا۔بلکہ اس راہ میں اس قدر محنت کی کہ اللہ تعالیٰ بھی فرماتے ہیں کہ "میرے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم "اپنی جان کو ان کے لئے ہلکان مت کرو تم ان پر داروغہ بنا کر نہیں بھیجے گئے ہو۔

21.7 بڑے لوگوں کی موت

ہم دوبارہ اپنی اصل بحث کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ موت کا وقت سب سے برا ان کے لئے ہے جو اس وقت ظلم، فسق و فجور اور لہو لعب اور بے حیائی کے کاموں میں مشغول ہوں مثلاً کوئی آدمی اس وقت مارا جائے جب وہ ناحق کسی لڑائی، جھگڑے، فساد یا چوری ڈکیتی میں مشغول ہے یا لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی سیدھی راہ سے روک رہا ہو یا کسی اور کبیرہ گناہ میں مشغول ہو۔ چونکہ یہ اعمال رب تعالیٰ سے بغاوت کے اعمال ہیں، اس لیے انہیں موت کے ساتھ ہی سزا سنا دی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارا اخیر اچھا کرے (آمین)۔ حدیث نبویؐ ہے کہ انسان کو دعا مانگتے رہنا چاہیے کہ اس کا اخیر اچھا ہو یعنی زندگی کا اختتام اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ کام کرنے میں ہو۔ وہ بدقسمت جو موت کے وقت ظلم کے مرتکب ہوتے ہیں ان کے لئے ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:۔

الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ■ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ ■ بَلٰٓى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ ۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ O فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ■ فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ O

"وہ لوگ (جن کی روحیں) اس حالت میں قبض ہوں، جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کر رہے ہوں اس وقت وہ لوگ التجا کرتے ہیں، کہ ہم نے برائی جان بوجھ کے نہیں کی تھی، (لیکن فرشتے ان کو جواب دیتے ہیں) کہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو تم کرتے تھے، اس وقت جہنم میں داخل ہو جاؤ، اور یہ تم ایسے مغروروں کا آخری گھر ہے ہمیشہ کا ٹھکانا"۔ (سورۃ النحل، آیات۔ 29-28)

آیت مبارکہ (97) 4 میں ایسے ہی لوگوں کی حالت بیان کی گئی ہے:۔

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ■ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ ■ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ■ فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ■ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا O

"اور جن لوگوں کی فرشتے اِس حال میں جان قبض کرتے ہیں کہ وہ اپنا بُرا کر رہے ہوں (فرشتے ان کو) کہتے ہیں، کہ تم کس بات میں تھے وہ لوگ جواب دیتے ہیں، کہ ہم تھے مغلوب اس ملک میں (یعنی ہم اپنی مرضی سے گناہ نہیں کرتے تھے) اس پر فرشتے ان سے کہتے ہیں کہ کیا نہ تھی زمین اللہ تعالیٰ کی کشادہ کہ ہجرت کر جاتے، پس ایسوں کا ٹھکانہ دوزخ ہے، بہت بُری جگہ پہنچے گی"۔ (سورۃ النساء، آیت۔ 97)

آیت مبارکہ (97)4 سے ایک پیغام تو ہمیں یہ ملتا ہے کہ کسی بھی حالت میں گناہ جائز نہیں۔ اول تو انسان اس کے خلاف جہاد کرے اور اگر ایسا ممکن نہ ہو تو آدمی وہاں سے ہجرت کر جائے، دل میں اس سے نفرت کرے۔ اللہ تعالیٰ کسی جان پر اس کی استطاعت سے بڑھ کر آزمائش نہیں ڈالتا۔ انہی آیات سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ موت کے وقت محافظ فرشتوں اور نفس کے درمیان پردہ اٹھ جاتا ہے اور وہ آپس میں بات چیت کرتے ہیں۔

21.8 اچھے لوگوں کی موت

اوپر دی گئی آیات میں ان لوگوں کی موت کے واقعات ہیں جو مرتے وقت ناپسندیدہ کاموں میں مصروف تھے۔ ان کے برعکس وہ خوش قسمت لوگ ہیں جو اس وقت پسندیدہ اعمال میں مصروف ہوتے ہیں مثلاً وہ جہاد کر رہے ہوتے ہیں، نماز میں مشغول ہوتے ہیں، کسی غریب کی داد رسی کے لئے جا رہے ہوتے ہیں، کسی ظالم کا ظلم سے ہاتھ روک رہے ہوتے ہیں، حج پر جا رہے ہوتے ہیں، خانہ کعبہ کا طواف کر رہے ہوتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ ان مبارک لوگوں کے بارے ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ ۙ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ۙ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۝

''جن لوگوں کی جان کھینچتے ہیں فرشتے، اس حال میں کہ وہ پاکیزہ کام کرتے تھے وہ انہیں کہتے ہیں، تم پر سلام ہو اور جنت میں داخل ہو جاؤ ان اعمال کے بدلے میں جو تم کرتے تھے''۔ (سورۃ النحل، آیت۔32)

اے ہمارے ستار و غفار اور رحمٰن و رحیم مالک ہمیں معاف فرما اور موت کے وقت ہمارا انجام اپنے انعام یافتہ بندوں کے ساتھ ہو۔ احادیث مبارکہ میں آتا ہے کہ آدمی کی جس حالت میں موت آتی ہے، اس عمل کا ثواب یا گناہ اسے قیامت تک پہنچتا رہتا ہے مثلاً اگر کوئی حالت طواف میں انتقال کرتا ہے تو تا قیامت وہ طواف کرنے کا ثواب پاتا رہتا ہے، اگر کوئی حج میں فوت ہو گیا تو پھر ہر سال اسے حج کا ثواب ملتا رہے گا، اگر سجدہ میں موت آ گئی تو پھر تا قیامت خدا کے حضور سجدہ سے لطف اندوز ہوتا رہے گا، اگر کسی ظالم کو ظلم سے روکتے ہوئے مر گیا تو وہ غازیوں کا ثواب پاتا رہے گا، اگر تبلیغ اسلام میں مشغول تھا تو یہ اس کا صدقہ جاریہ بن جائے گا۔ ان کے برعکس اگر کوئی بدقسمت فسق و فجور کی حالت میں مر گیا تو قیامت تک اسی گناہ میں گرفتار رہے گا۔

21.9 قبر اور قبر کی زندگی

قبر کیا ہے؟ مشاہدہ کے مطابق تو اس سوال کا جواب وہ گڑھا ہے جس میں مردہ کو دفن کیا جاتا ہے لیکن پھر ان کی قبر کہاں ہے جنہیں جلا دیا

جاتا ہے یا درندے کھا جاتے ہیں یا جو پانی میں ڈوب جاتے ہیں یا ہوائی جہاز کے حادثہ میں فضاء میں بکھر جاتے ہیں؟ یعنی ہر سال بے شمار ایسے انسان مرتے ہیں جن کو مٹی کی قبر نصیب نہیں ہوتی ان حضرات کی قبر کے متعلق کیا کہا جائے گا۔

ان سوالات کا جواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث مبارکہ سے واضح ہوتا ہے کہ "جو پانی میں ڈوب گیا اس کی قبر وہی پانی بن گئی، جسے درندے نے کھا لیا اس درندہ کا پیٹ اس کی قبر ہے، جو آگ میں جل گیا وہ آگ اس کی قبر بن گئی، اور جسے کیڑوں نے ہضم کر لیا وہ کیڑے ہی اس کی قبر ہیں"۔ یعنی حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات کے مطابق زمین کا گڑھا ہی قبر نہیں بلکہ ہر کیفیت جس میں انسان کا جسم غائب ہو گیا وہی اس کی قبر ہے۔

درحقیقت قبر کسی دنیاوی مقام کا نام نہیں بلکہ یہ ایک روحانی کیفیت ہے جس میں مرنے کے بعد ہم سب داخل ہو جاتے ہیں۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حقیقت کا اظہار اس طرح کیا کہ "کسی کے لئے قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اور کسی کے لئے یہ جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے" یعنی یہ وہ حالت ہے جہاں مرنے کے بعد انسان اپنے اعمال کے مطابق پہنچا دیا جاتا ہے۔ اسی بات کو حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک اور موقع پر یوں فرمایا ہے کہ قبر دنیا کی آخری منزل ہے اور آخرت کی پہلی۔ اس بحث سے یہ پتا چلتا ہے کہ قبر دو طرح کی ہے۔ ایک جسمانی اور ایک روحانی۔

جسمانی قبر: جسمانی قبر وہ جگہ ہے جس میں آدمی کو دفن کرتے ہیں یا پانی ہے جس میں جسم غرق ہو گیا یا اس درندہ کا پیٹ ہے جس میں وہ ہضم ہو گیا یا وہ آگ ہے جس میں وہ جل گیا یا وہ فضا ہے جس میں جسم کے خلیات بکھر گئے وغیرہ وغیرہ۔

روحانی قبر: روحانی قبر وہ حالت ہے جس میں موت کے بعد نفوس داخل ہو جاتے ہیں۔ یہ دنیا کے بعد آخرت کی طرف ہماری پہلی منزل ہے۔ یہ وہ جہاں ہے جس کو عالم برزخ کہا جاتا ہے۔ عالم برزخ میں لوگوں کے حالات ان کی دنیاوی حیات کے اعمال اور خیالات کے مطابق جدا جدا ہوتے ہیں۔ انہی میں وہ بھی ہیں جو سیدھے جنت کے مزے لیتے ہیں اور وہ بھی جو دنیا میں بھوت بن کر بھٹکتے رہتے ہیں اور وہ بھی جو سو جاتے ہیں اور وہ بھی جو دوزخ کی آگ سے جھلستے رہتے ہیں۔

آیئے اس مسئلہ کو قرآن پاک میں باری تعالیٰ کے ارشادات کی روشنی میں بھی دیکھیں۔ قرآن کریم میں قبر جسمانی اور قبر روحانی کا ثبوت ملتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:۔

اَلْهٰـىٰكُمُ التَّـكَاثُرُ o حَتّٰـى زُرْتُـمُ الْـمَقَابِرَ o كَلَّا سَـوْفَ تَـعْـلَمُوْنَ o ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ o

"(تمہیں) غفلت میں رکھا بہتات کی حرص نے، حتیٰ کہ قبروں میں پہنچ گئے۔ بلاشک وشبہ اس وقت فوری تم (صحیح صورت حال) جان لو گے۔ یقیناً تم اس وقت فوری جان لو گے"۔ (سورۃ التکاثر، آیات۔ 1-4)

پھر ارشاد ہے کہ:۔ **ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ O ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ O**

"پھر اس کو (انسان کو) موت دی، پھر قبر میں رکھوایا، پھر جب چاہے گا اس کو نکال لے گا"۔

(سورۃ عبس، آیات۔21-22)

پھر حکم ہے کہ:۔ **وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ O عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ O**

"اور جب قبروں سے اٹھائے جائیں گے ہر نفس جان لے گا، جو آگے بھیجا اور جو کچھ پیچھے چھوڑا"۔

(سورۃ الانفطار، آیات۔4-5)

اور پھر فرمایا کہ:۔ **وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا O وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَالَهَا O يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا O**

"کیا (آدمی) وہ وقت نہیں جانتا جب زمین اپنا بوجھ باہر نکال دے گی، اور انسان کہے گا کہ اسے کیا ہو گیا ہے، اس وقت وہ اپنی خبریں بیان کرے گی کہ اس پر کیا بیتا ہے"۔ (سورۃ الزلزال، آیات۔2-4)

اور پھر فرمایا کہ:۔ **اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُوْرِ O وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُوْرِ O**

"اور کیا وہ نہیں جانتا جب اٹھائے جائیں گے جو قبروں میں ہیں، اور جو سینوں میں ہے کھل کر ظاہر ہو جائے گا"۔

(سورۃ العادیات، آیات۔9-10)

اس طرح کی بہت سی آیات ہیں جن سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ قبر کا مطلب ایک ایسی کیفیت ہے جس میں انسان موت کے بعد ڈال دیا جاتا ہے یقیناً مادی جسم کی قبر وہی ہے جہاں مرنے کے بعد وہ غائب کر دیا گیا لیکن روحانی قبر قیامت تک رہنے والی کیفیت ہے جو دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا یا جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ لیکن سمجھانے کی خاطر حضور پاک صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے زمین میں گڑھے والی قبر کی تمثیل سے اکثر قبر کے عذاب وثواب کو واضح کیا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ "جب نیک بندے کو زمین پر اتارا جاتا ہے تو فرشتے اس کو آ کر دلاسا دیتے ہیں مرحبا۔ آ۔ اور آرام کر۔ اس کے بعد قبر میں قندیلیں روشن کر دی جاتی ہیں اور قبر کو کشادہ کر دیا جاتا ہے تاکہ وہ ہمیشہ وہاں کی سیر کرے"۔ ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے کہ "جب آدمی کو قبر میں اتار دیا جاتا ہے تو قبر سے ایک آواز آتی ہے کہ اے شخص دنیا میں تو نے میرے بہت قصے سنے ہیں جس میں میرا قہر اور رحم دونوں تھے، اب تو بتا کہ اپنے ساتھ کیا کیا لایا ہے"۔ ایک اور موقع پر حضور پاک صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا ہے کہ "کافر کو جب قبر میں اتارا جاتا ہے تو زمین دونوں پہلوؤں سے اس کو اتنا دباتی ہے کہ اس کی ہڈیاں چکنا چور ہو جاتی ہیں اور قیامت تک وہ اسی عذاب میں مبتلا رہتا ہے"۔ اسی ضمن میں اور بھی

بہت سی احادیث ہیں۔ان سب سے ایک بات یقینی حد تک ثابت ہوتی ہے کہ قبر موت اور آخرت کے درمیان ایک پل (Bridge) ہے، جنھوں نے دنیا کی آزمائشی زندگی اچھے اعمال اور خدا کے قانون کے مطابق گزاری ان کے لئے یہ مقام آرام و آسائش کا ذریعہ ہے لیکن وہ جو اس امتحان میں ناکام رہے ان کے لئے یہ انتہائی تکلیف دہ جگہ ہے۔(استغفر اللہ)

اسی مضمون کو اب ہم کچھ قرآنی آیات کے حوالے سے سمجھیں گے۔اللہ تعالیٰ نے عبرت دلانے کے لئے فرعون کا واقعہ قرآن پاک میں کئی جگہ بیان فرمایا ہے۔فرعون اور اس کے ساتھی انتہائی ظالم حکمران تھے انہوں نے نہ صرف بنی اسرائیل کو غلام بنایا ہوا تھا بلکہ ان سے انتہائی مشقت کے کام بھی لیتے تھے۔فرعون اپنے غرور اور تکبر میں حد سے بڑھ چکا تھا۔وہ اپنے آپ کو خدا کہلاتا اور لوگوں کو اپنی پوجا کیلئے مجبور کرتا۔آخر کار وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پیچھا کرتا ہوا مع اپنی فوج کے سمندر میں ڈوب کر مر گیا۔اس وقت دریا کا پانی اس کی قبر بن گیا لیکن بعد میں مستقبل کی نسلوں کیلئے سامان عبرت کے طور پر اللہ تعالیٰ نے اس کی لاش کو محفوظ کر دیا جو قاہرہ کے عجائب گھر میں آج بھی موجود ہے۔فرعون اور اہل فرعون کے بارے میں ارشاد ربانی ہے:۔ اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ■ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ■ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ O

”آگ ہے کہ لایا جاتا ہے انہیں اس پر صبح و شام، اور جب آئے گی قیامت (حکم ہوگا) داخل کر فرعون والوں کو سخت سے سخت عذاب میں“۔(سورۃ المومن، آیت۔46)

یہ قوم فرعون کی اس حالت کا نقشہ ہے جو انہیں قبروں میں پیش آ رہی ہے۔وہ یوم الدین کے بعد پیش آنے والے اصل عذاب کے شدید خوف میں بھی مقید ہیں جو انہیں ان کے کرتوتوں کی بنا پر ملنے والا ہے۔موت کے فوری بعد نفس کو اپنا محاسبہ پورا پورا نظر آتا ہے۔اس محاسبہ کی فلم کی ایک جھلک ہمیں ان لوگوں کے بیانات میں بھی نظر آتی ہے جو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہوتے ہیں۔قبر کے محاسبہ کے بعد انسانی نفس کو اچھی طرح پتا چل جاتا ہے کہ اس کا انجام کیا ہونے والا ہے یعنی عالم برزخ میں مجرموں کو اصل سزا انہیں دی جاتی بلکہ سزا کی جھلکی دکھائی جاتی ہے۔فرعون اور اس کے ساتھیوں کو بھی وہاں ہر روز ان کے انجام کا منظر دکھایا جاتا ہے اور یہی ان کی سزا ہے۔اس طرح جو لوگ دنیا میں نیک تھے انہیں بھی قبروں میں ان کا نیک انجام دکھایا جاتا ہے جس سے ان کی روحوں میں مسرت کی لہر دوڑتی رہتی ہے۔اس کی مثال سورۃ یٰسین میں اللہ تعالیٰ کے اس بندے کے واقعہ سے ظاہر ہے جسے کفار نے شہید کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے دنیاوی حیات کے اختتام کے ساتھ ہی اسے جنت میں داخل کر دیا۔

قبر یعنی عالم برزخ کی جزا یا سزا کا تصور آپ اس مثال سے سمجھ لیجئے کہ سکول میں ایک لڑکا پتھر مار کر کھڑکی کا شیشہ توڑ دیتا ہے۔یہ ایک ایسی غلطی ہے جس کی سزا شدید ہو سکتی ہے، ہم جماعت اسے پکڑ کر ہیڈ ماسٹر صاحب کی طرف لے جاتے ہیں۔یہ تصور کرنا مشکل نہیں کہ ہیڈ ماسٹر صاحب تک پہنچتے پہنچتے اس لڑکے کی کیا حالت ہوگی۔یقیناً وہ لڑکا اس دوران میں شدید احساس ندامت اور سزا کے تصور کے خوف سے انتہائی کرب و بلا میں مبتلا ہوگا۔اب وہ ہیڈ ماسٹر کے سامنے حاضر ہو جاتا ہے، ٹانگیں کانپ رہی ہیں، دل دھڑک رہا ہے، پسینہ چھوٹا ہوا ہے لیکن کوئی بعید نہیں کہ ہیڈ ماسٹر صاحب اس پر رحم کھا کر یا اس کی پرانی خوبیوں کے پیش نظر اسے معاف ہی کر دیں۔انجام خواہ کچھ بھی ہو لیکن راستہ کا وہ خوف بھی تو کسی سزا

سے کم نہیں تھا۔ بیشک اللہ تعالیٰ ارحم الراحمین ہے، عین ممکن ہے کہ اپنی مہربانی سے وہ بڑے بڑے گنہگاروں کو بخش دے لیکن موت اور یوم حساب میں جو وقفہ ہے اس میں ہر روز انسان اپنے انجام کو دیکھتا ہے اور اگر خدانخواستہ اعمال اچھے نہیں تو یہ کیفیت سوہان روح بن کر اسے تنگ کرتی رہتی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:- وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِىْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى٥

"اور جس نے میری یاد سے منہ پھیرا تو اس کیلئے تنگ معیشت ہے، اور ہم قیامت کے دن اسے اندھا اٹھائیں گے"۔(سورۃ طٰہٰ، آیت۔124)

اوپر کی بحث قبر اور عالم برزخ کی کیفیات کو قرآن کریم اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ مندرجہ ذیل واقعات اس مسئلہ کے کچھ ظاہری پہلوؤں کی نشاندہی کرنے کے لئے پیش کیے جاتے ہیں۔

یہ نومبر 1981ء کی بات ہے کہ اخبار جنگ میں خبر آئی کہ پشاور کے نواح کے ایک قبرستان میں نہایت عجیب واقعہ پیش آیا۔ اس کی تفصیل یوں ہے کہ "وہاں ایک پرانی قبر تھی۔ قبر میں ابھی دنوں ایک سوراخ ہو گیا۔ گورکنوں نے دیکھا کہ سوراخ میں سے ایک عجیب الخلقت مخلوق نکلتی ہے جو ہو بہو آدمی کا ایک چھوٹا نمونہ ہے لیکن لمبائی میں صرف چار یا پانچ انچ ہے۔ وہ قبر میں سے اپنی ٹانگوں پر چلتے ہوئے نکلتا ہے، تھوڑی دیر کے بعد اس کی دونوں ٹانگیں علیحدہ ہو جاتی ہیں، پھر اس کا دھڑ بھی گر جاتا ہے۔ اس کے اعضا علیحدہ علیحدہ ہونے کے بعد خشک ہو کر چھوٹے چھوٹے حصوں میں بکھر جاتے ہیں۔ صرف ایک سر باقی رہ جاتا ہے جو تباہ نہیں ہوتا، پھر پہلے کی طرح وہ سالم ہو جاتا ہے اور اس طرح کئی دنوں سے یہ سلسلہ ہر چند رہ منٹ کے وقفہ کے ساتھ جاری ہے"۔

جب میں نے یہ عجیب و غریب واقعہ پڑھا تو اپنے دفتر میں ڈاکٹر منظور عطا اور انجینئر محمد نسیم ڈائریکٹر سیفٹی ڈویژن سے ذکر کیا۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے خود اپنی آنکھوں سے یہ واقعہ دیکھا ہے، نسیم صاحب نے بتایا کہ گردن سے اوپر یہ سر ہر لحاظ سے انسانی اعضاء سے مطابقت رکھتا تھا۔ کچھ لوگ قبر کے سوراخ میں ڈنڈا چلانے لگے تا کہ دیکھا جائے کہ اور کیا کچھ ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ ڈنڈے کے ساتھ ہی چند بچھو اور سانپ کے بچے نکلے۔ اب غور کریں کہ اس واقعہ کے پیچھے کیا راز سربستہ ہے؟ ہمارے پاس اس قبر کے بدقسمت مکین کے بارے میں کوئی معلومات نہیں لیکن ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ واقعہ عذاب قبر کی ایک شکل کی طرف دلالت کرتا ہے۔

حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث سے بھی یہی واضح ہوتا ہے کہ وہ انسان کے اپنے اعمال ہی ہیں جو قبر میں اسے خوش رکھتے ہیں یا تنگ کرتے ہیں۔ یعنی قبر کے سانپ بچھو، آگ آدمی کے اعمال ہی کی مختلف اشکال ہوتے ہیں۔ اس لئے مسلسل کبیرہ گناہ کرنے والوں کو قبر میں سخت سے سخت سزا کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "کافر کے جسم پر قبر میں ہزاروں اژدھے اور سانپ چھوڑے جاتے ہیں جو قیامت تک اسے تنگ کرتے رہتے ہیں۔ اسی طرح حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ ایک آدمی جس نے

بے گناہ کو قتل کیا، قیامت تک اس آدمی کا سر کاٹا جاتا ہے پھر وہ ٹھیک ہو جاتا ہے اور پھر اس کا سر کاٹا جاتا ہے اور یوں اپنے ظلم کا بدلہ پاتا رہتا ہے"۔
اسی ضمن میں کئی اور بھی احادیث ہیں جو لوگوں پر مرنے کے بعد سزا اور جزاء کے عمل کو اچھی طرح واضح کرتی ہیں۔ خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو نیک عمل کر کے مر گئے۔

باب نمبر 22

روحوں سے براہ راست یا خواب میں ملاقات

22.0 تعارف

اب تک ہم نے قدیم اور جدید حوالوں سے کچھ ماورائی حقائق کو سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ ان میں سے ایک حقیقت کشف کی ہے۔ جس کو جدید سائنسی اصطلاح میں ESP یعنی (Extra Sevsory Perception) کہہ سکتے ہیں۔ اسی ضمن میں ہم یہ بھی دیکھیں گے کہ کیا روحیں جو انتقال کر چکی ہیں ان سے رابطہ کرنا ممکن ہے یا نہیں؟ اور وہ ہمارے لیے کیا کر سکتی ہیں؟ یورپ اور امریکہ میں آج کل روحوں کو بلانے کا بڑا چرچا ہے۔ ہمارے اپنے معاشرہ میں بھی عامل اور روحانی بزرگ ہستیاں روحوں کو بلانے کا دعویٰ کرتی رہتی ہیں۔ اسی طرف کشفِ قبور یعنی قبروں کے اندر دفن لوگوں کو دیکھنا اور ان کے حالات سے آگاہی بھی صوفیاء کرام اور روحانی بزرگوں کے نزدیک کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے لیکن عموماً ایسے دعوے ذاتی تجربات تک محدود ہوتے ہیں۔ یہ نہیں کہ دعویٰ کرنے والا کسی دوسرے کو بھی ان کا مشاہدہ کروا سکے۔ عموماً ایسی صلاحیت کا تعلق ارتکاز توجہ اور قوت مراقبہ سے ہے جسے پیٹنٹ نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے عاملوں کے دعوٰی کے متعلق تصدیق شدہ واقعات کم ہیں۔ مندرجہ ذیل مضمون میں روحوں سے ملاقات کے موضوع کو احادیث مبارکہ، اسلامی بزرگوں کے واقعات اور جدید سائنسی مشاہدات کے حوالے سے پیش کیا جا رہا ہے۔

22.1 روحوں سے ملاقات

روحوں سے ملاقات ایسا موضوع ہے جو سب لوگوں کی نظر میں دلچسپی کا حامل ہے۔ سبھی جاننا چاہتے ہیں کہ کیا ہمارے مردہ رشتہ دار،

دوست، واقف کار مرنے کے بعد بھی ہمارے حالات سے واقف ہیں اور ہمارے معاملات میں دلچسپی لیتے ہیں یا نہیں؟ اور کیا وہ ہمیں ملنے آتے ہیں یا ہم انہیں ملنے جاسکتے ہیں؟ کیا روحوں کو بلایا جاسکتا ہے؟ ایسے سوالات کا جواب "ہاں" بھی ہے اور "نہ" بھی۔ مذاہب عالم اور جدید روحانی سائنسی تجربات سے یہ بات تو ثابت ہوتی ہے کہ مرنے کے بعد روح (نفس) زندہ رہتی ہے اور جسمانی قیود سے آزاد ہو کر اس کی استعداد بھی بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ جہاں تک آگے جانے والوں اور پیچھے رہ جانے والوں کا معاملہ ہے شروع شروع میں دونوں کو ایک دوسرے کی بڑی یاد ہوتی ہے۔ مشہور مثل ہے کہ وقت بہت بڑا مرہم ہے۔ ابتداء میں کسی مرنے والے کی یاد لواحقین کو بہت زیادہ ستاتی ہے لیکن وقت کے ساتھ ساتھ وہ بھولنے لگتے ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ابتداء میں خوابوں کے ذریعہ ملاقات کے واقعات اکثر ہوتے رہتے ہیں لیکن رفتہ رفتہ یہ سلسلہ کم ہوتا جاتا ہے۔ اگر کوئی عزیز ہوا تناہی زیادہ رُلاتی ہے اور مرنے والا بھی ان کے خوابوں میں آکر ملتا رہتا ہے لیکن کچھ عرصہ بعد جدائی کا غم کم ہونے لگتا ہے حتیٰ کہ کچھ سالوں میں ماں بھی اپنے پیارے بچہ کو بہت حد تک بھول جاتی ہے۔

اس ضمن میں شاہ عبدالعزیز ابن شاہ ولی اللہ محدث و مفسر (وفات 1176 ہجری) اپنے ملفوظات میں نہایت دلچسپ واقعہ لکھتے ہیں۔ (مترجم محمد موسیٰ بھٹو) "ایک مرید نے پوچھا کہ مرنے کے بعد روح کا تعلق جسم سے رہتا ہے یا نہیں؟ اگرچہ جسم خاکستر ہو چکا ہوتا ہے اور یہ کہ یہ تعلق روح مع الجسم ہر آدمی کے لئے ہے یا خاص کر اولیاء کی خصوصیت ہے؟ ارشاد فرمایا کہ "جہاں جسم کا بیشتر حصہ ہوتا ہے وہاں تعلق روح کا ہوتا ہے اور کچھ عرصہ کے بعد کم ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے کہ تیس سال کے بعد روح کا تعلق بہت کم رہ جاتا ہے مگر بعض اولیاء جن کے لئے خدا تعالیٰ کا فیضان معرفت منظور ہوتا ہے کا زیادہ مدت تک یہ تعلق باقی رہتا ہے"۔ (صفحہ 134 ملفوظات شاہ عبدالعزیز)

آپ نے مصنف کے والد مرحوم کی "روح کی خوشبو" کے واقعات بھی پڑھے ہیں۔ آپ 9/اکتوبر 1981ء کو حج کرنے کے بعد طواف الوداع کے دوران فوت ہوئے۔ مکہ شریف میں آپ کی روح کی خوشبو روزانہ کئی کئی مرتبہ آتی رہی۔ یہی حال پاکستان میں بھی کچھ عرصہ رہا تقریباً تین ماہ تک ان کی روح کی مخصوص خوشبو سے ان کی آمد کا اکثر احساس ہوتا تھا لیکن پھر آہستہ آہستہ یہ سلسلہ کم ہوتا گیا اور ایک سال کے بعد بالکل ختم ہو گیا۔ اسی طرح کچھ اور لوگوں کی روحوں کے واقعات سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ موت کے بعد روحیں اپنے عزیزوں سے ملنے آتی ہیں لیکن بعد میں یہ سلسلہ کم ہو جاتا ہے۔ مغربی محققین کے روحوں کے بلانے کے مشاہدات دراصل بھوتوں کے متعلق ہیں۔ اپنی دُنیاوی محبت کے نتیجہ میں وہاں مرنے والوں کی اکثریت بھوت بنتی ہوگئیں۔ انہیں بلانا آسان ہے بلکہ ان سے کئی ایک تو خود اپنے اظہار کے لئے بیتاب ہوتی ہیں۔

22.2 روحوں سے بات چیت

عارضی موت کے بعد زندہ ہونے والوں کے واقعات سے مردہ لوگوں کی روحوں کی آپس میں بات چیت ایک ثابت شدہ امر معلوم ہوتی ہے لیکن کیا زندہ لوگ مردہ لوگوں کی ارواح سے بات چیت کر سکتے ہیں؟ اس موضوع پر بھی یورپ اور امریکہ میں سائنسی طور پر پچھلے پچاس سال سے کافی کام ہو رہا ہے جس کی تفصیلات اس کتاب میں آپ دیکھ سکتے ہیں۔ یہ سب اسلامی حیات بعد الموت کے نظریات کے مطابق ہے بلکہ اگر کہا

جائے کہ روحوں پر جدید سائنسی معلومات اور اسلامی نظریات کی تشریح ہیں تو غلط نہ ہوگا۔

"احادیث کی اکثر کتابوں میں یہ واقعہ درج ہے کہ جنگ بدر میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح دی، جنگ کے تیسرے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس گڑھے کی طرف تشریف لے گئے جس میں کفار کی لاشیں ڈالی گئی تھیں۔ان میں ابو جہل اور عتبہ جیسے بدترین دشمن بھی تھے۔حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ایک کافر کا نام لے کر پکارتے جاتے کہ فلاں بن فلاں آگاہ ہو کہ رب تعالیٰ نے میرے ساتھ جو وعدہ فرمایا تھا وہ پورا کر دیا تم بتاؤ کہ تمہارے متعلق جو اس کا حکم تھا وہ بھی تم نے سچ پایا"۔جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ فرما رہے تھے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا کہ "حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا مردے بھی سن سکتے ہیں جو آپ ان کی لاشوں سے یوں مخاطب ہیں؟" اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! "قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ یہ لوگ تم سے کہیں زیادہ سننے کی اہلیت رکھتے ہیں صرف جواب دینے سے قاصر ہیں"۔(صحیح البخاری، کتاب الجہاد)

22.3 روحوں کا دنیا میں آنا اور عمل دخل

امام غزالیؒ کی تحقیق کے مطابق بھی مردوں کی روحیں دنیا کے حالات سے بخوبی واقف ہوتی ہیں لیکن دنیا سے دلچسپی ان کے اپنے حالات کے مطابق ہوتی ہے۔ظاہر ہے کہ جو لوگ مرنے کے بعد عذاب میں مبتلا ہو جاتے ہیں وہ تو اس بندی خانہ سے نکل نہیں سکتے اور جو جنت کی نعمتوں سے دل افروز ہوتے ہیں وہ خود وہاں سے نکلنا نہیں چاہتے۔یہی وجہ ہے کہ عالم برزخ سے روحوں کی واپسی کے واقعات بہت ہی کم پیش آتے ہیں اور جو تھوڑے بہت ہوتے ہیں ان میں سے اکثر واقعات وفات کے تھوڑا عرصہ بعد تک کے ہوتے ہیں۔یا ان روحوں کے ہوں گے جو عالم برزخ میں بھوت بن کر زندگی گزار رہی ہیں۔جیسا کہ پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے۔روحوں کے بلانے کے اکثر سائنسی واقعات یورپ اور امریکہ ہی میں ہو رہے ہیں۔شاید اس کی بھی یہی وجہ ہو کہ وہاں دنیاوی ہوس کی زیادتی کی وجہ سے اکثر لوگ مر کر بھوت بن جاتے ہیں، کچھ زمین پر ہی اپنے بسیرے کر لیتے ہیں۔

بہر حال وقت کے ساتھ ساتھ جیسے زندہ لوگ اپنے بچھڑے ساتھیوں کو بھولنے لگتے ہیں ویسے ہی مردہ لوگوں کی روحیں بھی دنیا کے حالات سے دلچسپی کھو بیٹھتی ہیں۔البتہ اولیاء کرام اور دوسرے نیک لوگوں کی ارواح جن کی حق تعالیٰ نے ڈیوٹی لگا دی ہو ان کا فیض جب تک اللہ تعالیٰ چاہے مرنے کے بعد بھی جاری رہتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر شدہ اوامر کی طرف اترتے ہیں۔شاید سورۃ القدر میں اسی کی طرف اشارہ ہے کہ:- تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ۝

"اترتے ہیں اس (لیلۃ القدر) میں فرشتے اور روح اپنے رب کے اذن سے تمام امور کی طرف"۔(سورۃ القدر، آیت۔4)

جیسا کہ پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے۔حضرت مجدد الف ثانی رحمت اللہ علیہ کے مطابق تو اس عالم شہادت میں آنے سے پہلے بھی بعض اکابر ارواح سے اللہ تعالٰی نے وہ کام لیے ہیں جو عالم شہادت میں آنے کے بعد آدمی کرتا ہے۔ان کے مطابق اولیا ءاللہ میں سے بعض ایک ہی وقت میں کئی جگہ اسی شکل میں یا بصورت دیگر ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔اپنے متعلق لکھتے ہیں کہ "فقیر کو لوگوں نے مکہ معظمہ میں دیکھا،بعض نے بغداد میں، اور بعض نے روم وغیرہ میں۔حالانکہ فقیر کہیں نہیں گیا"۔اسی طرح حاجتمند لوگ زندہ اور مردہ لوگوں سے مدد طلب کرتے ہیں یا دیکھتے ہیں کہ ان بزرگوں کی صورتوں نے حاضر ہو کر ان کی بلا کو دفع کیا۔حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہزاروں آدمی ایک ہی وقت میں بشکل مختلف دیکھتے ہیں اور استفادہ کرتے ہیں۔یہ سب حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفات ولطائف کی مثالی صورتیں ہیں"۔(بحوالہ مکتوب مجدد الف ثانی بنام محمد تقی)

22.4 مُردوں کی توقعات اور ایصال ثواب

اس ضمن میں یہ بات بھی اہم ہے کہ جیسے خط وکتابت ،نیک خواہشات کے اظہار اور تحفہ تحائف کے لینے دینے سے ہم اپنے عزیزوں سے تعلق قائم رکھتے ہیں اگر ہم مردوں کی ارواح کے لئے بھی دعا، ایصال ثواب اور صدقہ وخیرات کریں اور انہیں اچھے الفاظ میں یاد کریں تو ہمارا اور ان کا تعلق بھی قائم رہتا ہے۔اس کا مشاہدہ خوابوں کی صورت میں ہوتا رہتا ہے۔اسلامی روایات یہ بھی بتاتی ہیں کہ عالم برزخ میں روحیں اپنے پیچھے دنیا میں رہ جانے والوں سے توقعات وابستہ رکھتی ہیں۔ان کی خواہش ہوتی ہے کہ کوئی ان کے نام پر نیکی کرے اور ان کے لئے مغفرت طلب کرے۔ایسی چیزیں مردہ کے لئے زندوں کا تحفہ ہوتی ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی جاتی ہے کہ مردہ آدمی کی روح انتظار میں رہتی ہے کہ اس کے لواحقین اس کے لئے کیا بھیجتے ہیں مثلاً ان کے نام پر جب ہم نیکی کرتے ہیں تو فرشتے اس نیکی کا اجر اس روح تک لے کر جاتے ہیں۔اسی طرح لوگوں کی دعائیں فرشتے ایک نورانی طبق میں آراستہ کر کے مردہ روح کے آگے پیش کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ یہ تحفہ فلاں ابن فلاں نے اسے بھیجا ہے۔وہ اس وقت ایسے ہی خوش ہوتے ہیں جیسے زندہ تحفہ لے کر خوش ہوتے ہیں۔اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ زندہ لوگ مرے ہوؤں کو فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ اسلام میں اس بات کو بڑی اہمیت حاصل ہے کہ انسان اپنے پیچھے صدقہ جاریہ چھوڑ جائے جس سے مراد ایسے تمام کام ہیں جن کے اچھے اثرات اس کی وفات کے بعد بھی قائم رہتے ہیں اور ان میں بہترین صالح اولاد ہے جو اپنے والدین کے لئے نیکی کرتی ہے۔

سورۃ یٰسین میں اللہ تعالٰی ایسی چیزوں کو "آدمی کے آثار" کا نام دیتا ہے فرمایا "ہم لکھتے جاتے ہیں جو (اعمال) وہ آگے بھیجتے ہیں اور ان کے آثار (نشان) جو وہ اپنے پیچھے چھوڑ آتے ہیں۔"(36(12) ان آثار میں وہ تمام چیزیں شامل ہیں جن کے اچھے برے اثرات دنیا پر آدمی کی وفات کے بعد پڑتے رہتے ہیں۔مثلاً مریضوں کے لئے ہسپتال بنانا،تعلیم کے لئے سکول بنانا،دین اسلام کی تبلیغ کے لئے کوئی کام کر جانا،اللہ تعالٰی کی خلقت کی فلاح کے لئے کوئی کام کر جانا،یہ سب آدمی کے نیک آثار ہیں جن کا ثواب انسان کو اس وقت تک پہنچتا رہتا ہے جب تک ان کا فیض

جاری رہتا ہے لیکن جیسے اوپر کہا گیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "آدمی کے لئے سب سے بڑا صدقہ جاریہ اس کی نیک اولاد ہے"۔ اس لیے کہ وہ جو نیک اعمال کرتے ہیں اس کا ثواب بھی ان کے والدین کو ملتا ہے۔

22.5 روحوں سے ملاقات

روحوں سے تعلق کے لئے ضروری ہے کہ ہم ایسے اقدام کریں جن کے ذریعے ان سے ہمارے تعلقات استوار ہوسکیں۔ تعلقات کو استوار کرنے میں سب سے اہم چیز محبت اور حسن ظن ہے۔ بزرگان دین اور صوفیا ء کرام کا دعویٰ ہے کہ وہ لوگ جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت اور اتباع کا تعلق قائم کیا انہیں خواب میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دیدار نصیب ہوتا ہے، بعض تو یہاں تک کہتے ہیں کہ وہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محفل میں بھی پہنچتے ہیں۔

یہاں میں اپنے ایک واقعہ کا ذکر بھی کرنا چاہتا ہوں ہوسکتا ہے کہ کوئی اسے میرا وہم سمجھے لیکن یہ بالکل سچ ہے۔ میں جب اپنے والد صاحب مرحوم کی روح کے خوشبو کے واقعات پر کتاب لکھ رہا تھا (اس کتاب کا مسودہ 1982ء میں مکمل ہوا) تو بعض اوقات مجھے ایک خاص طرح کی خوشبو کا احساس ہوتا تھا۔ معلوم ہوتا جیسے کوئی میرے پاس بیٹھا ہوا ہے، کبھی مجھ پر جھک کر دیکھتا ہے کہ میں کیا لکھ رہا ہوں۔ خوشبو کے ہلکے ہلکے مرغولے تو اکثر ہی آتے رہتے تھے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ میرے تحت الشعور میں چھپی ہوئی خوشبو تھی یا مجھے کوئی نفسیاتی عارضہ تھا۔ میں نے ان تمام باتوں پر خوب سوچا ہے اور سوچ بچار کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ خوشبو کے ان احساسات کی وجہ میرے والد مرحوم کی روح تھی یا کوئی اور روحیں، یہ تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسے لمحات اکثر ہی آئے ہیں۔ امریکہ میں لکھی گئی کتاب "Search for the Soul" میں روح کی تلاش میں کئی ایک بڑے سائنسدانوں کے حوالے سے 1850ء سے 1980ء تک روحوں کے بلانے کے واقعات لکھے گئے ہیں۔ روحوں کو بلانے والوں میں کچھ تو نوبل انعام یافتہ بھی ہیں۔ انہی میں سے ڈیل یونیورسٹی کے کیمسٹری کے پروفیسر ڈاکٹر رابرٹ ہیر (Dr. Robert Hare) کا ذکر ہے کہ ستمبر 1854ء کو انہوں نے یونیورسٹی کے آڈیٹوریم میں تین ہزار لوگوں کے سامنے حلفیہ بیان دیا کہ "ان کے پاس روحوں کو ماننے کے بغیر کوئی چارہ نہیں اور وہ خود روحوں کے حیرت انگیز کارنامے دیکھ چکے ہیں"۔ یہ بیان ان کی کتاب مطبوعہ 1855ء روحوں پر تحقیقات (Experimental Investigation of the Spirit Manifestation) میں دیا گیا ہے۔

22.6 روح اور خواب

خواب کی حالت میں روحوں کا ملنا تو ایک بہت ہی عام سی بات ہے اور مجھے یقین ہے کہ آپ میں سے اکثر اپنے عزیزوں کی روحوں سے خواب کی حالت میں مل چکے ہوں گے۔ لیکن جس طرح انگریز کرنل رابرٹ ڈیون نے ایسے واقعات کا تجزیاتی کتاب (An Experiment with Time-Published Londen U.K, 1933) میں کیا ہے وہ لاجواب ہے۔ دراصل حالت نیند میں ہمارے نفوس جسم کو

چھوڑ دیتے ہیں اس حالت میں ان کا جسم کے ساتھ ایک ہلکا سا تعلق رہتا ہے جسے محققین نے زندگی کی ڈوری "Life Chord" کا نام دیا ہے۔
قرآن کریم بھی نیند میں نفس کے جدا ہونے کی تصدیق کرتا ہے۔

وَهُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّیْلِ وَیَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ یَبْعَثُكُمْ فِیْهِ لِیُقْضٰۤى اَجَلٌ مُّسَمًّى ۚ ثُمَّ اِلَیْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ یُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ O

"اللہ تعالیٰ وہ ہے جو تم پر رات کو نیند کی حالت جیسی موت وارد کر دیتا ہے اور وہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو دن میں، پھر تمہیں وہ اٹھاتا ہے تاکہ مقررہ میعاد پوری ہو، پھر اسی کی طرف لوٹنا ہے، پھر وہ بتا دے گا تمہیں جو کچھ تم کرتے تھے"۔(سورۃ الانعام، آیت۔60)

اس آیہ مبارکہ میں خصوصی طور پر بتایا گیا ہے کہ نیند مانند موت ہے اور اس عارضی موت کے بعد آدمی دوبارہ اٹھایا جاتا ہے۔ یہ روزانہ کا مشاہدہ ہے لیکن مستقل موت کے بعد واپسی نہیں ہوگی۔ آیہ مبارکہ یہ بھی بتاتی ہے کہ سونے کی حالت میں انسان اپنے گردوپیش کے حالات سے بے خبر ہو جاتا ہے، جب کہ دن کے وقت انسانی نفس دنیاوی کاموں میں ڈوبا رہتا ہے۔ نیند نفس کے لئے دنیا سے آزادی کا موقع ہے لیکن زیادہ تر لوگ دنیا کے بکھیڑوں میں اس قدر پھنسے ہوتے ہیں کہ رات کو بھی ان کا نفس انہی پیچ وخم میں پھنسا رہتا ہے اس لیے ایسے نفوس خواب میں جو کچھ دیکھتے ہیں وہ ان کی ذہنی کیفیت کا ہی گرداب ہوتا ہے اور ان کے زیادہ تر خواب ان کی ذہنی پریشانیوں اور انتشار (Confusions) کی مختلف شکلیں ہوتی ہیں۔ شاذ ونادر ہی ہوتا ہے کہ ایسے انسانوں کا نفس نیند میں جسم کو چھوڑ کر کہیں دور نکل جائے۔

جو لوگ خواب کی تعبیر کا علم جانتے ہیں وہ حاصل شدہ معلومات کا سنجیدگی سے مطالعہ کرتے ہیں اور خوابوں کی اشکال سے پیش آنے والے حقائق کی طرف نشاندہی کرتے ہیں۔ مشرقی ادب تو بے شمار ایسے واقعات سے بھرا پڑا ہے لیکن جو لوگ مغرب سے زیادہ مرعوب ہیں ان کے لئے رابرٹ ڈیون کی کتاب جس کا پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے۔ نہایت دلچسپی کی حامل ہوگی۔ مصنف اپنے زمانہ کا ایک مانا ہوا دانا تھا۔ اس نے لندن میں ایک سوسائٹی کی بنیاد رکھی جس میں ممبران کا فرض تھا کہ جیسے ہی رات کے کسی پہر ان کی آنکھ کھلے وہ دیکھے گئے خوابوں کو فوری طور پر قلم بند کر لیں۔ اس طرح خواب میں دوسرے خیالات کی ملاوٹ کا امکان بہت کم رہ جاتا ہے اور آدمی بھولتا بھی نہیں ہے۔ اس سوسائٹی نے خوابوں کی حقیقت پر بڑی اہم تحقیقات کیں اور بے شمار تجربات سے ثابت کیا کہ خوابوں کا مستقبل کے واقعات سے بڑا گہرا تعلق ہے۔ انہوں نے اپنی تحقیقات سے یہ نتیجہ بھی اخذ کیا کہ نیند کی حالت میں نفس آزاد ہوتا ہے اس لیے وقت کے دھارے پر زمان ومکان کی پابندیوں سے بالاتر وہ مستقبل اور ماضی میں جانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ مشق کے ذریعے انسان اپنی اس صلاحیت کو مزید بھی اجاگر کرسکتا ہے حتیٰ کہ متواتر ریاضت سے انسان جاگتے ہوئے بھی اپنے نفس کو جسم سے آزاد کرنے کی قابلیت حاصل کر کے مستقبل کے واقعات کو بہت پہلے دیکھ سکتا ہے۔

یہ تو تھے رابرٹ ڈیون کے مشاہدات اگر آپ تحقیق کریں تو یہ معلوم ہوگا کہ ہمارے مسلم صوفیاء کرامؒ کے تجربات اور مشاہدات ان سے

کہیں زیادہ ہیں۔ جہاں تک خوابوں کی سچائی کا تعلق ہے اس پر قرآن کریم خود سب سے بڑی شہادت ہے۔ سورۃ یوسف میں تین خوابوں کا ذکر ہے۔ ان سب واقعات کا تعلق مستقبل سے تھا لیکن خواب میں وقت سے بہت پہلے ان کی طرف اشارہ کر دیا۔ اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے ایک خواب میں دیکھا کہ آپؐ خانہ کعبہ کا طواف کر رہے ہیں۔ یہ وہ وقت تھا کہ جب مکہ کے کافروں نے مسلمانوں کا وہاں داخلہ تک بند کیا ہوا تھا، لیکن چند ہی سالوں میں حالات نے ایسا پلٹا کھایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فاتح مکہ کی حیثیت سے مکہ میں داخل ہوئے اور خانہ کعبہ کو بتوں سے پاک کر کے طواف کیا۔ اسی واقعہ کی طرف یہ آیت کریمہ اشارہ کرتی ہے:۔

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ ؕ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ○

"اور اللہ تعالیٰ نے سچ کر دکھایا ہے اپنے رسول کا خواب تحقیق تم انشاءاللہ مسجد حرام میں داخل ہو گے نہایت امن کے ساتھ سر منڈاتے ہوئے اور سر کے بال کتراتے ہوئے بغیر کسی خوف کے۔ وہ اللہ تعالیٰ ان امور کو جانتا ہے جن کو تم نہیں جانتے۔ پس اس سے پہلے اس نے تمہیں ایک نزدیک کی فتح میسر کی"۔ (سورۃ الفتح، آیت۔27)

حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے خوابوں کی تعبیر کا خصوصی علم عطا فرمایا تھا چنانچہ جب ایک لمبے عرصہ کی جدائی کے بعد ان کا خاندان اکٹھا ہوا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والد ماجد حضرت یعقوب علیہ السلام سے فرمایا:۔

وَقَالَ يٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ ۫ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ؕ

"اور کہا! اے باپ یہ تعبیر ہے میرے اس پہلے خواب کی بے شک اس کو میرے رب نے سچ کر دکھایا"۔ (سورۃ یوسف، آیت۔100)

22.7 خواب میں روحوں سے ملاقات کے کچھ واقعات

اوپر کی بحث کا مطلب یہ ہے کہ اگر خوابوں کا صحیح طور پر تجزیہ کیا جائے تو انسان ان واقعات تک پہنچ سکتا ہے جو ابھی مستقبل کی ملکیت ہوتے ہیں لیکن اس وقت ہمارا موضوع وہ خواب ہیں جن کا تعلق دنیا سے گزر چکی روحوں سے ہے۔ آپ میں سے کئی لوگوں نے دیکھا یا سنا ہوگا کہ جب کوئی عزیز رشتہ دار فوت ہو جاتا ہے تو پس ماندگان اسے خواب میں ملتے ہیں۔ شروع شروع میں یہ ملنا زیادہ ہوتا ہے لیکن بعد میں کم ہو جاتا ہے،

(یہ بھی ہے کہ بعض لوگ خوابوں میں روحوں کو زیادہ ملنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور بعض کم)۔ لیکن یہ کہاں تک صحیح ہے کہ آدمی روح ہی سے ملتا ہے اور خواب اس کے اپنے ذہن کی بناوٹ نہیں ہوتے؟ اس کا انحصار خواب دیکھنے والے پر ہے۔ ان کا ملنا اصل بھی ہو سکتا ہے اور ذہنی حالت کی اپنی شکل بھی۔ یہ کہ خواب میں ملنے والی کوئی روح ہی تھی اس کا ثبوت یہ ہے کہ بعض اوقات روحیں اپنے ملنے والے کو ایسے واقعات بتا جاتی ہیں جو بعد میں سچ ہو جاتے ہیں۔ اس طرح کے بہت سے واقعات آپ خود بھی سنتے رہتے ہوں گے۔ مندرجہ ذیل میں خواب میں روحوں سے ملاقات کے کچھ واقعات بیان کیے جا رہے ہیں۔

1۔ یہ واقعہ مورخہ 19 دسمبر 1981ء کے اخبار جنگ میں مشہور مصنف جناب رئیس امروہوی کے حوالے سے شائع ہوا تھا۔ اس وقت چونکہ اس واقعہ کے گواہ ابھی بفضل خدا حیات تھے اس لیے اس کی صداقت پر شک کی گنجائش نہیں ہونی چاہیے۔ انیس صاحب لکھتے ہیں کہ "ناصر الدین ناصر صاحب نے مرزا غالب مرحوم کی شاعری اور زندگی پر ایک کتاب "دبستانِ غالب" لکھی اور اظہارِ محبت کے طور پر ایک کتاب حضرت مولانا عبدالمعبود سواتی صاحب کو بھی بھیجی۔ مصنف مولانا عبدالمعبود سواتی کے معتقد تھے جن کی عمر 1981ء میں 157 سال تھی اور بڑے اعلیٰ پایہ کے بزرگ تھے۔ کہا جاتا ہے کہ 1981ء تک وہ ایک سو سے زیادہ مرتبہ حج بیت اللہ کر چکے تھے (ماشاءاللہ)۔ آپ مرزا غالب کے ہم عصر بھی تھے اور ظاہر کو دیکھ کر مرزا صاحب کے بارے میں اچھی رائے نہیں رکھتے تھے۔ کتاب دیکھ کر آپ نے برہمی کا اظہار کیا اور غصہ میں مرزا غالب کو شرابی، کبابی اور ابن الوقت بھی کہا جس پر ناصر صاحب کو مایوسی ہوئی۔

ناصر صاحب بتاتے ہیں کہ نومبر 1969ء میں مولانا لاہور تشریف لائے، آپ وہاں اپنے میزبان ڈاکٹر راجہ ممتاز کے ہاں ٹھہرے تھے۔ مولانا نے ناصر صاحب کو وہاں بلایا اور کہا کہ میں نے مرزا غالب کے بارے میں اپنے خیالات بدل لیے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ "27 اور 28 اگست کی درمیانی شب میں فجر کی اذان سے چند منٹ بعد عالم خواب میں دیکھا کہ مرزا غالب لباس فاخرہ پہنے چلے آ رہے ہیں، خوش نما داڑھی، بڑی بڑی مونچھیں، بھرا ہوا منہ، کھلا ماتھا، روشن آنکھیں۔ علیک سلیک کے بعد مرزا غالب نے مجھ سے پوچھا کہ 'آپ نے پہچانا'، میں نے کہا کہ ہاں! آپ مرزا غالب ہیں، مرزا کے منہ سے مشک و عنبر کی خوشبو آ رہی تھی۔ دورانِ گفتگو مرزا صاحب نے پوچھا کہ کیا آپ ناصر کو جانتے ہیں؟ میں نے کہا، ناصر معروالا؟ فرمایا نہیں لاہور میں ایک بچہ ناصر ہے اس کے لئے دعا کریں میں نے کہا کیا دعا کروں، فرمایا کہ بخشش کی۔ مولانا عبدالمعبود کہتے ہیں کہ اس طرح مرزا غالب کے بارے میں ان کی بدگمانی دور ہو گئی"۔

ناصر الدین صاحب نے یہ واقعہ اپنی کتاب "دبستانِ غالب" کے دوسرے ایڈیشن میں بھی لکھا ہے جس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مرزا غالب جن کی وفات کو اس وقت 100 برس سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا تھا ان کی روح تب بھی اپنے یاد کرنے والوں کو نہیں بھولی تھی۔ اس طرح دوسری ارواح بھی دنیا کے لوگوں کے حالات سے واقف رہتی ہیں۔

2۔ خوابوں میں روحوں کی ملاقات کا ایک واقعہ مجھے مسٹر ٹی۔ زیڈ فاروقی سابق ممبر مالیات پاکستان اٹامک انرجی کمیشن نے بھی سنایا۔ بتاتے ہیں کہ "ان کے ایک ملنے والے کے بیٹے اپنے والد کی وفات کے بعد کچھ کاغذات کی تلاش میں بڑے پریشان تھے۔ یہ کسی مکان کی رجسٹریاں

تھیں جوان کے والد مرحوم نے زندگی میں کسی جگہ رکھ دی تھیں۔ وفات کے بعد جب ان کی ضرورت پڑی تو جگہ جگہ چھان ماری لیکن کہیں سراغ تک نہ ملا۔ آخر ایک دن اللہ تعالیٰ سے بڑی دعا کی کہ کسی طرح مل جائیں۔ اسی رات خواب میں ان کے والد کی روح تشریف لائی اور ان رجسٹریوں کے بارے میں صحیح صحیح معلومات بتا دیں جن کے مطابق اگلی صبح انہیں وہ تمام کاغذات مل گئے "۔

3۔ روح کے خواب میں آنے کا ایک اور واقعہ میرے اپنے ساتھ بھی پیش آیا۔ یہ دسمبر کی 10 تاریخ کا ذکر ہے کہ "رات کا وقت تھا۔ میں سویا ہوا تھا کہ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ جیسے میرا لحاف کوئی نیچے کی طرف کھینچ رہا ہے یہ احساس اس قدر شدید تھا کہ میں جاگ گیا اب بھی یہی محسوس کر رہا تھا کہ جیسے کوئی چیز میرے لحاف کو بستر کے نیچے کھینچے چلی جا رہی ہے۔ اس وقت مجھے ایک خوف سا لگا اور میں نے آنکھیں کھول دیں اور سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ عین اس وقت جانی پہچانی خوشبو کا جھونکا آیا جو اس سے پہلے کئی دفعہ اپنے والد صاحب مرحوم کی روح کے سلسلہ میں محسوس کر چکا تھا۔ جب میں نے کمرے کے دروازے کی طرف دیکھا تو وہاں مجھے یوں محسوس ہوا کہ وہاں کوئی آدمی کھڑا ہے جس نے سفید کپڑے پہنے ہوئے ہیں۔ کمرے میں اندھیرا تھا اور باہر کوئی لائٹ بھی نہیں جل رہی تھی۔ سفید کپڑوں کا اندازہ اس آدمی نما شبیہ کی چمک سے لگ رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ یہ سفید جسم کمرے سے باہر جا رہا ہے۔ ہمت کر کے میں اپنے بستر سے اٹھ گیا اور اس سفید لباس والے جسم کے پیچھے چل پڑا۔ اس انسان نما روشنی کو میں نے اچھی طرح دیکھا۔ وہ میرے آگے آگے چل رہی تھی اور پھر وہ میری آنکھوں کے سامنے بند دروازوں سے گزر کر اچانک اوجھل ہو گئی

4۔ ایک اور واقعہ مجھے پروفیسر محمد نوید ازہر صاحب راولپنڈی نے بتایا کہ "میرے دادا علامہ محمد انور چشتی نظامیؒ (گوجرانوالہ) ایک عقیدت مند کو خواب میں ملے اور فرمایا: "فکر معاش میں پریشان نہ ہونا تم پٹواری بنو گے"۔ کچھ عرصہ بعد وہ آدمی پٹواری بن گیا۔ دادا اس وقت بقید حیات تھے۔

22.8 نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت

حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد پاک ہے کہ "جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے واقعی مجھے دیکھا چونکہ شیطان میری شکل میں نہیں آسکتا"۔ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ خواب میں جن لوگوں کو حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ہوتی ہے وہ سچ ہے اور لاکھوں لوگ یہ مبارک خواب دیکھ چکے ہیں۔

ذیل میں ہم ایک نہایت حیرت انگیز مشہور تاریخی واقعہ کا ذکر کریں گے جو سلطان نورالدین زنگی کو پیش آیا۔ اس زمانہ میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان صلیبی جنگیں زوروں پر تھیں۔ دشمنوں نے ایک سازش بنائی کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم مبارک کو ان کی قبر سے نکال کر اغواء کر لیا جائے۔ اس منصوبہ کی تکمیل پر انہوں نے دو عرب یہودیوں کو مامور کیا۔ یہ دونوں شخص مسلمان صوفیاء کے بھیس میں مدینہ منورہ آ کر آباد ہو گئے اور اپنا دن رات منافقانہ عبادات اور روضہ مبارک کے زائرین کی خدمت میں لگا دیا۔ اپنے اس منافقانہ طرز عمل سے تھوڑے ہی عرصہ میں انہوں نے مدینہ کی آبادی میں ایک محترم مقام حاصل کر لیا۔ ان دنوں سلطان نورالدینؒ دمشق کے محاذ پر صلیبی طاقتوں کے خلاف جہاد میں

مشغول تھے۔ تاریخ دان لکھتے ہیں کہ سلطان نے متواتر تین رات ایک ہی خواب دیکھا کہ رسول پاک صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی آواز آتی ہے کہ! اے نورالدین مجھے یہ دو کتے تنگ کر رہے ہیں اور خواب ہی میں دو آدمیوں کی شکلیں انہیں دکھا دیں۔ سلطان تین دن بڑی کشمکش میں رہا۔ آخرکار جب اسے یقین ہو گیا کہ یہ آواز واقعی رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی ہے اور اس نے آدمیوں کی شکلوں کو بھی اچھی طرح ذہن نشین کر لیا تو پانچ ہزار آدمیوں کا لشکر لے کر انتہائی سرعت سے مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوا۔ پہنچتے ہی اس نے حاکم مدینہ کو حکم دیا کہ شہر کا محاصرہ کر لیا جائے اور مدینہ منورہ میں رہنے والے تمام آدمیوں کو اس کی خدمت میں ایک ایک کر کے حاضر کیا جائے۔ حکم کی بجا آوری ہوئی اور شہر میں رہنے والے ہر آدمی کو سلطان کے سامنے سے گزارا گیا لیکن خواب میں دیکھے ہوئے لوگ سے نظر نہ آئے۔ آخرکار اس نے پوچھا کہ کوئی آدمی باقی تو رہ نہیں گیا۔ اس پر لوگوں نے بتایا کہ صرف دو بزرگ ہیں جن کا وقت دن رات عبادت میں گذرتا ہے۔ حکم ہوا کہ انہیں بھی حاضر کیا جائے۔ جب وہ سامنے آئے تو نورالدین زنگیؒ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ یہ تو وہی تھے جن کو حضور پاک صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے خواب میں دکھایا تھا۔ تفتیش کی گئی تو معلوم ہوا کہ ان دونوں نے روضہ مبارک کے قریب ہی ایک مکان لے رکھا تھا جہاں سے وہ ایک سرنگ کھود رہے تھے جو اس وقت روضہ مبارک کے بالکل قریب پہنچ چکی تھی۔ انہیں تو جو سزا ملنا تھی ملی لیکن اس احتیاط کے پیش نظر کہ مستقبل میں پھر کوئی ایسا واقعہ پیش نہ آئے سلطان نورالدین زنگیؒ نے روضہ مبارک کے اردگرد ایک گہری کھائی کھدوائی اور سیسہ پگھلا کر اس میں بھروا دیا جو اب تک قائم ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

1981ء میں جب رسول خدا صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے دربار کی حاضری دی تو کچھ دوستوں نے مجھے بھی اس جگہ کی نشاندہی کروائی جہاں سے سرنگ شروع ہوئی تھی جو اس واقعہ کی سنگینی کو ظاہر کرتا ہے کہ 1000 سال بعد بھی لوگ اس کو نہیں بھول سکے۔

22.9 صحابہ کرامؓ کی ارواح کا خواب میں واقعہ

1950ء کا وہ واقعہ تو ابھی زیادہ پرانا نہیں جب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے دو صحابہ کرامؓ کی ارواح عراق کے بادشاہ شاہ فیصل اول کو متواتر تین رات خواب میں آ کر بتاتی رہیں کہ ہماری قبروں تک دجلہ کا پانی پہنچ چکا ہے جس سے ہمیں تکلیف ہوتی ہے۔ چنانچہ حج کے فوراً بعد ان دو جلیل القدر صحابہ کرامؓ کے اجسام مبارک کو لاکھوں لوگوں کی موجودگی میں نکالا گیا۔ واقعی پانی رس کر قبروں میں جا چکا تھا۔ اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز بات یہ تھی کہ صحابہ کرامؓ کے اجسام اسی طرح تازہ تھے جیسا ابھی فوت ہوئے ہوں۔ باقاعدہ جنازہ کے بعد انہیں دوسری جگہ دفن کیا گیا۔

22.10 کچھ دوسرے لوگوں کے واقعات

1۔ روحوں کے متعلق مجھے ایک واقعہ Pakistan Institute of Nuclear Science & Technology, Islamabad. کے ڈاکٹر رفیق ہارون مرحوم نے 1981ء میں اپنے ایک عزیز رشتہ دار کا بتایا کہ "وہ صاحب میڈیکل ڈاکٹر تھا اور عمر بھر لوگوں کی خدمت کرتا رہا، نماز روزہ کا پابند اور انتہائی ہمدرد انسان تھا جب ان کی وفات جنوری 1978ء میں ہوئی تو انہیں گاؤں کے قبرستان میں دفن

کردیا گیا۔ جولائی اگست میں بہت بارشیں ہوئیں۔ اس کی بیوی نے خواب میں دیکھا کہ وہ اسے کہتے ہیں کہ "میری قبر ٹھیک کرو وہاں پانی ہے جس سے مجھے تکلیف ہوتی ہے"۔ چنانچہ بیوی نے ہمت کر کے گاؤں کے چند آدمیوں کی مدد سے اپنے خاوند کی قبر کھودڈالی۔ انتہائی حیرت کی بات تھی کہ لاش ابھی تک تروتازہ تھی اور واقعی قبر کے کچھ حصوں میں پانی تھا۔"

2۔ 12 دسمبر 1981ء کی بات ہے کہ امریکہ میں ڈاکٹر خالد محمود رندھاوا کا کار حادثہ میں انتقال ہو گیا۔ وہ ایک قابل ڈاکٹر تھے۔ فیصل آباد میں ان کے بوڑھے والدین رہتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب کی وفات کی خبر ان کی والدہ کو 18 دسمبر کو دی گئی لیکن وفات والی رات یعنی 12 دسمبر کو ان کی والدہ کو ایک حیران کن خواب نظر آیا جس کا مطلب اس وقت کوئی بھی نہیں سمجھ سکتا تھا۔ انہیں ان کے مرحوم بھائی، مرحوم ساس اور ایک مرحوم صاحب زادے جو 20 سال پہلے ٹرین کے حادثہ میں انتقال کر گئے تھے یہ سب ان کو خواب میں ملتے ہیں، ان کے ساتھ ہی ایک کفن ان کے گھر پہنچتا ہے، وہ کفن کو دیکھ کر بڑی پریشان ہو جاتی ہیں۔ جس پر خواب میں آنے والے ان کے بھائی، ساس اور بیٹا ان کو تسلی دیتے ہیں کہ صبر کرو جو منظور خدا ہے وہی ہوتا ہے غم کی شدت سے ان کی آنکھ کھل جاتی ہے۔ وہ صبح اپنے شوہر سے اس خواب کا ذکر کرتی ہیں۔ اس وقت تک فیصل آباد میں کسی کو ان کے بیٹے کے حادثاور وفات کی کوئی خبر نہیں تھی۔

3۔ اسی طرح کا ایک اور حیران کن خواب میری اپنی بہن نرگس کو دکھائی دیا۔ یہ بات 26 دسمبر 1981ء کی ہے۔ ان دنوں وہ گاؤں میں جو لاہور سے تقریباً 60 کلومیٹر پر ہے رہتی تھی۔ اسے خواب میں ہمارے والد مرحوم ملتے ہیں۔ منظر ہمارے لاہور والے گھر کا ہے نرگس سے کہتے ہیں کہ تمہارے بھائیوں نے اچھا نہیں کیا کہ تمہاری ماں کو اکیلا چھوڑ کر وہ راولپنڈی اپنے بھائی کے پاس اسلام آباد سیر کے لئے چلے گئے ہیں۔ اب میں خود کچھ دنوں کے لئے لاہور گھر میں ہی ٹھہروں گا۔ نرگس نے صبح اپنے خاوند عبدالحمید صاحب کو اس خواب کا ذکر کیا۔ اس وقت تو انہوں نے خواب کو خواب وخیال سمجھتے ہوئے کوئی خاص توجہ نہ دی لیکن شام کو جب لاہور سے ایک مہمان گھر آیا تو اس نے بتایا کہ کل آصف اور ادریس اہل خانہ کے ساتھ بشیر صاحب کے پاس اسلام آباد چلے گئے تھے اور ان کی والدہ اکیلی ہیں۔ (یعنی خواب میں دیکھے گئے واقعات کی تصدیق ہو گئی)۔

4۔ علامہ سید سلمان ندوی جو مشہور عالم دین اور تاریخ دان تھے اپنی کتاب سیرۃ النبی طبع 1947ء میں خوابوں کے بارے میں لکھتے ہیں کہ "تم کسی مبصر سے دریافت کرو۔ اسے اپنی زندگی میں بہت سے خواب یاد ہوں گے جو واقعات مستقبل کی تمثیلی یا صریحی پیش بینی تھے مجھ کو اپنے خواب بہت ہی کم یاد رہتے ہیں لیکن جو جس قدر زیادہ وضاحت کے ساتھ یاد رہتے ہیں اسی قدر صحیح نکلتے ہیں"۔ 15 اپریل 1920ء کے روزنامچے میں ایک جگہ لکھتے ہیں کہ "آج دوپہر کو سویا تو خواب میں دیکھتا ہوں کہ "ح" کا خط آیا ہے جس میں "س" کا بھی خط ملفوف ہے۔ اٹھنے کے بعد ڈاک آئی۔ یہ خواب بالکل واقعہ تھا۔ انتہا یہ کہ خطوں کا جو مضمون خواب میں دیکھا تھا وہی قریب قریب بیداری میں بھی پایا۔ حالانکہ مجھ کو "ح" کے خط کا کوئی انتظار نہ تھا اور 'س' کے خط کا تو حاشیہ بھی خیال میں نہ تھا۔"

علامہ سید سلمان ندوی انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں خوابوں کے موضوع کے حوالے سے مزید لکھتے ہیں کہ "پروفیسر ہلپر کت اسریا آثار قدیمہ کا مشہور ماہر ہے اس نے بابلی کتابت کے متعلق اشکال کو جو بیداری میں حل نہ کر سکا تھا خواب میں حل کیا تھا اور وہ بھی اس طرح کے بابل کے ایک

پرانے رہنے والے نے خواب میں آکر اس کی رہنمائی کی" ۔یاد رہے کہ بابل کی تہذیب تقریباً چار ہزار سال پہلے تھی۔

یہ صرف چند مثالیں ہیں ورنہ آپ میں سے ہر ایک نے کبھی نہ کبھی سچے خواب دیکھے، سنے یا پڑھے ہوں گے ۔ایسے تمام واقعات سے اس بات کا پتا چلتا ہے کہ بعض اوقات مرحومین کی ارواح لوگوں کو خوابوں میں ضرور ملنے آتی ہیں ،اگر ان خوابوں کا صحیح تجزیہ کیا جائے تو بہت سے دنیاوی اور عالم برزخ کے حقائق کا بھی پتا چل سکتا ہے لیکن اکثر ہوتا یوں ہے کہ خوابوں میں بہت سے استعارے ہوتے ہیں جن کی وجہ سے انہیں سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے ۔بہر حال اس بحث سے ہمارا مقصد صرف اس بات کو واضح کرنا تھا کہ روحوں کا شعوری وجود بعد از موت نہ صرف باقی رہتا ہے بلکہ وہ ہماری زندگیوں سے اچھی طرح باخبر ہوتی ہیں اور خوابوں میں آکر ملتی بھی ہیں اور بعض اوقات پیغام بھی دیتی ہیں۔

باب نمبر 23

کامیاب زندگی اور روحانی ارتقاء

23.0 تعارف

قرآنی تعلیمات کے مطابق جسمانی حیثیت میں انسان احسن تقویم ہے یعنی پہلے ہی سے انتہائی ارتقائی مقام پر فائز ہے اس لیے اس میں مزید تبدیلی نہیں ہوگی جبکہ نفس کے ارتقاء کی کوئی حد نہیں۔ اسی ضمن میں یہ بات بھی ہے کہ اپنے جسمانی ارتقاء میں انسان کا کوئی دخل نہیں تھا بلکہ قدرت کا یہ لاکھوں سالوں پر پھیلا ہوا ایک عمل تھا لیکن نفس کا ارتقاء ہر انسان کی اپنی ذمہ داری پر موقوف ہے۔

ہم نے روح کی حقیقت کے تجزیہ کے دوران یہ دیکھا کہ انسان کی خصوصیت ہے جیسا جان (Life) اور شعور (MInd) ہر چیز کا خاصہ ہے لیکن مدارج میں بہت فرق ہے مثلاً نباتات وحیوانات کی زندگی اور شعور محدود ہے اور جمود کی حالت میں بھی ہے جبکہ انسانی روح نہ صرف شعور رکھتی ہے بلکہ یہ اپنی ترقی کیلئے آزاد بھی ہے، صاحب اختیار بھی ہے اور زندگی میں اپنا راستہ بنانے کی پوری صلاحیت رکھتی ہے۔ اختیار اور شعور کے استعمال کے نتیجہ میں روح کی جو حالت بنتی ہے اس کا نام نفس ہے۔ ہمارا یہ روحانی وجود ہمارے جسم کے اردگرد روشنی کے ایک ہالہ کی طرح ہے جس کی وسعت اور ترقی کے ہم خود ذمہ دار ہیں۔ یہ جسم کی موت کے بعد بھی زندہ رہتا ہے دراصل یہی ہمارا سب کچھ ہے اور یہی ہم ہیں۔ اس لیے زندگی کا مقصد جسم کی خدمت نہیں ہونا چاہیے بلکہ اس کا صحیح مصرف نفس کا رب العالمین کے قرب کی طرف ارتقاء ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ نفس کا ارتقاء ایک مسلسل عمل ہے جو اس زندگی اور آخرت کی زندگی میں بھی جاری رہتا ہے۔ اس کے لیے قرآن کریم میں عام اصول (General Law) یہ ہے کہ:۔

لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ O

"یقیناً تم چڑھتے جاؤ گے منزل بہ منزل"۔ (سورۃ انشقاق، آیت۔19)

23.1 نفس کا ارتقاء کدھر؟

ہر چیز کی آخری منزل اس کے مقصد کی انتہا ہوتی ہے۔ قرآن کریم کی آیت (29)15 سے یہ واضح ہوتا ہے کہ روح رب تعالیٰ کا امر ہے اور اس کی حقیقت خود ذات پاک ہے۔ ہم سب کی روح رب کائنات کی روح کی پھونک ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں فرشتوں کو حکم خداوندی تھا کہ "پھر جب ٹھیک کروں اس کو اور پھونک دوں اس میں اپنی روح میں سے کچھ تو گر پڑو اس کے آگے سجدہ میں "(9)32۔ اس لیے کامیاب نفس وہ ہے جو صفات الٰہیہ کا مظہر ہو۔

آیت (30)30 واضح کرتی ہے کہ "اللہ تعالیٰ کی فطرت دین اسلام ہے "۔ اور انسان کو بھی اپنی فطرت پر پیدا کیا ہے چنانچہ جو آدمی اسلام پر پوری توجہ سے عمل کرے گا اس کی فطرت خود بخود اللہ تعالیٰ کی طرف ترقی کرے گی اور یہی سیدھا راستہ ہے۔ ارشاد ہے کہ:۔

فَاَقِمۡ وَجۡهَكَ لِلدِّيۡنِ حَنِيۡفًا ؕ فِطۡرَتَ اللّٰهِ الَّتِىۡ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيۡهَا ؕ لَا تَبۡدِيۡلَ لِخَلۡقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّيۡنُ الۡقَيِّمُ ۙ وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ۙ

"اور تم دین حق کی طرف پورے طور سے متوجہ ہو جاؤ، یہ اللہ تعالیٰ کی فطرت ہے وہی فطرت جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا، اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی چیز میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی، یہی ہے دین سیدھا مگر بہت سے لوگ نہیں جانتے" (سورۃ الروم، آیت۔30)

صوفیاء کرام کی زبان میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ انسانی نفس کے ارتقاء کی معراج اس کا اپنی اصل سے وصل ہے یعنی ہمارا نفس زندگی میں جس قدر اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہوتا جائے گا اسی نسبت سے اس کا ارتقاء ہوگا اس لیے زندگی کا مقصد خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا ہے اور اس قرب کے حصول کا طریقہ یہ ہے **'واسجد واقترب'** یعنی قرب اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنے میں ہے۔ اس کی منشاء کو اپنی منشاء بنا لینے میں ہے چونکہ اللہ تعالیٰ کی منشاء دین اسلام ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کا قرب اس دین حنیف پر دل کی گہرائیوں کے ساتھ عمل کرنے میں ہے۔ صراط مستقیم پر چلنے کی یہ جدوجہد انسان کے نفس کو اپنے مالک کی صفات کا مظہر بنا دیتی ہے اور انسان اللہ تعالیٰ کے رنگ میں رنگا جاتا ہے فرمایا:۔

صِبۡغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنۡ اَحۡسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبۡغَةً وَّنَحۡنُ لَهٗ عٰبِدُوۡنَ

"ہم نے قبول کر لیا اللہ تعالیٰ کا رنگ اور کیا بہتر ہے اللہ تعالیٰ کے رنگ سے (یعنی ہر رنگ سے بہتر ہے اللہ تعالیٰ کا

رنگ) اور ہم اسی کی بندگی کرتے ہیں"۔ (سورۃ البقرۃ، آیت۔138)

اس کے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنے آپ میں انسانی حد تک اپنے رب کی صفات پیدا کریں اور یوں اپنے مالکِ حقیقی کی حقیقی بندگی کریں۔ مثلاً وہ کریم ہے، ہم بھی کریم ہوں، وہ موجد اور خالق ہے ہم بھی موجد اور خالق ہوں، وہ غفار ہے ہم بھی معاف کرنے والے ہوں، وہ عظیم ہے ہم بھی اپنی انا کو برقرار رکھیں، وہ رب ہے ہم بھی مخلوقات کو پالنے والے بنیں، وہ عطا کرنے والا ہے ہم بھی سخی بنیں، غرض کہ اللہ تعالیٰ کا مومن بندہ دنیا پر اس کا خلیفہ بن کر زندگی گزارتا ہے اور اپنی انسانی سطح پر کوشش کرتا ہے کہ اپنے آپ میں الٰہی اخلاق پیدا کرے۔

23.2 اس مقصد کو حاصل کرنے کا طریقہ

دنیا میں کوئی بھی مقصد کیوں نہ ہو اس کو حاصل کرنے کے صرف دو ہی طریقے ہیں، سچی لگن اور سچی محنت۔ اللہ تعالیٰ کی جانب نفس کے ارتقاء کے لئے بھی یہی دو چیزیں چاہئیں، اگر اللہ تعالیٰ کی طرف ترقی کرنا ہے تو پھر جیسا کہ آیت (30)30 سے ظاہر ہے "دینِ فطرت پر یکسوئی کے ساتھ جدوجہد" اس کے لئے شرط اول ہے۔ دنیا میں عام اصول یہ ہے کہ آدمی نہ جانے میں بھی اپنی عادتوں میں اپنے محبوب جیسا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اگر ہم مٹی سے دل لگائیں گے تو مٹی جیسے ہو جائیں گے، اگر اللہ تعالیٰ کی محبت میں زندگی گزاریں گے تو خود بخود اس کی صفات ہم میں پیدا ہو جائیں گی۔ اس لیے اگر یہ جاننا چاہتے ہو کہ کوئی شخص یا ہم خود ربِّ تعالیٰ سے کتنی محبت کرتے ہیں اور اس سے کتنا قریب ہیں تو یہ دیکھیں کہ ہم ذاتِ الٰہی کی صفات میں کس قدر رنگے ہوئے ہیں۔ جیسے پہلے بھی ہم کہہ چکے ہیں کہ سچا مومن خدائی صفات کا مظہر ہوتا ہے مثلاً اللہ تعالیٰ حکیم، علیم، خبیر، بدیع، خالق، مقدر، جبار، قہار، رحمٰن و رحیم ہے، مومن بھی اپنی بساط کی حد تک ان صفات کا زندہ نمونہ ہوگا۔ ایسا آدمی دنیا میں کامیاب اور آخرت میں بھی کامیاب ہوتا ہے اس کا کاروبار کوئی بھی ہو سکتا ہے لیکن اس کا مقصد حیات اللہ کی خوشنودی ہی رہے گا۔ لہٰذا اگر نفس کا ارتقاء اللہ تعالیٰ کی طرف مطلوب ہے تو پھر ہر قدم پر اپنے آپ سے یہ سوال پوچھیے کہ آیا میرا یہ نیا قدم اپنے رب کی طرف اٹھ رہا ہے یا کسی دوسری سمت؟

وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓى اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۡ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَهُمْ فِي الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ ۝

"اور نہ تمہارے مال اور نہ ہی اولاد ایسی چیز ہے جو تمہیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک کر سکے۔ مگر جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے اعمال کا کئی گنا ثواب ہے اور پر امن بلند، مقام پر ان کی رسائی ہوگی"۔ (سورۃ سبا، آیت۔37)

23.3 ارتقاء کے راستے

انسان جب پیدائش کے موقع پر زندگی کا آغاز کرتا ہے تو اس وقت اس کی روح ارتقاء کے پیدائشی درجہ پر ہوتی ہے۔ جیسے ہر آدمی اپنی ذہنی اور جسمانی ساخت میں مختلف ہے روح کے پیدائشی درجہ میں بھی سب لوگ برابر نہیں لیکن انصاف کے پیشِ نظر ہر نفس کے ارتقاء کی پیمائش اس کے پیدائشی درجہ سے ہوگی بالکل ایسے ہی جیسے سطح سمندر کسی مقام کی اونچائی یا نیچائی کا معیار ہے۔ تاکہ آخرت میں پیدائش پر اونچ نیچ کا فرق مٹ جائے۔

زندگی کے سفر میں انسان کے سامنے بہت سے راستے ہیں وہ جس راستہ پر چل نکلے گا روح بھی ادھر ہی بڑھتی جائے گی۔ انہی راستوں میں ایک راستہ وہ ہے جو سیدھا اللہ تعالیٰ کی طرف جاتا ہے۔ یہ اسلام کا راستہ ہے جو دینِ فطرت ہے۔ اس کے علاوہ بہت سے ٹیڑھے راستے بھی ہیں، ہوسکتا ہے کہ ان کا مسافر بھی اللہ تعالیٰ کے قرب کا متلاشی ہو لیکن یہ پُرخطر راستے ہیں جن سے منزل کا حصول مشکل ہوسکتا ہے کچھ ایسے راستے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے قرب کی بجائے دوسری سمتوں میں جاتے ہیں۔ اگر کوئی ان سمتوں پر چل نکلتا ہے تو نفس کا میلان اللہ تعالیٰ سے ہٹ کر دوسری چیزوں کی طرف ہو جاتا ہے اور یہ ارتقاء کی بجائے پستی کی طرف گرنا شروع ہو جاتا ہے۔ نفس کے اس ارتقائی سفر کو واضح کرنے کیلئے اب ہم اسے میکانیات کی مدد سے سمجھنے کی کوشش کریں گے اگلے گراف میں ہم نے تمثیلاً مختلف قسم کے لوگوں کی روحوں کے سفر کے نتائج دکھائے ہیں۔

Aوہ لوگ ہیں جو رواج کے تحت زندگی گزارتے ہیں۔ ان کی سوچ کبھی بھٹکتی ہے کبھی سیدھی ہو جاتی ہے اور آخر میں ان کا نفس اپنے پیدائشی درجہ کے قریب قریب اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے۔

Bوہ آدمی ہے جو ابتدائی زندگی کے بعد کچھ عرصہ اللہ تعالیٰ کے قرب کی طرف کوشش کرتا ہے اور کچھ ارتقائی منازل بھی طے کر لیتا ہے لیکن پھر اپنی راہ سے ایسا بھٹک جاتا ہے کہ اس کی کوششوں کا محور تقویٰ کی بجائے فسق و فجور ہو جاتا ہے اور آخر کار گمراہی میں اپنی جان خدا تعالیٰ کے حوالے کر دیتا ہے۔

Cوہ آدمی ہے جو ساری عمر اللہ تعالیٰ کے قُرب کے حصول کی فکر میں رہا کہ اس کی روح پروردگار کی طرف ارتقاء کرتی رہے اور حتی الوسع اس کی طرف یکسوئی سے کوشش کرتا رہا۔ آخر کار اعلیٰ مدارج پر پہنچ کر خدا کے حضور حاضر ہو گیا۔

Dوہ آدمی ہے جو اپنی محبت خداوندی میں شدید ہے۔ اس راہ میں بڑی سعی کرتا ہے اگر کبھی بھٹکتا بھی ہے تو فوراً ہی سنبھل کر دوبارہ جدوجہد میں لگ جاتا ہے۔ آخر کار انتہائی اونچے مقام پر پہنچ کر خدا تعالیٰ کے روبرو حاضر ہو جاتا ہے۔

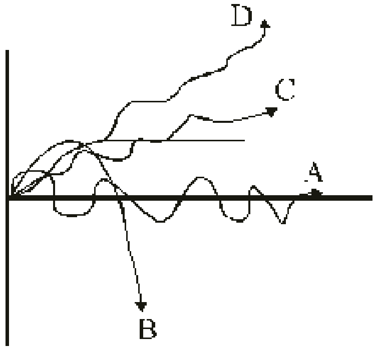

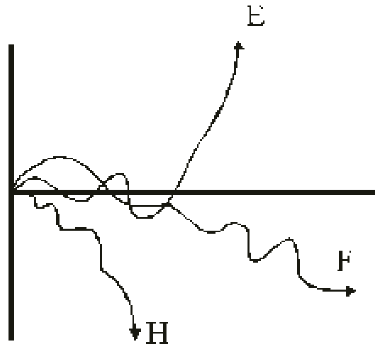

Eوہ خوش قسمت انسان ہے جو اپنی پہلی زندگی میں درمیانے درجہ کا دنیادار انسان تھا آخرکار جب وہ حقیقت کو سمجھتا ہے تو پھر اللہ تعالی سے محبت کی ایک ایسی زبردست چھلانگ لگاتا ہے کہ اپنے زاہد دوستوں سے بہت آگے نکل جاتا ہے اور خدا تعالی کے حضور ایک بلند مرتبہ پر فائز ہوجاتا ہے۔

Fوہ جس کی سوچ ہمیشہ بھٹکتی رہی اس کا مدعا دنیا تھا وہ اپنی حیوانی خواہشات کے پیچھے لگا رہا اگر کبھی اپنے رب کا سوچا بھی تو فوراً دوسرے لمحے اسے پس پشت ڈال کر پھر اپنی نفسانی خواہشات کی پرستش میں لگ گیا۔ آخر میں کچھ سنبھلنے کی کوشش کی لیکن وقت بہت گذر چکا تھا چنانچہ ذلت اور پستی کی حالت میں دنیا کو چھوڑ کر مر گیا۔

Hوہ ہے جس کی کوشش مسلسل گمراہی کی طرف لگی رہی، اس کا خدا اس کی حرص و ہوا تھی وہ ساری عمر ان کی پرستش کرتا رہا اور یوں اس کی روح مسلسل اللہ تعالی کے قرب سے دور ہوتی گئی حتیٰ کہ ظلمت کی اتھاہ گہرائیوں تک پہنچ گیا اور انہی پستیوں میں اس کی زندگی کا یہ سفر ختم ہوگیا۔

23.4 روحانی ارتقاء میں کوشش کی حقیقت

جیسے پہلے بیان ہو چکا ہے کہ روحانی ارتقاء ایک شعوری عمل ہے جس کی بنیاد نیت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے"۔ چنانچہ ایک ہی عمل کے نفس پر مختلف اثر ہو سکتے ہیں مثلاً ایک آدمی صدقہ اس غرض سے کرتا ہے کہ اس کا یہ فعل اللہ تعالی کو پسند ہے اس لیے اس کا نفس ارتقاء میں ایک منزل بلند ہوگیا لیکن جست کی مقدار اس کے صدقہ کی مقدار کے مطابق نہیں بلکہ اس جذبہ کے مطابق ہے جس کے تحت وہ خیرات کی گئی تھی۔ روحانی ارتقاء میں کوشش اور جذبہ کا دخل مندرجہ ذیل واقعہ سے بڑی اچھی طرح واضح ہوتا ہے۔

جنگ موتہ کے موقع پر اللہ تعالی کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں سے مال کی اپیل کی تو صحابہ کرامؓ اپنے جذبہ اور حیثیت کے مطابق مسجد میں سامان لا کر ڈھیر کرتے جاتے تھے۔ اتنے میں ایک بڑھیا پھٹے پرانے کپڑوں میں حاضر ہوئی، اس کی جھولی میں کچھ کھجوریں تھیں اور آنکھوں میں کچھ آنسو۔ بولی! "حضور مجھ غریب کی کائنات تو یہی چند کھجوریں ہیں کاش! کہ یہ قبول ہو جائیں"۔ یہ کہہ کر مال کے ڈھیر پر انہیں

انڈیل دیا۔حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "تو کیوں ڈرتی ہے تیرے اس جذبے پر تو آسمان والے بھی رشک کر رہے ہیں"۔
ایسی خیرات بھی ہو سکتی ہے جس کا مقصد نام ونمود ہو، دوسروں کو ممنون کرنا ہو یا ٹیکس سے بچنا ہو،اس خیرات کے پیچھے جو جذبہ اور مقصد ہے نفس نے بھی اسی طرف ہی جانا ہے۔اس طرح ظاہراً نیک عمل بھی انسانی نفس کو پستی کی طرف گراتے جاتے ہیں۔ارشاد ربانی ہے کہ:۔

يَتَخَافَتُونَ بَيْنَهُمْ إِنْ لَبِثْتُمْ إِلَّا عَشْرًا ○ نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ إِذْ يَقُولُ أَمْثَلُهُمْ طَرِيقَةً إِنْ لَبِثْتُمْ إِلَّا يَوْمًا○ وَيَسْئَلُونَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّي نَسْفًا○

''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمادیں کہ کیا ہم تمہیں بتادیں کہ،سب سے بڑھ کر ناقص عمل کس کے ہیں،ان کے جن کی ساری کوشش دنیا کی زندگی میں گم ہوگئی،اور وہ اس خیال میں ہیں کہ ہم بہت اچھا کام کر رہے ہیں،وہ لوگ جنہوں نے رب کی آیتوں سے انکار کیا،اور اس کے دیدار کے بھی منکر ہوئے تو ان کے اعمال ضائع ہوگئے،تو ہم ان کے لئے قیامت کے دن کوئی تول قائم نہ کریں گے''۔(سورۃ الکہف آیات۔105-103)

ان آیات مبارکہ سے یہ بات بھی سمجھ میں آجاتی ہے کیوں کفار کے اعمال کا انہیں قیامت کو صلہ نہیں ملے گا؟ نفس کی ترقی درحقیقت عمل کے پیچھے جذبہ اور مقصد کی سمت میں ہوتی ہے اور یہ سلسلہ یونہی آخری وقت تک رہتا ہے۔اللہ تعالیٰ کو کسی کے کسی کام کی ضرورت نہیں،بنا سے ہماری قربانیوں کا گوشت پوست چاہیے بلکہ وہ تو ہمارے جذبے دیکھتا ہے۔اگر اعمال کا مطمحِ نظر رب تعالیٰ نہیں تو پھر نفس کا اس کی طرف ارتقاء بھی ممکن نہیں۔چنانچہ ایسے لوگوں کے ظاہراً نیک اعمال بھی نفس کی ترقی کا باعث نہیں بنتے۔
اصل بات یہ ہے کہ آخری نتیجہ کیا نکلتا ہے چنانچہ انسان اگر تمام عمر بھٹکنے کے بعد بھی ایمان لے آئے یا آخر میں کچھ ایسے اعمال کرلے جن کے نتیجہ میں اس کے نفس کا رخ رب تعالیٰ کی طرف ہوجائے تو وہ آدمی بھی انعام واکرام کا حقدار قرار پاتا ہے۔وقت نزع کے قریب مریض کو کلمہ شریف یاد کرانے اور اس کے قریب قرآن کریم پڑھنے میں بھی یہی فلسفہ ہے۔

23.5 عبادت اور نفس کا ارتقاء

اب ہم ایک اور اہم مسئلہ پر اپنی توجہ مبذول کرتے ہیں۔اکثر لوگوں کے ذہنوں میں شکوک وشبہات دبے پڑے ہیں کہ عبادات کا آخر کیا فائدہ ہے؟ واقعی اگر ہم صرف دنیاوی فوائد کا سوچیں تو کئی ایک عبادات کے پیچھے فلسفہ سمجھ نہیں آتا۔کم از کم ان سے وابستہ دنیاوی تقاضے پورے ہوتے نظر نہیں آتے مثلاً بعض لوگ پانچ وقت کی نماز پڑھنے کے حق میں اس طرح کے عقلی دلائل دیتے ہیں کہ اس سے تمام اعضاء کی ورزش ہوجاتی ہے،بار بار اٹھنے اور بیٹھنے سے پیٹ ٹھیک رہتا ہے،نمازی کو صاف ستھرا رہنا پڑتا ہے اس لیے اسے بیماری لگنے کے امکان کم ہوتے ہیں وغیرہ وغیرہ، اس کے جواب میں فوراً ذہن میں یہ آسکتا ہے کہ یہ سب ٹھیک ہیں لیکن جسم کی ورزش کے لئے تو اور بھی بہت سے طریقے ہیں،دوڑ لگاؤ،سیر کرو،

مختلف اعضاء کے لئے علیحدہ علیحدہ ورزشیں کرو، صرف نماز پر ہی کیوں زور؟

اس طرح روزہ اسلام کا ایک بنیادی رکن ہے لیکن عقلی فوائد کے حوالہ سے ہمیشہ لوگ یہ کہتے نظر آئیں گے کہ روزہ صحت کے لئے اچھا ہے، سال بھر میں یہ مہینہ جسم کے لئے آرام کا مہینہ ہے، اس سے غریبوں کے لئے محبت کے جذبات ابھرتے ہیں، یہ ہمیں ضبط سکھاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب باتیں اپنی جگہ ٹھیک ہیں لیکن ذرا یہ تو بتایئے کہ روزہ نہ رکھنے والے کیا مہربان نہیں ہوتے یا وہ اکثر بیمار رہتے ہیں؟ اسی طرح وضو کے مسائل ہیں غرضیکہ جب ہم عبادات کی پرکھ سیکولر بنیادوں پر کرتے ہیں تو ان کی روح سے بہت دور نکل جاتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، قربانی یا کوئی اور فرض سنت یا نفلی عبادت ہو ان کا تعلق انسان کے جسم سے زیادہ اس کے نفس سے ہے اس لیے ان کے فوائد ماپنے کے پیمانے بھی اس دنیا سے مختلف ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر نفس اسلامی عبادات سے کچھ دنیاوی اور جسمانی فوائد بھی متوقع ہیں لیکن یہ ظاہری فوائد ہرگز عبادت کا مقصد نہیں۔ عبادت کا اصل مقصد اللہ تعالیٰ کے قرب کا حصول ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:۔ **وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ** " سجدہ کر اور قریب ہو جا"۔ رکوع اور سجدہ میں اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے حضور حوالہ کرنے کے۔ نیت، جذبہ اور دل کی حضوری سے کیا گیا نیکی کا ہر کام روحانی ترقی کی جانب زینہ چڑھتا ہے۔ حضوری کا ہر سجدہ قرب الٰہی کا باعث ہے۔ ہر وہ روزہ جو کمال نیت اور صبر سے ادا ہوتا ہے وہ روحانی ارتقاء کے راستوں میں زبردست جست ہے۔ اسی طرح جب آدمی صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور محبت سے حج کے سفر پر نکلتا ہے تو نفس کو اوپر کی طرف ایک مسلسل لفٹ ملنا شروع ہو جاتی ہے اور اس راستہ میں تکالیف اور قربانیاں نفس کے درجات کو بلند کرتی جاتی ہیں۔ یہی صلہ ہر بار نماز کے لئے وضو کرنے کا ہے، یہی فلسفہ خیرات، صدقات کے پیچھے کارفرما ہے۔ اس طرح وہ علم بھی قرب الٰہی کا باعث بن جاتا ہے جس کا مقصد رضائے الٰہی کی اتباع میں کائنات کے راز معلوم کرنا ہو یا اس کی تسخیر ہے۔ غرض مزدور کی مزدوری، تاجر کی تجارت، عالم کا علم، حاکم کی حکمرانی، سائنسدان کی سائنس، ڈاکٹر کی ڈاکٹری، انجینئر کی انجینئری، اگر ان کے پیچھے نیت اللہ تعالیٰ کی رضا کی جستجو ہے تو طالب کا دن رات اللہ تعالیٰ کی طرف مسلسل آگے بڑھنے کی منازل ہیں۔ ورنہ دنیا کا زاہد کا سو سال کا زہد بھی اسے پستیوں کی طرف گھسیٹا جاتا ہے۔ کامیاب انسان وہ ہے جس کا نفس ہر روز نئی بلندیوں کو چھوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے کہ یقیناً وہ مومن خسارے میں ہے جس کا آج کل کے برابر رہا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:۔ **يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ ۝**

"اے آدمی تم کو بچنا ہے (گناہ سے)، اپنے رب تک پہنچنے میں، بچ بچ کر پھر اس سے ملنا ہے"۔

(سورۃ انشقاق، آیت۔6)

23.6 روح کا ارتقاء اور نیکیوں کا تصور

اب ہم نیکیوں کی تعداد یا مقدار کے مسئلہ کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اکثر احادیث میں جب مختلف نفلی عبادتوں کا ذکر آتا ہے تو وہاں پر

ساتھ ہی بتا دیا جاتا ہے کہ فلاں نیک کام کی اتنی نیکیاں ہیں۔ مثلاً قرآن کریم کی تلاوت پر ہر حرف کی دس دس نیکیاں ملتی ہیں۔ اس طرح دیگر عبادتوں کے نتائج بھی نیکیوں کی تعداد میں بتائے گئے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ ذہن میں یہ خیال آئے کہ نیکیوں کی تعداد سے کیا مطلب ہے۔ اس مسئلہ کو بھی سمجھنے کے لئے نفس کے ارتقاء کا نظریہ بڑا معاون ہوسکتا ہے۔ دراصل نیکی اللہ تعالیٰ کی طرف ایک زینہ چڑھنے کے مترادف ہے۔ دس نیکیوں کا یہ مطلب ہوا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے قرب میں دس زینے بلند ہو گئے۔ اس زاویہ نگاہ سے "ذکر" کی اہمیت بڑی اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت بڑی عبادت ہے جب ایک مومن دل پر بار بار اللہ اللہ کی چوٹ لگاتا ہے تو ہر چوٹ نفس کے لئے قرب کی طرف ایک نئی بلندی ہوتی ہے۔ چونکہ زندگی کا اصل مقصد بھی یہی ہے کہ انسان اپنے خالق سے قریب تر ہو جاتا ہے اس لیے تمام وہ چیزیں اور کوششیں جو قرب کے حصول میں معاون ہوں وہ سب عبادت ہیں اور عبادت کی پیمائش کی اکائی نیکی ہے اور ہر نیکی نفس کی سربلندی کی طرف بڑھتا ہوا قدم ہے۔ اس کے برعکس ہر گناہ وبلندی سے گراوٹ کا سبب ہے۔

23.7 فکر اور روح کا ارتقاء

جیسا اوپر بیان ہو چکا ہے روحانی ارتقاء کے لئے اللہ تعالیٰ کے ذکر کی اہمیت بہت زیادہ ہے لیکن اس سفر میں فکر کی جو اہمیت ہے وہ بھی کسی عبادت سے کم نہیں۔ فکر کا مطلب خالق کے حوالے سے مخلوق کو سمجھنا ہے۔ اس طرح مخلوق کی پہچان سے خالق کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "عالم کی ایک ساعت کی سوچ بیچارزاہد کی ہزار رات کی عبادت سے افضل ہے"۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ روحانی ارتقاء میں فکر کا مقام ذکر سے بھی بلند و برتر ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی ملائکہ اور جنات پر برتری کی وجہ بھی اس کو علم الاسماء کی عطا تھی۔ یہی سنت ابراہیمی بھی یہی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اردگرد سب لوگ بتوں کی پوجا کرتے تھے، معاشرہ میں توحید کا کوئی تصور نہیں تھا۔ ایسے میں لازمی تھا کہ جو پیدا ہوتا وہ بتوں کی ہی پوجا کرتا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جیسے ہی ہوش سنبھالا غور وفکر شروع کردیا، بتوں کی بے بسی کو دیکھا کرتے تو کہتے یہ خدا نہیں ہوسکتے۔ چاند کی خوبصورتی اور چمک کو دیکھ کر سوچا کہ شاید یہی خدا ہو لیکن جب وہ غائب ہوتا نظر آیا تو کہا کہ خدا ایسا نہیں ہوسکتا، سورج کی آب وتاب کو دیکھ کر اس پر خدا ہونے کا گمان کیا لیکن جب وہ بھی ڈوب گیا تو کہنے لگے کہ "ڈوبنے والا میرا خدا نہیں ہوسکتا"۔ یوں غور وفکر سے انہوں نے ہر چیز کو خوب پرکھا اور آخر کار ان پر یہ حقیقت کھل گئی کہ خدا وہ ہے جو تمام کائنات کا خالق ہے، ہمیشہ سے قائم ودائم، زندہ، سب کو پیدا کرنیوالا، بے مثل جس کا کوئی باپ ہے نہ ماں، نہ اولاد، وہ اکیلا اور یکتا ہے، اپنے کمال میں لازوال، اپنی صفات میں بے عیب، اللہ تعالیٰ جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ **لا الٰہ الا اللہ**۔ فکر کا مطلب قدرت کی صناعی پر غور اور پھر اس کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے۔ مندرجہ ذیل ارشاد ربانی سے صاف ظاہر ہے کہ:۔

إِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَفِيْ خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ

اٰیٰتٌ لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ o وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ اٰیٰتٌ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ o تِلْكَ اٰیٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَیْكَ بِالْحَقِّ ۚ فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ ۢ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰیٰتِهٖ یُؤْمِنُوْنَ o

''بے شک آسمانوں اور زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں، ماننے والوں کے لئے اور تمہارے بنانے میں، اور جو جو اس نے مخلوق بکھیری ہے زمین میں، ان میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں، اور بدلنے میں رات دن کے اور جو اتارا اللہ تعالیٰ نے آسمان سے رزق، پھر زندہ کیا اس سے زمین کو اس کی موت کے بعد، اور ہواؤں کی گردش میں بھی نشانیاں ہیں عقلمندوں کے لئے، یہ آیات ہیں اللہ تعالیٰ کی جو سناتے ہیں ہم تمہیں حق کے ساتھ، تو پھر اللہ تعالیٰ اور اس کی آیتوں کو چھوڑ کر تم کونسی باتوں پر ایمان لاؤ گے''۔ (سورۃ الجاثیہ، آیات۔3-6)

ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا ہے کہ۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ o الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَیَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ o

''بے شک آسمانوں اور زمین کے بنانے اور رات دن کے نظام میں، بڑی نشانیاں ہیں عقل والوں کے لئے وہ جو یاد کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کو، کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے اور غور کرتے ہیں، آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں، (اور کہتے ہیں) اے رب تو نے یہ عبث نہیں بنایا، تو پاک ہے پس ہم کو بچا دوزخ کی آگ سے''۔ (سورۃ آل عمران، آیات۔191-190)

پھر حکم ہے کہ۔

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَیْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ۚ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یُّجَادِلُ فِی اللّٰهِ بِغَیْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًی وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِیْرٍ o

''کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے کام لگائے ہیں تمہارے لیے، جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، اور تمہیں

اپنی پوری نعمتیں عطا کیں ظاہر اور چھپی ہوئی، اور لوگوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں، بغیر علم اور بغیر عقل اور بغیر روشن کتاب کے"۔ (سورۃ لقمان، آیت ۔20)

قرآن کریم میں سینکڑوں بار انسان کو اس بات کی بار بار تلقین کی جا رہی ہے کہ وہ اپنے ماحول، اپنی پیدائش، زمین و آسمان کی تخلیق اور اللہ تعالیٰ کی صناعی پر غور و فکر کرے اور یوں مخلوق سے خالق کی معرفت حاصل کرے۔ حق تو یہ ہے کہ انسان کی پیدائش کے پیچھے بھی یہی راز پوشیدہ تھا۔ رب تعالیٰ نے جب چاہا کہ آخر کوئی تو ہو جسے اس کی معرفت ہو تو اس نے انسان کی پیدائش کا قصد کیا اور اس کی خاطر کائنات کو بنایا قرآن کریم سے ہمیں یہ پتا چلتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کا منصوبہ فرشتوں پر ظاہر کیا تو وہ نہ رہ سکے اور بول اٹھے کہ ہم جیسے فرمانبردار، تسبیح کرنے والوں، عبادت گزاروں کے ہوتے ہوئے ایک اور مخلوق کی کیا ضرورت ہے؟ اس پر رب العالمین نے فرمایا کہ تم ان باتوں کو نہیں سمجھتے۔ جب آدم علیہ السلام معرض وجود میں آ گئے تو انہیں فرشتوں کے سامنے لایا گیا اور کہا کہ اگر تم اپنے دعوئی میں سچے ہو تو میری تخلیقات کے ناموں سے آگاہ کرو۔ فرشتے لاچار ہو گئے اور حضرت آدم علیہ السلام اس امتحان میں کامیاب ہوئے۔ یوں ان کی علمی فضیلت کو ثابت کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم دیا۔

جیسے انسان کو اس کے علم کی بنا پر فرشتوں سے سجدہ کروایا گیا اسی طرح روحانی ارتقاء میں اونچا مقام حاصل کرنے کے لئے بھی علم و فکر ضروری ہے۔ اس میدان میں اونچی اڑان والوں کے بارے میں رب تعالیٰ کا فرمان ہے:۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ○ الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَیَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ○

"بے شک آسمانوں اور زمین کے بنانے اور رات دن کے نظام میں، بڑی نشانیاں ہیں عقل والوں کے لئے وہ جو یاد کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کو، کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے اور غور کرتے ہیں، آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں، (اور کہتے ہیں) اے رب تو نے یہ عبث نہیں بنایا، تو پاک ہے پس ہم کو بچا دوزخ کی آگ سے"۔ (سورۃ آل عمران، آیات ۔191-190)

قرون اولیٰ میں مسلمان علماء ان خواص کے مظہر تھے۔ چنانچہ ان میں علوم دین اور علوم دنیا میں فرق نہیں کیا جاتا تھا بلکہ عالم ہونے کا مطلب ہی یہی تھا کہ وہ دونوں علوم میں ماہر ہے۔ آج بھی ہمارے وہ علماء، سائنسدان اور محقق جو کائنات کے رازوں پر سے پردہ اٹھانے میں مصروف ہیں اگر وہ اپنی تحقیق کا مقصد اللہ تعالیٰ کی پہچان کو ٹھہرائیں تو روحانی ارتقاء کی منازل میں ان کا مقام بہت اونچا ہوگا۔ اوپر کی اس بحث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ کائنات میں فکر صرف سائنسدانوں کا ہی کام نہیں بلکہ یہ فکر ہر مسلمان پر لازم ہے۔ یوں ہر مسلمان ایک قدرتی سائنسدان ہے۔

اگر ایک انسان اپنی مشاہدہ کی آنکھ کو بند رکھتا ہے تو اس میں اور حیوانوں میں کیا فرق باقی رہ گیا؟ مسلمان تو وہ ہے جسے ہر منظر میں اللہ نظر آئے، پرندوں کے نغموں میں اسے عرش کی صدا آئے، ایٹم کا جگر چیرے تو وہاں بھی خالق کا احساس پائے، ستاروں کا مشاہدہ کرے تو بتانے والے کے گیت گائے۔ گھاس کی ایک معمولی پتی ہو، پاؤں کے نیچے آنے والا کیڑا ہو، منہ میں جانے والا لقمہ ہو، پہاڑوں کی بلندی ہو، دریا کا زور شور ہو، کوئل کی کوک ہو، چمن ہو کہ ریگ زار ہو، باد نسیم ہو یا بادِ سموم ہو، غرض ہر چیز میں مومن کی روح اپنے خالق کی قدرت کو دیکھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ جمیل ہے ہر چیز میں اس کا جمال رچا ہوا ہے۔ بے شک:۔ **سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَر**

23.8 دنیا ایک آزمائش گاہ

اب تک کی بحث میں ہم نے یہ واضح کیا ہے کہ انسانی زندگی کا حقیقی مقصد اپنے رب کی طرف روحانی ارتقاء کرنا ہے۔ یہ انسان کے لئے دنیاوی زندگی، عالم برزخ کی زندگی اور آخرت کی زندگی غرض تمام مقامات پر اس کے لئے باعث عزت و اطمینان ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:۔ "**یَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ بِذِکْرِ اللّٰہِ**"۔ دنیا کی زندگی نفس کے لئے امتحانی وقفہ اور ایک آزمائشی قیام ہے۔ جس میں روح کو اچھے برے کی فطری پہچان کے ساتھ بھیجا جاتا ہے۔ یہاں پر بعض معاملات میں زندگی اختیاری ہے اور یہی معاملات انسان کے لئے اس کے امتحان کا پرچہ ہیں۔ ان کے لئے اس پر کوئی فطری مجبوری نہیں کہ وہ لازماً اچھے کام ہی کرے بلکہ یہ اس کا اپنا انتخاب ہے کہ وہ زندگی کو اپنی فطرت کے مطابق ڈھالتا ہے یا لہو ولعب میں خرچ کرتا ہے۔ جو نفوس زندگی کے اس شعوری دور کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے بسر کرتے ہیں وہ اپنے رب کی طرف ارتقائی منازل طے کرتے جاتے ہیں ان کے برعکس وہ جو مقصد سے دور ہٹ کر حیوانی سطح پر زندگی گزار دیتے ہیں وہ اپنے پیدائشی مقام سے بھی بہت نیچے گر جاتے ہیں اور نتیجہ میں ناکام و نامراد اس دار الامتحان سے دار الحساب میں داخل ہو جاتے ہیں۔

مندرجہ ذیل آیات بھی یہی واضح کرتی ہیں کہ دنیا کا قیام ہر انسان کے لئے ایک امتحانی دور ہے تاکہ پوری کائنات جان لے کہ وہ اپنی تخلیقی غرض و غایت پر پورا اترا ہے کہ نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:۔

الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۭ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ o

"اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے پیدا کیا موت کو اور زندگی کو، تاکہ وہ آزمائے کہ تم میں سے کون اچھے عمل کرنے والا ہے، اور وہ زبردست بخشنے والا ہے"۔ (سورۃ الملک، آیت۔2)

یہ امتحان کیوں ضروری ہے؟ اس کا جواب ہم پہلے بھی واضح کر چکے ہیں۔ تخلیقی عمل میں ہر تخلیقی کارکن خواہ وہ انجینئر ہو، سائنسدان ہو یا آرٹسٹ سب سے پہلے اپنی تخلیق کا خاکہ اپنے ذہن میں تیار کرتا ہے۔ اس کا ڈیزائن کاغذ پر اتارتا ہے اور اس کے مطلوبہ اہداف مقرر کر دیتا ہے۔

آزمائش کا طریقہ بھی ڈیزائنر خود مقرر کرتا ہے پھر اس ڈیزائن کے مطابق کاریگر اسے بناتا ہے۔ جب مشین تیار ہو جاتی ہے تو اسے آزمائش کے مرحلوں میں سے گذارا جاتا ہے۔ ماڈل کی کامیاب آزمائش کے بعد اس کا ڈیزائن فیکٹری میں اس جیسے ہزاروں لاکھوں یونٹ بنانے کے لئے بھیج دیا جاتا ہے لیکن وہاں بھی ہر ایک یونٹ کو آزمائش کے مختلف مرحلوں میں سے گذارا جاتا ہے تا کہ مطلوبہ کوائف کے مطابق اس کی کارکردگی کو ٹیسٹ کر لیا جائے۔ ساتھ ہی ساتھ ہر امتحان کے کوائف اور نتائج تفصیل سے لکھے جاتے ہیں۔ جب مشین مطلوبہ آزمائشوں سے گزر جاتی ہے تو تفصیلات انجینئر کے سامنے پیش کی جاتی ہیں جو ایک ایک کوائف کو بغور دیکھتا ہے تا کہ مشین میں کوئی خامی ہو تو سامنے آ جائے، اگر مشین ڈیزائن کے مطلوبہ معیار پر پورا اترتی ہے تو اس کو پاس کر دیا جاتا ہے، اگر کوئی نقص ہو تو انجینئر اپنے احکامات کے ساتھ اسے دوبارہ ورکشاپ میں خامی دور کرنے کے لئے بھیج دیتا ہے لیکن جو مشین قابل اصلاح نہیں ہوتی اسے دوبارہ پگھلایا جاتا ہے یا ناکارہ خانہ میں ہمیشہ کے لئے پھینک دیا جاتا ہے۔

یہ مثال کسی حد تک ہمارے اوپر بھی صادق آتی ہے۔ تمام انسانی روحوں کی تخلیق اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ ہی ہوئی تھی اور یوں جینیٹک سطح (Genetic Level) پر ہم میں سے ہر ایک حضرت آدم علیہ السلام کے جسم میں خوابیدہ حالت میں موجود تھا۔ دنیاوی حیات ہمارا ٹیسٹ ہے۔ اگر ہم معیار پر پورے اتریں گے تو ہمارا مقام جنت ہوگا۔ جو نفوس مطلوبہ معیار پر پورا نہیں اترتے ان کی عالم برزخ میں ٹھکائی ہوتی ہے اور پھر یوم الدین کے وقت ان کا فیصلہ ہو جاتا ہے کہ کہاں رکھے جائیں گے۔ بعض کو دوزخ میں بھیج دیا جائے گا جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے بدلہ لینے کے لئے نہیں بنائی بلکہ یہ بھی ایک اصلاح گاہ ہے، جہاں نفوس اپنی کمزوریوں کے ساتھ آتے ہیں تا کہ اصلاح کے بعد وہ بھی جنت میں رہنے کے قابل ہو سکیں (انشاء اللہ) البتہ جو نفوس ناقابل اصلاح ہو چکے ہیں انہیں ہاویہ میں ڈال دیا جائے گا، جہاں وہ جہنم کا ایندھن بن کر جلتے رہیں گے۔

23.9 پہلا امتحان

امتحان کا پہلا عمل حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کے فوراً بعد ہی شروع ہو گیا تھا۔ قرآن کریم میں یہ کہانی کچھ اس طرح بتائی گئی ہے کہ جب آدمؑ اور حواؑ کی تخلیق ہو گئی تو انہیں شعور اور حق خود اختیاری دے کر جنت کے کسی مقام پر ٹھہرا دیا گیا لیکن یہ جگہ محض عیش و عشرت کے لئے نہیں تھی بلکہ ایک تربیت گاہ بھی تھی، تا کہ وہاں رہ کر نوع انسانی کے ماں باپ صبر اور نظم و ضبط سیکھیں، غلط اور صحیح میں تمیز کو سمجھیں اور برائی کی طاقتوں کے خلاف اپنے آپ کو تیار کریں تا کہ شیطان جو حسد کی بنا پر ان کا دشمن بن چکا تھا وہ انہیں نقصان نہ پہنچا سکے۔ چنانچہ اس تربیت کے لئے انہیں ایک چھوٹی سی آزمائش بھی ڈالی اور ساتھ ہی بتا دیا کہ دیکھنا اپنے آپ کو قابو میں رکھنا شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے۔ قرآن کریم کی آیت (35)2 میں اس تربیت گاہ کی اس طرح تشریح کی گئی ہے:۔

وَقُلْنَا يَآدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا

هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ

''اور ہم نے فرمایا تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو، اور آزادی سے جو چاہو وہ کھاؤ پیو، لیکن یہ ایک ایسا درخت ہے جس کے تم نے قریب نہیں پھٹکنا، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم غلط کاروں میں سے ہو جاؤ''۔ (سورۃ البقرۃ، آیت۔35)

یہ کہنا تو مشکل ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اس تربیت گاہ میں کتنا عرصہ رہے لیکن بالآخر وہ نظم وضبط برقرار نہ رکھ سکے اور شیطان جو ان کا دشمن تھا اس کے دھوکے میں آ گئے، انہوں نے اللہ تعالیٰ کی لگائی ہوئی پابندی توڑ دی اور برائی کی طاقت کے سامنے زیر ہو گئے یوں حضرت آدم علیہ السلام جنت کے مطلوبہ معیار سے نیچے گر گئے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:۔

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ■ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ■ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ٥ فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ■ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ٥ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ■ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ٥ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ■ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ٥

''پس شیطان نے ان دونوں کو ڈگمگا دیا اور نکال دیا انہیں اس سے جس میں وہ تھے۔ اور ہم نے کہا! اتر جاؤ تم سب کے سب۔ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو۔ اب زمین پر کچھ عرصہ تمہارا قیام ہوگا، اور وہیں پر تمہارے استعمال کے اسباب ہوں گے۔ پس آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے چند باتیں سیکھ لیں اور اللہ تعالیٰ نے اِن کی توبہ قبول فرمائی۔ بے شک وہی توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔ ہم نے فرمایا! تم سب کے سب اس مقام سے نیچے اتر جاؤ، پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئے پس جو میری ہدایت کی فرمانبرداری کرے گا اسے کوئی اندیشہ ہوگا، اور نہ کوئی غم اور وہ لوگ جنہوں نے انکار کیا اور جھٹلایا ہماری آیات کو، وہ آگ کے ساتھی ہوں گے اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے''۔ (سورۃ البقرۃ، آیات۔ 36-39)

ان آیات کے بغور مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام جنت کے مطلوبہ معیار سے گر گئے تو انہیں اور ان کی تمام اولاد کو دنیا میں بھیج دیا گیا کہ وہاں اللہ تعالیٰ کے بتائے طریقوں پر محنت کریں تا کہ وہ دوبارہ جنت میں پہنچ سکیں۔ اس سے یہ مطلب نہ لیا جائے کہ اگر آدم شیطان کے دھوکے میں نہ آتے تو ہمیشہ ہی جنت میں رہتے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں آنا ان کے لئے شروع ہی سے مقرر تھا، شیطان

کے بہکاوے میں آنے کا نقصان یہ ہوا کہ وہ اپنی جنتی تربیت مکمل نہ کر سکے اور وقت مقررہ سے پہلے ہی انہیں وہ عالی مقام چھوڑنا پڑا۔ اس لیے کہ جنت میں کوئی نافرمان نہیں رہ سکتا۔ یہاں سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ دنیا میں زندگی کا ایک ہی مقصد ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے رسولوں اور پیغمبروں کی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے اپنے نفس کی تربیت کرے اور اپنے کھوئے ہوئے مقام کو پانے کی کوشش کرے۔ اسی لیے زندگی کا یہ وقفہ نہایت قیمتی ہے۔ لہٰذا دنیا کی زندگی ہمیں ایک اچھے طالب علم کی طرح گزارنا چاہیے۔ جنہوں نے اس قیمتی وقت کو ضائع کر دیا وہ امتحان میں اچھی کارکردگی کی توقع کیسے کر سکتے ہیں؟ اور اعلیٰ مدارج کے حق دار کیسے ہو سکتے ہیں؟ کامیاب نفس کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:۔

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَاO فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَاO قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَاO وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَاO

''قسم ہے نفس کی اور اس کی جس نے اس کی تکمیل کی، اور اسے اچھے برے کی تمیز عطا کی، وہ آدمی یقیناً کامیاب ہوا جس نے اسے تقویت دی، اور یقیناً وہ ناکام ہوا جس نے اسے دبا دیا''۔ (سورۃ الشمس، آیات۔ 7-10)

23.10 ارتقائے نفس کے ذرائع

یہ سوال کہ دنیا کے امتحانی دور میں ارتقائے نفس کے لئے کیا راستہ ہے اس کا ذکر مختصراً کئی دفعہ آ چکا ہے لیکن مربوط طریقے پر ہدایت کے لئے مندرجہ ذیل ذرائع ہیں:۔

1۔ انسانی ضمیر
2۔ قرآن کریم
3۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ
4۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق

آیئے ان ترجیحات کو ذرا تفصیل میں دیکھیں۔ بنیادی طور پر صحیح راہ خود متعین کرنے کی صلاحیت ہر انسان میں موجود ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کے قرب کی طرف ارتقاء کی پہلی رہنمائی تو خود انسان کے اندر اپنی فطرت میں ہے۔ قرآن کریم میں بتایا گیا ہے کہ انسان کی تخلیق اس فطرت کے مطابق ہوئی جو اللہ تعالیٰ کی اپنی فطرت ہے اسی کا نام اسلام ہے۔ چنانچہ انسان اپنی اس فطرت کے مطابق زندگی گزارے گا تو آسانی میں رہے گا لیکن شیطان کا بہکاوا ایسا ہے کہ ہم اپنے آپ کو مشکل میں ڈال کر بھی برائی میں لذت محسوس کرتے ہیں اور اپنی ساری عمر ضمیر سے لڑنے میں گزار دیتے ہیں۔ چونکہ شیطانی کام ہماری فطرت کے خلاف ہیں اس لیے کتنے بھی دلفریب کیوں نہ ہوں ان میں سکون نہیں اور ضمیر اس پر ملامت کرتا ہے۔ سکون صرف اس دین میں ہے جس پر انسان کی فطرت بنائی گئی ہے اور وہ صرف اسلام ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:۔

قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰىO

''اور فرمایا! ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی فطرت عطا کی، اور پھر راہ ہدایت دکھائی''۔ (سورۃ طہٰ، آیت۔ 50)

اللہ تعالیٰ نے کوئی قوم ایسی پیدا نہیں کی ہے جس پر اس نے اپنی طرف سے ہدایت دے کر رسول اور پیغمبر نہ بھیجے ہوں۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے کہ "تاریخ کے ہر دور میں پیغمبر اور رسول تشریف لاتے رہے ہیں اور ان سے پہلے دنیا کی مختلف اقوام پر تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر مبعوث ہو چکے تھے۔ ان سب کا دین اسلام تھا کہ ان راہوں کی نشاندہی کریں جن پر چل کر انسانی روح اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر سکے اور اپنی کھوئی ہوئی جنت پا لے"۔ سب سے آخر میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے جو 571 ہجری عیسوی میں مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے اور 632 ہجری تک متواتر 23 سال تک خدا کا پیغام پہنچا کر اپنے رفیق اعلیٰ سے جا ملے (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پروردگار عالم کی جو ہدایت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اتری اس کا نام قرآن کریم ہے جو انسانیت کے لئے زندگی کا روڈ میپ ہے اور پہلے نبیوں کی تعلیمات کا مکمل خزینہ بھی ہے۔ یہ ہمیشہ کے لئے اپنی زیر زبر تک کے ساتھ بالکل اسی شکل میں محفوظ ہے جیسے حضرت جبرائیل علیہ السلام کی وساطت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوپر وحی ہوا۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آخری نبی ہونے کی ایک دلیل بھی ہے کہ اب انسانی تہذیب اس قابل ہو گئی تھی کہ اللہ تعالیٰ کا پیغام ہمیشہ کے لئے کسی رد و بدل کے بغیر محفوظ رہ سکتا تھا اس لیے مزید کسی اور نبی کی ضرورت نہ رہی۔ حکم ربی ہے کہ:۔

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ ۝ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

"یہ قرآن تمام جہانوں کے لئے رہنمائی کا منبع ہے، اب جو کوئی تم میں چاہے اس کے لئے سیدھی راہ ہے، اور تم وہی چاہ سکتے ہو جو اللہ تعالیٰ چاہے جو سارے عالموں کا رب ہے"۔ (سورۃ التکویر، آیات۔ 27-29)

قرآن پاک میں ارتقائے نفس کے لئے تمام راستے بتا دیئے گئے ہیں۔ ان کی عملی صورت ہمارے سامنے اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کا نمونہ ہے۔ تمام نوع انسانی کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت مثالی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انسانیت کی اعلیٰ ترین منازل پر فائز ہیں یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی انسانِ کامل ہیں۔ نبوت سے پہلے کی چالیس سالہ زندگی بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مروجہ رسوم اور مذاہب سے بچ کر ایک رب کی پرستش اور رضا میں گزاری اور اسکے بعد بھی اسی کی رضا کے لئے بڑی سے بڑی قربانی دی اور ایک ایک سانس اپنے رب کے ساتھ تعلق کو مضبوط سے مضبوط تر کرنے میں صرف کیا۔ حتیٰ کہ پورے ہوش و حواس میں میں آپ کو معراج کا وہ مقام حاصل ہوا جس جگہ فرشتوں کے سردار حضرت جبرائیل علیہ السلام یہ کہہ کر رک گئے کہ اس مقام سے آگے صرف اللہ تعالیٰ کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی جا سکتے ہیں۔ تاریخ عالم میں اگر کسی انسان کی نجی اور عوامی زندگی کی ہر تفصیل معلوم ہے تو یہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی ذات اقدس ہے لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشن زندگی تمام نوع انسانی کے لئے اسوہ حسنہ اور پیروی کے لئے بہترین نمونہ ہے۔ جس کا نہ صرف دوستوں بلکہ دشمنوں کو بھی اعتراف ہے۔ کاش انہیں یہ بھی سمجھ آ جائے کہ حیات بعد الموت میں بھی کامیابی کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع لازمی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:۔

إِنَّا أَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ؕ وَإِنْ مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ O

''بتحقیق ہم نے بھیجا تجھ کو (خاتم النّبیین محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) خوشخبری دینے والا اور ڈر سنانے والا، اور کوئی امت ایسی نہیں گذری جس میں نہیں پہنچا کوئی ڈر سنانے والا''۔(سورۃ فاطر، آیت۔24)

ہدایت کے تمام سرچشموں سے فائدہ اُٹھانے کے لئے رب تعالیٰ کی طرف سے توفیق لازمی ہے وہ لوگ جو سیدھے راستہ کی خلوص دل سے کوشش کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی رہنمائی بھی کرتا ہے اور ان کے اوپر نیکی کی راہ پر چلنا آسان بھی کر دیتا ہے۔ عام اصول ہے ''من طلب واجدا'' ''جس نے طلب کیا پا لیا''۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ وَإِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ O

''اور جنہوں نے ہمارے قرب کے لئے کوشش کی، ہم یقیناً ان کو اپنی راہیں سجھا دیں گے، اور بے شک اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے''۔ (سورۃ العنکبوت، آیت۔69)

مصنّف کا تعارف

ہر تعریف اللہ تبارک تعالیٰ کے لئے ہے جو تمام عالموں کا رب ہے اور قابل بیان شان صرف خیرالانبیا محبوب خالق کون ومکان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہے۔ میں اپنی تمام تر خامیوں اور لغزشوں کا اعتراف کرتے ہوئے اپنے ذہنی ارتقاء کی کہانی اپنے قارئین کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔ شکر کا مقام ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے مجھے مسلمان والدین کے ہاں پیدا کیا اگر ایسا نہ ہوتا تو شاید میں کوئی ہندو، سکھ یا عیسائی ہوتا۔ اس لئے اگر اس عاجز نے کوئی نیکی کی، اسلام کی کوئی خدمت کی تو یہ توفیق خالصتاً اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے تھی اور اس میں ہرگز میرا کوئی کمال نہیں۔ اگر وہ اس کام کا کوئی بدلہ دیتا ہے تو سراسر اس کی شان رحمت ہوگی ورنہ میرا کوئی حق نہیں۔ جو کمی رہ گئی اس کا میں خود ذمہ دار ہوں اور اپنے مہربان مالک سے معافی کا طلبگار ہوں۔

والد صاحب جن کا نام چوہدری محمد شریف خان ہے راجپوت قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ نے 1947ء میں ہندوستان کے ضلع امرتسر سے جب ہجرت کی تو میں تقریباً چھ سال کا ہوں گا۔ وہ طالب علمی کے زمانہ سے ہی سٹوڈنٹ لیڈر تھے اور اصلاح معاشرہ کے لئے ساری عمر کام کرتے رہے اس لئے ان کی آمدنی کم اور خرچ زیادہ معمول کی بات تھی۔ آٹھویں جماعت تک مجھے روزانہ گاؤں سے چار میل دور پیدل سکول آنا جانا ہوتا تھا اور گرمیوں میں جب ریت میں پاؤں جلتے تو پتے باندھ لیتا۔ ایک دفعہ جب میں نے سائیکل کے لئے بہت اصرار کیا تو والد صاحب

نے فیصلہ کن انداز میں کہا "تم پیدل ہی سکول جاؤ گے، مجھے یہ پسند نہیں کہ تمہیں آرام کی عادت پڑ جائے" اور واقعی بچپن کی یہ سخت زندگی میرا سرمایہ حیات بن گئی۔ میرے گاؤں کا نام لاگر ہے۔ 1950ء کی دہائی میں وہاں زندگی کی کوئی جدید آسائش میسر نہیں تھی۔ رات کو گھر میں مٹی کا دیا جلتا تھا جس کی روشنی میں والد صاحب دیر تک پڑھنے کی تلقین کرتے اور صبح جلدی اٹھا دیتے۔ میں جب بھی نیند پوری نہ ہونے کی شکایت کرتا تو کہتے، "تمام بڑے لوگ رات کو دیر تک کام کرتے تھے اور صبح جلدی اٹھنے کے عادی تھے" ۔میرا بچپن یوں ہی گزر گیا۔ یہ ماں باپ کی دعائیں اور تربیت کا نتیجہ تھا کہ ایک پس ماندہ سکول کے طالبعلم ہونے کے باوجود میٹرک میں اعلیٰ نمبروں پر وظیفہ حاصل کیا۔ گورنمنٹ کالج لاہور سے 1959ء میں پورے پنجاب میں تیسری پوزیشن حاصل کی اور قومی سکالرشپ لیا۔ انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور کے آخری سال میں اگرچہ پڑھائی کے دوران ملازمت بھی کرتا تھا پھر بھی الیکٹریکل انجینیر نگ میں یونیورسٹی بھر میں اول پوزیشن حاصل کی۔ ڈگری کے بعد پہلی نوکری واپڈا کی تھی لیکن مجھے وہاں کا ماحول پسند نہ آیا اور تین ماہ بعد ہی ساڑھے سات ہزار روپیہ بانڈ منی (Bond Money) دے کر اٹامک انرجی کمیشن میں شمولیت کرلی۔ یہیں سے اعلیٰ تعلیم کے لئے انگلینڈ چلا گیا اور مانچسٹر یونیورسٹی کالج آف سائنس اور ٹیکنالوجی سے نیوکلیئر ری ایکٹرز کنٹرول انجینئرنگ میں ایم ایس انجینئرنگ کی ڈگری حاصل کی اور مختلف ایٹمی ری ایکٹروں پر کام کرنے کا تجربہ حاصل کیا۔ 1965ء میں جب ہندوستان نے پاکستان پر حملہ کر دیا تو پی ایچ ڈی کے پروگرام کو چھوڑ کر وطن عزیز کے لئے کچھ کرنے کے خیال سے پاکستان آگیا، اٹامک انرجی کی پینتیس سال کی ملازمت کے دوران بھی وہی بچپن کی محنت رہنما رہی۔ الحمدللہ ہر روز یہی کوشش رہی ہے کہ آنے والا کل میرے آج سے بہتر ہو اور کسی دباؤ یا لالچ میں آئے بغیر اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے پوری ایمانداری سے کام کیا ہے۔ اس دوران نیوکلیئر انجینئرنگ سے متعلق بہت سے مقالہ جات لکھے، کئی ایک ایجادات کیں جن میں سے بعض بین الاقوامی طور پر استعمال ہو رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اپنے ملک کی خدمت کیلئے اس نے مجھے کام کے بڑے بڑے مواقع عطاء کئے اور کامیابی بخشی۔ میں نے ہمیشہ خاموشی سے اپنی ذمہ داری کو نبھانے کی کوشش کی ہے۔ اب جبکہ بہت کچھ اخباروں میں چھپ چکا ہے اس لئے بتایا جا سکتا ہے کہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل تھا کہ صرف 33 سال کی عمر میں نومبر 1974ء کو مجھے پاکستان کے یورینم کی افزودگی کے پروگرام کا بانی ڈائریکٹر بنایا گیا جسے اب کہوٹہ پراجیکٹ کہتے ہیں اور کامیابی سے اس منصوبہ کو آگے بڑھایا۔ جولائی 1976ء میں جب پراجیکٹ بفضل حق تعالیٰ تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا معلوم نہیں کہ کیوں کچھ چھپے ہاتھوں نے مجھ پر جھوٹے الزامات لگانے شروع کر دیئے، مثلاً یہ کہ میں مرزائی ہوں، جو کہ قطعاً غلط ہے حتیٰ کہ میرے خاندان میں بھی آگے پیچھے کوئی قادیانی نہیں ہے، یا یہ کہ میں نے پراجیکٹ کے لئے کچھ غیر ضروری قسم کا مواد خرید لیا تھا وغیرہ یہ سب جھوٹ تھا بعد میں سب کچھ غلط ثابت ہوا۔ ان حالات میں منیر احمد خان جو اس وقت اٹامک انرجی کمیشن کے چیئرمین تھے (اس خطرہ کے پیش نظر کہ سائنس دانوں کی باہمی چپقلش کی وجہ سے کہیں اس قومی اہمیت کے پراجیکٹ کو نقصان نہ پہنچ جائے) نے ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو چارج دلا کر مجھے دوسرے ایٹمی منصوبہ جات پر تبدیل کر دیا گیا جن میں سے ہر ایک ہماری مطلوبہ ایٹمی منزل تک پہنچنے کے لئے اہم تھا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ہر جگہ خاطر خواہ کامیابی عطا فرمائی۔ 1987ء میں جب اٹامک انرجی کے چیئرمین منیر احمد خان مرحوم نے ایٹمی میدان میں اگلی منزل

کا تعین کیا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے پھر ایک موقع عطاء کیا کہ خوشاب ایٹمی ری ایکٹر کو ملکی وسائل سے ڈیزائن کر کے بناؤں۔ یہ ایک انتہائی مشکل کام تھا لیکن ایسے معلوم ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کے ذریعے ہماری مدد فرمائی اور یوں ایٹمی میدان میں یہ یکتا پراجیکٹ بھی 1997ء میں کامیابی سے پایہ تکمیل کو پہنچ گیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے پاکستان کو ایک زبردست جوہری طاقت بنانے کے لئے یورینیم انرچمنٹ روٹ اور پلوٹونیم روٹ دونوں کے لئے مجھ حقیر سے کام لیا۔ ایک کا آغاز کیا اور دوسرے کو آغاز سے تکمیل تک پہنچایا۔ اس کے بعد میں نے بفضل حق تعالیٰ ایٹمی میدان کی اگلی منازل پر کام شروع کر دیا اور خواہش یہی تھی کہ پاکستان کو اسلام کا ناقابل تسخیر قلعہ بنانے میں مجھ سے جو کچھ بھی ہو سکتا ہے کر گزروں لیکن اتنے میں امریکہ کے دباؤ کے تحت CTBT یعنی ایٹمی دھماکوں پر پابندی کے معاہدہ پر دستخط کرنے کی مہم چل پڑی۔ میری دانست میں CTBT کے معاہدہ پر دستخط کرنا بالآخر اپنی ایٹمی صلاحیت کو کھو دینے کے مترادف تھا اس لئے میں نے یہ ٹھان لی کہ اگر ساری عمر ایٹمی منصوبوں کو بنانے میں لگائی ہے تو اب انشاءاللہ ان کو بچانے میں لگا دوں گا۔ چونکہ کچھ بڑے بڑے ناموں والے سائنسدان، شاید حکومت کے دباؤ کی وجہ سے CTBT کے حق میں بول رہے تھے اس لئے میں نے گورنمنٹ کا ملازم ہونے کے باوجود کھل کر اس کی مخالفت شروع کر دی اور محب وطن قوتیں جو CTBT پر دستخط کرنے کی مخالفت کر رہی تھیں ان کا بھرپور ساتھ دیا۔ اٹامک انرجی کے بعض اہم لوگ جو انسانی حسد کی کمزوری کی بنا پر پہلے ہی ایٹمی میدان میں خوشاب کی کامیابی اور مزید آگے بڑھنے والی منصوبہ بندی کی وجہ سے مجھ سے ناراض تھے، اب جب کہ حکومت وقت بھی خلاف ہو گئی تو ان کو زچ کرنے کا مزید موقع مل گیا۔ مجھے پراجیکٹس سے علیحدہ کر دیا گیا اور مختلف نوعیت کی بے بنیاد الزام تراشیاں شروع ہو گئیں۔ بالآخر میرے پاس استعفیٰ دینے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا جسے بخوشی قبول کر لیا گیا۔ یوں ایٹمی میدان میں پاکستان کی مزید ترقی اور دفاع کیلئے کام کرنے کے دروازے مجھ پر بند کر دیئے گئے۔ جس کا مجھے آج بھی دکھ ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ پاکستان نے CTBT پر دستخط نہ کئے جو کہ ہماری قوم کی بہت بڑی کامیابی ہے۔

اٹامک انرجی کمیشن سے علیحدگی کے بعد میں کچھ سال لاہور ایک دوست میاں الیاس معراج کے حسیب وقاص گروپ آف کمپنیز میں ملازمت کرتا رہا لیکن پھر خیال آیا کہ دنیا کیلئے بہت کام کر لیا اب بقیہ زندگی امت مسلمہ کی فلاح کیلئے خرچ کرنا چاہئے، چنانچہ کئی ایک نہایت قابل، اسلام اور پاکستان سے انتہائی مخلص دوستوں کیساتھ مل کر "امہ تعمیر نو" کی تشکیل کی جس کے سامنے پہلا کام افغانستان کی تعمیر و ترقی میں حصہ لینا تھا تا کہ وہاں کی اسلامی حکومت کامیاب ہو اور یوں اس مثال سے دیگر ممالک میں بھی لوگ اسلام کے عظیم اصولوں کے مطابق اپنی صنعت اور معیشت کو ترقی دے کر دنیا کو ایک خوشحال کنبہ بنانے میں مددگار ہوں۔ لیکن ہماری ان کوششوں کو جو خالصتاً اصلاحی اور تعمیری تھیں ان کو امریکہ میں 11 ستمبر کے حادثہ کے بعد غلط رنگ دیا گیا کہ سلطان بشیر محمود القاعدہ اور طالبان کو ایٹم بم بنانے میں مدد دے رہا تھا۔ یوں مجھے اور میرے ساتھیوں کو تقریباً دو ماہ کیلئے نظر بند کر دیا گیا۔ اس دوران جو کچھ ہوا وہ ایک الگ داستان ہے لیکن جس طرح ہر جگہ مسلمان بھائی بہنوں نے صرف اسلامی جذبہ کے تحت ہمارے لئے دعائیں کیں وہ ایک ایمان افروز بات ہے۔ اس قید تنہائی میں جو اللہ تعالیٰ اور اسکے دین سے قرب نصیب ہوا اس کیلئے اپنے

مالک کا جتنا بھی شکریہ ادا کروں کم ہے۔اسی دوران امریکی صدر کے ایماء پر سیکورٹی کونسل نے "امہ تعمیر نو" کو بند کروادیا میرے علاوہ میرے قریبی ساتھیوں میں سے ایٹمی انجینئر عبدالمجید صاحب اور نامور صنعت کار محمد طفیل صاحب کے ذاتی اثاثے اور بینک اکاؤنٹ بھی ضبط کر دیے گئے ۔رہائی کے بعد بھی خوف سے لوگوں نے ملنا جلنا چھوڑ دیا جو ایک طرح سے اللہ تعالیٰ کی رحمت ثابت ہوئی،ان حالات میں جس طرح 1976ء میں قرآن پاک کے ذریعہ مجھے تقویت بخشی گئی تھی اب بھی وہی نسخہ کارگر ثابت ہوا ہے۔اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اب کہ میں نے قرآن پاک کی تفسیر لکھنے کا کام کرنا شروع کر دیا جس کے میں اہل نہیں ہوں لیکن رب تعالیٰ جس سے چاہے ہر کام لے سکتا ہے ۔اب تک سورۃ الفاتحہ،سورۃ البقرہ اور سورۃ آل عمران کی 635 صفحات پر مشتمل تفسیر چھپ چکی ہے ۔اسے جو مقبولیت حاصل ہوئی ہے اس کے لئے رب تعالیٰ کا جتنا شکر ادا کروں کم ہے۔

مجھے افسوس ہے کہ میری دینی تعلیم واجبی سی تھی قرآن پاک بھی باقاعدگی سے نہیں پڑھا تھا۔جب 1963ء میں انگلینڈ گیا تو وہاں پہلی دفعہ مجھے قرآن حکیم اور مسلم امہ سے صحیح معنوں میں محبت پیدا ہوئی۔چنانچہ مانچسٹر یونیورسٹی میں مسلم سٹوڈنٹ ایسوسی ایشن کا پہلا جنرل سیکرٹری چنا گیا اور "الاسلام" کے نام سے وہاں ایک رسالہ بھی نکالا۔میری زندگی کا یہی وہ دور ہے جب میں نے قرآن الحکیم کو باقاعدگی سے پڑھنا شروع کیا بلکہ اس کا تفصیلی انڈیکس بھی تیار کرنا شروع کیا لیکن جب دیکھا کہ مولانا مودودی صاحب یہ کام پہلے ہی کر چکے ہیں تو میں نے اسے چھوڑ دیا۔مسلم سٹوڈنٹ ایسوسی ایشن کے فورم سے ہم نے مشہور امریکی مسلمان مالکم ایکس ملک شہباز (شہید) کو دعوت دی اور اس کے علاوہ مشہور نومسلم جناب محمد اسد (مرحوم) سے بھی میری ملاقات ہوئی،کشمیری رہنما شیخ عبداللہ (مرحوم) کو بھی بلایا گیا اور الاخوان کے سید محمد رمضان کو بھی سنا۔ان سب کی یادیں اب تک ذہن میں باقی ہیں۔اسی اثناء میں مانچسٹر میں "سنڈے مسلم سکول" کی بھی بنیاد رکھی جو اب باقاعدہ سکول بن چکا ہے۔

1965ء کی پاک بھارت جنگ میرے دل پر بجلی کا سا حملہ تھا۔اس موقع پر پاکستانی سفارتخانہ کو ایک ہزار پونڈ سے زیادہ چندہ جمع کر کے دیا اور فیصلہ کیا کہ وطن واپس جا کر پاکستان کے دفاع کیلئے کچھ کیا جائے۔نیوکلیئر انجینئرنگ میں اعلیٰ تعلیم اور ٹریننگ کی تکمیل کے بعد اگرچہ ڈاکٹر ایف۔ڈبلیو۔واکر جو یونیورسٹی میں میرے سپروائزر تھے،نے بڑا زور لگایا کہ Phd مکمل کرلوں لیکن پاکستان کی محبت میں 1966ء میں واپس وطن آگیا۔میری پوسٹنگ لاہور ہوئی اور بڑا مفید کام شروع ہوا لیکن دو سال بعد ہی انگلینڈ کے اٹامک انرجی اتھارٹی کے مشہور ڈیزائن سنٹر رزلے (Rislay) میں نیوکلیئر ری ایکٹروں کے ڈیزائن میں شمولیت کا موقع مل گیا۔برطانیہ کے اس قیام کے دوران اللہ تعالیٰ نے بڑی برکت عطا فرمائی اور صرف ایک سال میں .U.K اٹامک انرجی اتھارٹی جس کا شمار ایٹمی ٹیکنالوجی کے موجدوں میں سے ہوتا ہے،نے نیوکلیئر ری ایکٹرز پر میرے گیارہ مقالہ جات چھپے اور تین ایجادات کے پیٹنٹ حاصل کرنے کیلئے درخواستیں دیں جو کہ ان کے نزدیک بھی کسی سائنس دان کیلئے ایک بہت بڑا اعزاز تھا۔1969ء کے آخر میں جب واپس آنا چاہا تو ان کا اصرار تھا کہ میں وہیں رک جاؤں لیکن وطن عزیز کی محبت اور خدمت کے سامنے ایسے اعزاز ہیچ ہیں۔میں نے پختہ ارادہ کر لیا کہ واپس جا کر ڈیزائن انجینئرنگ کی بنیاد رکھوں گا تاکہ پاکستان میں ایٹمی صلاحیت کو فروغ دیا جا سکے، الوداعی پارٹی میں میرے انگریز ساتھی سائنس دانوں میں سے بعض نے برملا یہ کہا کہ پاکستان میں کام کے مواقع نہ ہونے کی وجہ سے میری صلاحیتیں

ضائع ہو جائیں گی لیکن اللہ تعالٰی کا شکر ہے کہ ان کے یہ خدشات غلط ثابت ہوئے۔1971ء کی پاک بھارت جنگ میں میں نے اپنی خدمات پاکستان آرمی کو پیش کردیں اور میری سلیکشن بھی ہو گئی۔محاذ پر جانے ہی والا تھا کہ 16 دسمبر 1971ء کا وہ عظیم حادثہ پیش آیا جس پر ہر سچے پاکستانی کا دل آج بھی روتا ہے۔میرے لئے یہ غم ناقابل برداشت تھا۔چنانچہ یحیٰی حکومت جس کی نالائقی سے یہ سب کچھ ہوا کے خلاف میں نے 18 دسمبر کو سائنسدانوں کے جلوس کی قیادت کی اور یوں ملک میں مارشل لاء حکومت کے خلاف احتجاج کا راستہ کھل گیا۔20 دسمبر 1972 کو جب اس وقت کے صدر ذوالفقار علی بھٹو نے ملتان میں سائنسدانوں کی کانفرنس بلائی تو میں واحد سائنس دان تھا جس نے کھل کر اپنی تقریر میں ایٹم بم بنانے کا مشورہ دیا۔ اللہ تعالٰی کا شکر ہے کہ بالآخر 1974 میں یورینیم کی افزودگی کا پروگرام شروع ہوا تو مجھے اس کا بانی ڈائریکٹر ہونے کا اعزاز حاصل ہوا۔

میری زندگی میں 77-1976ء کے سال بڑے ہنگامہ خیز رہے۔جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے اس وقت میں یورینیم افزودگی کے پلانٹ کا پراجیکٹ ڈائریکٹر تھا اور دن رات اس منصوبہ کو آگے بڑھانے کے لئے کام کر رہا تھا کامیابی قریب نظر آرہی تھی کہ اچانک مجھ پر قادیانی ہونے کا سراسر جھوٹا اور بے بنیاد الزام لگایا گیا اور میری ٹیکنیکل صلاحیتوں کو بھی شدید تنقید کا نشانہ بنایا گیا اس کے پیچھے حسد تھا یا کچھ اور معلوم نہیں لیکن اگست 2005ء کی ہالینڈ کی اخبار میں چھپا ہے، میری مخالفت میں سب سے پیش پیش جو آدمی تھا وہ CIA کا پروردہ تھا۔بہر حال حقائق خواہ کچھ بھی ہوں ان بے بنیاد الزامات کی وجہ سے مجھے پراجیکٹ سے اس وقت علیحدہ ہونا پڑا جب اللہ تعالٰی کے فضل سے ہماری دن رات کی محنت رنگ لا رہی تھی۔ اس تبدیلی سے مجھے کافی زیادہ ذہنی صدمہ ہوا۔اس کے ساتھ ہی میرے خلاف مختلف قسم کی بے بنیاد تحقیقات کا آغاز شروع ہو گیا لیکن انہی واقعات نے میری کایا پلٹ کر رکھ دی۔اسلام آباد کی گھٹن والی فضاء سے نکل کر میں اپنے بیوی بچوں کے ساتھ مری سے آگے خانس پور میں گورنمنٹ ریسٹ ہاؤس میں چلا آیا۔مصیبت میں اللہ تعالٰی کے سوا کوئی سہارا نظر نہ آیا اور دل کو صرف قرآن حکیم سے سکون ملا۔

اس حادثہ نے قرآن کریم سے میرا ٹوٹا ہوا رشتہ دوبارہ جوڑ دیا۔پراجیکٹ کی دن رات کی مصروفیات کی بناء پر مطالعہ بھی بہت کم ہو چکا تھا مشکل میں اسی سے سہارا ملا۔کلام اللہ کو پڑھتے وقت اللہ تبارک تعالٰی نے میرے دل میں یہ بات ڈالی کہ کیوں نہ میں قرآن حکیم پر سائنٹیفک انداز میں کام کروں، چنانچہ میں نے اللہ تعالٰی کی کتاب کو آیت در آیت سمجھ کر پھر سے پڑھنا شروع کر دیا۔اس کوشش کے دوران پہلی بار مجھے قرآن پاک کی عظمت کا بھرپور اندازہ ہوا اور یہ بھی پتا چلا کہ بہت سے مترجم حضرات اکثر کلام اللہ کے الفاظ کو ایسے معنی پہنا دیتے ہیں جو ان کی دانست میں تو صحیح ہونگے لیکن بدقسمتی سے قرآن الحکیم کی روح سے وہ دور نکل جاتے ہیں۔اس سلسلہ میں جب کئی ایک تراجم کا موازنہ کیا گیا تو ان کے درمیان اختلافات کو دیکھ کر یہ بات بالکل واضح ہو گئی کہ قرآن مجید کو اگر سمجھنا ہے تو کلام اللہ کے عربی الفاظ کے معنی پر ڈٹ جاؤ اور اگر کسی عربی لفظ کے ایک سے زیادہ معنی ہیں تو وہ سب اپنے اپنے تناظر میں بھی ٹھیک ہوں گے،اس لئے کہ علیم العزیز الحکیم جس نے یہ کتاب نازل کی ہے وہ سب معنوں کو خوب جانتا ہے۔چنانچہ جب میں نے کلام اللہ کو سمجھنے کے لئے یہ اصول اپنایا تو مجھے اس عظیم کتاب میں بیشمار رموز اور نئے حقائق نظر آنے شروع ہوئے جو ترجموں کے غلاف میں چھپے ہوئے تھے۔پہلی دفعہ صحیح معنوں میں احساس ہوا کہ واقعی اللہ تعالٰی کی کتاب تمام علوم کے لئے ام الکتاب ہے

اور جو سائنس کی انتہاء ہے وہ دراصل قرآن کریم کی ابتداء ہے۔

میں نے عرض کیا ہے کہ قرآن کریم اور اسلام کے متعلق میری تعلیم نہ ہونے کے برابر تھی۔ عربی زبان سے بھی واقفیت نہیں تھی لیکن میں نے دیکھا کہ جب بندہ خلوص دل سے اللہ تعالیٰ کے کلام کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے قلب کو کھول دیتا ہے۔ الحمدللہ مجھ پر بھی قرآن کریم کے رموز واضح ہونا شروع ہوئے اور اس کی روح سمجھ آنے لگی اور آج میں اسلام پر مقبولِ عام بیس سے زائد کتابیں لکھ چکا ہوں۔ اسی دوران مجھ پر یہ بھی آشکارا ہوا کہ فی زمانہ خط و کتابت اور لٹریچر کے ذریعے اسلام کی بہترین خدمت ہو سکتی ہے اور چاہے تو میرے جیسا ایک عام آدمی بھی اپنے گھر میں بیٹھے دور دور اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا سکتا ہے۔ اس کے لئے وہی طریقہ جو چھ ہجری حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عالمی دعوت کے لئے اپنایا تھا، اس دور میں ہمیں بھی اپنانا چاہئے۔ اس ضمن میں مندرجہ ذیل ترجیحات صحیح معلوم ہوئیں۔

1۔ مسلمانوں کی زندگی کا مقصد دُنیا پر اپنے رب کی کبریائی کو ثابت کرنا ہے۔ یہ مسلمانوں پر دیگر اقوام کا حق ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس کو خود سمجھنا اور دوسروں کو سمجھانا ہماری اولین ترجیح ہونا چاہیے۔

2۔ قرآنِ مجید زندگی کا روڈ میپ ہے۔ صاحبِ قرآن صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت پر عمل کئے بغیر اسکی روح کو نہیں پایا جا سکتا اس لئے اس نظریہ کے تحت سیرت طیبہ کا فروغ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی اصل رہنما اور انسانیت کے عظیم ترین ہیرو ہیں، اس چیز کو دل سے ماننا اور دوسروں سے منوانا، ہمارے دلوں کا سکون ہونا چاہیے۔

3۔ دین کی بنیاد حیات بعد الموت اور وہاں کی جزا و سزا پر پختہ ایمان میں ہے۔ اس لئے دُنیا پر حیات بعد الموت کی حقیقت کو واضح کرنا ہمارے اوپر فرضِ عین ہے۔ اس کے بغیر دین بے معنی ہے اور انسانیت کی فلاح بھی اسی حقیقت پر پختہ اعتقاد میں ہے۔

4۔ قرآن الحکیم اور سنت نبوی کو جدید علوم کی روشنی میں پیش کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ دُنیا دلیل مانگتی ہے اس لئے سائنس کی مدد سے قرآنِ کریم کو سمجھنا اور سمجھانا ضروری ہے۔ ہمیں یہ ثابت کرنا ہے کہ بے شک دونوں جہانوں میں یہ کامیابی اور فلاح کا یہ بہترین ہدایت نامہ (Manual) ہیں۔

5۔ ایک انسان کا دوسرے پر یہ حق ہے کہ وہ اسے دوزخ کی آگ سے بچائے۔ مسلمان پر یہ فرض ہے کہ جہنم کی طرف بڑھتے ہوئے انسانوں کے سیلاب کے آگے بند باندھے اور دُنیا پر خلافتِ الٰہیہ کے شاندار نظام کو واضح کرے۔

الحمدللہ! 1986 میں اس کام کو با قاعدہ طور پر کرنے کے لئے قرآن الحکیم ریسرچ فاؤنڈیشن کی بنیاد رکھی۔ جس کے پلیٹ فارم سے کافی مفید کام ہوتے رہے ہیں۔ چنانچہ میری پہلی کتاب **Doomsday and Life After Death** جو اس موضوع پر ایک نہایت مفید کاوش ثابت ہوئی ہے، 1987 میں چھپی اور اس کا بڑا اچھا خیر مقدم ہوا۔ اس سلسلہ کو آگے بڑھانے کے لئے 1991 میں 'قرآن الحکیم

اکیسویں صدی میں" کے موضوع پر سیمینار کرایا گیا تا کہ آنے والی صدی کو اسلام کی صدی بنایا جا سکے۔ اگرچہ قرآن الحکیم ریسرچ فاؤنڈیشن ایک چھوٹا سا ادارہ ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے اثرات کو دور دور پھیلا دیا ہے۔ اس سارے کام کو بین الاقوامی طور پر جو اہمیت حاصل ہوئی ہے اس کا ایک ثبوت یہ ہے کہ جولائی 1996 میں امریکہ کے مشہور ادارے "امریکن بائیو گرافیکل انسٹیٹیوٹ" (American Biographical Institue) نے قرآن الحکیم فاؤنڈیشن اور اس کے واسطے مجھے بھی 1986 سے 1996 تک کے ان اداروں اور لوگوں میں شامل کیا ہے جن کے کام سے دنیا پر بہتر اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ اس طرح سوڈان میں 1993 میں قائم ہونے والے انٹرنیشنل انسٹیٹیوٹ فار ریسرچ انٹو فیتھ (International Institute of Research into Faith) کا ٹرسٹی ہونے کا اعزاز بھی ملا۔ سائنس اور انجینئرنگ کے شعبہ میں میری خدمات کو سراہتے ہوئے 1991 میں پاکستان اکیڈمی آف سائنسز نے گولڈ میڈل کا اعزاز دیا اور صدر پاکستان نے ستارہ امتیاز عطا کیا۔

دین کے اس کام کے ساتھ ساتھ اٹا مک انرجی کے منصوبہ جات پر بھی کام ہوتا رہا۔ کچھ اعلیٰ افسروں کا خیال تھا کہ اسلام کے لئے میری ان کاوشوں کے نتیجہ میں سرکاری کام میں حرج ہوگا اس لئے اسے پسندیدگی کی نگاہ سے نہ دیکھا گیا لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں غلط ثابت کیا اور میرے ہاتھوں سے ریکارڈ وقت میں بہت سے کام پایہ تکمیل کو پہنچائے جو اس بات کا ثبوت ہیں کہ جب بندہ اللہ تعالیٰ کا کام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا کام کرنے لگ جاتا ہے۔ بھلا جس کے ساتھ کون و مکان کا مالک ہو جائے اسکی رفتار اور استطاعت کا کیا کہنا۔ چنانچہ انہی سالوں میں اس غرض سے کہ ایٹمی منصوبہ جات کو پاکستان میں بننا چاہیے میں نے بذات خود کم و بیش 350 کے قریب پاکستان کے صنعتی اداروں کا معائنہ کیا، ان پر کتابیں لکھیں اور بتایا کہ پاکستان میں کیا کیا ہو سکتا ہے یعنی بحیثیت مجموعی ہمارا ملک ایک عظیم ورکشاپ ہے اور اگر اس کے ذرائع کو استعمال کیا جائے تو سب کچھ کرنا ممکن ہو سکتا ہے۔ اسکے ساتھ ساتھ 1981 میں، میں نے پہلی دفعہ پاکستان میں کوالٹی اشورنس (Quality Assurance) کی بنیاد رکھی اور انڈسٹری کے لوگوں کی کوالٹی میں ٹریننگ کے لئے سکول قائم کیے۔ اسکے علاوہ ملکی طور پر نیوکلیر ری ایکٹر بنانے کے لئے مکمل منصوبہ بندی کی گئی۔ لاہور میں پاکستان کا پہلا ایسا ایٹمی پلانٹ لگایا جسکی مدد سے دوائیوں اور میڈیکل سامان میں ایٹمی شعاعوں کی مدد سے جراثیم کشی کی جاتی ہے۔ اسکے علاوہ پاکستان کو یورینیم کی صنعت میں خود انحصاری کے پراجیکٹوں کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ چشمہ نیوکلیر پاور پلانٹ کے لئے پاکستان سے بننے والے حصوں کی نشاندہی کی گئی، اور پاکستان میں ایٹمی ایندھن بنانے والے منصوبے کو مکمل کیا۔ یہ تمام منصوبے اپنی اپنی جگہ پر اہم تھے لیکن اہم ترین پراجیکٹ خوشاب جیسے غیر معمولی نیوکلیئر ری ایکٹر کو خود انحصاری کے اصول پر پاکستان کے ذرائع سے بنانا تھا۔ مجھے یہ بتانے میں ایک روحانی خوشی ہوتی ہے کہ ان تمام بنیادی منصوبوں کی تکمیل میں میں قرآن کریم اور صاحب قرآن کی زندگی سے رہنمائی حاصل کرتا رہا نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتظامی طریقوں کو اپنایا۔ غرض میں تمام تر ذمہ داری سے کہوں گا جو کچھ بھی کامیابی ہوئی وہ انہی کی مرہون منت ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جب بھی کوئی آدمی اپنی زندگی کا مقصد اللہ تبارک تعالیٰ کا نام بلند کرنا بنالیتا ہے اور سچے دل سے کہتا ہے کہ "میری نماز

قربانی، جینا، مرنا سب رب العالمین کے لئے ہے" تو وہ ذات پاک اس آدمی کے وقت، رزق اور اولاد میں برکت عطا فرما دیتا ہے اور اس کے مسائل کو خود حل کرتا ہے۔ رب العالمین کی اس رحمت اور برکت کا مجھ سا نکما آدمی بھی گواہ ہے۔ کیا یہ ثبوت کافی نہیں کہ پاکستان جس کی صنعتی ترقی واجبی سی ہے اور کوالٹی سٹینڈرڈ بھی معمولی ہیں، پاکستان اٹامک انرجی کمیشن نے خود انحصاری کے اصول پر ریکارڈ وقت میں بہت کم خرچ سے ایسے ایسے جوہری پراجیکٹ لگائے کہ آج الحمد اللہ پاکستان دنیا کی ساتویں ایٹمی طاقت ہے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے ذاتی حیثیت میں مجھ پر یہ بھی اسی کا فضل ہے کہ دن رات کی سرکاری مصروفیات کے باوجود مجھے دین کیلئے کام کرنے، کتابیں لکھنے اور اس کام کو آگے بڑھانے کے لئے بہت سا وقت ملتا رہا۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ جو کوئی بھی اسلام کے لئے کام کرے گا تو عزیز الحکیم غفور الرحیم اللہ تعالیٰ دنیا کے تمام شعبے اس پر آسان کر دے گا، اس کے ذرائع میں برکت ڈال دے گا، اس کی اولاد اور دوستوں کو اس کے لئے باعث رحمت بنا دے گا اور اگر کبھی توقعات کے خلاف بھی کام ہوتا ہے تو اس میں بھی اگر ہم سمجھیں تو فوائد ہی فوائد ہوتے ہیں۔

میرے لئے یہ بات بھی بہت خوشی کی ہے کہ مجھے حبیب اللہ فخر موجودات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ پر لکھنے کی توفیق ہوئی اور یوں یہ حقیر بندہ سیرت نگاروں میں شامل کر لیا گیا۔ اس کتاب کا نام بزبان انگریزی First and The Last ہے جو بفضل تعالیٰ مقبولیت حاصل کر رہی ہے حضرت پیر مہر علی شاہ رحمتہ اللہ علیہ کے مطابق میری زندگی بھی حضور رحمت العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کرم کی مرہون منت ہے اور میں بھی ان کی طرح کہتا ہوں۔

کتھے مہر علی، کتھے تیری ثناء
گستاخ اکھیں کتھے جا اڑیاں

اس تعارف کا اختتام میں اپنے ہی چند ٹوٹے پھوٹے شعری جملوں پر کرتا ہوں۔ دعا ہے کہ ان کے مصداق بن جاؤں۔

ظاہر دیکھا ، باطن دیکھا
اول دیکھا ، آخر دیکھا
جس چیز کو میں نے دیکھا
اس چیز میں تجھ کو پایا
ہر جا تو ہی تو ، ہر سو تو ہی تو

وہ ہونا تھا کہ انہونا تھا
سمندر تھا کہ قطرہ تھا
جنگل تھا کہ پتہ تھا
سورج تھا کہ ذرہ تھا
یہی کچھ یاد ہے ، ہر جا تو ہی تو ، ہر سُو تو ہی تو

یہ سب تیرے امر کا مظہر تھا
تیرے کرم کا ثمر تھا
تیرے حُسن کا مظہر تھا
تیرے کرم کا ابر تھا
ہر جا تو ہی تو ، ہر سُو تو ہی تو ، تو ہی تو
تجسس کے اس عالم میں ، ایک رہبر دیکھا
روشن چہرہ کہتے تھے جسے مصطفیٰ
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
ایک نوری قلم سے ، اپنے ہاتھوں سے
وہ لکھتا جاتا تھا ، لکھتا جاتا تھا
ہر شے پر اللہ اللہ اللہ..............اللہ اللہ اللہ

اسکے روشن قدموں کے پیچھے پیچھے
میں چلتا رہا ، میں چلتا رہا ، میں چلتا رہا

اللہ تعالیٰ کا بے حد شکر ادا کرتا ہوں کہ اس کتاب "مـــــاورے" کو مقبولیت عام حاصل ہوئی۔ یہ ترمیمی ایڈیشن جنوری 2011 کو مکمل ہوا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور جن دوستوں نے کسی بھی ذریعہ سے تعاون فرمایا ہے انکے لئے صدقہ جاریہ ہو۔

سلطان بشیر محمود (ستارہ امتیاز)

کتابیات اور حوالہ جات

ضروری حوالہ جات متن کتاب میں ساتھ ساتھ دیئے گئے ہیں۔لیکن یہ کتاب برسوں کی سوچ بچار اور ریسرچ کا نتیجہ ہے۔جس کے دوران مصنف نے بہت سی کتابوں جن میں خصوصی طور پر مندرجہ ذیل کتابوں سے فائدہ اٹھایا ہے۔اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی علمی کاوشوں کو قبول فرمائے۔

References

1. Robert J. Braid Word, "Prehistoric Man" Book, Published by Chicago Natural History
2. Charlotte Wallace, "A Study of Evolution", Book published by Blarhie. (1959)
3. Philip Haidler, Biology and Future of Man" (Book) Published
4. I.E. To "History of Biology" Published (1929)
5. C.G. Sampson, "The Meaning of Evolution" Book Published (1949)
6. Cobbert, "Evolution of Vertebrate" Book Published by John Tuiby and Sons (1955)
7. William Lee Stoks, "Essentials of Earth History", Book Published by Prentice Hall
8. The Times, Jan 17, 2000.
9. J. Simpkins to J.J Willson, Advance of Biology, Publisher Bell Hyman Ltd. 1986.
10. Frank J. Tipler, "The Physics of Immortality", Publisher Doubleday London 1994.
11. Ali Shariati, "On the Sociology of Islam", Publisher Mizan Press Berkley USA, 1979.
12. Michell Schiff, "Memory of Water" Publisher Thorsons 1995.
13. Ian Robertson, "Society, A brief Introduction" worth Publishers, USA, 1989
14. Belser, "Concepts of Modern Physics" McGraw ills, 1987
15. Robert Hutchison: The Search of our Beginning", Oxford University Press, 1983.
16. Carl Sagan: "Cosmos" Pub. Abacus, 1998
17. Burtrand Russel: An Enquires into Meaning of Truth" Pub. Cox and Wymen UK., 1980
18. Will Ourant: "The Pleasures of Psychology" Service Book Depot Rawalpindi, 1995
19. I.D Novikos "Evolution of the Universe" Pub Cambridge Press 1983
20. Lymn Sabel and Phillp Steel , "1000 Great Events" Published by Hamlyn London 1977

21. Sultan Bashir Mahmood, "Doomsday and Life after Death", 1987 Al Quran-ul-Haqeem Research Foundation, Islamabad
22. Dr. Mohsin "Theory of Evolution" Quran Research Centre Karachi.
23. J.W. Dune, "An Experiment with Time" Book First Published 1927 AUC Block London.
24. Jhon Gribbon, "Hot House Earth" The Green House effect and Gaia", Pub. Grove Werdenfield New York, 1990.
25. Ayatullah Najafi, "Journey of the Unseen World" Book Pub. by Ansaryon Publications. Qurn Iran
26. Psychic Directory, Book Pub. by Macdonald Co. SA
27. Ruquiyyah Waris Marsood, "After Death Life" Pub. Talha Pub. Lahore 2001
28. Anayatullah Almashraqi; God, Man and Universe" Pub. Akhuwat Publications Rawalpindi, 1952.
29. Sultan Bashir Mahmood "Fragrance of the Soul" Urdu, Pub. Al-Quran-ul-Hakeem Foundation 1983.
30. Frank J. Tippler, The Physics of Immortality" Pub. Doubleday, New York 1994
31. Sylivia Browne, "The Other Side and Back" Book Pub. New Bmerican Library 1999
32. Jaelwyn Roberts, "Yesterdays People" Book Pub. Elements Books 1997

BOOKS ON ISLAM

WITH REFERENCE TO THE MODERN SCIENTIFIC DISCOVERIES

AND CONTEMPORARY PROBLEMS

By

Nuclear Scientist, Engineer, Sultan Bashir Mahmood

(Sitara-e-Imtiaz)

These books are Islamic scientific classics to understand the physical and meta- physical realities about Man. They also prove that the Holy Quran is the reveled book of Allah, and Islam is the natural religion for humanity, taught by all the

Prophets of Allah (May peace be upon them).

(1) THE SPRIT OF THE HOLY QURAN

Translation and Scientific Interpretation of the last 41 Suras of the Holy Quran, from Al-Muddathir to An-Naas, in the the light of contemporary knowledge and problems. **Rs.400/-**

(2) THE IRREFUTABLE CHALLENGE OF REALITY

Evidence of nature about the Ultimate Reality of Allah; Perception of Faith in Him; The Scientific and Mathematical challenges of the Holy Quran as a proof of its revelation from the Creator of the worlds; and understanding of Islam as the Universal Religion for mankind. **Rs.100/-**

(3) THE MIRACULOUS QURAN, A CHALLENGE TO SCIENCE & MATHEMATICS

This is an account of some of the greatest scientific facts about the Universe and human beings, first pointed out in the Holy Quran long before their discovery by the modern science. It is also the account of some of mind-boggling mathematical miracles which could be verified in this computer age only, posing the soul searching question, "Who could be the author of this Book other than The Creator Himself?" **Rs.100/-**

(4) THE CHALLENGE OF REALITY

Scientific evidences from nature about the Ultimate Reality of Allah

Subhana-hu. It indicates the perception and understanding of Him through His creations. Where does Man stands in His scheme of things? What is the Universal religion? What does it teach? It also presents a unique Personality Test to judge our own rating with reference to Islamic deals. **Rs.100/-**

(5) DOOMSDAY AND THE LIFE AFTER DEATH

This book is a treatise on the secrets of Life and the Life Hereafter, Doomsday, Jannat and Jehannum in the light of the Holy Quran and Modern Science.This is a reader-friendly book, the study of which will enrich your lives tremendously. **Rs.250/-**

(6) THE FIRST AND THE LAST (May peace be upon him)

It is a short but comprehensive biography of the greatest man in the mankind, Muhammad (PBUH), the Last Messenger of Allah, the Benefactor of the worlds. This book is especially written for the busy people, students, scholars and intellectuals, muslims and non-muslims alike to help to know who was Muhammad (PBUH) and to fashion our lives on the glorious footsteps of the greatest Prophet of Allah. **Rs.200/-**

(7) COSMOLOGY AND HUMAN DESTINY

It is a scientific research work which sheds light on forecasting future events with reference to activity of sunspots and storms in the Sun. It prondes guideline to help make vital descisions about our family life, business and politics etc. The book provides answer to question we all like to ask, "Why events happen?" **Rs.250/-**

(8) OUR JOURNEY THROUGH TIME AND SPACE

An account of different stages of life. **Rs.20/-**

(9) CHILDREN RHYMES

Thought provoking children rhymes in order to inculcate habits of research, creativity and moral values. **Rs.150/-**

(10) تباہ کن ہتھیاروں کے اثرات سے بچنے کی حفاظتی تدابیر

یہ کتاب وسیع پیمانے پر تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں کے اثرات سے حتی الامکان بچنے کے لئے عملی اقدامات پر مشتمل ہے۔اس میں ایسے سول ڈیفنس اقدامات درج کئے گئے ہیں جن پر عمل درآمد سے کیمیائی بم، حیاتیاتی بم اور ایٹم بم کے اثرات سے انسانی جانوں، جانوروں، پودوں اور فزیکل انفراسٹرکچر کا ممکنہ تحفظ کیا جاسکتا ہے۔ **Rs.400/-**

(11) کتابِ زندگی (قرآن کریم کی سائنٹیفک تفسیر (سورۃ الفاتحہ، سورۃ البقرہ، سورۃالعمران)

دنیا و آخرت کی زندگی کے لئے کلام اللہ کے معجزانہ مضامین کی مدلل سائنسی تفسیر جو اپنی مثال آپ ہے۔مختلف مسالک کے علماء نے قرآن کریم کو سمجھنے، اس پر عمل کرنے اور اس کو پھیلانے کے لئے مصنف کی اس کوشش کو بے مثل قرار دیا ہے۔یہ تفسیر ثابت کرتی ہے کہ جو سائنس کی انتہا ہے وہ قرآن کی ابتداء ہے۔ **Rs.500/-**

(12) قیامت اور حیات بعد الموت

یہ کتاب قرآن کریم، احادیث خاتم النبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور جدید سائنس کی روشنی میں تخلیق کائنات، مومن کا فلسفہ حیات، زندگی، موت، جسم، نفس، روح، ملائکہ اور جنات کے حقائق، عالم قبور، عالم برزخ، قیامت، آخرت، یوم الدین، جنت، دوزخ کے حالات پر بے مثل تحقیق کے بعد لکھی گئی ہے، جس کے متعلق ہزاروں پڑھنے والوں کی یہی رائے ہے کہ یہ کتاب انسان کے زمان و مکان میں سفر پر محققانہ، مدلل اور حقائق و تجزیات پر مشتمل ایک ایسا کلاسک کام ہے جس کا مطالعہ ہر ایک کے لئے ضروری ہے۔ **Rs.350**

(13) قرآن پاک: ایک چیلنج ایک سائنسی معجزہ

قرآن پاک اللہ تعالیٰ کا امر ہے۔اس کے نُور میں سے ایک نُور او رڈنیا کے ہر دور کے انسان کے لئے منبع ہدایت، زندگی کے رہنماء (Roadmap for Life) اور سب سے بڑی روحانی طاقت ہے لیکن آج کا دور اسلام اور مسلمانوں دونوں کے لئے چیلنج کا دور ہے۔زیرِ کتاب اس چیلنج کے جواب میں ایک سعی ہے۔وہ قرآن پاک، جس کے جدید سائنسی معجزات کے سامنے انسانی عقل بے بس ہوگئی ہے۔

Rs.150/-

(14) ماورے: انسان کی طبیعاتی اور ماورائی حقیقت

موت اور حیات بعد الموت کے انکشافات و مسائل پر تفصیلی مباحث۔ روح کیا ہے؟ جسم، زندگی، روح اور نفس میں کیا فرق ہے؟ زندگی اور موت کی حقیقت کیا ہے؟ کیا انسانی زندگی بڑھ سکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ کا قُرب کیسے حاصل کیا جاتا ہے؟ روحانی زندگی کیا ہے؟ روحانی ارتقاء کے لئے کیا کیا جائے؟

Rs.300/-

(15) الفوز العظیم (اللہ تعالیٰ کے ولی کی گائیڈ بک)

عظیم ترین کامیابی کیا ہے؟ رب کائنات سے دوستی کیسے ہوسکتی ہے؟ دُنیا و آخرت کی کامیابی کے لئے زندگی کی ترجیحات کیا ہونی چاہئیں؟ اولیاء اللہ کے اوصاف اور ان کی پہچان کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کا ولی بننے کے لئے آپ کو عملی طور پر کیا کرنا پڑے گا؟

Rs.200

(16) تلاشِ حقیقت

مصنف نے صوفیانہ انداز میں سائنس کو اس طرح رنگ دیا ہے کہ عام آدمی بھی اس مختصر کتاب "تلاش حقیقت" سے بہت مستفید ہوا ہے۔اس کتاب میں مصنف نے ذکر فکر اور تسخیر کے حوالہ سے جس طرح مومن کی شان کی تعریف کی ہے اس کا سمجھنا آج کل کے مسلمانوں کیلئے نہایت ضروری ہے۔ذکر شیطان کی تمام وارداتوں کو نا کام کرتا ہے فکر روحانیت کو بلندی کی طرف لے جاتا ہے اور عملِ تسخیر کی راہ کھولتا ہے۔تلاشِ حقیقت میں ذکر، فکر اور تسخیر یہ تینوں مومن کے اسباب ہیں۔

Rs.150/-

(17) چیلنج: کوئی خدا نہیں مگر اللّٰہ

ارض وسماء کی پہلی اور آخری حقیقت **لاالٰہ الا اللّٰہ** ہے۔نظر نہ آنے والے ایٹم سے لے کر ہمارا شمسی نظام اور کہکشائیں، غرض ہر ایک شے اور ہر ایک نظام اپنے خالق اور مالک کے ہونے کی گواہی دے رہا ہے۔انسانی حواس، عقل وشعور، دلائل اور سائنس، سبھی راستوں کی منزل

وجودِ باری تعالیٰ ہے۔ Rs.20

(18) قیامت سر پر ہے

قیامت کب آئے گی؟ اس کے بارے میں صحیح پیش بینی نہیں کی جا سکتی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا اپنا ایک راز ہے جس کو راز میں رکھنا اس کی مصلحت ہے۔ ایک پُرتجسس محقق اس کی آمد کے بارے میں قرآن وحدیث میں درج حقائق کی روشنی میں کچھ اندازے لگا سکتا ہے۔ -/Rs.20

(19) داڑھی

آج بہت سے مسلمان رواج سے مفلوج یا ذہنی طور پر بے دین عناصر کے سامنے مغلوب طرح طرح کی تاویلات سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس مبارک سُنت کی علی الاعلان بلا ناغہ مخالفت کرتے ہیں لیکن دین رسم نہیں جو اکثریت کی رائے یا طریقہ سے بدلہ جا سکے۔ اس لئے غیر مسلموں کا پراپیگنڈہ یا مسلمانوں کی بے راہ روی یا اسلام کے نام نہاد دانشوروں کی سوچ اس سُنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہمیت کو کم نہیں کر سکتی۔ -/Rs.30

(20) غذا: ہم کیا کھائیں، پیئیں، اور کیسے؟

جسم اور روح کی عمدہ صحت کے لئے خالقِ کائنات کی وحی اور اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سُنت کی روشنی میں خوراک کے موضوع پر ایک نہایت مفید کتاب جو ہر مسلمان کے لئے اچھی صحت کی ضمانت اور باعثِ برکت ہوگی۔ Rs.40/

(21) صراطِ مستقیم کا مسافر اور رُوح کی خوشبو

مسلسل جدوجہد، شاندار موت اور بقاءِ روح کے سچے واقعات پر مشتمل کہانی۔ -/Rs.40

پبلیشر: دار الحکمت انٹرنیشنل
60-C ، ناظم الدین روڈ، F-8/4، اسلام آباد Tel: 051-2282058-2260001
E-mail:-sbmahmood1213@yahoo.com , sbm@darulhikmat.com,
Web:- www.darulhikmat.com